مطالب القرآن

فی

دروس القرآن

ازغلام احمد پرویز رحمۃ اللہ علیہ

سُورۃ الزُّخرف • الدُّخان • الجاثیۃ
الأحقاف • مُحمّد

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ○ 25/بی، گلبرگ 2، لاہور

مطالب القرآن

فی

دروس الفرقان

سورۂ الزخرف - سورۂ الدخان - سورۂ الجاثیہ-

سورۂ الاحقاف- سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے دیے گئے دروسِ قرآن

قرآنِ مجید کی تفسیر خود قرآنِ مجید سے

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر منظور الحق

ادارہ طلوع اسلام رجسٹرڈ 25بی گلبرگ 2 لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	....	مطالب القرآن فی دروس الفرقان سورۃ الزخرف، سورۃ الدخان، سورۃ جاثیہ، سورۃ الاحقاف، سورۃ محمدؐ
دروس	....	از: جناب غلام احمد پرویز رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	....	بزمِ طلوعِ اسلام، لاہور
زیرِ اہتمام	....	ادارہ طلوعِ اسلام 25بی 2 گلبرگ، لاہور
	....	فون نمبر 5714546-5753666
ایڈیشن اول	....	مارچ 2013ء
مطبع	....	باقریونس پرنٹنگ پریس، لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام رجسٹرڈ کی طرف سے شائع کردہ لٹریچر کی جملہ آمدنی قرآنی فکر کو عام کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

سرٹیفیکیٹ تصحیح

سورۂ زخرف ۔ سورۂ دخان ۔ سورۂ جاثیہ ۔
سورۂ احقاف ۔ سورۂ محمد ۔

میں نے مطالب القرآن فی دروس الفرقان
کی مندرجہ بالا سورتوں کے متن کو بہ امعانِ
نظر سے پڑھا ہے الحمد للہ یہ ہر قسم کی غلطی
سے پاک ہیں لہٰذا تصدیق کی جاتی ہے کہ
ان کے متن میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

قاری عطاء اللہ

حافظ قاری
عطاء اللہ
(مستند)
پروف ریڈر تاج کمپنی لمیٹڈ
فون
0308-4259187

اسوۂ حسنہ

ہمارا ایمان ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد یا حضور ﷺ کے کسی عمل کی صداقت سے اِنکار کرتا ہے، ہمارے نزدیک وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا، اِس لیے کہ حضور ﷺ کے ارشادات و اعمالِ حیات سے تو وہ ماڈل ترتیب پاتا ہے جسے خدا نے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے۔ اِس اسوۂ حسنہ سے انکار، نہ صرف انکارِ رسالت ہے، بلکہ ارشادِ خداوندی سے انکار ہے۔ اس انکار کے بعد، کوئی شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟ اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس اسوۂ حسنہ کو خود قرآن میں محفوظ کر دیا ہے۔

[طلوع اسلام۔ اگست ۱۹۸۱ء]

قیصر و کسریٰ کے استبداد اور احبار و رہبان کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت کو آزادی سے ہم کنار کرنے والے قائدِ انسانیت ﷺ تجھ پہ لاکھوں سلام

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا ست
رحمۃ للعالمینی انتہا ست

[محمد اشرف ظفر]

CamScanner

انتساب

رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ کے نام

جو کافۃ للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی اُسی کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمد ﷺ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی وہ اسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبوی ﷺ میں اتاری گئی۔ شامِ جاں نواز نے جہاں کہیں بھی عطر بیزی وعنبر فشانی کی وہ لالہ و یاسمین کی ان ہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدی ﷺ کیا ہے؟ ان ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا۔ اور مقامِ محمدی ﷺ کیا ہے؟ ان ہی درخشندہ و تابندہ ذراتِ نادرہ کا پیکرِ حُسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو ان کے ستائش گروں کی غلو آمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے' یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے' یہاں ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہا قرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے' یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں' یہ پھول تھا۔ وہ ذرے تھے' یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے' یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے' یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے' یہ ملت تھی۔ وہ نقطے تھے' یہ خطِ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی' یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہا ست

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لیے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دیدیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور کسی اور ہادئ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لیے وہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظم ﷺ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر دیدہ ور پکار اٹھتا ہے کہ

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق ' دل بند و راہ مصطفےٰ رو

[معراجِ انسانیت ص ۷۴ از۔ علامہ پرویز رحمۃ اللہ علیہ]

CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات سورۂ الزخرف

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

پہلا باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 1 تا 18)
* دس منٹ کی دیری اور پرویزؔ صاحب کی تہنیت کہ یہ
صدا فردوسِ گوش سے جنتِ نگاہ بنے اور پھر ذوقِ نظر بھی ہو 37
* قرآنِ حکیم کی عظمت کے مختلف پہلو 39
* وحی کی عطا کردہ فکر تو عقلِ انسانی کو جلا بخشتی ہے اور
فلک بوس بلندیوں سے ہمکنار کرتی ہے 40
* ہزار سال سے ہماری عقل و فکر منجمد ہے' 1968ء میں لاہور
میں ہونے والے سیمینار میں شریکِ محفل علما کی
* حالتِ زار اور قرآنِ کریم سے عقل و فکر کا مقام 41
خارجی کائنات ہو یا انسان کی دنیا' علم کا سرچشمہ تو
* ذاتِ خداوندی ہی ہے 42
علمِ تصوف کے خدوخال کی بنیاد پر اہلِ تصوف کے
ہاں علم لدنی کی روحِ یقین اصطلاح 42
* خدائے حکیم کی طرف سے عطا کردہ علمِ وحی اور پہلی
قوموں میں انبیائے کرام کا نزول 42
* دلیل و برہان کی صلاحیت سے محروم شخصیت کی نفسیاتی
کیفیت اور نبی یا رسول کا صبر و استقلال 43
* استہزا سے پیدا ہونے والی کیفیت سے بچنے کا طریق
مگر دل کا کیا علاج؟ 44
* خدا کو سب مانتے ہیں' بڑے بڑے سائنسدان بھی
اور دہریئے بھی' خواہ وہ خدا کا نام بھی نہ لیں 44
* خارجی کائنات کے برعکس انسانی زندگی میں خدا کے
قانون کو ٹھکرانے کا نام ہی تو سیکولرازم ہے 45
* چودہ سو سال پیشتر سے عقلِ انسانی کو حیران کر دینے والا
قرآنی تصور مُھد اور تمہید 46
* بادلوں سے بارش کا برسنا لیکن ایک پیمانے کے مطابق مگر کیوں؟ 46
* انسان کو انسانی زندگی کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے
یہ پورا کائناتی نظام ہر آن سرگرمِ عمل ہے 47
* قرآنِ حکیم میں لفظ تقدیر سے مراد خدا کے قانون کو بیان کرنا ہے 47
* اصل سوال تو قدرت کی طرف سے ملنے والی صلاحیتوں
کو صرف کرنے کے طریق کا ہے 48
* مردِ مومن اپنے تمام معاملات اور اپنی تمام صلاحیتوں کو خدا کی طرف

CamScanner

لوٹاتا چلا جاتا ہے اور کافر اسے اپنی کاریگری کا نتیجہ سمجھتا ہے 49
* زندگی کے معاملات میں حقِ حکومت خدا کا ہے' یہ زبانی ماننا نہیں
ہے' یہ اُسے تسلیم کرنا ہے 49
* کسی شے کو خدا کا جز ماننے کا تصورِ عیسائیت اور
تصورِ وحدتِ وجود 50
* تصوف میں موت کی بجائے وصال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے 51
* مولانا رومؒ کی مثنوی کے اندازِ بیاں میں ہجر اور وصال کا احوال 52
* تصوف کی دنیا میں وصال کی منزل اور لفظ عرس کا مفہوم 52
* عیسائیت کے ہاں Nuns (راہبات) کا کردار
اور ہمارے ہاں کے اولیائے کرام 52
* قرآنی حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کا ذکر 53
* مختلف مذاہب میں جہالت پر مبنی باطل تصورات کے
علاوہ خود اپنی حالتِ زار کا ذکر 53
* ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اور خوں بہا کے سلسلہ میں عورت
کی مرد کے مقابلے میں آدھی قیمت کے ماجرے کی وضاحت 54
* عورت کی گواہی کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی وضاحت اور
انسانوں کی کوتاہی کی نشاندہی 56
* مملکتِ پاکستان میں بننے والے قانون شہادت کی نشان دہی 57
* آخر گھروں کے ماحول میں لڑکی کو پست سطح پر کیوں
ٹریٹ کیا جاتا ہے؟ 58
* عورت کی اس پستی اور زبوں حالی کا شافی علاج صرف
قرآنِ حکیم کی پیش کردہ آئیڈیالوجی میں ہے 58
* ہمارے ہاں کے تراجم میں عورت کا مقام 59
* فکرِ قرآنی کی روشنی میں پلنے والی تربیت یافتہ عورت
* فصیح البیان ہو جائے گی 59
* جنتی معاشرے کی بنیادی خصوصیات اور ان کے حصول کا ذکر 60

دوسرا باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 19 تا 25)

* رسول کی انقلابی شخصیت ہمیشہ ایک ہمہ گیر پروگرام کی حامل
ہوتی تھی اور علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتی تھی 62
* اہلِ کتاب کے باطل عقائد کے برعکس وحی کی منزہ تعلیم پر مبنی نبی
اکرم ﷺ کی دعوتِ قرآنی 63
* نزولِ قرآن کے وقت اہلِ عرب اور اہلِ ایران وغیرہ کی
ذہنی کیفیت اور عورتوں کے ساتھ ہونے والے سلوک کا ذکر 63
* ملائکہ کے متعلق غلط تصور کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی وضاحت 64
* ملائکہ کی مؤنث مذکر کی تفریق کرنے والوں سے
* قرآنِ حکیم کا ایک سوال 65
* چاہتے ہیں سو آپ کریں' ہم کو عبث بدنام کیا 65
* قرآنِ حکیم کے تراجم اور تفاسیر میں قدم قدم پر پائے جانے والے
اختلاف کی نوعیت اور قرآنی آیات کو منسوخ کرنے کا غلط تصور 66
* یہ سب کچھ خدا کرتا ہے' ہم نہیں کرتے' ہم تو برضا مرضیٔ مولا ہیں 67
* اپنی غلطی کو تسلیم نہ کرنا ابلیس کا شیوہ ہے جس کا نتیجہ
* زندگی بھر کی گمراہی ہے 68
* خدا کی مشیت کے حقیقی مفہوم کی وضاحت اور ذمہ
داری نہ نبھانے والوں کا انجام 68

CamScanner

* نظامِ سرمایہ داری کے حامل اشخاص کی طرف سے پیش
کردہ دلیل اور قرآنِ حکیم کا جواب 69
* ہم نے قرآنِ حکیم پر عمل کرنے کی بجائے قرآنی آیات کو
ہی منسوخ کر کے تضاد پیدا کرلیا 70
* تقدیر کا یہ سارا تصور مجوسیوں کی طرف سے وارد ہوا ہے'
* علم و دلائل پر مبنی نہیں ہے اور خلافِ قرآن کریم بھی ہے 71
* اسلاف پرستی جب ایمان بن جائے تو دلائل و براہین
اپنی قدر و منزلت ہی کھو دیتے ہیں 71
* قرآنِ حکیم کے بیان کردہ غیر متبدل اصولوں کے
* برعکس اسلاف پرستی کی اولیت کا عمل 72
* اسلاف پرستی کے مرضِ کہن کی آبیاری کا مقدس طریق 72
* خدا تعالیٰ کی طرف سے مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ کی دعوت پر
کفار کا جواب 73
* اسلاف پرستی کے متعلق قرآنِ حکیم کی ایک واضح تر آیت 74
* قرآنِ حکیم کے نزدیک لفظ تقلید کا لغوی اور قرآنی
* مفہوم اور ہمارے ہاں کے مقلد 75
* تصوف کی دنیا میں تقلید پرستی کا معیار اور
علامہ پرویزؒ کے ذاتی مشاہدات 75
* اجماعِ امت کا وہ خواب جو صدیوں سے شرمندۂ تعبیر نہ ہوا'
علامہ اسلم جیراجپوری علیہ الرحمۃ کی زندگی کا ایک تاریخی واقعہ 76
* تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا تھا'
* تم سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا تھا 78
* اسلاف پرستی تو عہدِ جاہلیت کی پیداوار ہے
مگر یہ بات کہنے کون دیتا ہے 79
* کسی پیغمبر کے نزدیک بھی اسلاف پرستی کو برحق تسلیم نہیں کیا گیا 80
* اسلاف پرستی میں معاشی مسئلہ سب سے بڑی رکاوٹ
ہوتا ہے' اور یہ ہے مسلکِ مترفین 80
* مترفین: محنت کیے بغیر پامال راستوں پر چلتے ہوئے دوسروں
کی کمائی پر عیش کرنے والے اور بات ہوئی ہے' حسن و قبح کی 81
* مترفین کے عمل کا جواب تو مکافاتِ عمل میں پوشیدہ ہوتا ہے:
ایک تاریخی شہادت 82
* تقلید پرست قوم عقل و فکر سے کام لینے والی
قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتی 83

تیسرا باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 26 تا 32)

* آڈیو کے ساتھ ساتھ ویڈیو پر درس کے سلسلہ میں
چند ایک گزارشات 84
* سمع اور بصر کے ساتھ فواد کے مقام کی نوعیت
اور تقلیدِ اسلاف کا مسلک 86
* ہر وہ قوم جو خدا کے دین کو مذہب میں بدل دے' وہ
دلائل و براہین کی نعمت سے ہی محروم ہو جاتی ہے' سمجھتی
ہی نہیں کہ یہ قرآن کریم اقوامِ عالم کے لیے ہے 87
* انسانیت کے لیے جمہورِ امت کا مسلک اور اسلاف پرستی
کوئی سند نہیں' سند تو صرف قرآن کریم ہے 88
* اسلاف پرستی کے سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کا سبق

CamScanner

آموز تاریخی واقعہ اور مترفین کا کذب 88

* نبوت پر اعتراض کہ انہیں ہی کیوں چنا گیا؟ اور ان کی جماعت کے غربا ہمارے ہی ہمدوش کیوں؟ 90

* گداگر میں اور مترفین میں کوئی فرق نہیں ہوتا' کیا معیار دولت ہے یا شرف انسانیت؟ 91

* نبوت ملنے کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ کے معیار کے برعکس مترفین کا معیار 92

* قرآنِ حکیم کی ایک اہم آیت کا پیش کیا جانے والا غلط ترجمہ اور اس کے اثرات 93

* خود ساختہ مذہب کو عام کرنے کے سلسلہ میں مذہبی پیشوائیت کی تکنیک 94

* کام کرنے کے عوض مزدوری کے ادا کرنے کا تصور ہی غیر قرآنی ہے 94

* نوعِ انسانی کے لیے ذرائع رزق اور انسانی صلاحیتوں کی تقسیم کسی انسان کی نہیں بلکہ خدا کی کی ہوئی ہے 94

* رزق کے معاملے میں سب سے پہلے زراعت کو اوّلیت حاصل ہے جس کے لیے کچھ قوانین متعین کر دیئے گئے ہیں 95

* ہزاروں قسم کی نعمتوں اور انتظامات کے لیے رزق کے حصول کی خاطر درخت کی سرسبز ٹہنیوں میں آگ کی حرارت کا عمل اور بھوکوں کے لیے سامانِ زندگی کا تذکرہ 97

* رزق کی تقسیم کے معاملے میں خدا اور بندے کے مابین اپنے اپنے حصے کی تقسیم کا ذکر 97

* خدائے رحیم کی طرف سے ربوبیت کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کا ارشاد 98

* مزدور کی مزدوری کے مروّجہ تصور کی نوعیت اور خداداد صلاحیتوں کا معیار 99

* خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر انسان کی نفسیاتی کیفیت میں پیدا ہونے والے فرق کی وضاحت 100

* انسانی دنیا میں معاشرتی' تمدنی اور معاشی کیفیات کے تحت پروان چڑھنے والی ذہنیت کا تجزیہ 100

* قرآنِ حکیم نے پوری نوعِ انسانی کے اختیار کردہ اکنامکس سسٹم کو رد کر دیا ہے 101

* ہزار سال سے ملتِ اسلامیہ میں ملوکیت' سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کا گٹھ جوڑ اور اختلافِ صلاحیت کا علاج 102

* انسانی صلاحیتوں کے باہمی اختلاف کے باوجود مساوات کو قائم کرنے کا ایک نسخۂ کیمیا اور زیادہ صلاحیتوں والے افراد کا جواب 103

* خدا تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کو ملنے والی نعماء کو ذاتی ملکیت سمجھنا یَجۡحَدُوۡنَ (16:71) ہے 104

* قرآنِ حکیم کے نزدیک انسانی معاشرے میں رزق کی تقسیم کے طریق کار کے سلسلہ میں انسانی صلاحیتوں میں تفاوت کی حکمت عملی کا کردار 104

چوتھا باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 33 تا 56)

* کمیونزم کے معاشی نظام اور قرآن کریم کے معاشی نظام میں فرق کرنے کے لیے علامہ اقبالؒ کا لنگ ہسبن کے نام خط 107

* مارکس کی ناکامی کی بنیادی وجہ جہاں وہ آ کر رک گیا۔
وہ تھی جذبہ محرکہ کی تلاش 107

* قرآنِ حکیم کے متعین مفہوم کے مطابق خدا کو عملی طور پر ماننے
کے لیے معاشی نظام کا اصول اور خدا پر ایمان لانے کی وضاحت 108

* وحی کے چراغ کے بغیر مارکس کے کمیونزم اور لینن کے
سوشلزم کی ناکام سعی و کاوش کی دل خراش داستان 109

* سرمایہ دارانہ نظام کو استحکام بخشنے کے لیے ایک گہری سازش 109

* خدا کو ماننے والوں کے مابین بنیادی فرق کی نشاندہی 110

* قرآنِ حکیم کے پیش کردہ معاشی نظام کے سلسلہ کی وہ
دو آیتیں جو نہایت ہی قابلِ غور ہیں 110

* انسانی صلاحیتوں میں فرق کی نوعیت اور اُن کی اہمیت 111

* معاشی نظام کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی تعلیم کا نکتۂ ماسکہ 111

* انسانی معاشرے میں قرآنِ حکیم کی طرف سے نافذ کی جانے والی
شرائط کے مقابلے میں کمیونزم، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کی حالت 112

* قرآنی نظام کو عملاً متشکل کیے بغیر ایمان لانے کا دعویٰ
خود فریبی پر مبنی ہے 113

* دولت کی بنیاد پر طبقاتی تقسیم کا فارمولا عالمگیر انسانیت کو
پارہ پارہ کرنے کا فارمولا ہے 113

* مختلف صلاحیتوں کی بنیاد پر گھریلوں زندگی میں طبقاتی
تقسیم نہیں ہوتی اور قرآنِ حکیم اسی قسم کا تصور پیش کرتا ہے 115

* سویڈن جیسی ویلفیئر سٹیٹ کی اندرونی حالتِ زار کی بنیادی وجہ 115

* دنیا کے نامور اکنامسٹ کی عالمگیر برادری کے لیے پکار 116

* ایک قرآنی لفظ متاع کے مفہوم کو عملی طور پر اپنائے
بغیر قرآن کریم کا معاشی نظام عملی شکل اختیار کر ہی نہیں سکتا 116

* سرمایہ داری کی آبیاری کرنے والے مصاحبوں کے مشورے 118

* انسان شیطان کے بہانے خود کو خود فریبی میں مبتلا کیے رکھتا ہے 118

* انسان کے سرکش جذبات انسان میں دیکھنے، سننے اور سمجھنے
کی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتے ہیں 119

* انسانی جذبات کو راہِ راست سے ہٹانے کے سلسلہ میں
مذہبی پیشوائیت کا کردار اور اس کا طریقِ کار 119

* قرآنِ حکیم کے پیغام میں رخنہ ڈالنے کی تدبیر کہ سیاہی کے 120

* قانونِ مکافاتِ عمل کے تحت بدعملی کا نتیجہ تو انسانی عمل کے
اندر ہی پوشیدہ ہوتا ہے مگر سمجھانا ضروری ہے 121

* وحی سے متمسک رہنے کا نتیجہ نیز لفظ ذکر کا تذکرہ اور
علامہ پرویزؒ کے ذکر کی سانپ کی لکیریں 122

* لفظ ذکر کا قرآنی مفہوم اور اگر الحق انسانی خواہشات
کے مطابق ہو تو پوری کائنات تباہ ہو جائے اور
پھر ارض و سما میں فساد ہی فساد برپا ہو 122

* خالص انسانی جذبات کی پیروی شرف کی بلندیوں سے
محرومی کی شکل میں سامنے آتا ہے: یہ ہے سَلَخَ 123

* قرآن کریم کے الفاظ میں وحی کی راہنمائی سے محروم
ہو جانے کا نتیجہ پیٹ کا نہ بھرنا ہے 124

* جوع الکلب یعنی ہوس کی وہ بیماری جس سے انسان کا پیٹ
ہی نہیں بھرتا: پوچھا اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی 125

CS CamScanner

* خدا کی طرف سے دنیا کے تمام مذاہب کی طرف انبیائے کرام آتے رہے ہیں 126
* قرآنِ حکیم کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کا سلوک ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے کہ صرف نیکیوں کے لیے گا کر پڑھو 126
* رب العالمین کی طرف سے فرعون کا جرم اور حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد 127
* مہلت کے وقفہ کے دوران قدم قدم پر انسان کے بدلتے ہوئے معاشرتی حالات اور اس کی نفسیاتی کیفیات کی نوعیت 128
* حضرت موسیٰ کی طرف سے پیش کردہ تعلیم کے خلاف قوم کے اندر فرعون کا پروپیگنڈا 129
* فرعون کے نزدیک خدا کا نبی ہونے کی نشانی سونے کے کنگن اور جلو میں ملائکہ تھی 130
* فرعون کے پروپیگنڈے کی نوعیت اور ہمارے اس دور میں انگریز کی چابک دستی کا عفونت انگیز ذکر 131
* پروپیگنڈے کا نفسیاتی اثر بڑا ہی دوررس ہوتا ہے، وہی فرعون نے برتا 131
* قوم اگر ذہنی طور پر مضبوط ہو تو پھر پروپیگنڈا بھی کوئی اثر نہیں کرتا 132

پانچواں باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 57 تا 62)

* نبی اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت مکے کے لوگوں کی حالت اور قرآنِ حکیم کا مطالبہ 134
* قرآنِ حکیم کے نزدیک مشرک ہونے کی تعریف احکامِ خداوندی کو نہ ماننا ہے اور ہم مسلمان؟ 135
* اہلِ کتاب میں اور ہم مسلمانوں میں ایک فرق کی نوعیت 135
* نبوت کے اعتبار سے کسی قسم کا فرق کرنا قرآنِ حکیم کے خلاف ہے، پھر بھی مشرکین عرب کا اعتراض 136
* انسان کو ایک آستانے کی اطاعت دنیا بھر کے آستانوں سے سرفراز کر دیتی ہے 137
* وحی کے سلسلہ میں رسول کی حیثیت تو ایک امین کی ہوتی ہے 138
* اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہنے کی بنیادی وجہ 138
* مذہب کی دنیا میں عبادت یا عبد کا مفہوم اطاعت کی جگہ پرستش میں بدل کر رہ گیا: یہ محکومیت ہے صرف خدا کی 138
* آزادی کی انتہائی شکل اپنے سرکش جذبات کو خیرباد کہتے ہوئے ربی بن جانے میں ہے 139
* حضرت ابراہیمؑ کا اسوۂ حسنہ نیز توحید کو اپنانے کی عملی شکل کہ پوری خارجی کائنات کو مسخر کرے 139
* توحید کو اپنانے کے سلسلہ میں ہماری سوچ کی انتہا 140
* حضرت عیسیٰؑ کی تعظیم و تکریم کے سلسلہ میں بنی اسرائیل کا اعتراض اور مکافاتِ عمل کی مدلل بات 140
* جنت کے حصول کا وہ معیار جو قرآنِ حکیم نے متعین کیا ہے 140
* جنت میں داخل ہونے کے سلسلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ اور ایک نئی کتاب کی ضرورت 141
* لفظ السَّاعَةِ کی تفسیر اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آسمانوں پر جانے کا عقیدہ 142

* حضرت عیسیٰ کے متعلق وضعی عقائد کی وجۂ جواز اور نوعیت 143
* بخاری شریف میں بیان کردہ واقعہ معراج کی روداد 143
* روایات کی روشنی میں معراج شریف کے تفسیری بیانات کے تحت نبی اکرم ﷺ کی حیثیت: کرسی صدارت کو ہی کیوں نہیں اٹھا دیتے 144
* حقائق کو نظر انداز کرنے سے ملتِ اسلامیہ پر پڑنے والے اثرات اور قرآنِ کریم کا انقلابِ عظیم 145
* قرآنِ حکیم کے ہاں حضرت عیسیٰ کی عظمت لیکن اس کے برعکس ہمارے اور عیسائیت کے ہاں پائے جانے والے تصورات 146
* انبیائے کرامؑ کی زندگی کا مقصد اور منتہا انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرنا ہوتا ہے 146
* ہیکل کے مذہبی پیشوائیت کے اختیارات کی نوعیت اور انقلاب لانے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کا اعلانِ جنگ 146
* حضرت عیسیٰؑ کے انقلاب لانے کی کوشش، بنی اسرائیل اور بنی ہاشم کا شریکا اور اناجیل میں ایک آنے والے کا ذکر 147
* حضرت عیسیٰ کا طرزِ بیان اکثر تمثیلات کی شکل میں پیش ہوتا تھا۔ اس کی ایک مثال 148
* یوحنا کی انجیل کی تاریخی حالت کہ اس کا ایک ایڈیشن دوسرے سے نہیں ملتا 149
* برنباس نے تو نبی اکرم ﷺ کا نام لکھ دیا ہے 149
* دنیا کی تاریخ بتا رہی ہے کہ نوعِ انسانی کا ہر قدم وحی کے روشن چراغ کے لیے ہی سرگرداں ہے 150
* حضرت عیسیٰ کی ہجرت اور سورۃ الاعراف کے الفاظ میں آپ کا آخری پیغام 150
* خاندانِ نبوت میں سے ہر نبی ہر رسول وحی کے آبِ حیات کو بتدریج دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا رہا 150
* السَّاعَۃِ کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت میں انقلابِ عظیم کا اعلان اور انسانیت کے صراطِ مستقیم کی نشان دہی 151
* قرآنِ حکیم تعلیم کے مطابق پیشین گوئی کا عمل خدا بن جانے کے مترادف ہے اور انبیائے کرام کو بھی اتنا ہی علم غیب تھا جتنا وحی سے بتا دیا گیا 152
* پیشین گوئی کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان اور قرآن کریم کا پیغام 152
* ہر گناہ کی ذمہ داری شیطان پر ڈالنے کا مقصد اپنی ذمہ داری سے راہِ فرار ہے 152
* خدا کے حضور ابلیس و آدم کا کردار اور اس کی لم: ذمہ داری اور غلطی کا اعتراف 153
* شیطان ذمہ داری سے فرار کا نام ہے اور اعمال کے عواقب میں ابلیس مایوسی کا مظہر ہے 153
* معاشرے میں غلطی معصیت اور لغزشوں کی پختگی کی بنیادی وجہ، اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرنا ہے 154

چھٹا باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 63 تا 80)

* قرآنی لفظ الساعۃ کے مروجہ تراجم کے تحت حضرت عیسیٰؑ کا قربِ قیامت آسمان سے نازل ہونے کا تصور 155
* وحی کی روشنی میں نبوت کا لایا گیا تمدنی، معاشرتی، معاشی اور

CamScanner

ذہنی انقلاب انسانی تصورات سے کہیں بلند تھا اور ہوتا ہے 156
* نبی اکرم ﷺ کے متعلق انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے بیانات اور
قرآنِ کریم کے برعکس عیسائیت کا ردِ عمل 156
* لفظ حکمت کا مفہوم اور ہمارے ہاں اس کا استعمال 157
* خدا کی طرف سے کتاب اور اس کے ساتھ حکمت دونوں
منزل من اللہ ہیں اور اقبالؒ نے اسے دانشِ نورانی کہا ہے 157
* دانشِ برہانی اور دانشِ نورانی کے علاوہ قومی رسالت
اور عالمینی رسالت میں فرق کی نوعیت 158
* فرقہ بندی کو ہوا دینے کی غرض سے مسجد ضرار کی تعمیر پر
قرآنِ حکیم کا ردِ عمل اور نبی اکرم علیہ السلام کو حکم 159
* فرقہ بندی کی موجودگی میں مذہب تو پروان چڑھتا ہے
لیکن دین کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا 159
* نوعِ انسانی کی حد تک اختلافاتِ باہمی کو ختم کرنے کا
ایک نسخۂ کیمیا: مرکزی اتھارٹی 160
* ایک امام کے نہ ہونے پر مسجد کے صحن میں اختلافات کی
محسوس شکل: میں خدا کی وحی سے اختلافات مٹانے آیا ہوں 161
* مسجد کے احترام کے لیے ضروری ہے کہ ہم تمام مساجد کے ماتھے
پر سے فرقہ واریت کے نام پر لکھے گئے اُن پتھروں کو مٹا دیں:
* امت میں اختلاف تباہی ہے 162
* آخری وارننگ کے باوجود سابقہ روش پر گامزن رہنے کا
نتیجہ عقل وشعور سے محرومی 163
* اگر السَّاعَۃَ قیامت ہے تو پھر اختلاف کا مٹنا کس کام کا؟
یہ الساعت انقلاب عظیم ہے 163
* معاشرتی سطح پر باہمی رشتہ داری کی نوعیت میں نظریاتی
ہم آہنگی کا کوئی دخل نہیں ہوتا 163
* نبی اکرم ﷺ کی طرف سے لایا گیا انقلابِ عظیم
خالصتاً نظریات کی پختہ بنیادوں پر استوار ہوتا ہے 164
* نظریاتی زندگی کے خدوخال کی قدرومنزلت کے مقابلے
میں ہر قسم کے تعلقات کی حیثیت کا معیار 165
* حضرت ابراہیمؑ کا اسوۂ حسنہ جو حنیفاً کے زیور سے آراستہ تھا 165
* اپنی طرف سے بار بار ہر نماز میں ''منہ طرف قبلہ شریف
کے'' کہے ہوئے الفاظ روبہ عمل ہونے کے منتظر ہیں
ورنہ گلیلیں بن جاتے ہیں 166
* نفسیاتی طور پر اگر ایک دوسرے کے اغراض ومقاصد
مختلف ہوں تو پھر تصورات میں بھی یک رنگی نہیں رہتی 168
* ایمان اور عمل لازم وملزوم ہونے کی بنا پر یہ
ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں 168
* زندگی ایک جوئے رواں ہے لہٰذا جنت اور جہنم کا تعلق
صرف آخرت سے ہی نہیں، یہاں بھی ہے 169
* لفظ زوج کا لغوی مفہوم ''کسی چیز کا وہ حصہ جس کے
بغیر وہ چیز بذاتِ خود مکمل نہ ہو سکتی ہو'' 170
* مذہب اور دین کے مابین جنت اور جہنم کے متعلق
پائے جانے والے تصورات میں فرق 170
* اس کرۂ ارض پر جنتی معاشرے کی خصوصیات کی نسبت

CamScanner

سے انسان جو کچھ چاہے گا اسے اس سے بھی زیادہ ملے گا 171
* جنتِ ارضی کے بعد جہانِ فردا کی جنت کا تمثیلی ذکر'
فردوسِ گوش کے ذکر سے بھی آگے ہے 171
* خدائے رحیم کی طرف سے اس کائنات کی تمام نعماء تو بلا مزدو
معاوضہ ملی ہیں لیکن جنت کا حصول انسانی اعمال سے مشروط ہے 172
* جہانِ فردا کی جنت اور جہنم کی نوعیت 173
* جہنم کا سب سے زیادہ تکلیف دہ عذاب مایوسی
کی شکل میں وارد ہوگا 174
* جہنم انسان کی طرف نہیں آتا بلکہ انسان خود اس کی
طرف سفر کرتا ہے 174
* جہنمی معاشرے میں ایک انسان دوسرے انسان کی
ملکیت بن کر رہ جاتا ہے 174
* ملکیت کی ایک اور ذلت آمیز شکل 175
* قرآنی معاشرے کے خدوخال یَوْمُ الدِّیْنِ کے
جیتے جاگتے تصور کا عملی مظاہرہ ہیں 175
* نظامِ ملوکیت میں انسان انسان کا غلام اور محکوم بن جانے
کی بنا پر ہر آن موت کا طلب گار بن کر رہ جاتا ہے 176
* قوموں کا سب سے بڑا جرم الحق بات سے سرکشی کرنا نہیں
بلکہ اس سے نفرت کرنا ہے 177
* کسی انسان کا کوئی عمل قدرت کے سی آئی ڈی نظام سے مخفی نہیں 177
ساتواں باب: **سورۃ الزخرف** (آیات 81 تا اختتام)
حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا ماننے کی جہت سے اس کی
پرستش کا معاملہ اور ہمارے ہاں کے تراجم کی نوعیت 179
* عربی زبان میں تو ایک زبر اور زیر کے بدلنے سے مفہوم
میں بنیادی فرق پیدا ہو جاتا ہے 180
* ہزار سال سے قرآنِ حکیم کے یہ غلط تراجم پیش کیے جاتے
رہے جن سے قرآنی تصورات نشو و نما نہیں پاتے 181
* لفظ یَخُوْضُوْا کا قرآنی' لغوی مفہوم اور جہنم میں
جانے کی بنیادی وجوہات 181
* لفظ لعب کا قرآنی مفہوم 182
* ارض و سما میں حاکم صرف خدا کی ذات ہے وہی الٰہ ہے 183
* آج کا انسان انسانی دنیا میں اللہ کو حاکم تسلیم کرنے سے
قاصر ہے کیونکہ اصطلاحات کے معنی بدل دیئے گئے 183
* دروسِ قرآن کے دوران قرآنی حوالہ جات کی اہمیت کا
اظہار اور ارض و سما میں الٰہ کا ماننا 184
* دراصل خدا کو ارض و سما میں صاحبِ اقتدار تسلیم کرنا ہی
* خدا کو ماننا ہوتا ہے اور یہی تحریکِ پاکستان کی بنیاد تھی 185
* قرآنی حکومت کا قیام اور استحکام خدا کے قوانین پر ہے'
انسانوں کے قوانین پر نہیں 185
* کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان
پر حکومت کرے مگر آج یہ ساری دنیا میں ہو رہا ہے 186
* خدا تعالیٰ نے کسی کو بھی شریعت کے قوانین بنانے کی
اجازت نہیں دی مگر ہم یہ قوانین وضع کرتے ہیں 187
* تقلید پسندی کی بنیاد پر اسلاف پسندی اور حلال و حرام

CamScanner

کے سلسلہ میں مرتب کی جانے والی لسٹوں کی کیفیت 187
* انسان کی آزادی کا حق پوری انسانیت کے لیے ہے
جو چھینا ہی نہیں جا سکتا 188
* قرآنِ حکیم کے ساتھ قرآن کی مثل کا عقیدہ، زانی کے لیے
سنگساری اور وراثت کے معاملہ میں وصیت کا قصہ 188
* قرآنی حکم کے برعکس مذہب میں غلامی کو بحال رکھنے کی
اجازت اور پھر لونڈیوں کے قصے اور ان کے حقوق کا ماجرا 189
* نکاح کے سلسلہ میں قرآنی احکام کے برعکس شریعت
کی افسوس ناک اصول پرستی 189
* مملکت کے اندر دوسری مملکت کا راج یا اس کی
شراکت شرک کہلاتا ہے 190
* قرآنِ حکیم کے الفاظ کا مفہوم بدلنے کا نتیجہ ذہنی پسماندگی کی شکل
میں ظاہر ہوتا ہے اور اب فرقہ پرستی میں یہ بھی ہے اور وہ بھی 191
* علامہ پرویزؒ کی تحریکِ پاکستان کے دوران قائدِ اعظمؒ کے
ساتھ رفاقت کا ذکر، اس کی نوعیت اور قوم میں تفرقہ 192
* انسانی دنیا میں سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی
جہالت انسانوں کا انسانوں کے سامنے جھکنا ہے 193
* خالقِ کائنات کے نزدیک شرک کا عمل انسان کو پست
ترین سطح پر پہنچا دیتا ہے 193
* ذلت اور پستی کی وضاحت قرآنِ حکیم کے آئینہ میں 193
* قرآنِ حکیم کی ایک اہم آیت کا ذکر: تمہارے تمام اعمال
مکافاتِ عمل کی میزان کے سامنے آنے والے ہیں 194
* خدا کے حضور کوئی دوسرا کسی دوسرے کی شفاعت
(سفارش) نہ کر سکے گا 194
* میدانِ حشر میں ہمارے متعلق خدا کے رسول ﷺ کا ارشاد 195

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات سورۃ الدخان

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

پہلا باب: سورۃ الدخان (آیات 1 تا 16)

* زیرِ نظر قرآنی آیت کے حقیقی مفہوم کے برعکس مروجہ تراجم کی نوعیت 199
* قرآنی تعلیم کے مطابق قانون کی واقفیت سے آگاہ کیے بغیر سزا کا تصور بالکل غلط ہے 199
* حق و باطل کا امتیاز صرف وحی کی راہنمائی سے ہی ممکن ہے اور جانچ کا یہ پیمانہ قرآنِ کریم نے دیا ہے 200
* قرآنِ حکیم انسانوں کے لیے اقدار کا تعین کرتا ہے جو واضح بھی ہوتی ہیں اور لاریب بھی 202
* نزولِ قرآن کے وقت انسانی تمدن کی کیفیت: مکمل تاریکی 203
* قندیلِ آسمانی رسی اور سانپ کے فرق کو واضح کر دیتی ہے 204
* قرآنِ حکیم کی روشن تعلیم پر عجمی اثرات کی بھرمار 204
* تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کی طرف سے مسلمانوں کے ہاں وارد ہوا 205
* تقدیر کے عجمی تصور سے مکافاتِ عمل کے غیر متبدل قانون کی نفی ہوتی ہے 206
* شبِ برات کا تصور عباسیوں کے زمانے میں مجوسیوں کا پیدا کردہ ہے 206
* قرآنِ حکیم میں لیلۃ القدر کی اہمیت کا ذکر تو نزولِ قرآن کی عظمت کی نسبت سے کیا گیا ہے 208
* ہمارے ہاں کی تفسیروں میں آسمانوں کی ہیئت کی وضاحت اور پھر عرش کی کیفیت 208
* قرآنِ حکیم کے پیش کردہ حقائق اور رسالت کا فریضہ 209
* قرآنِ حکیم کے پیش کردہ نظام کی خصوصیات 210
* امیر المومنین کا فریضہ شام کے صحرا میں ایک بڑھیا نے بتایا اور حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت 211
* قرآنِ حکیم اور کائناتی علوم کے سلسلہ میں فکرِ انسانی کو دعوتِ عام ہے اور یہ بھی کہ خدا اپنے حقِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا 212
* لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر تشکیل پانے والے معاشرے کی خصوصیات اور ریاستِ سوات کا ایک حقیقت کشا واقعہ 213
* اگر قرآنی حقائق پر یقین نہ رہے تو پھر زندگی سوائے لعب اور کھیل کود کے کچھ نہیں رہتی 214
* قرآنِ حکیم کی محاوراتی زبان اپنے اندر بڑا وسیع مفہوم لیے ہوئے ہے 214
* توبہ کے بعد توبہ پھر توبہ اور آخری دم تک صرف توبہ: نتیجہ تباہی 215

* قرآنِ حکیم کے متعلق پیدا کیے جانے والے ابہام:
یہ واضح نہیں ہے 216
* نبی اکرم ﷺ کے متعلق کفار کی غلط روش 216
* ظہورِ نتائج سے پہلے مہلت کا وقفہ بھی ایک نعمت ہے 217

دوسرا باب: **سورة الدخان** (آیات 17 تا 37)

* قرآنِ حکیم کے نزدیک تاریخی شواہد کو پیش کرنے کا مقصد اپنے
اٹل قوانین کی صداقت کو ثابت کرنا ہوتا ہے 218
* قرآنِ حکیم میں داستانِ حضرت موسیٰؑ اور فرعون
کے ذکر کا مقصد 219
* آزادی اور محکومیت کے بنیادی اصولوں کے خدوخال
اور ان کی وضاحت نیز لفظ اَدُّوْا کا حقیقی مفہوم 220
* تصوف اور نبوت میں بنیادی فرق ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک
دوسرے کی ضد ہیں اور نبی کی پوزیشن 221
* نبوت کے خاصے کے بعد امتِ مسلمہ کا فریضہ اور حضرت موسیٰؑ
کو فرعون کی طرف سے سنگسار کرنے کی دھمکی 222
* حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے ایک ہی مطالبہ تھا کہ وہ
خدا کے بندوں کو خدا کے حوالے کر دے 223
* قومِ موسیٰؑ کی حالتِ زار کے علاج کے سلسلہ میں
خدا کی طرف سے راہنمائی 223
* ہجرت کے دوران اختیار کردہ تدابیر کا مختصر سا ذکر 224
* Dead Sea (بحرِ مردار) کا احوال اور اسے عبور کرنے
کے سلسلہ میں تورات کے اتباع میں ہمارے ہاں کا
تفسیری بیان اور اس کی حقیقت 224
* قرآنِ حکیم غیر فطرتی سوچ کے اصولوں کو پیش نہیں کرتا 225
* سمندر کو عبور کرنے کے سلسلہ میں موجودہ تحقیقی انکشاف
کے علاوہ قرآنِ حکیم کا بیان 226
* قرآنِ حکیم کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو سمندر میں
خشک راستے کی نشاندہی کی گئی 226
* حضرت موسیٰؑ کا سوٹا مار کر پانی کو دو حصوں میں بانٹ دینے
کا قصہ تورات کا ہے اب وہ بھی انکار کرتے ہیں 227
* حضرت موسیٰؑ کے دور کے واقعات چودہ سو سال
پہلے بیان کرنا بذاتِ خود ایک معجزہ ہے 228
* قانونِ مکافاتِ عمل کے تحت فرعون جیسی سرکش حکومت تباہ ہوگئی 228
* ظالم کے انجام پر نہ آسمان روتا ہے اور نہ زمین لیکن
بنی اسرائیل کو نجات دلا دی 229
* ذلت آمیز عذاب میں انسان کی عزتِ نفس تک باقی نہیں رہتی 229
* وحی کی روشنی اور استبداد کی بنیاد پر حاصل کردہ برتری میں فرق 230
* لفظ بلا کا حقیقی مفہوم 230
* کوئی نظام بھی کیوں نہ ہو وہ نتیجہ پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتا 231
* استبداد کی بنیادوں پر قائم کردہ نظام میں پیدا ہونے والی
* انسانی ذہنیت کے خدوخال 231
* آج انسانیت کی دنیا میں تمام تر جرائم کی بنیادی وجہ آخرت
پر ایمان کا نہ ہونا ہی ہے 232
* جرم کی بنیادی تعریف آج دنیا بھر میں ہر قوم کا عملی مظاہرہ ہے 232
* علامہ پرویزؒ نے اپنی عمر کے تقاضوں کے پیش نظر
کمزوری کے باعث 2۔اکتوبر 1981ء کو درس کا

وقت ڈیڑھ کی بجائے ایک گھنٹہ کر دیا تھا 233

تیسرا باب: **سورۃ الدخان** (آیات 38 تا اختتام)

* اس قدر محیر العقول سلسلہ ارض و سما کو پیدا کرنے کا مقصدِ عظیم 235
* کائنات کے متعلق اڑھائی ہزار سال سے یونان کے حکما کا وہ فلسفہ جس نے آج تک دنیا بھر کو متاثر کر رکھا ہے 235
* کائنات کو الحق تصور کرنے والی قوموں کی عملی زندگی کا نتیجہ اور ہم کہ "تو ہے، تجھے جو کچھ نظر آتا ہے 'نہیں ہے'" 236
* مغرب کی فکر تسخیر کائنات کے عمل کے بعد ابھی حقوق انسانیت کے تصور تک نہیں پہنچی، وہاں جنگل کا قانون ہے 236
* اہلِ مغرب نے خارجی کائنات کی اقدار کو تو تسلیم کیا مگر انسانی زندگی کی اقدار کو تحقیقی نظر سے نہیں دیکھا 237
* کائنات کا ذرّہ ذرّہ انسان کے ہر عمل کا نتیجہ ہر آن مرتب کرنے کے لیے سرگرم عمل ہے 237
* طبعی زندگی کے علاوہ انسانی ذات پر انسانی اقدار کی نتیجہ خیزی 238
* یہ خارجی کائنات قانونِ مکافات کے تحت نتائج کو ساتھ کے ساتھ کس طرح مرتب کرتی چلی جاتی ہے اس پر ابھی تحقیق ہونا باقی ہے 238
* انسانیت کی مستقل اقدار کی اہمیت اور ان کے اثر انداز ہونے کا طریق یقیناً سامنے آ کر رہے گا 239
* عیسائیت کی تعلیم کے علی الرغم قرآن حکیم کے ہاں عدل اور رحم دو متضاد چیزیں نہیں ہیں 240
* قرآنِ حکیم کی ساری تعلیم اس کے مقرر کردہ اقدار کے ہی گرد گھومتی ہے 240
* جہانِ فردا کے سلسلہ میں جنت کے متعلق تمام کا تمام ذکر قرآن کریم نے تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے 240
* قرآنی الفاظ کے مجازی مفہوم کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کے آخری دو پاروں کی اہمیت 241
* جہنم کا تمثیلی بیان اور لفظ زقوم کا مجازی مفہوم 241
* جہنم میں جانے والوں کی تمام صلاحیتیں مضمحل ہو چکی ہوں گی 242
* لفظ اثیم کا مفہوم یعنی دوسروں کی محنت پر عیش کرنے والے جن میں پرواز کرنے کی ہمت ہی باقی نہ رہتی ہو 242
* نظامِ سرمایہ داری کی بنیاد پر حاصل کردہ رزق انسانی صلاحیتوں کو سلب کر دیتا ہے اور ہوس کو باقی رکھتا ہے 243
* ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی ہوس انسان کے سکون کو برباد کر دیتی ہے 243
* اگر زندگی کا مقصد متعین کر لیا جائے تو پھر انسان کا ہر قدم اسی کی طرف اٹھتا ہے 244
* سرمایہ دارانہ ذہنیت کا انجام 245
زندگی کا دوسرا رخ، دوسری سوچ 245
* زندگی کا اصل مقصد انسانی عقل کو صحیح نہج سے استعمال کرنا ہے 247
* شادی کے سلسلہ میں لفظ زوج کا حقیقی مفہوم اور اس کے لوازمات 248
* یہاں کی زندگی کے بعد جہانِ فردا کی زندگی حیاتِ جاوید کی صفات کی حامل ہوگی 248
* خدا تعالیٰ نے انسانیت کے لیے جو کچھ کہنا تھا وہ آخری مرتبہ کہہ دیا 249

CS CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مشمولات سورۃ الجاثیہ

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

پہلا باب: سورۃ الجاثیہ (آیات 1 تا 17)

* عقلِ انسانی کے تجرباتی طریق اور وحی کی عظمت میں ایک بنیادی فرق ہے 252
* دین کے برعکس مذہب کے نزدیک خارجی کائنات کی اہمیت کو ہمیشہ نظرانداز کیا جاتا ہے 253
* کائناتی قوتوں کو مسخر کرنے کی اہمیت سے آگاہی مومن کی میراث ہے 253
* قرآنِ حکیم کے نزدیک سماوات والارض کی حقیقت مقامِ مومن کا ذکر اور آیت کا مفہوم 254
* قرآنِ حکیم کے ایک ایک لفظ کی اہمیت اور اس کو سمجھنے کی ضرورت 255
* اختلافِ لیل ونہار، موسموں کا بدلنا اور ہواؤں کی سمت کا بدلنا آیات اللہ ہیں، جنہیں حق کے ساتھ نازل کیا جاتا ہے 255
* خدا پر ایمان لانے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت 256
* کائنات کو مسخر کرنے کے بعد اس کے ماحصل کو صرف کرنے کی پہلی شرط اقدارِ خداوندی کو ملحوظ رکھنا ہے 257
* مغربی قوموں کے طرزِ عمل کا نتیجہ اور ہماری حالتِ زار اَثِیۡمٌ بھی اور اَفَّاكٌ بھی 257
* لفظ اَفَّاكٍ کا حقیقی مفہوم اور آئینۂ مشرق و مغرب 257
* آج ملتِ اسلامیہ میں قرآنِ حکیم کا پرچار صرف خودساختہ تصورات پر مبنی ہوتا ہے، وہ اسے سنجیدگی سے نہیں لیتی 258
* عذاب کا لفظ صرف قیامت کے لیے ہی نہیں بلکہ زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے تو اعمال کے نتائج کے شعلے بھڑکتے ہیں 259
* سیلاب نہ پرسد در میخانہ کجاست جہنم کا عذاب انسانی ہڈیوں کو توڑ دیتا ہے 259
* غلط معاشرے کے فرسودہ اعمال کی وجہ سے نتائج کی آخری شکل، انسان کا کردار مگر تو اپنی جان کو ہلکان نہ کر 260
* تسخیرِ کائنات کی اہمیت اور قانونِ خداوندی کا تذکرہ 261
* کیا یہ خدا تعالیٰ کا احسانِ عظیم نہیں کہ یہ پوری کائنات اس ذاتِ ربِ کریم نے انسان کے سپرد کر رکھی ہے کہ وہ اسے تسخیر کرے 261
* اس محیرالعقول سلسلۂ کائنات کو مسخر کرنے کے لیے عقل و فکر سے کام لینا اولین شرط ہوگا تاکہ ڈوبتوں کو بچائے 262

* زندگی بھر کے لیے مومن کا فریضۂ حیات 262
* ایصالِ ثواب کے غلط تصور کا نتیجہ جبکہ قرآنِ حمید نے کہا ہے
کہ اعمال اپنی ذات پر اثر انداز ہوتے ہیں 263
* انسانیت کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ ہر قوم کو اپنا بوجھ خود ہی
برداشت کرنا پڑے گا: قوم بنی اسرائیل کی مثال 264
* تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں ہماری نیشنلسٹ علما کے
ساتھ مخالفت کی اصل وجہ مگر اختلافات پیدا ہوئے 264
* فرقہ بندی کی بنیادی وجہ احبار و رہبان کے نزدیک اپنی اپنی
باہمی انا کو صرف دوام بخشا ہوتا ہے 265
* صدیوں سے امتِ واحدہ کے حسین چہرے کو ہماری مذہبی اور
سیاسی فرقہ بندی کے غیر قرآنی تصور نے داغ دار کر رکھا ہے 266

دوسرا باب: **سورۃ الجاثیہ** (آیات 18 تا 26)

* گزشتہ سے پیوستہ 267
* عربوں کے ہاں شریعت کا مفہوم اور دین اسلام کا تعلق 268
* شریعت کے بارے میں اربابِ اقتدار کی الجھن 269
* دین میں شریعت اور مشورہ کی ضرورت مگروحی میں نہیں 270
* شریعت کو ابدیت در کنار قرار دینے کا نتیجہ اور مملکتِ پاکستان 270
* شریعت، اتباعِ سنت اور قوانین خداوندی کی مثال 271
دین اور بینات کا تعلق 272
دین میں بینات سے سرکشی کے لیے شمشیر خارہ شگاف
ی نازل کی گئی 273
* انسانی صلاحیتوں کی نشوونما، دین کے بینات اور علمی سطح
کے تقاضے کہ ایسا کیوں کیا جائے؟ 274
* انسانوں کے دو گروہ اور ان کا تفاوتِ حیات و موت 275
* خارجی کائنات کا مقصدِ حیات کہ انسان کا کوئی
عمل نتیجہ پیدا کیے بغیر نہ رہے 277
* علم کے باوجود تباہی کیوں؟ اس تباہی کا قرآنی حل
اور انسانی کوشش 279

تیسرا باب: **سورۃ الجاثیہ** (آیات 27 تا اختتام)

* قرآنِ حکیم کی ایک نہایت ہی اہم آیت اور
لفظ اَلْمُبْطِلُوْنَ کا حقیقی مفہوم 283
* معاشرتی طور پر کیا کرۂ ارض پر کوئی گوشہ بھی ایسا ہے کہ
جہاں خدا کا قانون عملی طور پر نافذ العمل ہو 284
* ریاست سوات کی ایک محفلِ تقریب میں پیش آنے والے
* ایک اہم واقعہ کی روداد جو لفظ مُبْطِلُوْنَ کی مکمل تفسیر ہے 285
* مملکت پاکستان کا بنیادی مطالبہ اور پھر اس نظریہ کے ساتھ
روا رکھا جانے والا سلوک 286
* قرآنِ حکیم کے ہاں قوموں کے لیے جنت و جہنم کا معاملہ ان
کے اختیار کردہ نظام پر مبنی ہوتا ہے 287
* انسانی اعمال نامہ کی نوعیت اور قرآنِ حکیم کا فرمان 287
* قرآنِ حکیم نے اپنے ہاں فوز کا تصور پیش کیا ہے نجات کا
مذہبی تصور نہیں 288

CamScanner

* مختلف مذاہب میں نجات کے عقیدے کی وضاحت 288
* فوز کے تصور کے پیشِ نظر سلسلۂ ارتقا کی وضاحت، پھر ہم کس کیٹیگری میں آتے ہیں؟ 289
* جرائم کے ارتکاب کی بنیادی وجہ اور اس کا علاج 291
* جرائم کے انسداد کا علاج مواخذے کا یقین کیے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا 292
* سزا باہر سے نہیں ملتی بلکہ ہر عمل کی سزا تو اس کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے 292
* لفظ توبہ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کا ازالہ کرے 293
* توبہ کی قبولیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان موت سے پہلے ہونے والے نقصان کا ازالہ بھی کرے 294
* جہنم اور جنت کی زندگی اور اس دنیا کی زندگی میں اصلاح کا عمل 294
* خدا کی حکومت کا مفہوم اس کا بنیادی فریضہ اور اس کے اختیارات کی وضاحت 295
* آسمانوں کی طرح کرۂ ارض پر انسانیت کی ربوبیت کا سورج اس وقت طلوع ہوگا جب پوری انسانیت اس کے لیے عملاً اٹھ کھڑی ہوگی 296

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات سورۂ الاحقاف

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

پہلا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 1 تا 9)

* وحی کے سلسلہ میں تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ کے الفاظ کا استعمال کیوں؟ 299
* خدا کی ذات انسانی تصورات سے ماوراہونے کے علاوہ ازل
* اور ابد کی صفات کی حامل بھی ہے 300
* صفاتِ خداوندی بیان کرنے کا مقصدِ عظیم 300
* قرآنِ حکیم کے نزدیک عزیز اور حکیم صفات کی اہمیت اور وضاحت 301
* یونان کے سقراط اور پلیٹو کی شخصیات کا وحی کی روشنی سے محروم ہونے کا نتیجہ رائے تو تھی مگر قوت نہیں 302
* ہلاکو چنگیز اور ہٹلر کی قوتِ بے رائے کا ما حصل: وحشت اور بربریت کیونکہ قوت اور حکمت یک جا نہیں تھیں 302
* مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی سازش کی شکل وصورت: تصوف؛ جس سے دانش وبینش سے دُوری بھی اور قوّت سے بھی محرومی ہوئی 302
* یونان کی تباہی کی اصل وجہ اس کائنات کے متعلق پلیٹو کا فلسفہ تھا جو وحی سے دُوری کا باعث بنا 303
* پرویز صاحبؒ کے پیش کردہ دروسِ قرآن کو محفوظ رکھنے کی تاکیدی وضاحت اور مقصدِ کائنات 304
* سعدی کے کے نزدیک کائناتی قوتوں کے عمل دخل کا نتیجہ اور انفس وآفاق کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی وضاحت 305
* اس مادی کائنات کے متعلق ہندوؤں کے فلسفہ کے برعکس قرآنِ حکیم کا فرمان 306
* لفظِ توحید کا قرآنی مفہوم یہ ہے کہ پوری کائنات انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے اور یہ کہ کسی انسان کو کسی پر حکومت کا حق ہی نہیں ہے 307
* انسان کسی چیز کو تخلیق تو کر سکتا ہے لیکن پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی قانونِ فطرت میں داخل انداز ہو سکتا ہے 307
* آج کرۂ ارض پر ہم مسلمانوں کی حالتِ زار کی اصل وجہ 309
* جہانِ فردا میں روزِ محشر اہلِ قبور کی طرف سے اظہارِ خیال 310
* عقلِ انسانی کو ہمیشہ کے لیے قرآنِ حکیم کا ایک کھلا چیلنج 310
* دنیا کے سامنے نبی اکرمؐ کا دعویٰ اور اس دعویٰ کے تعمیری نتائج 311
* حق کو ثابت کرنے کے لیے نبی اکرمؐ کی عملی زندگی کے خدوخال 312
* قرآنِ حکیم کی طرف سے پیش کردہ نظام کی قوتِ ثابتہ کا اظہار 313
* انبیائے کرامؑ میں سے کوئی نبی بھی مافوق البشر شخصیت نہ تھی 313

* نبی اکرم ﷺ کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی
آرزو کے سلسلہ میں خدائے علیم کا جواب 313
* علامہ پرویزؒ کے رفقاء کا پرویز صاحبؒ سے ایک اہم سوال اور
پھر قرآن کریم کی روشنی میں اُن کی طرف سے اِس کا جواب:
انسانی زندگی میں اکثر معاملات میں مایوس ہونے کی
اصل وجہ اور اس کے حل کے لیے ایک نسخۂ کیمیا 314

دوسرا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 10 تا 14)

* بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کی ہفتہ واری
درسِ قرآن میں شرکت 316
* حضور ﷺ کی مخالفت کی وجہ، اہلِ عرب کے تفاخر کا تعارف،
قریش کی اہمیت اور اُن کا نظامِ سرمایہ داری وتجارت 317
* عیسائیوں کے بالمقابل یہودی بڑے متشدد واقع ہوئے 317
* نبی اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برپا کرنے والے
انقلاب میں بڑی مماثلت تھی 318
* سچائی کو نظر انداز کرنے کی خاطر مفاد پرستی اپنے
اندر کئی پہلو لیے ہوتی ہے 319
* قرآنِ حکیم کی عظمت اور اس کی فراخ دلی کی ایک مثال 319
* مذہب خواہ کوئی بھی ہو وہ انسان کو تنگ نظری کے چنگل
میں گرفتار کیے رکھتا ہے 320
* خاندانِ نبوت کے سلسلہ میں قرآنِ حکیم کی بلند نگہی
اور ہم مسلمانوں کا فریضہ 320
* قرآنِ حکیم نے دوسرے مذاہب کی آسمانی کتابوں کی
حامل امتوں کو امام کے لقب سے پکارا ہے 321
* لفظ امام کا لغوی اور قرآنی مفہوم، پرویزؒ کی قلبی کیفیت
اور ہماری حالت 322
* ہمارے ہاں لفظ مصدق کے استعمال کے سلسلہ میں
ایک غلط نگہی کی وضاحت 322
* لفظ نذیر کا حقیقی مفہوم ڈرانے والا نہیں بلکہ
آگاہ کرنے والا ہوتا ہے 323
* خوف اور حزن کا لغوی مفہوم 324
* ''میرا رب اللہ ہے'' کے الفاظ کہنے کا عملی مقصد، اس
کا نتیجہ اور ہندوستان میں ''اَن داتا'' کا تصور 324
* لفظ رب کے اندر قرآنِ حکیم کا ایک پورا معاشی نظام مضمر ہے 325
* قرآنِ حکیم کے مطابق رب کے معاشی نظام کو عملی شکل دینے
کا ماحصل فرشتوں کے نزول کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے 326
* لفظ حزن کا لغوی مفہوم اور جنتی معاشرے کا حُصول 326
* رب العالمین کے نظامِ ربوبیت کی عظمت 327
* زندگی کی ارتقائی منازل کے زادِ راہ کی نوعیت کو کوئی
انسان ابھی یہاں سمجھ ہی نہیں سکتا 328
* انسان اپنے پورے اختیار وارادہ کے ساتھ تو وہی
کچھ چاہے گا جو اس کا خدا چاہتا ہے 328
* ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم رَبُّنَا اللّٰهُ (46:13) کا وظیفہ
کرتے ہیں اور روٹی مانگ کر کھاتے ہیں 329
* انسان کا خیرات کے طور پر کسی کو دینے اور خدا کے دینے میں
ایک بنیادی فرق ہے 330
* بخشش کی جنت اور انسانی اعمال میں استقامت کی بنیاد

پر حاصل کردہ جنت میں فرق 330
* گم گشتہ جنت کو حاصل کرنے کا طریق 330

تیسرا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 15 تا 16)

* انسان کی حیوانی زندگی کی نشوونما اور حیوان کی پرورش
کے مراحل کا ذکر 332
* والدین کے بڑھاپے میں اولاد کا فریضہ 333
* ماں باپ کی اطاعت کو قرآنِ حکیم نے کہیں فرض قرار نہیں دیا 333
* قرآنِ حکیم جذبات کی بجائے حقائق کو پیشِ نظر رکھتا ہے
اور ماں باپ کی اطاعت کو فرض نہیں قرار دیتا 334
* والدہ کے لیے بچے کی پرورش کے سلسلہ میں مختلف مراحل کا
ذکر اور بچے کو دودھ پلانے کی مدت کا معاملہ 335
* والدین کی طرف سے پرورش اور اولاد کی طرف سے
اظہارِ تشکر اور نیک تمناؤں کا اظہار 336
* انسانی حسنِ عمل کی قبولیت کے علاوہ سیّأتِ کے سلسلہ میں
شفاعت اور بخشش کی نوعیت' نظریۂ ارتقاء کی روشنی میں 337
* انسانی زندگی کی بقا' یا اس کی بخشش انسان کی تعمیری قوتوں
سے تخریبی قوت کو شکست دینے میں ہی مضمر ہے 338
* انسانی ذات تو اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی
جہانِ نو کی طرف گامزن ہے 339
* مختلف مذاہب میں سیأت کے نتائج سے نجات حاصل
کرنے کا تصور 340
* زندگی بھر خسارے میں رہنے والوں کی نشان دہی 341
* فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ (18:105) کے سلسلہ کی دو ایک
محسوس عملی مثالیں 342
* حیاتِ انسانی کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نظامِ زندگی
میں خودساختہ قوانین کی دخل اندازی سب سے بڑی بغاوت ہے 343
* تخریبی قوتوں کی جگہ تعمیری قوتوں کا زیادہ وزن انسان
کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے 344
* انسانی زندگی کے لیے سب سے زیادہ غور طلب اور
بنیادی مسئلہ ثواب کے قرآنی مفہوم کو سمجھنا ہے 344
* صرف قرآنِ حکیم کی راہنمائی ہی صدیوں سے الجھے ہوئے
انسانی ذہن کو جلا بخشنے کا واحد ذریعہ ہے 345
* اپنے ہاں کے خودساختہ باطل نظریات کو اپنانے کا نتیجہ 345

چوتھا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 17 تا 23)

* سابقہ درس کے تسلسل میں ایک دوسری ذہنیت کا ذکر 347
* جن و انس کے تصور کی حقیقت اور ہمارے ہاں پائے
جانے والے افسانے اور ان کی تفسیریں 349
* حقوقِ انسانیت کی بنیادی اقدار اور اُن کی قدر و قیمت 350
* جنتی معاشرے کی ایک دو بنیادی خصوصیات اور عذاب 351
* کیا بڑے بڑے اچھے کام کرنے والے غیر مسلم جنت
میں جائیں گے؟ ایک اہم سوال 352
* جنت کے حصول کے لیے انسانی ذات پر اور آخرت پر
ایمان ایک بنیادی شرط ہے' کیا آپ نے سوچا؟ 352
* غیر مسلم سے ایک اہم سوال نیز انسان کے جذبۂ محرکہ کی
اہمیت اور اس کی ماہیت 353
* خدا کے ہاں جزا اور سزا کا معیار انسان کے ایمان اور

CamScanner

اس کے جذبۂ محرکہ کا رہینِ منت ہوتا ہے 353
* سرکشی اور گمراہی کی جدوجہد کا تقاضا اور قرآنِ کریم کا جواب 354
* عمر اور زندگی میں پایا جانے والا فرق، قرآنی رہنمائی
اور تصوف کی تباہ کاریاں 355
* اللہ اکبر کے یہ الفاظ خدا کی کبریائی اور خدا کے قوانین کو ماننے
والی قوم کی کبریائی کا اعلان ہی تو ہیں 357
* بغیر الحق کے کبریائی حاصل کرنے والوں کے لیے
عذاب الہُون ہے 357
* ہمارے تراجم میں تو قرآنی اصطلاحات کا مفہوم
ہی بدل دیا گیا ہے 359
* دین کی جگہ مذہب اور خدا کی عبودیت کی بجائے پرستش کی آزادی
تو پھر تحریک پاکستان کا یہ مطالبہ کیوں، قدم قدم پر رُسوائی 359
* علامہ اقبالؒ کی سوچ کے برعکس مولانا حسین احمد مدنی مرحوم
کا دعویٰ اور تحریکِ پاکستان کے خادمین کے سلسلہ میں
پیر علی محمد راشدی کا بیان 360
* انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی اصل وجہ شخصی حکومت
کے خاتمے کے سوا کچھ اور نہیں تھی 360
* تباہی کیوں آئے گی کا نہیں پوچھتے، وہ تو ان کے شعور میں
بھی نہیں ہوتی 361

پانچواں باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 24 تا 26)

* سزا اور عذاب کا غیر قرآنی تصور، اصل حقائق پر توجہ نہ
دینے کا نتیجہ ہے 363
* فطرتی قواعد کے مطابق آنے والے مشکل حالات پر قابو
پانے کے طریق سے غفلت کے نتیجہ کی قومِ عاد کی مثال 364
* ہر سطح پر وحی کی روشنی کے بغیر عقلِ انسانی کے سوچنے کا معیار اس
کا قائم کردہ نظامِ حیات، اس کا انجام اور اس سے حاصل شدہ سبق 365
* بغیر کسی حدود کے انسانیت کے میدان میں تنہا
عقلِ انسانی کو آزاد چھوڑ دینے کا ایک سبق آموز منظر 368
* دنیا میں وہی نظامِ حیات قائم رہ سکتا ہے جو تمام
نوعِ انسانی کے لیے منفعت بخش ہو 368
* انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں قوت کی حد بندی
اور اقبالؒ کی عمدہ وضاحت 369
* مزارعت کے بعد مضاربت کی بنیاد پر پیدا ہونے والی
بدحالی اور فکرِ اقبالؒ 375
ہمارے ہاں کی زمینداری جو معمول بن چکا ہے اس کا نتیجہ 376
* قرآنِ حکیم کا اندازِ بیان اور سیکولرزم کی پیدا کردہ سوچ کا نظام 377
* مغربی جمہوریت کے خدوخال، اس کا ماحصل اور عقل و فکر سے
عاری تصوف کا گرداب 377
* فقہ کے قانون کی سرپرستی اور اس کی ماہیت 378
* قرآنِ حکیم کی وہ روشن تعلیم جس سے ذہنِ انسانی کو قدم
قدم پر جلا ملتی ہے 378

چھٹا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 27 تا اختتام)

* محترم پرویزؒ کی رسالت مآب ﷺ کے ساتھ اظہارِ عقیدت کے
وقت جذباتی کیفیت اور جواں سال بیٹے شوکت کی وفات کا غم 380
* انسانی زندگی کے سلسلہ میں قوانینِ فطرت یا قوانین خداوندی،
قرآنی حقائق کو سمجھنے کا طریق و انداز: تاریخ سے شہادت 381

* قرآنِ حکیم کے نزدیک قوموں کے عروج وزوال کا انحصار علت ومعلول اور اقدارِ خداوندی کی بنیاد پر ہوتا ہے: اقوام کی مثال 382
* لفظ آیات کا مفہوم اور اقوام کی داستانیں 384
* رومن ایمپائر کی داستان جو تیرہ جلدوں پر مشتمل ہے، یہ کئی مقاصد وحقائق کا پیش خیمہ ہے 384
* ہمارے ہاں روحانیت کی بنیادوں پر دلوں کی حکمرانی کی شکل میں جنم لینے والے نفسیاتی اثرات 385
* خدا کی ذات بغیر کسی وسیلہ کے ہر آن انسان کے قریب تر ہے، یہ کسی کے کام نہیں آتا 386
* جنات، بھوت، پریت اور جن وانس کا تصور قرآنِ حکیم کے آئینہ میں اور جن وانس کے روابط 386
* انسانوں کو جنوں کے چمٹ جانے کی قرآن کریم تائید نہیں کرتا 388
* اس کرۂ ارض پر انسان کے سوا سب سے زیادہ قوت والی کوئی چیز نہیں 388
* نوجوان لڑکیوں کے رحم کے بگاڑ کی صورت میں اعصابی اثرات کا علاج اور اس کے ساتھ ہونے والی زیادتیاں 388
* ہمارے ہاں جنوں کے سلسلہ میں علماء اور مشائخ کے تاثرات، ان کا عمل اور ایک جن کا افسانہ بزبانِ پرویزؒ 389
* نبی اکرم ﷺ کے عہد میں مکہ اور مدینہ کی بستیاں اور نبی پاک ﷺ سے جنوں کا قرآنِ کریم سننا 390
* نبی اکرم ﷺ کو کسی جنات کی طرف سے الگ رسول کی حیثیت سے نہیں بھیجا تھا 390
* جنات کے اس پیش کردہ قرآنی تصور پر کیے گئے اعتراض کا جواب اور کچھ افسانوں کی جھلک 391
* ہمارے ہاں کی لکھی گئی تفسیروں کے متعلق ہماری سوچ اور پھر اس سے چھٹکارا پانے کا ذکر 391
* بخاری شریف کے متعلق خود امام بخاریؒ کا بیان 392
* اس قسم کے الجھاؤ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے آپ کو قندیلِ آسمانی کا سہارا ہی حاصل کرنا ہوگا 393
* عربوں کے ہاں جن کے لفظ کا مفہوم اور ان سے کام لینے کے افسانے 393
* جنوں کا نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کرنے اور اسے پیش کرنے کا معاملہ 393
* قرآنِ حکیم کے نزدیک مکافاتِ عمل کی نوعیت اور اس کی اہمیت 394
* تورات میں اس کائنات کو پیدا کرنے کے افسانوں کی نوعیت 395
* عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی چپقلش کا ذکر اور ہماری عملی سوچ کے خدوخال 395
* قرآنِ حکیم کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کو استقامت کی ترغیب 396

CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مشمولات سورۃ محمد

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

پہلا باب: **سورة محمد** (آیات 1 تا 4)

* نظامِ خداوندی کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہونے والے احبار و رہبان کی تکنیک اور قرآن کریم کی تعلیم وہدایت 398
* صحیح ایمان وہ ایمان ہے جو قرآنِ حکیم کی بیان کردہ صداقتوں پر پورا اترے 401
* سماجی اسلام اور تحریکِ پاکستان کی مخالفت کے سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کا کردار 401
* مولانا ابوالکلام آزاد کی طرف سے لکھی گئی قرآنی تفسیر پر علامہ پرویزؒ کا تبصرہ 402
* قرآنِ حکیم کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لائے بغیر اپنے مذاہب پر کاربند رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا "نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ" پر ایمان لانا ہے۔ 403
* قرآنِ حکیم کے نزدیک اُمتِ مسلمہ کی پہچان اَلْاَعْلَوْنَ ہے 403
کرۂ ارض پر دو ہی گروہ ہیں' الحق قرآنِ حکیم کے علاوہ کہیں اور
* موجود ہی نہیں' اسی پر ایمان لانا ہے اور انہی کا بار بار بیان ہے 404
* قرآنِ حکیم اپنی بات کو دلائل و براہین سے منواتا ہے' شمشیر کے زور پہ نہیں 404
* نبی اکرم ﷺ کی اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے مکے میں کی گئی سعی و کاوش اور اہلِ مدینہ کی ضمانتِ حفاظت 405
* مدینہ میں ہجرت کے بعد اہلِ قریش کی طرف سے مخالفت اور پھر جنگِ بدر کے معرکہ کی نوعیت 405
* جنگِ بدر کی فتح کے بعد سات سال تک کفار کے ساتھ میدانِ جنگ کی کیفیت 406
* کفر کے مقابلے میں پوری قوت کے ساتھ لڑو 406
* دنیا میں اور خاص طور پر قریش میں جنگ میں گرفتار ہونے والے قیدیوں سے روا رکھے جانے والے سلوک کی نوعیت کا اصل سوال؟ 407
* دینِ خداوندی میں جنگ کے قیدیوں کے لیے غیر متبدل ابدی اصول 407
* غلامی کے سلسلہ میں دینِ خداوندی کے خلاف مذہب کی اجارہ داری کی کیفیت 408
* مملکتِ پاکستان کی قومی اسمبلی میں کم از کم ایک ایک لونڈی رکھنے کا مطالبہ 408
* ظہورِ اسلام کے عہد میں معاشرے کی حالت "مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (6:25) کا حقیقی مفہوم اور قرآنِ حکیم کا حل 409

* ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی طرف سے لکھی گئی تفہیم القرآن میں
غلام اور لونڈیوں کے بارے میں اظہارِ خیال 410
* ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نزدیک علامہ پرویزؒ کی سب سے
بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کو قانون کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔
غلامی کے سلسلہ میں ایک اہم سوال 411
* لڑائی میں ہتھیار ڈالنے پر دشمن کے ساتھ حسنِ سلوک سے
پیش آنا ہوگا اور یہ بھی کہ دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو جائے 412
* زندگی میں تمام پیش آنے والی رکاوٹیں انسان کو اپنی
صلاحیتوں کی پختگی کو جاننے کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں 412
* خدا اپنی ذمہ داری انسانوں کے ہاتھوں پوری کرواتا ہے
خدا کسی کو نہیں آزماتا بلکہ انسان اپنے آپ کو آزماتا ہے
کہ میں کتنے پانی میں ہوں 413
* قصۂ آدم کو بیان کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان
انسانیت کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو الگ کر دے 413
* خدا کی طرف سے مدد حاصل کرنے کا طریق 414

دوسرا باب: سورۃ محمد (آیات 5 تا 7)

* فی سبیل اللہ کا قرآنی مفہوم اور اس کا محسوس نتیجہ نیز
جنت اور جہنم کا قرآنی مفہوم 415
* دروس کے دوران نوٹس حاصل کرنے اور انہیں
محفوظ رکھنے کی تاکید 416
* خدا کا صحیح تصور سمجھے بغیر مقامِ انسانیت کا اندازہ ہو ہی
نہیں سکتا: قرآن کریم میں خود تمہارا ذکر ہے 417
* قرآنِ حکیم وہ واحد کتاب ہے جس میں انسان کو
انسان کے مقام سے آگاہ کیا گیا ہے لیکن "رنگ جو
کچھ دیکھتے ہو، میرے پیمانے کا ہے" 417
* حق کے مقام کی نوعیت ہی یہ ہے کہ وہ انسانی جذبات سے
متاثر نہیں ہوتا اور اس میں تمہارا ہی شرف و مجد پنہاں ہے 418
* خدا کی ذات کے تصور سے مراد تو انسان کو عزت اور شرف سے
ہمکنار کرنا مقصود ہے جب کہ یہ اس کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتا 419
* انسانی زندگی کا چراغ تو صرف خدا کے صحیح تصور سے
ہی روشن ہوتا ہے 419
* خدا تعالیٰ مومنین کی مدد کرنے کو اپنے اوپر فرض قرار دیتا ہے:
ایک سوال 420
* خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد کا حصول انسانی کوشش سے
مشروط ہے، اور وہ یہ کہ اسے پہل کرنا ہوگی 420
* اصول پرستی اور جبر میں بنیادی فرق ہے 421
* قرآنی لفظ مَنْ يَشَآءُ کا لغوی مفہوم "خدا چاہتا ہے"
کی بجائے کہنا چاہیے کہ "خدا کا یہ قانون" ہے 422
* خدا تعالیٰ کی ذمہ داری انسان کے ہاتھوں قرآنی
نظامِ حیات کی بنا پر پوری ہوتی ہے 423
* کفارِ مکہ کی طرف سے اہلِ ایمان پر ہونے والے مظالم
کے سلسلہ میں 423
* مظلوموں کی خدا سے پکار اور اس کا علاج 423
* خدا کی ذمہ داری اسلامی نظام کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے اور
جنگِ بدر نظامِ اسلامی کی ذمہ داری کو عملی شکل دینے کا عملی ثبوت ہے 424
خدا تعالیٰ جنگِ بدر میں مجاہدین کے عمل کو اپنا عمل قرار دیتا ہے 425
* خدا تعالیٰ کے ہاں مقام مومن کے علاوہ مقام نبوت کی کیفیت
لیکن اس کے برعکس ہمارے ہاں کے تاریخی افسانے 425

CamScanner

* حزب اللہ اور حزب الشیطان میں فرق 426
* اقبالؒ کی نظر میں تقدیرِ یزداں کا مفہوم نیز حقوق اور ذمہ داری کا تعین 428
* حق کا حصول ہمیشہ ذمہ داری سے مشروط ہوتا ہے چنانچہ ذمہ داری نہ نبھانا 428
* خدا کے قانون کی خلاف ورزی ہے 428
* خدا تعالیٰ کی ذات سے غیر مشروط امداد کی آرزو قدرت کے غیر متبدل اصول کے خلاف ہے جس کا نتیجہ ذلت و خواری کی شکل میں سامنے آتا 429
* آج کے درس کا خلاصہ خدا کا حقیقی تصور اور مقامِ آدم کی وضاحت ہے 430
* دنیا بھر میں فکرِ قرآنی اپنی نوعیت میں منفرد مقام کی حامل ہے 430

تیسرا باب: **سورۃ محمد** (آیات 8 تا 13)

* سابقہ درس میں سہواً ایک غلطی کا ازالہ 431
* لفظ ''کَرِہُوْا'' کا مفہوم: کسی بات کو مجبوراً ماننا 432
* اسبابِ زوالِ امت کی بنیادی وجوہات کا ایک سبب: ماانزل اللہ کے نظام سے ناپسندیدگی ہے 433
* صرف قرآنِ حکیم کی اطاعت پر نفرت کا اظہار کیوں؟ 433
* غلاموں اور لونڈیوں کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش اور صرف قرآنِ کریم کی بات کرنے سے دلوں میں کبیدگی 434
* قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کا عقیدہ اور پھر کفر کا فتویٰ 435
* کیا حدیث قرآن پہ قاضی ہے اور کیا وحی کی دو قسمیں ہیں؟ 435
* کسی حدیث کی صحیح پرکھ کے لیے نبی اکرم ﷺ کا فرمان 436
* انفرادیت کے علاوہ اجتماعی حیثیت سے قرآنِ حکیم کو نظر انداز کرنے کے منصوبے کی ایک عملی تفصیل 436
* قرآنی فقہ کے متعلق اٹھنے والا سوال؟ اور اس کا جواب 437
* وفاقی شرعی عدالت سے ایک سوال ''کیا کتاب وسنت کی بنیاد پر کوئی متفقہ علیہ آئین ترتیب دیا جاسکتا ہے؟'' قانونِ وصیت کی عملی مثال 438
* فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ کی عملی مثال اور آخرت پر ایمان کی کیفیت' آخرت کا ایک محاکاتی منظر اور نبی اکرم ﷺ کی ایک شکایت 440
* قرآنِ حکیم کی تاریخی شہادتیں 441
* غیر متبدل اصولوں کا نتیجہ ہر دور میں اور ہر جگہ ہمیشہ ایک جیسا نکلتا ہے 442
* آج دنیا بھر میں کہیں قرآنِ حکیم کا قانون نافذ نہیں اور اپنا انکار بھی کفر ہے 442
* حیاتِ انسانی اور حیوان کی جسمانی زندگی میں فرق 444
* اگر انسانی اپنی ''میں'' سے انکار کردے تو پھر تو وہ حیوان کی سطح پر آجاتا ہے 444
* انسانی ذات کی نشوونما کا بنیادی اصول اقدار ہیں 445
* جنت اور جہنم کا تعلق انسانی جسم سے نہیں بلکہ انسانی ذات یا اس کے نفس سے ہے 445
* کوئی نبی حیوانات کی طرف وحی لے کر نہیں آتا' ان کے پاس ذات ہوتی ہی نہیں 446
* انفرادی اور اجتماعی طور پر کفر کی نوعیت 446
* خلافت کا مفہوم بزبانِ حضرت عمر فاروقؓ 447
* ایک فرد ہو یا کوئی قوم' خدا اُسے تباہ نہیں کرتا'
* یہ کچھ خدا کا قانون کرتا ہے 447

چوتھا باب: سورۃ محمد (آیات 14 تا 15)

* وحی کے انکاری اور خود فریبی میں مبتلا انسان کی ذہنی پژمردگی اور معاشرتی بدحالی کی شکل وصورت 449
* انسانی جذبات کے بالمقابل وحی کا مقام اور اس کی نوعیت 450
* حقائق کو پالینے کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی ایک دعا' ایک روایت' ایک حقیقت 451
* لفظ اطاعت کے بعد لفظ اتباع کے مفہوم کی وضاحت اور اس کی اہمیت 451
* اسلامی مملکت کا فریضہ اور افرادِ معاشرہ کا کردار 452
* لفظ اتباع کی عملی تفسیر اور بندۂ مومن کی پہچان 453
* قرآنِ کریم میں انسان کے اپنے جذبات کے لیے اتباع کا لفظ آیا ہے' اطاعت کا نہیں' اور اس کا انجام؟ تبدیلی قلوب سے ہے 453
* قرآنی معاشرے میں قرآنِ حکیم کے احکامات کا نفاذ ایک مرکزی اتھارٹی کا رہینِ منت ہوتا ہے' انفرادی فیصلہ نہیں ہوتا 454
* قرآنِ حکیم کی روشنی میں جنت اور دوزخ کا حقیقی تصور اور جنت کا معاشی نظام 454
* جنت میں دودھ کی نہروں کی خاصیت کے علاوہ شراب کے لفظ کی نوعیت 455
* انگوروں کے جوس میں خمر کی قوت پیدا کرنے کے طریق کے لیے اہلِ فرانس اور یورپ کا عمل اور صحت کے اندر سردرد 456
* مغفرت کا حقیقی مفہوم خطرات سے محفوظ رہنا ہوتا ہے اور قرآن حکیم اسے جنت کی باتیں کہتا ہے 457
* جنتی زندگی کی بنیادی خصوصیات اور نظامِ سرمایہ داری 457
* لفظ نفق کا قرآنی مفہوم اور قرآنِ حکیم کے معاشی نظام کا مقصد 458
* اس قدر مالی وسائل رکھنے کے باوجود مغربی اقوام کی چیخ وپکار کی بنیادی وجہ 459
* انسانوں کے خود ساختہ معاشی نظام کا نتیجہ اور لفظ انہار کی لم 459
* قرآنی مفہوم کی بجائے مذہب میں انفاق کا ترجمہ ''خرچ کرنا'' کردیا گیا 460
* وضعی روایات' قرآنِ حکیم کی ایک آیت' صحابہ میں اضطراب اور حضرت عمرt کا چناؤ 460
* روایات کے تحت زکوٰۃ کے اس مسئلے کو حل کرنے کے سلسلہ میں عمر فاروقؓ کا کردار یاللعجب! 461
* زکوٰۃ کا وہ تصور جو ہمیں مزیّن بن کر دکھائی دیتا ہے 462
* خود فریبی میں گرفتاری کا عمل اور پھر اس کا نتیجہ 462
* لفظ ماعون کا لغوی مفہوم اور پھر اس کو مزین بنانے کا طریق 463
* جنتی پانی اور جہنمی پانی میں فرق 464
* انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں فرق 465

پانچواں باب: سورۃ محمد (آیات 16 تا 21)

* قرآنِ حکیم کا ایک ایک ورق حق وباطل کی کشمکش کا ترجمان ہے 467
* مدینے میں قرآنِ حکیم کے مطابق نبی اکرم ﷺ کو دو قسم کے تصادمات کا مقابلہ کرنا پڑا تھا 468
* محکومیت اطاعت اور اتباع کے الفاظ کا حقیقی مفہوم اور انکا مقام نیز نظر اور بصر کی وضاحت 468
* عربی زبان کی وسعت کا مقابلہ دنیا بھر کی کوئی زبان کرہی نہیں سکتی 469
* بدعملی سے انسان جب نفسیاتی طور پر کمزور ہو جاتا ہے

CamScanner

تو قرآنِ حکیم اسے دلوں پر مہر لگنا کہتا ہے 469
* قرآنِ حکیم کو بغیر سمجھے سنتے رہنا یا اُسے صرف خالی پڑھتے رہنا
کچھ نتیجہ پیدا نہیں کرتا: یہ ہے دلوں پہ مہر 470
* مذہب کی طرف سے بیان کردہ تصورات کے برعکس خالص
فکرِ قرآن کو سمجھنے میں اس قدر تضاد کیوں؟ 470
* قرآنِ حکیم کو بغیر سمجھے' اسے سنتے یا پڑھتے چلے جانے
والوں کو خدا کی طرف سے وارننگ 471
* ہمارے ہاں کے مذہبی مکتبوں اور دارالعلوموں کی
مصروفیات کا ماحصل 471
* دین کے مقابلے میں مذہب کے لوازمات نیز
نصرتِ خداوندی کا مفہوم اور مقامِ آدمیت کی وضاحت 472
* خدا تعالٰی کی نصرت تو انسان کے اپنے پہل
کرنے سے مشروط ہے 473
* قوموں کے عروج و زوال کا پیمانہ اور لفظ تقویٰ کا لغوی مفہوم 473
* دینِ خداوندی کی ساری بنیاد خدا کے حقِ حکومت کو تسلیم
کرنے پر استوار ہوتی ہے 474
* خدا کی پرستش اور خدا کی محکومیت میں بنیادی فرق ہے 474
* لفظ ذَنب اور اَستَغفِرُ اللّٰہَ کا لغوی مفہوم اور پھر ہمارے
ہاں کے تراجم سے پیدا ہونے والا تاثر 475
* مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے کٹھن مراحل 476
* ہجرت کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے تمام جنگوں
کی شکل و صورت مدافعت کی تھی 477
* غیر مسلموں کے معاہدوں کی حفاظت کا ذمہ تو
مسلمانوں کے سپرد کیا گیا ہے 478
* جہاد کی غرض سے منحرف ہونے والوں کا طرزِ عمل 478
* ایک ہی حکم کے اندر دو متضاد کیفیات کی وضاحت کے
ساتھ ساتھ دین اور مذہب کے عملی نتائج کی نوعیت 479
* قرآنی حکومت میں نظامِ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی اہمیت اور
اس کی وضاحت 480
* نوعِ انسانی کی منفعت کی خاطر قرآنی نظامِ حیات کے
سلسلہ میں جہاد کی اہمیت 480

چھٹا باب: **سورۃ محمد** (آیات 22 تا 33)

* ہجرت کے وقت مدینہ منورہ کے تمدنی اور معاشرتی حالات 482
* نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں جو صحابہؓ ایمان لائے تھے وہ سب
کے سب مومنینِ حقہ تھے اور مدینے میں اکثریت منافقین کی تھی 483
* قرآنِ حکیم کے اندر مختلف واقعات کو بیان کرنے کا
مقصد غیر متبدل اصولوں کی حقانیت کو ثابت کرنا ہوتا ہے 483
* قرآنِ حکیم تاریخی واقعات کے پیچھے منافقین کی
نفسیات کو بیان کرتا ہے 484
* قرآنِ حکیم کے مروجہ تراجم کے مطابق لفظ لعنت کا
استعمال اور دل کی بھڑاس 485
* لعنت کا قرآنی مفہوم اور حیوانی سطحِ زندگی 485
* منافقت کے عمل سے انسان کی جسمانی شکل و صورت
تو وہی رہتی ہے لیکن وہ انسانیت کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے 486
* انسانوں کے قلب پر یہ تالے کہیں باہر سے نہیں پڑتے یہ
خود قلب کے تالے ہوتے ہیں 486
* قرآنِ حکیم نے تو چودہ سو سال قبل انسانی نفسیات کے
تمام رموز کو واضح کر دیا تھا 487

CamScanner

* ہمارے ہاں کی فتویٰ سازی کی بنا پر مرتد کی سزا قتل ہے 488
تفسیر بالرائے کی بنا پر قتل ہونے والوں کی تعداد چنگیز اور
ہلاکو کی قتل وغارت گری سے کم نہیں 488
* جو قوم دو چار نسلوں تک سوچنا چھوڑ دے تو پھر قدم قدم
پر ذلت ورسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے مگر اب؟ 489
* عقل وفکر سے کام لینے والی منقولی تحریک کی مخالفت اور
اس کی طرف سے پیش کردہ قرآنی تفسیروں کا حشر 489
* جب کسی قوم میں تدبر کرنا جرم قرار پا جائے تو پھر اسے
جہنم کا انتظار نہیں کرنا پڑتا 490
* قرآنِ حکیم کے نزدیک سب سے زیادہ ظلم یہ ہے کہ
انسان عقل سے کام لینا چھوڑ دے 490
* موت اور موت کے بعد کی زندگی کی تفصیل تمثیلاً ہی
بیان کی گئی ہے اور جہانِ فردا کی زندگی ایک راز ہے 491
* مرنے کے بعد کی زندگی کے سلسلہ میں بعض لکھے گئے
مضامین اور پیش کردہ مناظر کا تعلق تمثیلات پر مبنی ہے 492
* قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص مرنے کے بعد
یہاں واپس نہیں آتا اور خدا کے غصے والی بات کا مفہوم 493
* مرضیٔ مولا سے ہم آہنگ نہ ہونے کا نتیجہ 493
* قرآنِ حکیم نے انسانی نفسیاتی امراض کو دل کے
امراض کہہ کر پکارا ہے اور یہ منافقت ہے 494
* مقامِ رسالت اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں
معجزات اور کشادِ ظرف 494
* مدینے کے 6,7 سال تک کی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کو
82 کے قریب جھڑپوں اور غزوات کا سامنا کرنا پڑا'

اللہ نے کوئی رعایت نہیں برتی 495
* قرآنِ حکیم کی روشنی میں عقل انسانی کی اہمیت کی وضاحت 495
* وحی کے بیان کردہ حیات بخش اصولوں کے مقابلے میں
عقلِ انسانی کی چابک دستی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی 496
* قرآنِ حکیم جنتی معاشرے کی بہار نو کو انسانی
اعمال سے مشروط کرتا ہے 497
* خدا کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک ہی سکے کے
دو رخ ہیں اور وہ ہے نظامِ خداوندی کی اطاعت 497
* خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نظام کسی شخصیت
تک ہی محدود نہیں ہوتا 498
* ہمارے ہاں رسول ﷺ کی اطاعت کے حقیقی تصور
کو ہی بدل دیا گیا 498
* آخر کار فقہی قوانین کی اطاعت رسول کی اطاعت قرار پا گئی 499
* چند ایک فقہی قوانین کی وضاحت اور اُن سے پیدا ہونے
والی مشکلات کا تذکرہ اور انکا نتیجہ 499

ساتواں باب: **سورۃ محمد** (آیات 34 تا اختتام)

* دو قومی نظریہ کی بنیاد قرآنِ حکیم اور رسول اکرم ﷺ کو ماننے والے
اور دوسرے اس سے انکار کرنے والے پر دلالت کرتی ہے 501
* اللہ اور رسول کی اطاعت ابوالکلام کا برہمو سماجی اسلام 502
زندگی اپنے اندر ایک عظیم مقصد رکھتی ہے جس پر ایمان لانا
ضروری ہوتا ہے ورنہ اعمال رائگاں چلے جائیں گے 503
* ایسا سفر جس میں کسی منزل کا تعین نہ کیا گیا ہو قرآن حکیم اسے
آوارگی کہتا ہے 503
* جس خدا نے انسان کو زندگی عطا کی ہے وہی ہستی انسانی

CamScanner

زندگی کی منزل کا تعین کرتی ہے 504
* قرآنی معاشرے میں اور سیکولر زندگی میں فرق اس منزل کا ہی ہے جو مفادِ عامہ کے لیے اختیار کی جاتی ہے 504
* قرآنی معاشرے کی تشکیل کے سلسلہ میں احبار اور رہبان کے کردار کا نتیجہ 504
* قرآنِ حکیم کے سلسلہ میں احبار و رحبان کے غلط تصور کے باوجود ان کے متعلق ہماری خوش فہمی اور غلط نگہی 505
* میدانِ جنگ میں ایک سنہری اصول کی پاسداری کی تاکید 506
* حق و باطل کے اس معرکہ کے دوران صلح کی درخواست کا طریق 507
* قرآنِ حکیم کا دیا ضابطۂ زندگی مومن کو کبھی شکست سے ہمکنار نہیں ہونے دے گا 507
* حضرت عمر فاروقؓ کے دربار میں ایک شکست خوردہ ایرانی گورنر کا ایک تاریخی سبق آموز بیان 508
* قرآنِ حکیم کے بیان کردہ صراطِ مستقیم کے مطابق ہی کسی منزل کا حصول خدا کا ساتھ دینا ہوتا ہے 509
* قرآنِ حکیم کے مطابق انسانی زندگی تو اپنے اندر ایک بلند ترین مقصد رکھتی ہے نہ کہ صرف تحفظِ خویش 509
* کافر اور مومن کے نزدیک موت و حیات کے سلسلہ میں پائے جانے والے تصوراتی فرق کی وضاحت 510
* انسانی زندگی کے اعلیٰ وارفع مقصد کو ہر آن پیشِ نظر رکھنے کا نتیجہ 511
* تاب واصلح کا عملی طریق اور قرآنِ حکیم کی طرف سے ربوٰا اور قرضِ حسنہ کا مفہوم 511
* حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں مادی وسائل کی نوعیت 512
* قرآنِ حکیم کی طرف سے عطا کردہ نظامِ حیات کے لیے استبدل اور استخلاف کا قانون 513
* قرآنِ حکیم کے نزدیک لفظ محبت کا لغوی مفہوم مصافِ زندگی میں مومن کا کردار 515
* خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ حکیم کی شکل میں عطا کردہ جوئے نور کی خصوصیات 516
* علامہ پرویزؒ اپنی ذات کے آئینہ میں 516

CamScanner

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزم طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	225/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	350/-	سورہ القصص	(28)	334	250/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	350/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	350/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	سورہ الصفٰت، صٓ، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-	سورۃ الزخرف، سورۃ الدخان، سورۃ جاثیہ، سورۃ الاحقاف، سورۃ محمدؐ	43 44 45 46 47	520	500
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المومنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) '25/B' گلبرگ '2' لاہور فون نمبر: +92-42-3571 4546

بزم ہائے طلوعِ اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

CamScanner

دعا

(بزبانِ اقبالؒ)

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو رُوح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سُوئے حرم لے چل
اس شہر کے خُوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خودداریِ ساحل دے، آزادیِ دریا دے
بے لَوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اُجالا کر، دل صورتِ مینا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
اِمروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے
میں بلبلِ نالاں ہوں اِک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا دے!

سورۂ الزخرف

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من! آج جولائی 1981ء کی 10 تاریخ ہےاور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الزخرف سے ہو رہا ہے: (43:1) لیکن آغاز درس سے پہلے ایک معذرت اور ایک وضاحت ۔ معذرت اس کی کہ میں معمول کے خلاف آج کے درس میں چند منٹوں کی تاخیر ہوگئی ہے ۔ میں نے کہا ہے کہ معمول کے خلاف ہوا ہے ایسا بہت کم ہوتا ہے ۔ اور وضاحت یہ یا یوں کہیے کہ اس کی وجہ یہ کہ اس دفعہ احباب نے یہ انتظام کیا ہے ۔ میں اپنے متعلق نہیں کہہ رہا قرآن کے متعلق کہہ رہا ہوں کہ غالب کے الفاظ میں پہلے اگر یہ فردوسِ گوش تھی تو اب یہ اسے جنتِ نگاہ بھی بنا رہے ہیں ۔ حقیقتِ مجردہ کو لباسِ مجاز میں دیکھنے کی تمنا تو کچھ انسان کی طبعی سی ہے ۔ قرآنِ کریم اس کی تصدیق کرتا ہے ۔ حضرتِ موسٰیؑ کے ساتھ جو وحی کا سلسلہ تھا وہ بڑا منفرد ہے اور قرآن نے خاص طور پہ انہی کا ذکر کیا ہے وکلم اللہ موسٰی تسلیمًا آواز سنائی دے رہی تھی خدا کی وحی کی ۔ تو بڑی منفرد خصوصیت تھی لیکن یہ جو انسان کی طبعی خواہش ہے اس کا وہیں اظہار ہوا کہ آواز تو سنائی دیتی ہے پردہ اٹھا کے سامنے بھی تو آیئے ۔ یہ وہ چیز ہے ہمارے شعرا تو ؟؟؟ سی پتے ہیں، غالب حسین انداز میں یہ باتیں کرتا ہے

؟؟؟ ہم نہ رہیں بے ذوقِ نظر ؟؟؟

ذوقِ نظر بھی چاہتا تھا ۔ وہاں تو نہ ہوگئی تھی طور کی چوٹیوں پہ کہ لم ترانی لیکن یہاں نظر آتا ہے کہ ذوقِ نگاہ جب ملی تو وہ جو ہے کہ

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

اب انگلی پکڑ کے پانچے تک پہن رہے ہیں کہ

میں نامراد دل کی تسلی کا کیا کروں

مانا کہ تیرے رخ سے مجھے ؟؟؟؟ ہے

یعنی پہلے یہ کہا تھا کہ کوئی بات نہیں یہ فردوسِ گوش کی بات نہیں ہے کچھ جنتِ نگاہ بھی ہونا چاہیے کہ ذوقِ نظر بھی ہونا چاہیے ۔ اور ذوقِ نظر کی

تسکین کے لیے کہا کہ

میں نامراد دل کی تسلی کا کیا کروں

مانا کہ تیرے رخ سے مجھے ؟؟؟؟ ہے

تو میں یہ عرض کروں گا کہ احباب نے یہ انتظام تو کر دیا کہ فردوسِ گوش بھی بنے جنتِ نگاہ بھی بنے۔ اب رہا دل کی تسکین کا سامان تو وہ آپ کے اپنے بس کی بات ہے۔ یہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ اور اس کی صورت یہی ہے کہ ولما یدخلل الایمان فی قلوبکم قرآن کی آواز آپ اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار لیں تو پھر تو تسکین کا سامان بھی مل جائے گا۔ اور اگر آپ از خود یہ نہیں کرتے تو یہ کہ نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے خود کہہ دیا کہ تو راستہ دکھا تو سکتا ہے راستے پہ چلا نہیں سکتا۔ تو لہٰذا یہاں تک احباب نے انتظام کر دیا ہے کہ یہ درس یا قرآن کی آواز فردوسِ گوش کے ساتھ جنتِ نگاہ بھی بنے اور اس سے آگے جو ہے وہ آپ نے خود کرنا ہے۔ اور اس کے بعد اب درس شروع ہوتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حٰم (43:1) وہی میں اپنے معمول کے مطابق عرض کروں گا کہ مقطعات کے معنی میں جو ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ یہ خدا کے اسماء الحسنیٰ کی Abbreviation کے لیے ایک حرف لے کے عربی زبان کے قاعدے کی رو سے وہاں یہ چیز معمول تھی۔ حٰم خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ والکتٰب المبین (43:2) جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس کے اوپر خود یہ کتابِ مبین ؟؟؟ ہے۔ ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ جسے ہم کہتے ہیں بلکہ جو آنے والی جو حقیقتیں ہیں ان پر یہ کتابِ مبین ہے۔ قرآنِ کریم کتاب ہی نہیں الکتاب ہے The Book ہے' یہ پھر Definite ہو جاتی ہے' عام کتابوں سے پھر یہ کتاب منفرد ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس کی خصوصیت ساتھ ہی یہ بتا دی گئی کہ مبین ہے۔ یہ جو مثال میں سورج کی روشنی کی دیا کرتا ہوں کہ وہ خود روشن ہے کسی چراغ سے اسے ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ہر شے کو روشن کرتا ہے۔ مبین اسی کو کہتے ہیں کہ خود واضح ہو اور ہر شے کو وہ واضح کرے۔ اور اس کے لیے کہا یہ کہ وہ خود واضح ہے کہ یہ کتاب ہے یہ تو حروفِ الفاظ کا مجموعہ ہے الفاظ کے اعتبار سے اسلوبِ بیان کے اعتبار سے بھی یہ کہا کہ انا جعلنٰہ قرءٰنًا عربیًا (43:3) میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن جیسے کہ قرآنِ مجید ہی ہے اس کے بنیادی معنی Proclamation کے ہوتے ہیں' اعلانِ عظیم کے ہوتے ہیں' کسی انقلاب کے لیے جو عالمگیر اعلان کیا جائے گا۔ یہ قرآن عربیًا ہے۔ عربیًا میں دونوں معنی آتے ہیں عربی زبان کا اور خود لفظِ عربی کے معنی بھی واضح ہوتے ہیں' غیر مبہم ہوتے ہیں۔ عرب اپنے آپ کو

بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ بولنے والے تو صرف ہم ہیں باقی ساری دنیا عجم ہے گونگی ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ جب ان کی زبان کو دیکھا جائے تو اس کے سامنے تو اپنے آپ کو خود گونگا بنا لینا پڑتا ہے۔ بولنے والی زبان تو یہی تھی۔اور جس زبان پر خدا کی نگاہِ انتخاب پڑے اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے۔قرٰنًا عربیًا (43:3)۔اس کے بعد ایک چیز سامنے آتی ہے جو غور طلب ہے اور وہ ہے لعلکم تعقلون (43:3) میں نے عرض کیا تھا کہ وہ عام تراجم سے تو بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ لعلکم کے معنی یہ ہیں کہ ''وہ اس لیے ہے''۔عام ترجموں جو بات ملے گی لعلکم تعقلون '' تا کہ تم اسے سمجھ سکو'۔ یوں بات یہ بھی ہے کہ عقل وفکر سے کام لے کر اسے سمجھ سکو لیکن یہ بات Fit-in نہیں ہے یہ تو ایک بڑی عظیم حقیقت قرآن بیان کر گیا ہے۔کتاب کو مبین کہا' عربیًا کہا وہ تو واضح ہے ہر چیز کو واضح کرنے والی ہے۔یہ جو چیز ہے کہ یہ قرآن اس قدر واضح قرآن' اتنا حقائق پر مبنی قرآن' دیا اس لیے ہے کہ تا کہ تمہاری عقل وفکر کو جلا حاصل ہو سکے۔قرآن کا مقصد انسانی فکر کو جلا دینا ہے' اس میں پختگی پیدا کرنا ہے' اس میں وسعت پیدا کرنا ہے۔تو یہ تو فکرِ انسانی کو جلا دینے کے لیے ہے لعلکم تعقلون (43:3) تا کہ تمہاری عقل وفکر کو جلا حاصل ہو۔اس لیے اسے مبین بھی بنایا' عربیًا بھی بنایا۔قرآن تو یہ کہتا ہے۔پہلی چیز تو یہ ٹھیک ہے کہ اس کو فکر' عقل' بصیرت' سے سمجھا جائے گا لیکن وہ بتا یہ رہا ہے کہ اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ خود تمہاری عقل کو جلا حاصل ہو' پختگی حاصل ہو' وسعت حاصل ہو۔اور جب دین مذہب میں بدلا تو پہلی چیز یہ آئی کہ اس میں عقل وفکر کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔سیدھی بات ہے۔یہ لعلکم تعقلون (43:3) جو ہے اب کیا کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے غالبًا فرشتوں کو کہا ہے یعنی ہم سے تعقلون کا تعلق نہیں ہے عقل وفکر کا تعلق ہم سے نہیں ہے۔اور اگر کبھی کہا بھی گیا تو کہا یہ جاتا ہے کہ ٹھیک ہے ایک دور تک یہ تھا ان کے لیے تو یہ تھا وہ جو سب سے پہلے آپ کے ہاں مفسرین ہیں وہ جو آپ کے ہاں آئمہ گزرے ہیں انہوں نے اس پہ جو غور و فکر کرنا تھا وہ کر لیا۔اب اس کے بعد غور وفکر کے دروازے بند ہوتے ہیں' اس سے آگے نہیں آپ بڑھ سکتے' حدِ آخر ہیں یہ تعقلون کی۔اب قرآنِ کریم کا یہ جو سب سے بڑا مقصد بتایا گیا تھا کہ تمہاری عقل کو بھی یہ جلا دے کے آگے بڑھائے گا۔وہ آگے بڑھائے گا کیا' ہزار سال سے تو آپ کی عقل منجمد ہو کے رہ گئی اس سے آگے آپ بڑھ ہی نہیں سکتے' سوچ ہی نہیں سکتے' کہہ ہی نہیں سکتے۔جونہی آپ کوئی بات' قرآن کی کسی حقیقت کو' عقل وفکر کی رو سے بیان کریں تو پہلا اعتراض یہ آتا ہے کہ یہ کہو کہ اس سے پہلے بھی کسی نے یہ کہا ہے۔یہ جو سنہ 1968 میں یہاں سیمینار ہوا تھا ساری دنیا کے مفکر اس میں آئے ہوئے تھے۔اس میں میرا بھی ایک مقالہ تھا۔ضمناً بات کرتا ہوں۔تو میں نے اس میں یہ

بات پیش کی تو وہ عرب ہو یا مصر ہو تیرا لا الہ الا حرفِ غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی۔ وہاں ہمیں پتہ چلا۔ عرب اور مصر اور شام اور عراق کے بڑے بڑے جید علمائے کرام وہاں موجود تھے۔ میں انہیں علمائے کرام ہی کہونگا مفکر نہیں کہوں گا۔ کیفیت کیا تھی؟ ہمارے گاؤں کی پکی روٹی والے میں اور ان میں فرق ہی کوئی نہیں تھا۔ تو وہاں یہ چیز جو میں نے پیش کی وہ معاشی نظام کی تھی۔ ادھر مغرب کے بھی آئے ہوئے۔ اب انہیں میں مفکر کہوں گا۔ تو پہلا اعتراض مصر کے ابو؟؟؟ نے یہ کیا کہ کیا کسی نے اس سے پہلے بھی یہ کہا ہے؟ تو میں نے کہا کہ Not my fault اگر کسی نے پہلے نہیں کہا تو پھر میری غلطی تو نہیں ہے کہ انہوں نے کیوں نہیں کہا۔ وہ مغرب کے مفکر ہی Appreciate کر سکے۔ ان کے چہروں پہ تو جفر کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ بات ہی یہ ہے کہ میں اس جرم کی پاداش میں مارا جاؤں کہ اس سے پہلے کسی نے یہ کیوں نہیں بیان کیا۔ یہ میری غلطی ہے کہ انہوں نے بیان کیوں نہیں کیا! تم یہ کہو کہ یہ اس طرح سے غلط ہے تو بات بھی ہوئی۔ جب فکر کو کسی ایک مقام پہ منجمد کر دیا جائے تو بعد میں یہ بھی؟؟؟؟ فکری طور پہ پہلے پوچھا جائے گا کہ کیا پہلے بھی کسی نے ایسا کہا ہے۔ یعنی فکر وہیں تک رہنی چاہیے اس سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے۔ لعلکم تعقلون (43:3) یہ وہاں تک تھا آگے اب قرآن جو ہے صرف ثواب حاصل کرنے کے لیے ہے۔ تو میں نے عرض کیا ہے کہ لعلکم تعقلون ایک بڑی عظیم حقیقت ہے۔ ''تا کہ تمہاری عقل و فکر جو ہے وہ آگے بڑھے اس کو جلا ملے یا یوں کہیے کہ تا کہ تم عقل سے کام لینا سیکھو''۔ تو قرآن تو عقل و شعور سے کام لینا سکھاتا ہے۔ وانہ فی ام الکتٰب لدینا لعلی حکیم (43:4) یہ قرآن کسی انسانی فکر کی تخلیق تو ہے نہیں' یہ علمِ خداوندی ہے جو نازل ہوا ہے نبی اکرم ﷺ کے اوپر۔ علم کا سرچشمہ۔ انسان کا کلام ہو تو اس کا اپنا ذہن اس کی فکر اس کی بصیرت ہوتی۔ یہ ٹھیک ہے۔ ام کے معنی ہوتا ہے ''اصل' سرچشمہ' منبع''۔ کہا یہ جو ہم قوانین دے رہے ہیں یہ فطرت کے ہوں یا انسانی زندگی کے متعلق قرآن کے اندر ہوں ان کی اصل' ان کا سرچشمہ' ان کا Source ' ہم ہیں۔ یہ جو ہے کہ ہمارے پاس سے ایک الکتاب ہے اس میں ہے۔ یعنی یہ خود خدا ہے یہ۔ ام کے معنی ہی سرچشمہ ہے۔ علمِ خداوندی کہیے' عالمِ امر کہیے کہ ان قوانین کا سرچشمہ ہم ہیں' لدینا' بڑی چیز کہہ دی۔ جب اس کا سرچشمہ لدینا کہہ دیا تو انسانی فکر اس میں سے Cut-off ہوگئی۔ خود رسول ﷺ کی فکر کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ لدینا ہے۔ یہ لدینا میں سے بات میں سے بات نکلتی چلی آئی ہے تو میں عرض کر دوں۔ وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا' خدا کی طرف سے براہِ راست جو علم ملنا تھا وہ نبی اکرم ﷺ پر حرفِ آخر ہو گیا پھر ختمِ نبوت ہوگئی معاملہ ختم ہو گیا۔ قرآن محفوظ ہو گیا' مکمل ہو گیا۔ لیکن یہیں تک یہ کیسے بس کرتے۔ اس کے بعد

ہمارے ہاں تصوف آیا۔ ان کا دعویٰ یہ ہوا کہ ہاں صاحب! ہمیں بھی خدا سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ کہا یہ کیا علم ہے؟ شاید آپ نے یہ سنا ہو کہ کہا یہ کہ یہ علمِ لدنی ہے۔ یا اللہ! یہ لدنی کس زبان کا لفظ ہے؟ یہ تصوف کی اصطلاح ہے۔ بھئی! یہ کیا ہے؟ وہ جو خدا نے کہا تھا لدینا کہ اس کا سرچشمہ ہمارے پاس ہے' تو وہ لدینا سے لدنی بنا۔ پھر یہ وہ علم ہے جس کے متعلق خدا نے کہا تھا لدینا ہمارے ہی پاس ہے' یا خدا کے پاس ہے یا اس کے بعد ہمارے پاس ہے۔ یہ تصوف کی روحِ یقین ہے۔

لدینا لعلی حکیم (43:4) کہہ کے بتا دیا کہ یہ اتنی بلندیوں کے اوپر ہے تمہارا ہاتھ نہیں وہاں پہنچ سکتا۔ فکرِ انسانی کی دسترس سے ماورا ہے۔ Height کے اوپر یہ غلبہ اور ماورایت جو ہے تو یہ نہیں کہ تمہارے ساتھ اس کا تعلق ہی کچھ نہ رہے۔ **حکیم** بھی ہے یہ سارے کا سارا حکمت پر مبنی ہے۔ کہا اس قرآن کی' اس کے اصولوں کی' اس کے قوانین کی' یہ لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ بڑی شدید مخالفت تھی۔ عام انسانی تحریک کا کوئی بانی ہوتا تو یقیناً ان مخالفتوں کے ان مشقتوں کے بعد حوصلہ ہار دیتا دل برداشتہ ہو جاتا اس کو چھوڑ دیتا۔ لیکن کہا کہ تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تمہاری مخالفت کی وجہ سے ہم اس سلسلے کو بند کر دیں گے۔ **افنضرب عنکم الذکر صفحًا ان کنتم قومًا مسرفین** (43:5) تم اگر اس کے خلاف سرکشی برتو گے تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہیں ویسے پھر چھوڑ دیں گے ہم یہ قوانین بھیجیں گے ہم یہ کہیں گے کہ چلو دفعہ کرو؟ کہا یہ نہیں ہم کریں گے۔ یہ خدائے حکیم کی طرف سے ہے تم ہی اس کی مخاطب نہیں ہو یہ نوعِ انسانی کے لیے ہے قیامت تک کے لیے ہے۔ اس لیے اگر تم سرکشی برتو گے' اعراض برتو گے' اس طرف نہیں آؤ گے' تو یہ بات نہیں ہے کہ پھر سامعین اٹھ کے چلے جائیں گے تو مقرر خود بخود بیٹھ جائے گا۔ اس کے سامعین' مخاطب تم ہی نہیں ہو بلکہ نوعِ انسانی ہے قیامت تک کے لیے انسان جو ہیں وہ اس کے مخاطب ہیں یہ ان کے لیے ہے۔ تم نہ سنو تمہارا ہی نقصان ہے۔ **وما یاتیھم من نبی الا کانوا بہ یستھزئون** (43:7) اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے شروع سے ہی ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ہر نبی' رسول جو آیا وہ مفاد پرست گروہوں کے خلاف تھا' سرمایہ پرست گروہوں کے خلاف تھا' ملوکیت کے خلاف تھا' شخصیتوں کے خلاف تھا۔ اس لیے اس کی مخالفت ہر دور میں ہوئی اور ہونی چاہیے تھا۔ اور مخالفت میں پھر کیفیت یہ کہ دلائل و براہین سے مخالفت نہیں' انسان کمینگی کی سطح پہ اتر آتا ہے جب اس کے پاس دلیل نہ ہو۔ دو ہی باتیں ہوتی ہیں اگر اس کے بعد پھر قوت ہے تو پھر وہ استبداد پر اتر آتا ہے۔ اور اگر قوت نہیں ہے تو پھر وہ کمینگی پہ اتر آتا ہے' منہ چڑاتا ہے گالیاں دیتا ہے قرآن نے اس کو استہزا کہا ہے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ دلیل ان کے

پاس نہیں تھی۔قرآن جب رسول کے ذریعے دعوت پیش کرتا ہے تو مخاطبین سے کہتا ہے کہ **ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین** اپنے دعوے میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔تو دلیل ان کے پاس ہوتی نہیں ہے۔قرآن نے خود کہا ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔تو وہ استہزا پر اتر آتے تھے۔اور وہ مرحلہ بڑا ہی صبر طلب ہوتا ہے۔پتھر تو انسان برداشت کر لیتا ہے استہزا کو برداشت کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔اس لیے کہ اینٹ کا جواب تو پتھر سے دیا جاسکتا ہے' گالی کا جواب تو گالی سے نہیں دیا جاسکتا۔جس پست سطح کے اوپر یہ اترتے ہیں اس تک یہ اتر نہیں سکتا تو اب اس کا جواب کس طرح سے دے۔یہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔یہی مقامات ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ سے کہا گیا کہ **و اصبر** یہ تمہیں یہ کہتے ہیں تو استقامت سے اپنے مقام پہ جمارہ ان کی پروانہ کر یہ باتیں ہوا میں اڑ جائیں گی۔یہ باتیں مؤثر اس صورت میں ہوتی ہیں کہ تم ان کا اثر لیتے ہو۔فی الحقیقت ان کے اندر کوئی ایسی طاقت نہیں ہوتی کہ تمہیں تکلیف پہنچائیں۔تم ان کا اثر لیتے ہو تو تکلیف پہنچاتی ہیں' تم کہو کہ میں نے سنا ہی نہیں' ہوا میں اڑنے والی چیز ہے معاملہ ختم ہوگیا۔ان سے تنگ پڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ٹھیک ہے اِدھر بھی تو ''دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت'' پتھر نہیں ہوتا۔اور خدا تو بہرحال ان چیزوں سے ماورا ہے۔معاف رکھیے گا! جو کہوں کہ اسے کیا خبر کہ ایک انسان کے دل پہ اس سے کیا گزرتی ہے لیکن اسے سب پتہ ہے۔**فاھلکنا اشد منھم بطشًا و مضٰی مثل الاولین** (43:8) تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے' غلط روش کا انجام تو خود تباہی ہوتا ہے' تباہی تمہارے ہاتھوں کی لائی ہوئی نہیں ہوتی۔تمہیں ان کی گالیوں کا اور پتھروں کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔تم تو انہیں اس تباہی سے بچانے کی فکر کر رہے ہو۔اگر یہ نہیں بچنا چاہتے تو تباہ ہو جائیں گے۔بات ختم ہوئی۔تم سے بھی زیادہ قوت والی جو قومیں تھیں بلکہ **بطشًا** ہے قوت ہی نہیں اس کے معنی گرفت ہیں۔یہ تو ٹھیک ہے استبداد کی کیفیت یہی ہوتی ہے کہ جو اس کی گرفت میں آتا ہے تو استبداد ہڈیاں توڑ دیتا ہے۔کہاں ان سے بھی زیادہ شدید تھے وہ۔کہا یہ لوگ بھی چاہتے یہ ہیں کہ جو ان پہ گزری تھی یہی تجھ پہ گزرے۔تو تم انہیں صرف سمجھاتے چلے جاؤ' دلبرداشتہ نہ ہو۔اب یہ چیز کہ ان میں سے وہ لوگ تھے جو خدا کو مانتے تھے۔یہ اہم بات ہے کئی مقامات پر اس سے پہلے بھی آچکی ہے۔میں نے کہا تھا کہ کبھی سوچو! خدا کو ماننے کے معنی کیا ہیں؟ پہلے نہیں سوچا تو ایک منٹ کے لیے خاموش ہو جائیے اور سوچ لیجیے کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔میں بھی وہی کہتا ہوں کہ خدا ہے۔کیا فرق پڑا اس سے کہ آپ نے کہا کہ خدا ہے دوسرا کہتا ہے نہیں ہے۔اور پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ خدا ہے۔ان کے ہاں وہ بھی خدا کو مانتے تھے ان کے ہاں عبداللہ نام ہوتے تھے حضور ﷺ کے

والدِ ماجد کا نام عبداللہ تھا' اللہ کو مانتے تھے یہ ان کی زبان کا لفظ ہے۔آج بھی یورپ کے بڑے بڑے سائنسدان خدا کو مانتے ہیں۔قرآن کہتا ہے آؤ تمہیں بتاؤں کہ یہ کیا مانتے ہیں۔**ولئن سالتهم من خلق السمٰوٰت و الارض ليقولن خلقهن العزيز العليم** (43:9) تم سے بھی اگر کوئی پوچھے کہ یہ زمین و آسمان کس نے پیدا کی ہے' بارش کون برساتا ہے' کس کے قوانین ہیں۔تو یورپ کے Athiest (دہریے) جنہیں کہتے ہیں وہ بھی یہ جواب دیں گے' نام خواہ خدا کا نہ لیں لیکن وہ کہیں گے کہ ضرور کہ یہ انسانوں کی پیدا کردہ نہیں ہے انسانوں سے ماورا کوئی چیز ہے جس کی تخلیق ہے۔اور پھر ان کی اکثریت تو وہ ہے جو مانتے ہیں کہ یہ خدا کی پیدا کردہ ہے۔آج بھی یورپ کے ہاں یہ بڑے بڑے سائنٹسٹ اور مفکر جو ہیں وہ خدا کو مانتے ہیں لیکن کس خدا کو مانتے ہیں؟ زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا کو مانتے ہیں' عربوں کی طرح۔**الذی جعل الكم الارض مهدًا و جعل لكم فيها سبلًا لعلكم تهتدون** (43:10) بات تو یہی ہو رہی تھی کہ یہ اس قسم کے خدا کو مانتے ہیں۔آگے بات جو ہے اور دوسرے مقامات پہ بھی ہے کہ ان سے کہو کہ پھر یہ خارجی کائنات کے خدا کو تو مانتے ہیں لیکن انسانوں کی اپنی دنیا کے اندر اس کا کوئی عمل دخل نہیں مانتے۔اپنا نظام' اپنی معاشرت' اپنی معیشت' یہ سارے اپنے بنائے ہوئے قوانین اور قواعد کے مطابق کرتے ہیں یہاں خدا کو داخل نہیں ہونے دیتے۔یہ جو نظام ہے' یہ جو طریق ہے کہ خارجی کائنات کے خدا کو ماننا انسانی دنیا کے اندر اس کا دخل نہ سمجھنا اس کو کہتے ہیں سیکولرازم۔یہ چیز جو چودہ سو سال پیشتر اس زمانے کے عربوں کو مخاطب کر کے کہی گئی آج تو ساری دنیا کا اندازِ اسلوب ہی سیکولرازم ہے۔عزیزانِ من! مغرب کے دہریوں کا ہی نہیں خود مسلمانوں کی مملکتوں کے اندر بھی یہی نظام ہے۔یہ خدا کا ماننا بھی زیادہ سے زیادہ' پوجاپاٹ' پرستش' Worship تک رہ گیا ہوا ہے۔کوئی مملکت بھی آج مسلمانوں کی ایسی نہیں ہے جو خدا نے یہ کہا تھا کہ **و من لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الكفرون** (5:44) جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان کو کافر کافر کہا جاتا ہے۔آج دنیا میں کوئی اسلامی مملکت بھی ایسی نہیں ہے جہاں خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم ہوئی۔تو یہی تو سیکولرازم ہے۔

یہاں لفظ ایک آ گیا ہے' بات تو میں نے عرض کیا کہ خود یہی دلیل خدا دے رہا ہے کہ یہ اس خارجی کائنات کے خالق خدا کو تو مانتے ہیں اپنی دنیا کے اندر خدا کا کوئی عمل دخل نہیں مانتے۔لیکن یہاں آیا ہے **جعل لكم الارض مهدًا** (43:10) اس نے زمین پیدا کی اور یہاں ایک لفظ ہے **مهدًا**: بنیادی طور پہ تو اس کے معنی ہوتے ہیں کوئی ہموار' قابلِ رہائش لیکن **مهدًا** گہوارے کو کہتے ہیں پنگھوڑے کو کہتے ہیں۔

حرکت والی چیز جو ہوتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے یہاں تو صرف حرکت ہی کی ہے۔ایک حوالہ لے لیجیے کہ بڑی اہم چیز ہے۔عزیزانِ من! چودہ سو سال پیشتر جب زمین کو متحرک بھی نہیں مانا جاتا تھا گول بھی نہیں مانا جاتا تھا ساکن اور چپٹی مانا جاتا تھا اس زمانے میں (31:10) میں کہا کہ **خلق السمٰوٰت بغیر عمد ترونها و القٰی فی الارض رواسی ان تمید بکم** (31:10) زمین کو بنایا۔عربی زبان میں **تمید بکم** کے معنی ہوتے ہیں: کوئی چیز جو کسی کو اپنے اوپر لے کے گھوم رہی ہو۔عزیزانِ من! چھٹی صدی عیسوی کے اندر ساری دنیا میں جو بلند ترین علم الافلاک والے تھے اس زمانے میں یہ بطلیموسی نظام تھا۔اس سے پیشتر پوری دنیا زمین کو ساکن مانتی تھی کہتے تھے کہ سورج اس کے گرد چکر لگاتا ہے۔قرآن اس زمانے میں یہ کہتا ہے کہ زمین کو ایسا بنایا کہ تمہیں اپنے اوپر لیے ہوئے محوِ گردش ہے۔یہی کچھ کم ایجاز نہیں ہے۔کوئی تیزی سے گھومنے والی چیز جو ہے اس کے اوپر کوئی بیٹھ کے دیکھے تو وہ جاتا ہے۔**ان تمید بکم** ۔اور **مهد** یہ اس طرح کہہ رہا ہے جھولنے والی چیز' حرکت والی چیز' تمہیں اپنے اوپر لیے ہوئے اس تیزی سے محوِ گردش ہے۔یہ ہے جو زمین ہم نے بنائی۔**و جعل لکم فیها سبلًا لعلکم تهتدون** (43:10) اور اسی سے راستے ہیں تمہارے لیے تاکہ جہاں تم پہنچنا چاہتے ہو وہاں پہنچ جاؤ۔**و الذی نزل من السمآء مآءً بقدرٍ** (43:11) وہ بادلوں سے بارش برساتا ہے اور **بقدر** ایک پیمانے کے مطابق برساتا ہے۔دیکھا یہ قدر کے معنی کیا ہے جہاں سے تقدیر نکلا ہے۔ہمارے ہاں تقدیر میں تو پیمانے اور قانون کا سوال ہی نہیں ہوتا لکھی ہوئی ہوتی ہے۔**بقدر** : ایک قانون کے مطابق' ایک پیمانے کے مطابق' اندازے کے مطابق برساتا ہے۔عزیزانِ من! جس قدر بخارات سمندر سے اٹھتے ہیں' جتنا پانی وہ لیے ہوئے ہوتے ہیں' بادلوں کی شکل میں ہمارے سر پہ ہوتے ہیں اگر وہ **بقدر** نہ برسے اور ایک ہی دفعہ نیچے برس جائے تو کوئی ذی حیات صفحۂ ارض کے اوپر زندہ نہ رہے۔وہ ذرا سا سیلاب کسی جگہ آ جاتا ہے طوفان بن جاتا ہے۔اور وہ طوفان سے تباہی اس لیے آتی ہے کہ ہم انتظام میں کمی اور کوتاہی کرتے ہیں۔پانی کو ساحلوں کو اندر رکھنا یہ ہمارا معاملہ ہے ہمیں ایسا کرنا چاہیے ہم کوتاہی کرتے ہیں۔لیکن اگر وہ سارے کا سارا پانی اوپر سے ایک ہی دفعہ برس جائے اور پھر بارش کے اندر آپ دیکھتے ہیں کہ قطرہ قطرہ ہو کے برستا ہے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے جسے ''چھاجوں برستا'' کہتے ہیں' کتنے مکان گرتے ہیں۔پورے کا پورا بادل بیک وقت' یکلخت سارے کا سارا ایک ہی وقت میں نیچے آ جائے تو کس قدر تباہی مچ جائے۔**بقدر فانشنا به بلدةً میتًا** (43:11) اور اس سے پھر زمین مردہ جو ہے اس کو ہم زندہ کرتے ہیں۔تو بات تو ہو رہی تھی باہر کی دنیا کی' خارجی کائنات کی' اس نظام

لیکن قرآن کوئی جغرافیہ کی یا علم الافلاک کی کتاب تو نہیں ہے یہ تو مثالاً بیان کرتا ہے' درمیان میں ہی وہ نگاہ کا رخ تبدیل کرتا ہے **کذٰلک تخرجون** (43:11) جس طرح سے زمینِ مردہ ہماری رحمت کے ایک چھینٹے سے دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے ہم اسی طرح سے اقوامِ مردہ کو بھی جو ہمارے قانون کی پابندی کرتی ہے حیات نو عطا کر دیا کرتے ہیں اور پھر انسان مرنے کے بعد بھی اسی طرح سے زندہ ہو سکتا ہے۔ دیکھا! یہ بات ہو رہی تھی' آسمان کی' بارش کی' زمین کی اور درمیان میں نگاہ کا رخ تبدیل کر دیا کہ یہ مقصد ہے جس کے لیے یہ باتیں ہم بیان کرتے ہیں۔**و الذی خلق الازواج کلا و جعل لکم من الفلک و الانعام ما ترکبون** (43:12) یہ قسم قسم کی چیزیں اس کائنات میں ہم نے پیدا کی ہیں۔ اب ان کو تو کوئی گنا ہی نہیں سکتا' شمار ہی نہیں کر سکتا کہ اس کائنات کے اندر انواع و اقسام کس قدر ہیں۔ یہ ہم نے پیدا کیے۔ پھر کشتیاں تمہاری لیے بنا دیں' مویشی بنا دیے۔ یہ بات تو شاید آپ نے دیکھ لیا ہوگا غالباً اسی ماہ کے طلوعِ اسلام میں جو میرا مضمون شائع ہوا ہے ''تقدیر کی گرہیں'' اس میں ایک بڑا اہم نقطہ ہے کہ خدا جن چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے وہ ضروری نہیں کہ وہ براہِ راست خود بناتا ہے۔ اس کے قانون کے مطابق جہاں جو چیز کی جاتی ہے انسانوں کے ہاتھوں سے بھی وہ اگر بنائی جاتی ہے اسے وہ اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے۔ میں نے اس میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔ یہ ایک مثال میرے سامنے آ گئی۔**جعل لکم من الفلک و الانعام ما ترکبون** (43:12) مویشی ہم نے بنائے۔ یہ تو ٹھیک ہے انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں یہ **جعل** کا لفظ ان کے لیے لفظ آیا لیکن کشتیوں کے لیے بھی یہ لفظ ہے **جعل لکم** ہم نے بنائی کشتی تمہارے لیے۔ خدا تو کشتی نہیں بناتا لیکن اولیں کشتی جو حضرت نوحؑ کے ہاتھوں بنی تھی خدا کے حکم کے مطابق اس کے متعلق بھی یہ حضرت نوحؑ سے کہا کہ ہم جو تمہیں ہدایت دیتے ہیں' ترکیب بتاتے ہیں اس کے مطابق تم کشتی بناؤ۔ تو **جعل لکم من الفلک** یہ نہیں کہ خدا نے تمہارے لیے کشتی بنائی بلکہ ایک قانون ہے اور وہ بڑا اہم قانون ہے جس کے تحت تم نے کشتی بنائی۔ اس زمانے میں کشتیوں کے متعلق تو شاید یہ بات سمجھ میں نہ آتی ہو آج جہازوں کے متعلق تو سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں ٹن کے وزن کا بوجھ اٹھانے والا' لوہے کا جہاز۔ سمندر میں وہ سوئی پھینکیے تو نیچے تک چلی جاتی ہے۔ اتنا بڑا وزنی جہاز وہ ہوتا ہے پھر اس میں اتنا زیادہ وزن لادا ہوا وہ تیرتا جاتا ہے اسی پانی میں جس میں سوئی ڈوب جاتی ہے۔ یہ کیا ہے؟ اس نے ایک قانون بنا دیا ہے اس قانون کے مطابق اگر آپ یہ جہاز بناتے ہیں یہ تیرتا ہے۔ اس سے آگے جہاز کا کپتان ایک بوری بھی نہیں رکھنے دیتا' وہ کہتا ہے کہ جی! اس کی Capacity قانون کے مطابق مقرر کی

ہوئی ہے۔قانون کسی گورنمنٹ کا نہیں' قانونِ خداوندی ہے کہ اتنے وزن کا اتنی Capacity کا' اتنے بڑے سائز کا۔میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔تو وہ خدا کا قانون اٹل ہے اس کے مطابق بنا لیجیے لاکھوں ٹن کا جہاز ہو' قانون کے مطابق ہو تو وہ تیرے گا' اس کی ذرا بھی خلاف ورزی کرو گے تو کتنے انسان ساتھ بیٹھے ہوں ان کو بھی لے کے ڈوب جائے گا۔یہ ہے **جعل لکم** ہمارے قوانین کے مطابق جو تم کشتیاں بناتے ہو' مویشی بھی ہیں ان پہ سواری بھی کرتے ہیں۔کہا یہاں آ کے فرق پڑتا ہے مومن اور کافر میں! سواری دونوں کرتے ہیں' جہاز دونوں کے پاس ہوتے ہیں۔وہ اسے اپنی کاریگری کا نتیجہ سمجھتے ہیں' خدا کا ماننے والا ایسے مقام پہ کہتا ہے **و تقولوا سبحان الذی سخر لنا ھذا و ما کنا لہ مقربین** (43:13) کہ یہ جو اس طرح سے ہمارے زیرِ تسخیر چیزیں آ گئی ہیں خواہ وہ کشتیاں ہوں اور خواہ وہ مویشی ہوں جن پہ ہم سواری کرتے ہیں بوجھ لادتے ہیں یہ جو نہیں ہمارے تابع تسخیر بنا دیا ہے یہ ہمارے بس کی بات نہیں تھی ہم نے نہیں ایسا کیا اُس نے ایسا کر دیا ہمارے لیے۔اس لیے یہ اس کے زیر بارِ احسان ہوتے ہیں۔تم نے ہمارے لیے یہ کر دیا بس یہ شرط ہے۔یہ یورپ کا خدا کو ماننے والا وہ کہتا ہے قانونِ فطرت کی رو سے ایسا ہو رہا ہے۔ٹھیک ہے۔مومن ایک قدم آگے جاتا ہے وہ کہتا ہے کہ فطرت کے قانون بھی تو اسی کے پیدا کردہ ہیں۔وہ براہِ راست یہاں اس سے منسلک کر دیتا ہے کہ تو بہت بلند ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے تم نے ایسی چیزیں ہمارے لیے پیدا کیں۔**و انا الی ربنا لمنقلبون** (43:14) یہ ہے فرق دونوں کے اندر! مسخر دونوں ہی کرتے ہیں اس کو' وہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد جو اپنی' اپنی سائنس کی اپنی کاریگری کی اپنی فیکٹری کی اس کی کارکردگی بتاتا ہے اور یہاں تک رہتا ہے۔یہ مردِ مومن جو ہے یہ کہتا ہے **منقلبون** یہ خدا کی طرف پھر لوٹتا ہے۔کتنے حسین الفاظ ہیں۔وہ ان کاریگروں تک پہنچ کے ختم ہو جاتے ہیں۔یہ وہاں تک پہنچنے کے بعد پھر یہ خدا کی طرف لوٹتا ہے۔بس یہ فرق ہے۔کائناتی خدا جو ہے اس کو مان لینا کچھ فرق نہیں پڑتا اصل چیز یہاں آتی ہے کہ تم اپنے معاملات کے تصفیے کے لیے اس کے قوانین کی طرف لوٹتے ہو یا نہیں۔عزیزانِ من! یہ ہے خدا کا ماننا۔اور ماننے کا تو لفظ ہی کچھ معنی نہیں دیتا' یہ الفاظ ہی بدل دینے چاہئیں۔''خدا کی محکومیت اختیار کرنا'' یہ صحیح ہے۔اور پھر ان سے پوچھیے کہ اس طرح سے ماننے والے کتنے رہ جاتے ہیں۔یہ زبانی مان لینا کہ جس سے پوچھیے تو وہ کہے گا کہ میں خدا کو مانتا ہوں اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔یا یہ کہ یہ کہیے صاحب! کہ میں صرف اس کی محکومیت اختیار کرتا ہوں' کسی انسان کو میں اس کا حق نہیں دیتا کہ کسی انسان پر اپنا حکم چلائے۔یہ ہے خدا کا ماننا جسے کہا جاتا ہے۔میں نے کہا ہے کہ الفاظ پامال ہو جاتے ہیں اپنے معنی

کھودیتے ہیں۔ یہ ماننے والی بات جو ہے یہ غلط ہے۔ یہ کہیے کہ میں اس کے سوا کسی کو بھی صاحبِ اقتدار نہیں تسلیم کرتا۔

کہا یہ لوگ ہیں جو خدا کو ماننے والے ہیں آؤ تمہیں ان کی کچھ مثالیں بتاؤں۔ کہا اب تمہیں خدا کو ماننے والوں کے قصے بتائیں۔ خارجی کائنات سے آگے چلیے خدا کو براہِ راست ماننے والے **و جعلوا له من عباده جزئًا** (43:15) خدا کو ماننے والے اس کے بندوں کو خدا کا جزو مانتے ہیں۔ یہ عجیب لفظ ہے۔ ایک تو ہے کہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں' یہ یہ خدا اس کے مقابلے میں' پھر یہ دوسرا انسان یا کوئی بت یا ان کے ہاں کے بڑے بڑے رہنما وہ تو الگ ہوتے ہیں وہ تو شرک ہوگیا۔ یہ **جزئًا** جو ہے کیا بات کہہ گیا ہے! A Part of God ' اس کا ایک جزو۔ Part میں بھی وہ بات نہیں ہوتی۔ اس کا جزو مانتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کے اجزا ہیں' یہ قلب ہے' یہ جگر ہے' یہ پھیپھڑے ہیں' یہ سانس ہے' یہ خون ہے' ان اجزا کے مرکب ہونے سے ایک پیکر بنتا ہے۔ خدا کے جزو مانتے ہیں۔ تو پہلی چیز تو یہ عیسائیت آگئی کہ خدا باپ اور مسیحؑ بیٹا۔ تو بیٹا تو باپ کا جزو ہوتا ہے۔ دیکھیے! کتنی گہرائی میں بات گئی ہے۔ باپ کے جسم کا ایک حصہ' نطفے کی شکل میں آتا ہے اور یہی رحمِ مادر میں پرورش پا کے بیٹا بنتا ہے یہ باپ کا جزو ہوتا ہے۔ عیسائیت کے اندر جو باپ بیٹا اور روح القدس یا تثلیث' مسیحؑ خدا کا بیٹا' جزو۔ کہا یہ کیفیت ہے۔ اور ہم' ہم سے مراد ہم مسلمان ماشاءاللہ الحمدللہ۔ یہ کہہ کے صاحب! یہ تثلیث ہے عیسائیوں کی۔ خوش ہو جاتے ہیں ہم تو توحید پرست ہیں ہم تو یہ نہیں مانتے۔ انہوں نے تو صرف ایک بیٹا بنایا تھا خدا کا' ہم نے کیا کیا؟ جس سے پوچھو وہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب! ہم تو کسی کو بھی خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ آپ کو پتہ ہے کیا مانتے ہیں؟ تصوف میں بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ روحِ انسانی جو ہے یہ خدا کے روح کے جزو یا اجزا ہیں۔ اصلِ روح جو ہے ذات جو ہے وہ اس کو ذات بھی کہتے ہیں وہ جو ذاتِ خداوندی ہے اس ذات کا ایک ذرہ وہ ہے جو انسانوں کے اندر ہے یعنی وہ اتنے اجزا میں وہ ذات تقسیم ہوگئی ہوئی ہے ''پتہ نئیں باقی وی کجھ رہیا اے کہ نئیں!'' (پتہ نہیں باقی بھی کچھ بچا ہے یا نہیں)۔ یعنی اسے کہتے ہیں وحدتِ وجود۔ وجود تو اسی ذات کا ہے وہ جو انسانوں کے اندر' ہمارے اندر' یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ اس کے جزو ہیں اس کے حصے ہیں یہ مستقل بالذات ہماری روح ہماری ذات یہ نہیں ہے اس کا وجود ہی نہیں ہے وجود اسی کا ہے۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ یہ روح جو ہے یہ جو اپنے اصل سے الگ ہوئی ہے' مادے کی دلدل میں یہاں آ کے پھنس گئی۔ یعنی اس نے اسے بھیج دیا اور یہ پھنس گئی۔ اب یہ وہاں تڑپ رہی ہے' بیقرار ہے اپنے اصل کے ساتھ مل جانے کے لیے۔ انسانی زندگی کا مقصود و منتہا یہ ہے کہ وہ مادے کی آلائشوں سے دور ہوتا چلا جائے تاکہ اس کیچڑ میں سے

یہ ذات جو ہے انسان کی جو خدا کی ذات کا جزو ہے یہ اس میں سے پاک اور صاف باہر نکلے اور نکل کے پھر یہ جزو اپنے اصل کے ساتھ جا کے مل جائے۔ یہ مقصود ہے انسانی زندگی کا' ان تمام ریاضتوں کا' مشقتوں کا' جو تصوف میں کی جاتی ہیں۔ منتہا یہ ہے کہ جزو خدا کا خدا کے اصل میں جا کے پھر سے مل جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ ان کے ہاں اور اب تو دوسری جگہ بھی موت کو وصال کہتے ہیں ''حضرت صاحب کا وصال ہو گیا''۔ اور آگے چلیے تو واصل بالحق تو سب لکھتے ہیں۔ یہ وصال اور واصل کے معنی کیا ہیں؟ مل جانا کسی کے ساتھ۔ کسی اصل کے اندر جا کے مل جانا' یہ ہم سب کہتے ہیں' واصل بالحق ہو گیا۔ کبھی کھڑے ہو کے سوچتے ہی نہیں ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کی ذات خدا سے الگ ہوئی ہوئی تھی واصل بالحق ہو گئی' اس کے ساتھ جا کے مل گئی۔ یہ ختم ہو گیا' یہ فنا ہو گیا' باقی ???اس میں جا کے مل گیا بقا ہو گئی۔

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

اپنے اصل کے ساتھ جا کے یہ مل گئی۔ یہ ہے آپ کے ہاں کا عقیدہ' ??? کا' تصوف کا' جو شریعت کا مغز کہلاتا ہے۔ یہ لوگ بارگاہِ خداوندی کے مقرب کہلاتے ہیں۔ یہی اصلِ دین بتائی جاتی ہے۔ عزیزانِ من! آپ سوچیے! **و جعلوا له من عباده جزئًا** (43:15) جو قرآن نے کہا تھا میں نے کہا ہے کہ عیسائی تو ایک بیٹے کو صرف یہ کہتے تھے لیکن یہاں تو آپ دیکھیے گا کہ ہر ذات' ہر روح' ہر انسان جو ہے اس کے اندر خدا کی ذات کے اجزا موجود ہیں یہ کہتے ہیں۔ یہ کتنے جزو ہیں اور پھر وہ جزو ایسے ہیں کہ جو یہاں اپنی اصل کے ساتھ پیوست ہونے کے لیے تڑپ رہے ہیں بیقرار ہیں۔

دشنا از نے چوں حقائق می کند

از جدائی ہا شکایت می کند

مولانا روم کی مثنوی کا پہلا شعر ہی یہ ہے۔ سنو بانسری کیا کہتی ہے؟ نیستاں سے یہ شاخ جدا ہوئی یہاں بانسری بنی۔ وہ آگے چلیے تو پانچ سات اس کے اندر پھر وہ چھیڑ دیتے ہیں وہ نعت اور یوں اور یہ سارا کچھ۔ یہ بنسری وہاں سے کٹ کے الگ ہوئی ہے' کہا کہ اس کے اندر سے جو تمہیں فغاں کی آواز سنائی دیتی ہے یہ فریاد کر رہی ہے کہ میں اپنی اصل سے جدا ہو گئی ہوں ہجر کی گھڑیاں کاٹ رہی ہوں۔ یہ ہے وہ چیز جو آپ کے ہاں کا تصوف ہے۔ یہ ہجران کے ہاں کہلاتا ہے' وہ وصال کہلاتا ہے۔ ہر ایک ان میں سے کہتا ہے کہ

کس قیامت سے شبِ ہجر میری گزری ہے

کہیں میری شبِ ہجری کی سحر ہو تو کہوں

اس کی سحر جو ہوتی ہے وہ واصل بالحق سے ہوتی ہے' خدا میں جا کے مل جاتے ہیں۔اور پھر فراق سے پہلے وصال تو آپ کو پتہ ہے کیا معنی ہوتے ہیں۔خدا کے ساتھ مل جانا' اس کے اندر جذب ہوجانا' اصل کے مل جانے سے پہلے جو ان کے ہاں مختلف مدارج آتے ہیں اس میں وصال کی صورت یہ ہوتی ہے جیسے وہ وصل کی رات ہوتی ہے۔اس کے لیے ان کے ہاں یہ عرس ہوتا ہے یہ آپ کو پتہ ہے کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ کے ہاں جو شادیوں کے Invitation Card آتے ہیں وہاں عروسی لکھا ہوا ہوتا ہے۔یہاں تو آپ اس کے معنی شادی کرتے ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ عرس کیا چیز ہے؟ یہ شادی تو ہے۔عیسائی تصوف کے اندر of God ???? جو ہے وہ ہے ان کا تصوف' خدا کی؟؟؟؟۔یہ جو Nuns اس دنیا میں شادیاں نہیں کرتی ہیں ان میں سے یا تو وہ مسیحؑ کی؟؟؟ ہوتی ہیں یا خدا کی ہوتی ہیں' دلوں میں یا مسیحؑ کے ساتھ شادی ہوتی ہے یا خدا کے ساتھ ہوتی ہے۔آپ کے ہاں جتنے یہ حضرات مقربین' اولیائے کرام یہ ہوتے ہیں جن کے عرس ہوتے ہیں ان کی شادیاں ہوئی ہوئی ہوتی ہیں خدا کے ساتھ' اس لیے عرس کہلاتا ہے۔یہ ہے وصال۔اور وہ ابھی وصالِ کامل نہیں ہوتا کہ اس میں پھر بھی ابھی اپنا وجود باقی رہتا ہے۔یہ اصل یہ ہے کہ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا۔عیسائیت پہ تو ہم اعتراض کرتے چلے آئے اپنے ہاں کبھی نہیں دیکھا کہ ہم کس طرح سے جزئًا مانتے ہیں۔اور یہ دین کا مغز کہا جاتا ہے' مقربین بارگاہِ الٰہی۔**ان الانسان لکفور مبین** (43:15) کیا بات کہی ہے صاحب ! سب کچھ کہہ کے دو لفظوں میں بات واضح کردی۔کفر کے معنی انکار کرنا ہی نہیں ہے' کسی چیز پر پردہ ڈالنا بھی ہوتا ہے۔کہا یہ لوگ دیکھیے کتنے دیدہ دلیر ہیں کہ اتنی واضح کتاب کے واضح حقائق کے اوپر کس طرح سے پردے ڈالتے ہیں۔پھر اور آگے چلیے اب جہالت کی باتیں آئیں کہ ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو دیوی دیوتا مانتے ہیں اور دیویاں جو ہیں عام طور پر عربوں کے ہاں (اور قوموں میں بھی یہ بات تھی) فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانا جاتا تھا اور ان کی پرستش ہوتی تھی۔ہندوؤں کے ہاں بھی جنہیں دیویاں کہا جاتا ہے کچھ ایسا ہی تصور ہے ان کے ہاں۔آپ دیکھیے قرآن کس طرح سے جتنے اہلِ مذاہب ہیں ان کے باطل تصورات کو کیسے کاٹتا جاتا ہے' جہاں صرف جہالت کی بنا کے اوپر کچھ کیا جاتا ہے ان کو بھی وہ ساتھ لیتا ہے' کہتا ہے ان کو دیکھو خدا کی بیٹیاں بناتے ہیں۔اور اپنی کیفیت یہ ہے کہ لڑکیوں کے متعلق عربوں کے ہاں کا تصور یہ تھا

جس طرح ہمارے ہاں لڑکی پیدا ہونے سے صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ پہلی کو تو خیر برداشت کر ہی لیا جاتا ہے بعض اوقات دو تک بھی لیکن اس کے بعد تو اگر تیسری آئے تو وہ اس بیچاری پہ غش طاری ہو جاتی ہے' جس کے ہاں وہ بیٹی پیدا ہوتی ہے اس گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔ ساس تو کہتی ہے کہ پہلی اولاد ہی لڑکی ہے! یہ عورت بڑی منحوس ہے۔ یہ کیفیت عربوں کے ہاں تھی۔ کہا کیفیت یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں خدا کی بیٹیاں۔ کیسی عمدگی سے اس کی تردید کی ہے' استدلال کتنا خوبصورت ہے۔ **و اذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلًا ظل وجھہ مسودًا و ھو کظیم** (43:17) کہتا ہے کہ خدا کے معاملے میں تو بیٹیاں اس کی بنائی ہوئی ہیں' اپنی کیفیت یہ ہے کہ ایک بیٹی کی پیدائش کی خبر سنا دیجیے منہ کالا ہو جاتا ہے ان کا' غصے کے مارے تڑپ رہا ہوتا ہے۔ تو اتنا بھی نہیں خیال کرتے کہ جس ایک بیٹی کے آنے سے ہماری کیفیت یہ ہوتی ہے اس قسم کی چیزیں ہم خدا کی طرف ہزاروں کروڑوں منسوب کرتے چلے جاتے ہیں۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ منسوب بھی کرو تو چلو عیسائیت نے بیٹا منسوب کیا تھا اور بیٹے کو تو خدا نے ایک لفظ میں کاٹ کے رکھ دیا تھا کہ ان سے کہو کہ خدا کا بیٹا ہے؟ کہ ہاں۔ کہا اس کی بیوی کہاں ہے' بیوی کے بغیر تو بیٹا ہو نہیں سکتا۔ یہ بیٹیاں بنانے والوں کے متعلق کہا کہ بیٹیوں کے متعلق اپنی تو یہ کیفیت کہ ایک بیٹی آئے تو غم و غصے کے مارے منہ پھلاتا پھرتا ہے (یہ دوسری جگہ ہے)' چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے سوچتا ہے کہ اسے زندہ رکھوں یا ابھی گڑھا کھود کے دبا دوں اور وہ گڑھے کھود کے دبا دیا کرتے تھے۔ اب یہاں آگے وہ آیت آتی ہے جس کی تشریح کے لیے مجھے ذرا اور جانا پڑے گا۔

آپ نے یہ عام سنا ہوگا اور اب تو وہ جو قوانین آپ کے ہاں بن رہے ہیں اس میں تو یہ خاص طور پہ یہ چیزیں مشہور ہیں کہ شہادت کے لیے ایک مرد یا دو عورتیں۔ تو وہ جو عورتوں کو ناقص العقل' پست درجے کی مرد کے مقابلے میں' اس کے لیے دلیل یہ دی جاتی ہے کہ قرآن نے شہادت کے لیے گواہی کے لیے ایک دو مرد اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور اس کے ساتھ ایک عورت نہیں بلکہ دو عورتیں۔ تو ہو گیا کہ کم از کم دو عورتیں اکٹھی کی جائیں تو ایک مرد کے برابر ہوتی ہیں۔ یہ جو چیز ہے کہ عورت جو ہے مرد سے آدھی ہوتی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اب جو قانون بن رہے ہیں یہ جو خوں بہا یا دیت دیا جاتا ہے قتل کیا جائے تو اس کی قیمت دی جاتی ہے اس کی زندگی کی اس کی جان کی اسے خوں بہا کہتے ہیں اس کے خون کی قیمت۔ یہ جو قانون بن رہا ہے اس کے اندر یہ چیز ہے کہ اگر مرد قتل ہو جائے تو جتنا اس کا خوں بہا مقرر کیا جائے' اس کی جگہ اگر عورت قتل ہو جائے تو اس سے آدھا خوں بہا اس کا ہوگا۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ہوتی ہے۔ قرآن نے یہ کہا ہے کہ **و یضل بہ کثیرًا**

و یھدی بہ کثیرًا اسی قرآن سے اکثر دلیل لائی جاتی ہے۔ یہ سورۃ بقرۃ کی آیت (2:282) ہے۔ بات آ رہی ہے کہ اگر لین دین کا کہیں معاملہ ہوا اور وہ تحریر میں لایا جائے اس تحریر کے اوپر اگر شہادت کی ضرورت پڑے ضرورت نہیں پڑے بلکہ شہادت ضروری ہے تو اس میں دو مرد بطور گواہ کے لیے جائیں اور اگر دو مرد نہ ہوں فان لم یکون رجلین فرجل و امراتٰن ممن ترضون من الشھدآء (2:282) تو دو عورتیں۔ اب سنیے قرآن کیا کہتا ہے ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ (2:282) یہ نہیں کہا ہے کہ وہ ایک ان میں سے عورت گواہی دے یا وہ گواہی پوری ہو جائے تو پھر دوسری عورت بھی گواہی دے۔ قرآن کہتا ہے یہ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ وہ عورت جو گواہی دینے کے لیے کھڑی ہوئی ہے کہیں اگر Confuse ہو جائے گھبرا جائے تو اس کے ساتھ اس کی کوئی جاننے والی اس کی عزیز جس پہ اس کو بھروسہ ہے اس کو کٹہرے میں کھڑا کر دو کہ ایسے وقت میں وہ اس کو تسلی دے کہ گھبراؤ نہیں! یوں ہے بات یوں کرو۔ تو دوسری عورت کی شہادت نہیں ہے یہ نہیں کہ ایک کی شہادت پوری ہو جائے تو دوسری کی گواہی لو بالکل نہیں۔ اگر یہ کبھی کہیں کسی جگہ Confuse ہو جائے گھبرا جائے تو اس کے ساتھ دوسری اس کی کوئی سہیلی کوئی عزیز ہو جو اسے کہے کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے لو پانی کا گھونٹ پیؤ بات تو یوں ہے جو کچھ کہہ رہی ہو تو اس کو تسلی ہو جائے گی۔ قرآن اتنی بات کہتا ہے دوسری کی شہادت کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ اب خیال یہ ہے کہ اتنی ضرورت بھی کیوں پیش آ رہی ہے۔ بات وہ کر رہا ہے جہاں سے ابتدا ہوئی اس معاشرے کی۔ میں اسی آیت پہ آ جاؤں گا۔ اُس معاشرے کو چھوڑ دیجیے ہمارے اِس معاشرے میں بیسویں صدی کے اندر جہلا یا کچھ گاؤں کی عورتیں نہیں آپ کے ہاں کی شہروں کی عورتیں پڑھے لکھے گھرانوں کی عورتیں جن کو پہلے کبھی اتفاق نہ ہوا ہو کسی کچہری میں جانے کا کسی تھانے میں جانے کا سمجھدار اچھی بھلی پڑھی لکھی عورت کو بھی پہلی دفعہ کہیں تھانے میں لے جایئے یا کورٹ میں دیکھیے اس کی گھبراہٹ کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔ اچھے بھلے مرد پہلی دفعہ اگر کورٹ میں جاتے ہیں جو ان معاملات کے اندر پیشہ ور نہیں ہوتے وہ گھبرا جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں جو وکیل اور یہ اور وہ سارے کے سارے دوسری پارٹی اس نرغے میں گھری ہوئی ایک عورت ایک لڑکی پہلی دفعہ یہ اس کے ساتھ ہوا اس کا گھبرا جانا عین عادت و فطرت ہے۔ قرآن نے اس چیز کو سامنے رکھا اور وہ بات کہی کہ اس کا حل یہ ہے کہ وہ تنہا جا رہی ہے اس کو تنہا نہ جانے دو اس کے ساتھ اس کی کوئی اور ایسی سہیلی جس پہ اس کو اعتماد ہو اس کو اس کے ساتھ کر دو۔ وہ وہاں جا کے صرف ساتھ رہے۔ اگر یہ چیز ان تضل احدٰھما فتذکر (2:282) یہ ہے اس کا مقصد اگر وہ کہیں گھبرا جائے اور کہیں کسی

معاملے میں کسی بات کہنے میں Confuse ہو جائے تو یہ اس کو یاد دلا دے کہ بات یوں تھی۔ یہ ہے جو قرآن نے کہا ہے۔ اب میں نے کہا ہے کہ وہ اس زمانے کے عرب کی حالت تو ایک طرف ہی آج بھی ہمارے ہاں پہلی دفعہ کسی عورت کو کورٹ میں جانے کا یا تھانے میں جانے کا اتفاق ہو تو دیکھیے اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔قرآن کہتا ہے کہ ہم نے یہ کیوں کہا ہے کہ ایسا کرو؟ کہا عورتیں یہ ہیں جن کی تم نے یہ حالت بنا رکھی ہے۔ اب یہ آیت (43:18) آئے گی جہاں میں نے بات چھوڑی تھی۔ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ اس نے یہ کیوں کہا ہے کہ ایک عورت اور ساتھ کیوں کر دیا کرو۔کہا تم نے ان کی حالت یہ بنا رکھی ہے **او من ینشوا فی الحلیۃ و ھو فی الخصام غیر مبین** (43:18) ان کو تم نے کوٹھڑیوں کے اندر بند کر کے رکھا ہے اور پھر ان کی کیفیت کیا ہے؟ کہ زیورات پہنانے والی بنا دیا' ان کی زندگی کا سارا منشا خواہشات جو ہے وہ تو زیور بنوانے تک محدود ہے کہ نہ مرکی بنوائی' نہ کانٹے بنوائے' نہ یہ بند بنوائے۔تو کہا کہ زیوروں میں رکھ کے تم اس کو پالتے ہو اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کچہری میں جا کے مقدمہ تو ایک طرف رہا گھر میں بھی اگر کہیں کسی معاملے کے اندر جھگڑا ہو جاتا ہے تو یہ اپنی بات کو واضح طور پہ بیان نہیں کر سکتی۔جھگڑا ہو جاتا ہے تو اس میں Confuse ہو جاتی ہے اپنے گھر کے اندر۔تم نے اس کی یہ کیفیت کر رکھی ہے کہ اس کو الجھا دیا ہے کہ عورت کے لیے زیورات ہی ہیں۔ ذرا سی یہ کسی معاملے کے اندر ناراضگی یا اختلاف یا کچھ ہوا تو وہ شام کو کانٹے بنوا کے لے آتا ہے معاملہ حل ہو گیا''اے وی خوش ہو جاندی اے''۔کہنے لگے تم نے اس کو کر تو یہ رکھا ہے کہ ان کی زندگی کا منتہا کوئی انگوٹھی' کوئی کانٹے' بس یہ ہے۔اور تو اور اقبالؒ جیسا مفکر بھی اس مقام پہ آ کے کھڑا ہو جاتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں بھی نہیں یہ سمجھ سکا کہ عورت اپنی قدر آپ کچھ کرتی ہے یا گلوبند ہوتا ہے جس کی قدر یہ ہوتی ہے۔قرآن کہتا ہے **او من ینشؤا فی الحلیۃ** (43:18) تم نے اس کو ایسا بنا رکھا ہے کہ زندگی کا مقصد ہی اس کا کچھ زیورات رہ گیا ہے۔**و ھو فی الخصام غیر مبین** (43:18) گھر میں کبھی جھگڑا ہوتا ہے تو اس میں بھی اپنا جواب' اپنا Expression' اپنی مدافعت' واضح طور پہ نہیں کر سکتی۔روز ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے۔اس بیچاری کو بات ہی نہیں کرنے آتی۔کہنے لگے کہ اس قسم کی جو عورت کی کیفیت تم نے بنا رکھی ہے اس کو جو تم کورٹ میں لے جاؤ تو وہاں کیا حالت ہو گی! ہر سچا مقدمہ جھوٹا ثابت ہو جائے گا۔تو اس قسم کی گواہ کے لیے کم از کم اتنا تو کرو کہ جس پہ اس کو بھروسہ ہے وہ اس کے ساتھ کر دو تا کہ اس کو حوصلہ رہے کہ کوئی بات نہیں ساتھ عورت کھڑی ہے۔اور وہ کاہے کے لیے کھڑی کر دو؟ کہ اگر کہیں Confuse ہو جائے تو وہ اس کو بتا دے کہ بات کیا ہے۔مجھے یہ تفصیل سے اس لیے بیان کرنا پڑا کہ اب جو

آپ کے قانون بن رہے ہیں' قانونِ شہادت' ان کے اندر بھی یہ چیز ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے مقابلے میں۔ یہ نہیں کہ وہ دوسری اس مقصد کے لیے کھڑی ہو' دونوں مستقل طور پہ گواہ۔ اور قتل کے مقدمے میں تو عورتیں دس ہوں ان کی بھی شہادت قبول نہیں' یہ قانون بن رہا ہے' شہادت ہی قبول نہیں۔ اور اگر وہ اس قسم کے دیوانی کے وہ جو میں نے آیت پڑھی ہے اور اس میں بھی یہ بات جو ہے وہ کچھ گواہی میں سمجھتا ہوں کہ کورٹ والی بات نہیں دستاویز والی بات ہے صرف لین دین کا معاملہ ہے فوجداری قصہ کوئی نہیں ہے۔ اب بعض جو قانون بن رہے ہیں آپ کے ہاں فقہ کے' نئے نہیں ہیں وہی پرانے قانون ہیں' پرانی شراب نئی بوتلوں کے اندر آ رہی ہے۔ اس میں بعض ایسے مقدمات ہیں جس میں عورت کی گواہی ہی سرے سے قابلِ قبول نہیں ہے۔ اور بعض ایسے ہیں جہاں ایک کی جگہ دو عورتوں کی شہادت ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ قرآن نے ایسا کہا ہے۔ اور عورت کو کہہ دیا جاتا ہے تمہاری قیمت تو خدا نے یہ مقرر کی ہے۔ اگر ہم نے تمہارے خوں بہا کی قیمت مرد سے آدھی رکھی ہے تو ہم نے کونسا تم پہ ظلم کیا ہے! خدا دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیتا ہے۔ یہ ہے وہ آیت۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حالت جو قرآن نے کہی ہے کہ تم نے ایسا ان کو بنا رکھا ہے کہا کہ کیا یہ چیز عورت کی فطرت ایسی ہے کہ یہ ایسی ہی ہے واضح نہیں ہے بات صاف نہیں کر سکتی کم عقل ہے مرد سے آدھے درجے پہ ہے کیا یہ عورت پیدائشاً ایسی ہے' Create ہی ایسی کی گئی ہے؟ کہا کہ یہ تو تمہاری تربیت ہے جس نے اس کو ایسا بنا دیا ہے۔ تربیت تو پہلے دن سے شروع ہوتی ہے ''ہائے نی صدقے جاواں بھرادے' نی بھرادے سامنے بولنی ایں پئی'' (ہائے! بھائی کے صدقے جاؤں' اری! تو بھائی کے سامنے بولتی ہے) پہلے دن سے یہ آواز آتی ہے' ہر گھر سے یہ آواز آتی ہے۔ Inferriority Complex پہلے دن سے اس کے اندر داخل کر دیا جاتا ہے ''ابا! مینوں ماردا ای' اوبھرا ماردا ای' بے حیا توں نہ اگوں ہتھ چکیں'' (ابا! مجھے مارتا ہے' بھائی مارتا ہے' اے بے حیا! مگر تو نہ آگے سے ہاتھ اٹھانا) تم نے مار کھانی ہے تم نے جواب نہیں دینا۔ پہلے دن سے یہ Psychological Complex اس کے اندر داخل کیا جاتا ہے' ہر معاملے میں اسے نیچے رکھا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کی فطرت ہی ایسی ہے۔ عزیزانِ من! فطرت کوئی شے نہیں' اپنے ہاتھ سے تم اپنی فطرت خود بناتے ہو۔ کہا آؤ تمہیں بتائیں ہم کہ جب قرآنی معاشرہ قائم ہوگا جس کو اس نے جنت سے تعبیر کیا ہے تو کہا کہ انہی عورتوں کی تربیت اس طرح سے کی جائے گی اور ان میں کس قسم کا انقلاب آئے گا۔ قرآن کی آیت (56:34:35) میں پہلی چیز تو یہ کہی کہ اس میں عورت نہیں کہا فرش مرفوعة (56:34) بیگمات بلند مرتبوں والی۔ اٹھایا پستی

سے اور لے گیا بلندیوں کے اوپر۔ ان عربوں کے ہاں **فرش** بیگمات کو کہتے ہیں۔ یہ عجیب قوم تھی۔ پھر **مرفوعة** ساتھ ہے بلند مرتبہ۔ کیسے بلند مرتبہ یہ ہوگئی' وہ کہ جس کو تم نے زیورات میں پالا تھا' اپنے گھر میں یہ بات نہیں کرتی تھی۔ کہنے لگے کہ اس لیے **انا انشانٰھن انشآء** (56:35) وہاں ان کی تربیت کی جائے گی اور اس تربیت کے بعد **فجعلنٰھن ابکارًا** (56:36) یہ ایک نئی تخلیق ہو جائے گی۔ ہماری ایک بچی کا یہ پمفلٹ ہے "Recreative"۔ اس تربیت کے ذریعے سے ایسی اس کی Recreation ہوگی دوبارہ اس کی تخلیق ہوگی' اس قسم کی یہ بن جائے گی کہ بس یوں کہیے اس کا ترجمہ یہ ہوجاتا ہے کہ یہ کچھ اور کی اور ہوجائے گی۔ **فجعلنٰھن ابکارًا** (56:36) ترجمے میں نہ جا کے دیکھیے گا۔ تم کہو گے کہ ہم نہ دیکھیں بہرحال تم تو ترجمہ بتایا کرتے ہو۔ بتایا کرتا ہوں اگر اس میں بیٹیاں اور بہنیں نہ آئیں۔ یہ **ابکارًا**' **عربًا** اور **اترابًا** کے جو ترجمے وہاں ہوتے ہیں ان میں تو عورت کو اپنے لیے ایک لذت کا' خواہش کو پورا کرنے کا سامان بنا رکھا ہے۔ **انشانٰھن انشآء . فجعلنٰھن ابکارًا** (56:35-36) ایک نشاۃِ ثانیہ ان کی' Recreation ان کی تربیت سے ہم کریں گے کچھ کی کچھ بن جائے گی۔ اور پہلی چیز اس میں یہ ہوگی **عربًا** (56:37) ایسی فصیح البیان جیسے تم عرب اپنے آپ کو کہا کرتے ہو وہ ایسی بنے گی۔ بات یہ تھی کہ اپنے جھگڑے میں بھی ہی **غیر مبین** ہے' بات صاف نہیں کر سکتی' تمہاری آج کی عورت یہ ہے۔ اور اس معاشرے کے اندر جو تربیت ہوگی پہلی چیز **عربا** برابر لا کے کھڑا کر دیا' یہ عرب اپنے آپ کو سب سے فصیح البیان کہا کرتے تھے' کہا یہ ہوگی۔ اب یہاں بات ہوئی کہ آج اگر عورتوں کے اندر کچھ ایسی ہیں جن کو بولنا زیادہ آتا ہے وہ اپنی دوسری ہم زلف عورتوں کے لیے ایک مصیبت بن جاتی ہیں وہ عذاب ہوجاتی ہیں' رکابت' حسد آپس میں ایک دوسرے سے۔ اس کی وجہ سے جو بھی زیادہ بولنے لگ جائے' چڑھ دوڑتی ہیں دوسروں کے اوپر۔ **عربًا** کہا کہ اس قدر فصیح البیان بھی اور آپس میں **اترابًا** (56:37) ایسی ہونگی گویا ایک ہی گوندھی ہوئی مٹی کی سب بنی ہوئی ہیں۔ عزیزانِ من! اس سے جامع' مثال' تشبیہ' ذہن میں نہیں آ سکتی۔ ایک ہی مٹی گوندھی ہوئی رکھی ہوئی تھی کتنے ہی ہم نے یہ بنا دیں یہ بیٹی زینب بنا دی یہ عائشہ بنا دی۔ یہ عائشہ اور زینب کے نام تم نے رکھ دیے ہیں ہم نے تو ایک ہی مٹی کی یہ سب بنائی ہوئی ہیں۔ وہ ایسی ہونگی جیسے ایک مٹی کی بنی ہوئی۔ اور وہ اگر ساری کی ساری **عربا** ہوجائیں تو آدم کے بیٹوں کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ **عربًا اترابًا** (56:37) کہا یہ بن جائے گی۔ تو کیا پھر یہ ضرورت ہوگی کہ یہ اس بہن کے ساتھ جا کے کھڑی ہو اور وہاں جا کے یہ بتائے کہ تو گھبراتی کیوں ہے' اس کو تو گھبرانے والی بات ہی نہیں ہوگی۔ عزیزانِ

من! بات تو یہ عورتوں کی تھی یہ بات یہاں تک آ گئی۔ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ میرے سامنے چار لفظ ایسے آئے ہیں۔ حریص میں اب اتنا ہو گیا ہوں لالچی ہو گیا ہوں جی نہیں چاہتا آگے بڑھنے کو۔ جنتی معاشرے کا ذکر ہے۔ ہمارے ہاں تو یہ ساری باتیں جنت پہ ہی اٹھا رکھتے ہیں کہ وہاں' یہاں تو جو حالت ہماری ہو رہی ہے وہ سب ٹھیک ہے خدا چاہتا یہ ہے کہ ہم یہاں ذلیل وخوار ہی رہیں۔ ذرا ایک نقشہ تھوڑا سا دیکھیے جنتی معاشرے کا' جنتی نظام کا۔ جو تصویر کھینچی ہے قرآن نے **فی سدر مخضود . و طلحٍ منضود . و ظل ممدود** (5628-30) اس کو چھوڑتے جایئے' ایک چیز ہے **و مآء مسکوب** (56:31) عربوں کے ہاں پانی بڑی گراں بہا چیز ہوتی تھی ملتا ہی نہیں تھا' یہی جوہڑوں کا چھپڑوں کا پانی وہ بھی مد ہوتا تھا ان کے ہاں' کنواں کھودنا ہی تو پوچھو ہی نہ کہ اس قدر مشقت طلب ہوتا تھا' ریگستان کا کنواں کھودنا' پھر وہ بند ہو جاتا تھا۔ تشبیہ ہے یہ اسلامی معاشرے کے نظام کی۔ **مآء مسکوب** (56:31) وہ صاف اور شفاف اور ٹھنڈا چشموں کا پانی جس کے لیے مشقت کے ساتھ کنواں ہی نہ کھودنا پڑے۔ آہاہا! زندگی کی بنیاد پانی کے اوپر ہے' پانی ملے عربوں کو صاف شفاف شیریں ٹھنڈا اور اس کے لیے کنواں کھودنے کی مشقت نہ برداشت کرنی پڑے بہتا ہوا پانی تمہارے سامنے آ جائے۔ برادرانِ عزیز! اس معاشرے کے اندر جن چیزوں کے اوپر زندگی کا مدار ہو گا بلا جگر پاش مشقتوں کے ہر فرد کو وہ ملیں گی۔ وہ چشمہ سلسبیل کہتا ہوا جائے گا' پوچھتا ہوا جائے گا کہ بتاؤ کسی کو ضرورت ہے لے لو۔ **و فاکھةٍ کثیرةٍ** (56:32) کثرت کے ساتھ پھل۔ یہ اناج ہی نہیں بلکہ کثرت کے ساتھ پھل۔ یہ دو لفظ پھلوں کے متعلق میرے سامنے آئے **لا مقطوعة ولا ممنوعةٍ** (56:33) **لا مقطوعة** : ایک تو انسانوں کی طرف یہ ہے کہ ان پھلوں کے سامنے کوئی شخص ایسا نہیں ہو گا کہ جو دوسرے کے لیے ان کو قطع کرلے اور دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے کہ وہ درخت ایسے ہونگے کہ جن کے پھل ہر موسم میں پھل دیتے چلے جائیں گے یعنی وہ موسم کے لحاظ سے بھی نہیں ہو گا کہ اب اس کا موسم آیا ہے اب موسم ختم ہو گیا **مقطوعة** درمیان میں Interruption بھی نہیں ہو گی' مسلسل' جب تک وہ نظام قائم رہے گا یہ ساری چیزیں مسلسل ملتی رہیں گے **لا مقطوعة** ۔ اور **لا ممنوعةً** کوئی انسان بھی ان کے سامنے رکاوٹ کھڑی نہیں کر سکے گا۔ بدترین اس نے جو انسان گنائے ہیں **ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون** تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کی اصل اور غایت سے بے خبر رہتے ہیں۔ **ھم یرآئون** وہ نماز اسی کو سمجھتے ہیں جو چیز دوسرے لوگ دیکھتے ہیں کہ یہ ہو رہا ہے یہ محسوس نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ **و یمنعون الماعون** اور کیفیت یہ ہے کہ جس رزق کو بہتے پانی کی

طرح رہنا چاہیے تھا اس میں بند لگا دیتے ہیں۔ ویل للمصلین ۔ یہاں قرآن نے لا ممنوعةٍ کہا کہ وہاں ان کے سامنے کوئی بند نہیں لگائے گا۔

تو وہاں کہا یہ کہ تم نے عورت کی یہ حالت بنا رکھی ہوئی ہے' اپنے جھگڑے کو بھی بیان نہیں کر سکتی۔ یہ ٹھیک ہے لیکن اس نظام میں تو ان کی تربیت پھر ایسی ہوگی کہ عربا ہونگی اترابًا ہونگی۔

ہم آج سورۃ الزخرف کی آیت 18 تک آئے ہیں 19 ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج جولائی 1981ء کی 17 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الزخرف کی آیت 19 سے ہو رہا ہے 43/19۔

یہ آیت سابقہ آیات کے تسلسل میں ہی آ رہی ہے، رسول ایک عظیم انقلابی شخصیت ہوتی ہے اور اس کا انقلاب عالمگیر بھی ہوتا تھا اور ہمہ گیر بھی ہمہ گیریت کی جہت سے اسے جس جس قسم کے مخالفین سے واسطہ پڑتا تھا یا جن عناصر اور امور کی اس نے اصلاح کرنی تھی وہ بڑے گوناں گوں ہوتے تھے قرآنِ کریم میں آپ دیکھئے کہیں تو وہ ان غلط تصورات اور خیالات کی تردید اور تصحیح کرتا ہے جو آج کی اصطلاح میں یوں کہئے فلسفے پر مبنی ہوتے ہیں، علم و دانش پر مبنی ہوتے ہیں تو ان کے لئے تو وہ دلیل کی بات دلیل سے پیش کرتا ہے خود بھی دلائل پیش کرتا ہے ان سے بھی کہتا ہے کہ (**ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین**) وہ کہتا ہے کہ (**ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ**) میں جو تمہیں خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں وہ علی وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں تو یہ جتنے غلط عقائد ایسے تھے جو فلسفہ اور کلام کی غلط نگہی کی بناء پر پیدا ہوتے تھے اس کے پیشِ نظر ان کا ابطال اور ان کی جگہ صحیح عقائد کا پیش کرنا بھی تھا اہلِ کتاب تھے وہ اپنے ہر باطل عقیدے اور مسلک کی تائید میں اپنی کتاب کو پیش کرتے تھے کتاب کے متعلق رسول کا اعلان یہ ہوتا تھا کہ ہر نبی خدا کی طرف سے رسول تھا اور خدا کی طرف سے ہی وہ پیغامات لاتا تھا تو جب اہلِ کتاب اپنے ہاں کی کسی کتاب کی سند پیش کرتے تھے تو دعویٰ ان کا یہ ہوتا تھا کہ آپ تو خود مانتے ہیں نا کہ یہ خدا کی طرف سے وحی تھی اور یہ وہی تعلیم تھی تو آپ اس کے خلاف کیوں کہتے ہیں اب وہاں یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ یہ وہ تعلیم نہیں ہے جو خدا نے تمہارے نبی کو دی تھی گویا ان کے ہاں کی کتاب یا مبینہ یا جس کا وہ دعویٰ کرتے تھے اس کی تردید کرنی تھی یہ کہہ کے کہ یہ محرف ہے اس میں تحریف ہو چکی ہے اہم گوشہ بھی تھا اور بڑا مشکل مقام بھی تھا، پھر اس کے سامنے وہ لوگ بھی تھے جو بغیر کسی سند کے محض توہم پرستی پر مبنی کچھ عقائد کچھ مسالک رکھتے تھے وہ غلط علم و بصیرت کے مدعی ان کا معاملہ کچھ ایسا مشکل نہیں تھا وہ دلائل سے اس کی تصحیح ہو جاتی تھی اور ہو سکتی تھی لیکن جہاں خالص توہم پرستی کا معاملہ ہو تو وہاں عقل و بصیرت اور علم و دانش اور بلکہ سند و حجت بھی کوئی کام نہیں دے سکتی

وہ تو توہم پرستی ہوتی ہے اس کا دور کرنا بڑا مشکل امر ہوتا ہے یہ بھی سامنے تھے پھر غلط نظام کے حامل بھی سامنے تھے اس نے دنیا کا ہر نظام جو معلوم نہیں کتنے ہزار ہا برس سے چلے آ رہے تھے یہ نظام سرمایہ داری کا نظام وہ تاریخ یوں بتاتی ہے جیسے انسان سے آنکھ کھولی تو یہ ساتھ ہی آ گیا، شخصیت پرستی کا نظام ملوکیت کا نظام مذہبی پیشوائیت کا تھیوکریسی کا نظام یہ بھی اس کے سامنے ہوتے تھے ان کی تردید بھی کرنی تھی ان کی جگہ مثبت نظام بھی دینے تھے تو آپ غور کیجئے کہ ایک رسول کے سامنے جو اس کا مشن تھا جس جس گوشے میں اس نے انقلاب برپا کرنا تھا ہو کتنے متنوع گوشے تھے اور اس کا تصادم کس کس نوعیت کے لوگوں سے ہوتا تھا پچھلی آیات میں اس توہم پرستی پر مبنی جو اعتقادات تھے ان کا ذکر تھا عرب تو براہِ راست ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے باقی مذاہب میں یہ ایرین مذاہب جنہیں کہتے ہیں ان کے ہاں بھی مثلاً ہندوستان میں یہ دیویاں جو تھیں، دیوتا ان کو تو خدا کے یہ اوتار مانتے تھے خدا بھی مانتے تھے، دیویاں جو تھیں یہ بیٹیاں ہی مانتے تھے یا بیویاں مانتے تھے خدا کی، ایران میں بھی اسی قسم کے عقائد تھے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے عربوں کے ہاں تو یہ عام عقیدہ تھا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہوتی ہیں تو پچھلی آیت میں تو ان کی تردید انہی کے ایک مسلک کی رو سے کی کہ یہ بات تو ہم بعد میں کریں گے کہ ملائکہ جو ہیں وہ بیٹیاں ہیں یا بیٹے ہیں مرد یا عورتیں ہیں پہلے یہ بتاؤ کہ اپنے ہاں کی تمہاری کیفیت یہ ہے کہ جسے اطلاع دی جائے کہ تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے شرم کے مارے ڈوب مرتا ہے غصے سے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اسے زندہ رہنے دوں یا زندہ قبر میں گاڑ دوں، بیٹیوں کے متعلق تو تمہارا اپنا یہ عقیدہ اور یہ مسلک اور کیفیت تمہاری یہ کہ خدا کیطر ف تم بیٹوں کو منسوب نہیں کرتے اولاد بھی اس کی ٹھہراتے ہو تو بیٹیاں اولاد ٹھہراتے ہو اور پھر کہا یہ کہ پھر وہ بیٹیاں کہ جن کو طوعاً و کرہاً زندہ رہنے دیتے ہو لیکن انکی تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ بالکل گڑیا بن کے گھر میں رہ جاتی ہیں زیورات میں پلی ہوئیں زندگی کا مقصد ہی ان کا زیب و زینت کی چیزیں اس طرح سے ان کی پرورش ہوتی ہے اور کیفیت یہ ان کی ہوتی ہے کہ اگر ان کا کوئی اپنا معاملہ ایسا آ جائے جس میں کوئی نزاع پیدا ہوا اختلاف پیدا ہو جھگڑا پیدا ہو وہ اپنا کیس خود بیان نہیں کر سکتیں یہ ان کی کیفیت ہے تو اس قسم کی مخلوق کو تم جسے اپنے ہاں جن کی آمد پر تمہاری یہ کیفیت ہوتی ہے تم اسے خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہو سوچو تو سہی کہنے کے لئے یوں کہئے کہ تم سے بہرحال عیسائی اچھے وہ خدا کی بیٹی نہیں خدا کا بیٹا تو مانتے ہیں اور ادھر عیسائیوں کی خدا کے بیٹے ہونے کی تردید جس طرح سے کی ہے ایک فقرے میں تردید کر دی، اب وہی جو چیز ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہنے کا یا تسلیم کرنے کا باطل عقیدہ جو توہم پرستی پر مبنی تھا اسی سلسلے میں یہ کہا ہے اگلی بات (**و جعل الملئکة الذین هم عبد الرحمن اناثًا**) کہا کہ تم ملائکہ اب انداز

دیکھئے قرآن کا الگ دلیل نہیں دی ان کی جو یہ کہئے کہ جوصفت یا directive ان کے لئے پیش کیا ہے اسی میں ساری بات کہدی کہ وہ ھم عبٰد الرحمٰن وہ تو خدا کے عبد ہیں وہ تو یعنی عبد کا ترجمہ عام طور پہ تو غلام ہی کیا جاتا ہے عبودیت تو محکومیت ہے خدا کے احکام کی اطاعت کرنے والے اس کے پروگرام کو بروئے کار لانے والے وہ تو یہ مخلوق ہے درمیان میں صرف دولفظ کہے ہیں اوران کی صحیح حقیقت جو ہے وہ واضح کردی کہ ان کا مقام خود معبودیت کا ہو ہی نہیں سکتا وہ تو عبد ہیں خدا کے، تو جو عبد ہے وہ تو نہ اولاد ہوسکتی ہے نہ خود معبود ہوسکتا ہے ان کے دونوں عقیدے جو تھے وہ ان کی پرستش بھی کرتے تھے ان کو خدا کی بیٹیاں بھی مانتے تھے عبٰد الرحمٰن کہنے سے ان دونوں عقیدوں کی جڑ کاٹ کے رکھ دی بات کہتے کہتے درمیان میں ایک بات کہہ گیا ہے وہ اور آگے یہ کہا ہے کہ تم انہیں کہتے ہوناثا کہ وہ جسے کہتے ہیں female مؤنث ہیں پوچھتے ہیں کہ (**اشھدوا خلقھم**) کہا جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو تم وہاں موجود ہوتے ہو جو تمہیں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ مؤنث ہے یا مذکر ہے، غور فرمایئے انداز کیا ہے، کیا جواب دے سکتے تھے اس کا یہ جو مؤنث مذکر کی تفریق ہے محسوس ہے جسمانی ہے بچہ پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلی آواز وہ دایہ یا ہوڈاکٹرنی وہاں دیتی ہے وہ اس بچے کو دیکھ کر یہ جو علامت ہے بنیادی تانیث اور تذکیر کی اسے دیکھنے کے بعد وہ announce کرتی ہے کہ بیٹا ہے یا بیٹی ہے، کہا کہ تم بتاؤ کہ جب فرشتوں کو بنایا ہم نے یا بناتے ہیں یا یوں پیدا ہوتے ہیں تو تم وہاں موجود ہوتے ہو دایہ کی طرح کہ تمہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بیٹا نہیں بیٹی ہے (**ستکتب شھادتھم و یسئلون**) کہتا یہ ہے تمہارے ہاں کی شہادت یا جو کچھ تم کہتے ہو ان کے متعلق یہ بھی ہم ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں اور تم سے یہ پوچھا جائے گا یا ہم پوچھتے ہیں تم سے کہ اب بتاؤ تمہارے پاس اس عقیدے کی دلیل یا سند کیا ہے کہ وہ female ہے male نہیں ہے اتنی بات ہی بتاؤ تانیث ہے تذکیر نہیں ہے مؤنث ہے مذکر نہیں ہے بیٹیاں ہیں بیٹے نہیں ہیں، پوچھیں گے ہم تم سے یہ جو تم کہتے ہو یہ تو ہم نے لکھ لیا بیان تمہارا کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور اس کے بعد تم سے سوال ہوگا آگے جسے تنقیہات کہتے ہیں اس کے لئے تمہارے پاس سند یا دلیل کیا ہے، سند اور دلیل اس کے بعد عزیزانِ من ایک ایسی چیز آتی ہے کہ بات تو اس زمانے کی کی جارہی ہے اور اس کے بعد اب میں ضمناً عرض کردوں کہ باتیں تو یہ وہاں کی جارہی ہیں لیکن یہ سب کچھ ہم سے کہا جارہا ہے جتنے غلط عقائد باطل کے مسالک اس زمانے میں موجود تھے جن کی تردید وتکذیب و؟؟؟ کی رسول اللہ ﷺ نے اوران کی جگہ دین نے اسلام نے قرآن نے صحیح عقائد ومطالب پیش کئے جتنے وہ غلط اور باطل اس زمانے میں موجود تھے ایک ایک کرکے ختم ہوگئے، ان کے مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں؟؟؟؟ وہ لوگ چلے گئے ان کے مخاطب ہم ہیں تو اہم پرستی کی بناء پر جو عقائد

ہمارے ہاں ہیں ان کو اب دیکھئے تو سہی اب اس کے بعد اس کی دلیل جو آتی ہے یہ میں کہہ رہا تھا کہ آپ دیکھئے کس طرح بات ہم سے کی جا رہی ہے، یہ اس سے پہلے بھی وہ آیات آ گئیں جن کے غلط ترجموں سے بات یہ کی کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، بار بار یہ آیتیں آتی رہی ہیں نا اور بار بار میں ان کا یہ ترجمہ پیش کرتا رہا ہوں نا اور اس کے بعد پھر یہ عرض کرتا رہا ہوں کہ اب بتائیے کہ جب خدا کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ گمراہ کرتا ہے جو ہوتا ہے اسی کی مرضی سے ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے اس کے بعد پھر ہدایت کہاں سے ملے گی آپ کو اور پھر کوئی نہیں سوچتا کہ چار آیتوں کے بعد کہا ہوا ہوتا ہے کہ تمہاری اس گمراہی کی وجہ سے تمہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا کوئی نہیں ان دو آیتوں کو ملاتا کہ ادھر وہ کہہ رہے ہو تم کہ وہ خدا گمراہ کرتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے تمہاری گمراہی کی وجہ سے تمہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا یہ کس قسم کا خدا مانتے ہیں ہم اور کس قسم کا قرآن مانتے ہیں جس میں تضادات کی یہ کیفیت ہے کہ دو آیتوں کے بعد وہ اپنے پہلے آیت کی (بقول آپ لوگوں کے) اس کی تردید کرتا ہے اس سے اختلاف کرتا ہے اس کا تضاد اس کے اندر ہوتا ہے اور دعویٰ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل اہم یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی اختلاف تم نہیں پاؤ گے اور اختلاف کی کیفیت یہ ہے کہ ہر دو دو تین تین آیتوں کے بعد ایک دوسری آیتوں کو وہ معاذ اللہ ان کے ترجمے ان کی تفسیریں ان کے عقیدے جھٹلاتے چلے جاتے ہیں تردید کرتے چلے جاتے ہیں، اور جب اس کا کوئی جواب ان سے نہ بن پڑا تو اس کے بعد کہا کہ جی یہ آیتیں منسوخ ہوگئی ہوئی ہیں، صاحب جس خدا کی یہ کتاب ہے اس نے کہیں اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ ہماری فلاں آیت منسوخ سمجھو اور وہ منسوخ آیتیں جب قرآن نازل ہو رہا تھا تو اسی زمانے میں نکال دی جانی چاہئیں تھی اس میں سے، وہ منسوخ کو اس کے اندر رکھنے کا فائدہ کیا ہوا سوائے اس کے کہ اور گمراہیاں پیدا کریں وہ، لیکن وہ اس لئے تھا کہ عقل وفکر سے کام لینا ہی نہیں تھا وہ میں آگے چل کے بتاؤں گا اگلی آیت وہ بھی آتی ہے کہ یہ سب اس لئے ہے کہ عقل وفکر سے کام نہیں لیا جاتا تو بہر حال اس مشکل سے نکلنے کا راستہ کیا ہوا وہ تو آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کہتے ہیں کھجور میں کیا یہ تو آسمان سے بھی زیادہ اوپر کی بلندی سے نیچے گرا ہے قرآن کی آیتیں ہی منسوخ ہیں بلا سند کے کس نے منسوخ کی ہیں تمہارے پاس اس کی سند اور دلیل کیا ہے کہ یہ منسوخ ہیں یعنی خدا کی کتاب اور یہ حضرات بعد میں بیٹھے اور انہوں نے طے کر دیا کہ اس میں سے پانچ سو آیتیں منسوخ ہیں اور کہیں خدا نے کسی ایک آیت کے متعلق بھی نہیں کہا کہ ہم نے اس کو منسوخ کیا یعنی خدا کی کتاب اور یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ اس میں یہ چیزیں منسوخ ہوئیں، خود ہی ایک اپنے لئے کشمکش اور پیچیدگی create کی اور اس

کا حل جو تھا وہ یہ بتایا یعنی پہلے سے بھی بدتر حل اور قرآن ہر مقام پہ کہتا ہے وہ جو تھا (**افلا یتدبرون القراٰن**) یہ جو کہی بات ہے نا کہ قرآن میں کوئی اختلافی بات نہیں ہے اس کے لئے کہا کہ تدبر شرط ہے غور و تدبر سے اگر قرآن کو تم سمجھنے کی کوشش کرو گے تو اس میں کوئی چیز اختلافی نہیں ملے گی اور جب اختلافی چیز ہی کوئی نہیں دو آیتیں مختلف ہی نہیں ہیں ایک دوسرے کیساتھ اختلاف ہی نہیں ہے تو ناسخ و منسوخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ تو پیدا آپ کی create کی ہوئی اس مشکل کی وجہ سے تھا کہ یہ آیت متضاد ہے ان دونوں میں اختلاف ہے تو وہ تو کہہ رہا ہے یہ تمہیں اختلاف اس لئے نظر آ رہا ہے کہ تدبر سے کام نہیں لے رہے وہیں اس آیت میں ہی یہ ہے تو تدبر سے کام تو خود نہیں لیا اس کی وجہ سے جو پیچیدگی پیدا ہوئی تو عذرِ گناہ بدتر از گناہ، اس کا حل یہ پیش کیا کہ قرآن کی آیتیں ہی منسوخ ہیں، قرآن کا ایک لفظ منسوخ نہیں عزیزانِ من یہ تو ہمالیہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ اٹل ہے،

میرے ساقی نے عطا کی ہے مے بے ؟؟؟؟
رنگ جو کچھ دیکھتے ہو میرے پیمانے میں ہے

یہ رنگ ہمارے پیمانوں کا ہے عزیزانِ من خدا کی کتاب بہت اونچی ہے اس سے اور بات اصل میں یہ ہے کہ ہم اس کے شایانِ شان ہی نہیں تھے، ہاں جی، پوچھا گیا کہ صاحب دلیل کیا ہے آپ کے پاس اس کی کہ جو تم ملائکہ کو بھی بیٹیاں بھی کہتے ہو اور ان کی پرستش کرتے ہو ان کو معبود مانتے ہو اب اتنی کھلی ہوئی یہ غلطی اس قدر تو اہم پرستی کی بات تھی کہ دلیل سے اس کا جواب نہیں مل سکتا تھا، جواب کیا ملا وہی جواب جو ہم آج دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کرتا ہے ہم تو نہیں کرتے ہم ذمہ دار ہی نہیں ہیں (**و قالوا لو شآء الرحمن ما عبدنٰهم**) اگر خدا کی مشیت یہ نہ ہوتی تو ہم ایسا کرتے ہی نا، آج بھی یہی جواب دیا جاتا ہے نا کہ سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے اس کی مرضی کے بغیر پتہ نہیں ہل سکتا، وہ ٹھیک بات ہے کہ پھر انسان جو گناہ کرتا ہے جرائم کرتا ہے غلطیاں کرتا ہے یہ بھی اس کی مشیت اور اس کی مرضی سے ہو رہا ہوتا ہے تو جواب بالکل گھڑا گھڑایا بنا بنایا ٹھکا ٹھکایا کہ یہ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے، اور ہم میں سے جتنا کوئی زیادہ پھر مرضی مولا والا ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ ہم مقربِ بارگاہِ الٰہی سمجھتے ہیں اس کو، اتنی بڑی ذلالت کا عقیدہ رکھنے والا پھیلانے والا اور یہ مرضی مولا کے اندر گم ہوتے ہیں، یہ مشیت میں ہوتا تو ہم یہ کرتے کیوں، آپ کو معلوم ہے یہ جواب سب سے پہلے کس نے دیا تھا یہ ابلیس نے جواب دیا تھا آدم سے بھی ایک لغزش ہوئی ابلیس پہ بھی معصیت ہوئی آدم سے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں غلطی کی اس نے کہا کہ (**ربنا ظلمنا انفسنا**) مجھ سے غلطی ہوئی میں نے اپنے آپ

؟؟؟؟؟ذمہ داری قبول کرلی کہا ٹھیک ہے تمہیں اس کا احساس ہوگیا ہے ذمہ داری قبول کرلی ہے تو اصلاح کا امکان ہے اس لئے جاؤ ہم اپنی ہدایات اور راہنمائیاں بھیجتے رہیں گے تمہاری طرف جو بھی ان اتباع کرے گا(**لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**) اعتراف کرنے والا اپنی غلطی کا تسلیم کرنے والا اپنی ذمہ داری کا اس میں اصلاح کا امکان ہوتا ہے، ابلیس سے کہا کہ تم نے یہ معصیت کیوں کی پہلی چیز تو قرآن نے کہا کہ اس کا re-action اس کی نیت یہ تھی کہ (**ابٰی واستکبر**) ڈٹ کے سامنے کھڑا ہوگیا کہا کیا کہتے ہیں آپ میں نے معصیت کی تمہارے حکم کے بغیر تو ایک ذرا اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا میں کون ہوں یہ کہنے والا یہ کرنے والا مجھ میں اقتدار کا ہے کا سب آپ کراتے ہیں میں تو آپ کو قادرِ مطلق مانتا ہوں میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، کہا کہ تم نے نہ اپنی ذمہ داری کو قبول کیا نہ اپنی معصیت کو تسلیم کیا کرتے خود ہو الزام دوسرے پہ دھرتے ہو جس کی ذہنیت یہ ہو جائے اور جس کا جواب یہ ہو جائے وہ جو کہتے ہیں نا کہ قیامت تک کے لئے وہ مایوس ہوا اور قیامت تک کے لئے اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی وہ اس ابلیس کی بات نہیں ہے یہ اس ذہنیت کی بات ہے کہ جو تسلیم نہیں کرتا ہے اپنی غلطی اپنی ذمہ داری کا اعتراف نہیں کرتا ہے وہ ہے ابدی طور پر گمراہ رہنے والا مایوس رہنے والا ہدایت سے، کہا کہ تمہاری راہنمائی نہیں ہوسکتی تم صحیح راستے پہ آ ہی نہیں سکتے، یہ کہنا ہے ابلیس نے یہ کہا تھا کہ میں کون ہوں یہ سب کچھ تیری مرضی سے ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے اب یہ کہنے والے ہمارے ہاں کے بہت بڑے مقرب مانے جاتے ہیں(**و قالوا لو شآء الرحمن ما عبدنٰھم**) خدا کی مشیت میں نہ ہوتا اس کی یہ مرضی نہ ہوتی تو ہم کس طرح سے ان کی عبادت ان کی پوجا کرتے یہ تو سب کچھ اس کیطرف سے ہوتا ہے، اس قسم کے جوابات جو ہیں قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر یہ دئے ہیں، دو ایک حوالے میں یہاں پیش کرتا ہوں زیادہ حوالے ان تمام مضامین کے میری تبویب القرآن میں آپ کو ملیں گے وہاں جامع طور پر میں نے ان چیزوں کو پیش کیا ہے 6/148 (**سیقول الذین اشرکوا لو شآء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا ولا حرمنا من شیءٍ**) یہ لوگ جو شرک کے مرتکب ہوتے ہیں ان سے جب پوچھا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ ایسا نہ چاہتا تو ہم کر کیسے سکتے تھے، یہ تو اس کی مرضی اس کی مشیت اس کی اجازت ہے جس کی وجہ سے ہم ایسا کرتے ہیں غلط ہے یہ چیز تو وہ روک کیوں نہیں دیتا یہ سب اس کی مشیت کے تابع ہوتا ہے ایسا اگر نہ چاہتا وہ نہ ہم ایسا کر سکتے تھے نہ ہمارے آباؤ اجداد ایسا کر سکتے تھے، تو جو کچھ بھی ہم کرتے ہیں جسے آپ غلط کہہ رہے ہیں گناہ کہہ رہے ہیں جرم کہہ رہے ہیں معصیت کہہ رہے ہیں یہ سب خدا کی مشیت سے ہوتا ہے آپ غور کیجئے یہ جواب جو ہے ابلیس سے قرآن نے بات شروع کی ہے

اوراس کے بعد بتایا ہے کہ یہ جتنے بھی حق سے انحراف کرنے والے کفر برتنے والے شرک کرنے والے لوگ تھے جب بھی ان سے پوچھا جاتا تھا تو وہ اس کا یہ جواب دیتے تھے پھر دہرادوں عزیزانِ من جس جواب کو ہم اپنی طرف سے بڑے فخر سے پیش کرتے ہیں کہ ہم تو خدا کی مشیت اور مرضی کے تابع چلتے ہیں وہ جو میں دہرایا کرتا ہوں وہ شعر حسرت موہانی کہ

مرضی یار کے خلاف نہ ہو
لوگ میرے لئے دعا نہ کریں

یہاں تک چلے جاتے ہیں، قرآن بار بار دیکھ لیجئے کہ کن کے اقوال بتا رہا ہے یہ کن کی طرف سے جواب دیا جا رہا ہے جسے قرآن پیش کرر ہاہے اوراس کے بعد اگلی چیز ہے (**کذٰلک کذب الذین من قبلھم**) یہ انہی کی بات نہیں ہے ان سے پہلے بھی جو تھے ہدایت کی تکذیب کرنے والے اسی قسم کا جواب دیا کرتے تھے (**حتٰی ذاقوا باسنا**) جو اپنی ذمہ داریوں کو قبول نہیں کرتا اپنی غلطیوں کو تسلیم نہیں کرتا دوسرے کے سر کے اوپر منڈ تا ہے اس کو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہوتا ہے فرد کا بھی اور قوموں کا بھی عزیزانِ من، ایک اور حوالہ پیش کردوں اور وہ اس اعتبار سے بھی بڑا اہم ہے کہ نظامِ سرمایہ داری کے حامل یہی دلیل پیش کیا کرتے تھے یہی دلیل پیش کرتے ہیں اورسب سے بڑا نظامِ سرمایہ داری کا؟؟؟ یا حامل تو ہمارا خود مذہب پرست طبقہ ہے نا یہ دلیل اس کیطرف سے دی جاتی ہے دلیل یہ دی جاتی ہے قرآنِ کریم میں بار بار یہ کہا گیا ہے نا صاحبِ استطاعت لوگوں کو کہ ایسا انتظام کرو کہ بھوکوں کو روٹی ملے محتاجوں کی ضروریات پوری ہوتی چلی جائیں کوئی کسی کا دست نگر نہ ہو کوئی رات کو بھوکا نہ سوئے اس کا انتظام کرو قرآن میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے، کہا (**قال الذین کفروا للذین اٰمنوا**) یہ جماعتِ مومنین جو اس قرآن کے ان احکام کو پیش کرتی ہے اور ان لوگوں سے یہ کہتی ہے یا ان سے نہیں بہرحال آپس میں ہی کہتی ہے ایک دوسرے کو تائید کرتی ہے اس چیز کی کہ ایسا نظام قائم کرو کہ کوئی بھوکا نہ رہے لوگوں کی روٹی کا انتظام کرو یہ سمجھے آیت میں یہی آیا ہے، تو کہا یہ لوگ یہ کفر کی بات کررہے ہیں کافر یہ بات کہتے ہیں جواب میں کہ (**انطعم من لو یشآء اللہ اطعمھوا**) کہا کیا کہتے ہو اگر اللہ کو یہ منظور ہوتا کہ یہ بھوکے نہ رہیں یہ غریب نہ رہیں یہ مفلس نہ رہیں تو اس کے لئے کیا مشکل تھا کہ وہ خود انتظام کرتا اور ان کی روٹی کا خود انتظام کرتا ہم سے کیوں کہہ رہے ہو ان سے وہ کیوں کہہ رہا ہے، وہ انتظام نہیں کرسکتا تو جب اس نے خود انتظام نہیں کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا خود منشاہی یہ ہے کہ یہ مفلس رہیں یہ غریب رہیں یہ بھوکے رہیں، کہا ان سے کہو کہ (**ان انتم الا فی ظللٍ مبین**) کہا اس کا جواب اس سے سوائے اور کیا دیا جاسکتا ہے کہ بڑی کھلی ہوئی گمراہی کے اندر ہو تم جو یہ کہتے ہو کہ خدا

خود کیوں نہیں یہ کرتا اگر اس کی مشیت میں ہوتا کہ یہ لوگ مفلس اور غریب اور بھوکے نہ رہیں تو وہ اس کا انتظام خود کر دیتا اس نے نہیں انتظام کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی منشاء مشیت یہ ہے کہ یہ غریب رہیں بھوکے رہیں یہ جواب آج ملتا ہے کہ رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے جو بھوکا ہے جس کو نہیں ملتا یہ اس کی مشیت میں ہے کہ یہ بھوکا رہے تو اس کی مشیت یہ ہے کہ یہ بھوکا رہے اور اگلی آیت میں وہ یہ کہتا ہے کہ اس کی روٹی کا انتظام کیوں نہیں کرتے، دیکھتے ہیں قرآن میں تضاد کیسے پیدا کرتے ہیں یہ لوگ، پہلے تو وہ جواب جو قرآن نے کہا ہے کہ یہ مشرکین اور کفار کی طرف سے یہ جواب ملتا تھا کہ خدا خود کیوں نہیں کرتا یہ جواب یہ جو مسلمان کہلانے والے اپنے آپ کو ہیں یہ جواب ان کی طرف سے ہوتا ہے، اور اس کے بعد اگلی آیت میں یہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ خدا تو یہ کہتا ہے کہ ان کی بھوک کا انتظام کرو تو پھر وہی بھوکا رکھتا ہے اور وہ کہتا ہے انتظام کرو تو کہا کہ پھر یہ کہتے ہیں کہ پھر یہ تضاد جو ہے قرآن میں آیت ایک اس میں سے منسوخ ہے، چلئے جناب، آپ دیکھتے ہیں کہ ایک غلط نگہی سے پھر کس طرح وہ جو کہتے ہیں کہ بنیاد اگر غلط رکھی جائے تو تا ثریا می رود دیوار کج، آسمان تک پھر وہ دیوار جو اٹھتی ہے تو وہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی جاتی ہے یہ ساری دیوار آپ کے ہاں کی جو ٹیڑھی ہو رہی ہے اس بنیاد کی وجہ سے ہے کہ وہ چیزیں جو قرآن نے کہا تھا کہ یہ کفار کا جواب تھا مشرکین کی ذہنیت تھی وہ ہماری ذہنیت ہو گئی ہماری طرف سے یہ جواب ملتا ہے اور اس کے بعد ساری دیوار جو ہے آسمان تک کج اٹھتی ہے، اہلِ کتاب کے متعلق تو ہم نے کہدیا کہ ان کی کتاب محرف ہے اس لئے وہ اس میں وہ یہ کچھ کہتے ہیں اپنے متعلق کیا کہا جائے گا اس کتاب کو تو محرف کوئی نہیں مانتا ہم میں سے، تو غیر محرف بھی ہے اسی طرح سے ہے جیسے رسول اللہ کو ملی جیسے خدا نے دی اور پھر یہ جو تضاد اس میں پایا جاتا ہے ان کی غلط نگہی کی وجہ سے اس کا جواب پھر یہ ہے کہ یہ آیتیں منسوخ ہیں، یعنی نظام غلط نہیں ہے ہمارا وہ تو خدا کی منشاء کے مطابق ہے وہ جو آگے اس نے کہا ہے نا کہ وہ انتظام کرو کہ کوئی بھوکا نہ رہے یہ آیتیں منسوخ ہو جاتی ہیں تو ٹھیک ہے راستے کھل جاتے ہیں اس چیز کا اس آیت کا ریفرنس 36/47 ہے، میری کتاب" کتاب التقدیر " اس کا نام ہے اس میں آپ دیکھیں گے تو یہ تمام اس قسم کی آیات جن سے یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا نے کہا ہے کہ ہم چاہتے تو یہ ہوتا اور ہماری مرضی یہ ہے اور اس کے بعد یہ کہ خود ہی قرآن میں وہ چیزیں دی ہوئی ہیں جو اس نے کہا ہے کہ تم یہ کیوں نہیں کرتے میں نے تمام بحث کی ہے اس کتاب کے اندر نام ہی اس کا کتاب التقدیر ہے اور یہ جو تقدیر کا مسئلہ آپ کے ہاں آیا ہے یہ تو خالص مجوسیوں کیطرف سے آیا تھا ایران کا یہ مذہب تھا، کہیں سے بھی آیا ہو آپ کے ہاں اس نے آ کے کہیں کا بھی نہیں رکھا، تو قرآن میں یہ آیتیں موجود ہیں (**و قالوا لو شآء الرحمن ما**

عبدنٰھم ما لھم) جواب ہے قرآن کا(**مالھم بذٰلک من علم**) جہالت کی باتیں کرتے ہیں(**انھم الا یخرصون**) اٹکلیں دباتے ہیں علم نہیں ہے یہ جہالت ہے یہ کہنا کہ یہ خدا کی مرضی سے ہو رہا ہے دلیل نہیں ہے کٹ حجتیاں ہیں، کاٹ کے رکھ دیا قرآن نے، مشرکین کے یہ احوال بتائے کفار کے یہ جواب بتائے اوراس کے بعد کہا یہ کہ یہ ظللٍ مبین میں ہیں کھلی ہوئی گمراہی ہے یہ علم پر مبنی نہیں ہے دلائل پر مبنی نہیں ہے اور ہم ہیں کہ ہمارا انہی چیزوں پر ایمان ہے وہی جواب ہم دیتے ہیں کہ جو نہ علم پہ مبنی نہ دلائل پہ اور بڑی بات یہ کہ قرآن کے خلاف جو جاتا ہے، کہا(**ام اٰتینٰھم کتبًا من قبله فھم به مستمسکون**) آہاہاہا، ہم کیا جواب دیں گے ان سے کہو کہ کیا کوئی خدا کی کتاب ہے تمہارے پاس ایسی جس میں یہ لکھا ہوا اور تم اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہو کہ ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے یہ تو خدا کی کتاب ہے، اوراس کے بعد ان کی طرف سے جو دوسرا جواب دیا جاتا ہے اس پر تو ہمارے جو موجودہ مذہب ہے دین نہیں ہے موجودہ مذہب جو چلا آ رہا ہے آپ کے ہاں اس کی ساری عمارت اسی ایک بنیاد اسی جواب پر مبنی ہے جناب، کہا کوئی جواب ان سے نہیں بن پڑتا نہ علم ہے نہ دلیل ہے نہ سند ہے نہ کوئی کتاب ہے جواب کوئی نہیں بن پڑتا تو اس کے بعد کہتے یہ ہیں(**بل قالوا انا وجدنا اٰبآء نا علیٰ امةٍ و انا علیٰ اٰثٰرھم مھتدون**) بات اصل میں یہ ہے کہ یہ سب ہمارے آباواجداد کی طرف سے ہوتا چلا آ رہا ہے ہمارے اسلاف کا یہ مذہب ہے سلفِ صالحین یہی کہتے چلے آ رہے ہیں اور ہم ان کے راستے پہ چلتے چلے جائینگے سیدھی بات ہے صاحب ہم نہیں جانتے کہ اس کے لئے دلیل کیا ہے علم کیا ہے کتاب کیا کہتی ہے یہ سب کچھ وہ جانتے تھے یہ ان کے لئے تھا ہم تو ان کے راستے پہ چلے جا رہے ہیں کہئے عزیزانِ من کوئی ان کے ہاں کی کتاب کوئی رسالہ کوئی اخبار کوئی مضمون اٹھا کے دیکھئے جس میں یہ کہا گیا ہوا ہو کہ صاحب اس معاملے کے متعلق اس قانون کے متعلق اس مسئلے کے متعلق تو خدا کی کتاب یہ کہتی ہے اس کے بعد آپ دیکھئے دلائل جو ہیں کہ صاحب آپ یہ آ گئے قرآن کو سمجھنے والے قرآن کو پیش کرنے والے، ہمارے علماء کرام ہمارے سلفِ صالحین ہمارے مقربین ہمارے بزرگ جو تھے وہ کوئی قرآن نہیں سمجھتے تھے صاحب وہ تو یہ بات ہوگئی کہ وہ سمجھتے تھے اوراس کے بعد یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارا فیصلہ غلط ہے مسلک غلط ہے عقیدہ غلط ہے یہ تو تواتر سے چلا آ رہا ہے متوارض چلا آ رہا ہے اجماع ہے اس کے اوپر علمائے کرام کا امت کا اجماع اس کے اوپر چلا آ رہا ہے اسلاف سے یہی چلا آ رہا ہے سارے وہ دلائل جو قرآن کہتا ہے یہ لوگ پیش کرتے تھے، یعنی قرآن پیش کیا جاتا ہے تو اس میں ایک آیت بھی قرآن کی نہیں لائی جاتی، کہ نہیں صاحب یہ بات یوں نہیں جو آپ کہہ رہے ہیں قرآن کا صحیح مفہوم یوں ہے قرآن کی آیت سے بیان کیجئے، کچھ نہیں، کہ صاحب اور

پھراس کا مذاق اڑاتے ہیں استہزا ہوتا ہے طنز ہوتی ہے دیکھئے صاحب یہ کہہ رہے ہیں اور جو ہم کہہ رہے ہیں ہم اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہے یہ تو اسلاف کا مسلک ہے یہ کتنی بڑی سند ہے، خدا کی کتاب ایک طرف رہی کہتی رہے جو یہ کہتی ہے اسلاف کا مسلک سلفِ صالحین یہ کہتے چلے آ رہے ہیں امت میں یہ متواتر چلا آ رہا ہے، یہ جنہیں اسلاف کہا جاتا ہے برادرانِ عزیز کہیں کھڑے ہو کے سوچئے کہ یہ ہیں کون یعنی یہ حضرات آج جو جواب دیتے ہیں اپنی طرف سے نہیں دیتے یہ کوئی نہیں ان میں سے کہے گا کہ میرا جواب یہ ہے اس معاملے میں انہیں خود اس کا احساس ہے نا کہ جواب اتنا کمزور ہے کہ یہ بات چل نہیں سکے گی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے پھر لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں، جانتے ہیں نا لوگ، یہ بڑی تکنیک ہوتی ہے کہ اعتراض ہی نہ ہو اس قسم کا ان کی طرف ہزار برس پہلے کے پانچ سو برس پہلے کے یعنی اس سے پیشتر جو دنیا سے چلے گئے مر گئے وہ اسلاف کی صف میں کھڑے ہو گئے، یہ زندہ ہیں یہ نہیں اتھارٹی، جب یہ مر جائیں گے تو آنے والی نسل کے لئے یہ اسلاف ہو جائیں گے وہ اسلاف آسمان سے تو نہیں اترے یہی چیز ہوئی نا کہ ان سے پہلے مر گئے، تو یہ اتھارٹی اس لئے نہیں ہو سکتے کہ ابھی تک زندہ ہیں؟؟؟؟؟ جونہی انہوں نے آنکھ بند کی سلفِ صالحین کی صف میں جا کھڑے ہوئے اب آنے والی نسل ان کے قول کو سند پیش کرے گی کہ اسلاف کا مسلک یہ تھا جو اپنی سند ہی آپ نہیں پیش کرتے کہ دیکھئے میں یہ کہتا ہوں یہ حق ہے، بالکل نہیں، نہ ان کی زندگی میں کوئی دوسرا یہ کہتا ہے کہ صاحب یہ مولوی صاحب یہ کہتے ہیں اس لئے حق ہے، بالکل نہیں یہ کہتے، وہی مولوی صاحب جس وقت وہ فوت ہو جاتے ہیں تو انہیں والے جو دوسرے ہیں وہ ان کو اسلاف کا مسلک کہتے ہیں ان کی ہر بات جو ہے وہ سند ہو جاتی ہے وہ سلفِ صالحین کا مسلک ہو جاتا ہے، اسلاف جنہیں کہا جاتا ہے ان کی ایک ہی خصوصیت ہے کہ وہ آج زندہ نہیں ہیں، تو ان میں سے بھی جو چاہتا ہے نا کہ سند بن جائے اسے چاہئے کہ جلدی سے اسلاف میں شامل ہو جائیں پھر کوئی نہیں پوچھے گا کہ آپ کی qualification کیا ہے آپ کے پاس سند کیا ہے کوئی دلیل کیا ہے، کچھ نہیں، وہ تو اسلاف ہو گئے ،قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر نیت کی اس جواب کی اس استدلال کی تردید کی ہے کفار کا یہ مسلک بتایا ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی کتاب کی سند نہیں ہوتی، دلیل ہوتی ہے یہ کہ ہم نے اسلاف کو اس مسلک کے اوپر پایا اور ہم انہیں کے نقشِ قدم پر چلے جا رہے ہیں، دو ایک حوالے میں پیش کر دوں جامع آیت جو ہے وہ تو آخر میں میں پیش کرونگا انہیں حوالوں کے آخر میں، سنئے قرآن دعوت کیا دیتا ہے میں نے ابھی عرض کیا ہے نا کہ آج آپ قرآن کی کوئی آیت پیش کر دیجئے ان کے کسی عقیدے یا ان کے کسی قانون یا مجوزہ مسلک کے خلاف قرآن کی آیت اس کا جواب یہ ہوتا ہے

کہ یہ جو کہہ رہے ہیں کہ نہیں یہ جو یہ کہہ رہے ہیں قرآن نہیں پھر وہ کہتے کہ یہ شخص جو کہہ رہا ہے یہ اسلاف کے مسلک کے خلاف ہے، کہہ کیا رہا ہے وہ کہہ یہ رہا ہے کہ بابا قرآن یہ کہتا ہے اس کی طرف تو آوَ 31/21 **(و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ)** جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا نے نازل کی ہے کتاب قرآنِ مجید اس کا اتباع کرو اس کی پیروی کرو **(قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ اٰبآء نا)** تو جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں صاحب ہم تو اپنے اسلاف کے مسلک پر ہی چلتے چلے جائیں گے، دعوت دی جا رہی ہے ما انزل اللہ کی طرف جواب میں یہ نہیں ہے کہ اس کی کوئی اور تشریح یا تفسیر بیان کر دیں یا کوئی اور حوالہ دیدیں آتے ہی نہیں ہیں اس طرف سوال ہی نہیں ہے کہ ما انزل اللہ کی کوئی اہمیت ہو کہ نہیں صاحب ہم تو اپنے اسلاف کے مسلک کی طرف چلیں گے، قرآن کا جواب یا خدا کا جواب ہے **(اولو کان الشیطٰن یدعوھم الیٰ عذاب السعیر)** جو بات یہ کہتے ہیں یا جو مسلک اختیار کرتے ہیں خواہ وہ شیطان کی دعوت ہی کیوں نہ ہو جو انہیں جہنم کی طرف بلا رہا ہے کہتے ہیں ہم چلتے جائیں گے اسی راستے کے اوپر، سوچئے عزیزانِ من اس سے زیادہ سخت الفاظ بھی کوئی اور ہو سکتے ہیں شیطان کی دعوت جو جہنم کی طرف بلا رہا ہے راستہ تو وہ ہے جس پہ چل رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ ہمارے اسلاف کی روش ہے قرآن کی طرف ہم نہیں آئیں گے ما انزل اللہ کی طرف نہیں آئیں گے، سوچئے عزیزانِ من کیا ہے مذہب جس پہ ہم چلے جا رہے ہیں، ایک اور حوالہ 34/43 **(و اذا تتلیٰ علیھم اٰیٰتنا بینٰتٍ)** آہاہاہا، قرآن کی آیتیں بڑی واضح آیتیں کہ جن کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے وہ پیش کی جاتی ہیں **(قالوا ما ھٰذا الا رجل یرید ان یصدکم عما کان یعبدو اٰبآؤکم)** ارے اس کی بات نہ سننا اس شخص کی یہ نہیں کہ جو یہ کہہ رہا ہے یہ قرآن کی آیت نہیں ہے غلط پیش کر رہا ہے غلط مفہوم پیش کر رہا ہے یہ نہیں discuss کریں گے کہیں گے یہ کہ یاد رکھو اس کی بات نہ سننا یہ تمہیں اس راستے سے بہکا رہا ہے جو اسلاف کا راستہ ہمارے ہاں چلا آ رہا ہے یہ روک رہا ہے اس راستے سے، دلیل وہی ہے یہ تمہیں اسلاف کی راہ پہ چلنے سے روک رہا ہے رکاوٹ پیدا کر رہا ہے، قرآن کی طرف دعوت دے رہا ہے اسلاف کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے اس کی بات نہ سننا، وہ قرآن پیش کر رہا ہے اور یہ کہتے ہیں **(و قالوا ما ھٰذا الا افک مفتریً)** یہ افتراء ہے یہ خود اس نے گھڑ لی ہے یہ بات اپنی طرف سے یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے افتراء ہے کذب ہے، خدا کی آیت پیش کر رہا ہے اور اسے کہہ رہے ہیں افتراء ہے کذب ہے، کیوں، اسلاف کے راستے کے خلاف جا رہی ہیں، اس کی راہ میں یہ رکاوٹ بن رہا ہے، جرم اس کا ملاحظہ فرماؤ، خدا کی کتاب پیش کر رہا ہے یہ کوئی creditable بات نہیں، اسلاف کے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے، ایک اور جو میں نے کہا تھا

کہ آخر میں پیش کرونگا 2/170(**و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ**) جب ان سے کہا جاتا ہے الفاظ بھی قرآن نے اتباع کے کہے ہیں اتباع کے معنی ہوتا ہے کسی کے پیچھے چلنا کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی کتاب کے پیچھے چلو اس راستے کے اوپر چلو جو اس نے متعین کیا ہے(**قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰبآء نا**) یہ کہتے ہیں کہ نہیں ما انزل اللہ کی طرف ہم نہیں آئیں گے ہم تو اسی راستے پر چلتے جائیں گے جو ہم نے اپنے اسلاف سے پایا ہے، اسی راستے پہ چلتے جائیں گے، اب آیا قرآن کا جواب(**اولو کان اٰبآؤھم لا یعقلون شیئًا و لا یھتدون**) یہ کھڑے ہو کے اس کو نہیں پرکھیں گے کہ وہ اسلاف کا راستہ جو ہے وہ واقعی خدا کی بتائی ہوئی راہنمائی کے مطابق ہے یا کم از کم عقل وفکر کے ہی مطابق ہے، کیا بات ہے، تقلید تو اندھا کر دیتی ہے انسان کو یعنی ایک تو یہ چیز ہے نا کہ وہ خدا کی راہنمائی کتاب اللہ جو ہے اس کی کوئی سند اس کی کوئی دلیل ہو، یہ بھی نہیں ضرورت، اور دوسری بات یہ ہے کہ کم از کم عقل وفکر کی بناء پہ بات کرو، اسکی بھی ضرورت نہیں ہے، کہا تمہیں بتائیں یہ جو ان کا مسلک ان کا مشرب یہ ہے اس کی مثال کیسی ہے قرآن مثالوں سے بات واضح کرتا ہے ویسے تو عربی کی زبان میں یہ بات بڑی عام تھی ان کے ہاں لیکن مثال اور تشبیہہ سے تو جس طرح بات واضح ہوتی ہے نکھر کر سامنے چیز آ جاتی ہے، کیا مثال پہلے تو یہ لفظ تقلید جو ہے خود عربی زبان میں یہ لفظ ہے جو ق ل د یہاں سے قلادہ ہے یہ گائے بھینس بکری کے گلے میں جو رسی ڈالی جاتی ہے یا کوئی طوق ہلکا ڈال دیا جاتا ہے جس رسی سے پھر پکڑ کے اسے جدھر جی چاہے آپ لئے چلے جائیں وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، یہ اسی مادے سے تقلید کا لفظ ہے جسے بڑے فخر سے پیش کیا جاتا ہے، مقلد یعنی گلے میں وہ رسے ڈالے ہوئے، تقلید قرآن کی مثال ملاحظہ فرمایئے اس نے اسی تقلید سے یہ چیز لی ہے(**مثل الذین کفروا کمثل اللہ الذی ینعق بما لا یسمع الادعآءً و ندآءً**) کہتا ہے یہ جو چلنے والے جو ہیں یوں سمجھئے بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ اور ان کے پیچھے ایک چرواہا یہ تو صم بکم عمی ہیں ہی ہیں بھیڑ بکریاں ہیں چرواہے کی کیا کیفیت ہے کہ اس نے وہ جو یہ ریوڑ چلانے والا لڑکا ہوتا ہے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے باپ سے کچھ آوازیں سیکھی ہوئی ہیں بلا الفاظ کے تا تا تا تا آ ہاہاہاہاہا آپ دیکھتے ہیں کیا کہہ رہا ہے قرآن کچھ آوازیں سیکھ رکھی ہیں، کیا مثال ہے، بلا الفاظ کے، اور کچھ الفاظ سیکھ رکھے ہیں بغیر مطلب کے بغیر مفہوم کے بغیر معنی کے اس پہ علم کی اور راستے پہ چلانے کی مبلغ علم جسے آپ کہیں اس کا تو یہ آوازیں نکالتا ہے جو لفظی نہیں ہیں لفظ بولتا ہے جس کے معنی ہی کچھ نہیں ہوتے یا ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں کیا لفظ بول رہا ہوں اس کی یہ صورت اور یہ جو مویشی ہیں بھیڑ بکریاں ہیں یہ ان آوازوں کے اوپر لگی ہوئی ہیں ان کی یہ کیفیت ہے، دونوں کے متعلق کہا(**صم بکم عمی فھم لا یعقلون**)

بہرے گونگے اندھے دونوں ہی نہ عقل وفکر سے وہ کام لیتے ہیں کہ وہ تو اس کے اہل ہی بیچارے نہیں تھے اور یہ جو اس کو عقل وفکر کی صلاحیتیں دی تھیں نہ یہ ان کو کام میں لاتا ہے دونوں کے دونوں کی انعام کی سطح پہ ہیں(**اولئک کالانعام بل هم اضل**) (7/179) کہا یہ مویشیوں کی طرح ہیں کہا نہیں وہ بھیڑ بکریاں جو ہیں ان کے ساتھ نہیں ہم ان کو ملانا چاہتے وہ ان سے افضل ہیں(**بل هم اضل**) یہ ان سے بھی گیا گذرا ہے یہ جو چرواہا پیچھے ہے، مقتدی نہیں ہے جو اس کی اتباع کر رہے ہیں اور یوں چل رہے ہیں ان کی اپنی بھی کیفیت یہ ہے کہ کچھ پتہ نہیں میں یہ کیوں کر رہا ہوں وہ بھیڑ بکریاں یہ ان کا چرواہا، کچھ آوازیں جن کا کچھ مفہوم نہیں کچھ الفاظ ہیں جس کے کچھ معنی نہیں، بات دوسری طرف چلی جائے گی ورنہ اپنی سناؤں جو پہلی عمر گذری خاص طور پہ یہ جو تصوف مغزِ دین ہے نا اس میں تو پوچھو ہی نہیں اتنی بلا معنی چیزیں ہوتی ہیں بلا مسلک وہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس زبان کے الفاظ ہیں یہ جو بتائے جاتے ہیں رٹائے جاتے ہیں ان کی ریاضتیں کرائی جاتی ہیں چلے ان کے ہوتے ہیں ان الفاظ کے جس کا معنی ہی کوئی نہیں ہوتا اب تک ہمیں پتہ نہیں ہے کہ وہ کس زبان کے لفظ ہوتے ہیں، سوا سوا لاکھ مرتبہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں دہرا رہے ہیں اس کو(**صم بکم عمی فهم لا یعقلون**) دہرائے جا رہے ہیں اس کو، یہ جو تعویذ لکھتے تھے ہم آج تک نہیں ہمیں پتہ اس کے بعد کہ وہ کس زبان کے الفاظ ہوتے تھے، کیسے لکھ رہے ہیں؟؟؟؟؟؟؟؟؟ ان کے ہاں سے یہ تعویذ آ رہا ہے سینہ بہ سینہ آ رہا ہے صدرِ علم ہے یہ ؟؟؟؟ کا علم، علمِ لدنی ہے وہ میں نے پچھلے درس میں شاید بتایا تھا نا یہ لدنی کہاں سے آیا وہ جو قرآن نے کہا ہے(**لدینا علم**) ہمارے ہاں یہ علم ہے، تصوف کے اندر یہ علم جس کی کوئی سند نہیں ہوتی براہِ راست کوئی ہوتا ہے وہ کہتے ہیں ہمیں ملتا ہے خدا سے اس کا نام علمِ لدنی ہے سارا تصوف اسی علمِ لدنی پہ ہوتا ہے اور اس میں یہ چیزیں ہوتی ہیں نہ الفاظ کے معنی ہوتے ہیں نہ پتہ ہی ہے کہ کس زبان کے الفاظ ہیں چلے جا رہے ہیں حضرت صاحب کی طرف سے یہ اور یہ وظائف جتنے ہیں وہ تو وہ پوچھو ہی نہیں ہزار سال سے ورے تو ہوتے ہی نہیں ہیں، پہلے امام سے پہلے جو پیر صاحب تھے ان سے وہ چلتے ہیں اور وہ اسی طرح سے چلے آتے ہیں صاحب رٹے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور شریعت کے اندر آپ کے ہاں جتنے مسلک آپ دیکھتے ہیں ان کی سند کیا ہے یہ آجکل جو متنازع فیہ معاملات بھی چلے آ رہے ہیں جن پہ کبھی اعتراض بھی ہوتا ہے ان بحثوں میں آپ دیکھئے ان کے ہاں سے جو دلیلیں دی جاتی ہیں کوئی دلیل نہ عقل وفکر کی دلیل ہوتی ہے نہ قرآن کی سند کی دلیل ہوتی ہے ایک ہی دلیل ہوتی ہے سلفِ صالحین کا مسلک تواتر سے امت میں چلا آ رہا ہے اجماعِ امت ہے جمہور کا یہ مسلک ہے علماء متفق ہیں اس کے اوپر، حالانکہ امت کا اجماع آج تک کسی ایک مسئلہ پہ نہیں ہوا پہلے دن سے جو

اس امت میں اختلاف شروع ہوئے تو اجماع تو وہیں ختم ہوگیا، آج تک اس ہزار برس تیرہ سو برس کے اندر کسی ایک مسئلے کے اوپر متفق نہیں ہوئے متفق اگر ہوتے ہیں تو شاید میں نے سنایا تھا آپ کو میرے استاد مولانا اسلم جیراجپوری علیہ الرحمۃ کیا بات تھی یہ 30ء یا 29ء کی بات ہے بل پیش ہوا تھا اسمبلی میں جس میں ہندو نے پیش کیا تھا کہا یہ تھا کہ نابالغ لڑکیوں کی شادی قانوناً ممنوع قرار دی جائے ہندو کی طرف سے یہ قانون پیش ہو رہا تھا اسمبلی جو تھی اس زمانے کی وہی انگریز کی بنائی ہوئی اسمبلی اس میں یہ زیادہ تعداد انہی کی ہوتی تھی مسلمانوں کی طرف سے اس بل کی مخالفت ہوئی تھی کہ یہ ہمارے مذہب میں مداخلت فی الدین ہے کیونکہ ہمارے ہاں تو نابالغ کی شادی تو جو ہے وہ بالکل جائز ہے، پہلے تو یہ تھا کہ اس بل کو ہی ہٹا دیا جائے پھر یہ تھا کہ کم از کم یہ اس میں شق رکھی جائے کہ اس کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوگا، حکومت اسے تسلیم نہیں کر رہی تھی اس مطالبے کو، اس مسئلے کے حتیٰ کہ حق میں پھر جہاد شروع ہوا جہاد کی نوعیت یہ تھی فیروز باغ میں جامع ملیہ تھا بڑی مشہور درسگاہ تھی یہ نیشلسٹ حضرات جو تھے یہ ان کی آماجگاہ تھی اس زمانے میں ابھی آپ کو معلوم ہے کہ یہ جو جہادِ عظیم تھا اس کے کارواں سربراہ جرنیل کون تھے مولانا محمد علی جو ہر ایم اے آکسفورڈ کا، کامریڈ کا ایڈیٹر جس کا ایک ایک کالم تہلکہ مچا دیتا تھا دنیا کے اندر اتنا بڑا قابل آدمی لیکن چونکہ ان لوگوں نے ساتھ ملانے کے لئے مولانا کا لفظ لگا دیا ساتھ وہ اس جہاد کو لے کے وہاں بیٹھے ہوئے تھے گول باغ میں اعلان یہ تھا کہ لوگ اپنے بچوں کو لائیں لڑکیوں اور لڑکوں کو اور ہم یہاں ان کا نکاح پڑھائیں گے انگریز کی ایسی کی تیسی یہ بل لے کے آگیا کہیں سے، یہ چلے آتے تھے وہاں چھ چھ مہینے کے بچے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے، جی، اس بل کی مخالفت کرنی ہے جہادِ عظیم نکاح ہو رہے ہیں وہاں، اس کے بعد طے انہوں نے کیا کہ وائسرائے کے حضور ایک وفد جائے اور وہاں جاکے یہ بات پیش کرے اور اس وفد میں مسلمانوں کے تمام فرقوں کے نمائندے شامل ہوں وہ نمائندے شامل کئے گئے ان کا ایک وفد بنا جلوس کی شکل میں وہ وہاں سے جا رہا تھا مولانا بیٹھے تھے وہ اوپر تھا دوسری منزل میں کمرہ ہوتا تھا جسمیں ہم بیٹھتے تھے کیا بات تھی صاحب قرآن ہی قرآن تھا مسکرائے اور مجھے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کہتے ہیں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اتحاد نہیں ہوتا اتفاق نہیں ہوتا کہنے لگے یہ سارے جتنے بھی ہیں مختلف فرقوں کے مسلمان نمائندے ہیں کہنے لگے یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ اس امت کے علماء کا جب بھی کبھی اتفاق ہوا ہے ہمیشہ باطل پہ ہوا ہے، وہ اس کے سوا جسے جمہورِ امت کا یا امت کا یہ اجماعِ امت کہتے ہیں اجماعِ امت کسی مسئلے پہ ہوا ہی نہیں ہے آج تک، خیر، دلیل یہ دی جا رہی ہے اور معلوم ہے کہ قرآن نے اس کے بعد کیا کہا یہی جو آیت ابھی میں نے سورۃ بقرۃ کی یہ آیت تھی اور پہلے پارے کے آخر کی جو آیت ہے وہ ہے

2/141 ذکر کرتا چلا آ رہا ہے عزیزانِ من معاف رکھیئے گا کفار یا مشرکین کے اسلاف کا نہیں (**ام تکولون ان ابرٰھیم وا سمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و الاسباط کانوا ھودًا و نصٰرٰی**) یہ چیزیں چلی آ رہی ہیں ان کی طرف سے یہ جو پیش کیا جا رہا ہے محرف کتابیں تھیں جن کے وہ حوالے دیتے تھے اس کا ایک ہی جواب قرآن نے دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ (**تلک امۃ قد خلت**) یہ لوگ اپنی اپنی باری میں دنیا میں آئے یہاں سے چلے گئے، باپ کا یہ مقام ہے (**لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم**) جو کچھ انہوں نے کیا اس کی ذمہ داری ان پر ہے جو تم کرتے ہو تم پر اس کی ذمہ داری ہے، کیا بات ہے قرآن کی تعلیم کی عزیزانِ من کتنا عظیم اعلان ہے صاحب (**لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم**) ان کے مسلک ان کے عقائد انکے اعمال ان کا کردار وہ ان کے لئے، تمہارا تمہارے ساتھ اور اگلا فقرہ ہے (**و لا تسئلون عما کانوا یعملون**) ہم تم سے پوچھیں گے بھی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا، یہ تمہارے نصاب میں داخل ہی نہیں ہے، اور ہمارا سارا مذہب اسی کے اوپر ہے تمام بحثیں گرما گرم ہزار برس سے اسی پہ چلی آ رہی ہیں کہ فلاں امام نے کیا کہا تھا فلاں فلاں نے کیا کہا ان کی یہ چیز کیسی تھی انہی کے متعلق یہ چیز وہ حق پر تھا وہ ناحق پر تھا یعنی وہی جن کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ہم تم سے پوچھیں گے ہی نہیں کہ انہوں نے کیا کہا تھا کیا کیا تھا تم سے نہیں پوچھیں گے جو وہ کہتا ہے ہم تم سے پوچھیں گے نہیں اسی کے اوپر ساری امت کی بحثیں چلی آ رہی ہیں، آپ اٹھا کے دیکھیئے یہ لٹریچر اپنا ساری بحثیں اس پہ چلی آ رہی ہیں کہ اس نے یہ کہا تھا غلط کہا تھا امام شافعی کا یہ قول یہ صحیح نہیں ہے امام ابوحنیفہ کا یہ قول صحیح ساری بحثیں اس پہ چلی آ رہی ہیں جس کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ ہم تم سے پوچھیں گے ہی نہیں، یہ جو out of the text question ہیں نا نصاب میں ہی جو نہیں ہیں سوالات یہ انہی کی تیاریوں میں لگے رہیں، وہ ٹیکسٹ اور نصاب کی طرف تو آتا ہی نہیں ہے ؟؟؟؟ یہ اس کی طرف لگے آ رہے ہیں ارے یہ اتنا کچھ بحث مباحثہ سب کچھ نالے گھوٹا لاندے پئے ہیگے او یہ تو نصاب میں نہیں ہے، کہنے لگے جی کی پتہ اے جے او نصاب دے باہروں ای پوچھ لے ہر سال ایس طراں دے سوال وی تے آوندے ای ہیگے نا کی پتہ اے، کیا ہیں الفاظ عزیزانِ من نقش کر دیجئے سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں اسلاف پرستی انسان کے عہدِ جاہلیت کے اندر سے یہ شروع ہوئی Ancestor Worship جس کو کہتے ہیں یہ اس زمانے کی بات تھی اور چلی آ رہی تھی یہ وہ ایسی چلی آ رہی تھی گویا انسان کے قلب کے اندر یہ ایسے ؟؟؟؟ مرتسم ہو چکی ہو نقش ہو چکی ہو اسلاف کی، چلی آ رہی ہے، جب ابھی وہ دور تھا جس میں مبینہ طور پہ ہم کہتے ہیں کہ کوئی کتاب نظر نہیں آتی آسمان کی جاہلیت کا اس میں بھی اسلاف پرستی تھی یہ جو اہلِ کتاب جنہیں آپ کہتے ہیں ان کے ہاں بھی اسلاف پرستی تھی چلی آ رہی

تھی صاحب، یہ اعلان اندازہ لگایئے قرآن کا کتنا عظیم الشان انقلابی اعلان ہے کہ شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ کے رکھ دی (**تلک امۃ قد خلت**) آ ہاہاہا، ان کے خلاف کچھ نہیں کہا ان کے حق میں کچھ نہیں کہا بات وہ کہی جو واقع ہے It is a fact یہ آئے اپنی اپنی باری پہ چلے گئے (**لھا ما کسبت و لکم ما کسبتم**) عظیم اعلان ہے جو انہوں نے کیا تھا اس کی ذمہ داری ان پہ تھی تمہاری ذمہ داری صرف اس پہ ہے جو تم کرتے ہو (**و لا تسئلون عما کانوا یعملون**) ہم تم سے پوچھیں گے ہی نہیں کہ انہوں نے کیا کیا تھا اور جب یہ سوال ہے تو جو انہوں نے کیا تھا وہ ہمارے لئے مسلک اور سند کیسے بن سکتا ہے ما انزل اللہ ہے سند، ٹھیک ہے ان کے سوانح حیات سرگذشتیں زندگی ان میں کوئی کارنامے اگر ایسے ہیں جو قرآن کے مطابق ہیں ہم کہیں گے کہ بڑا ٹھیک کیا انہوں نے اس کا ثواب ان کو ملے گا مجھے نہیں، اس کے خلاف ہے ٹھیک ہے احترام ہے تو کہیئے کہ صاحب میں سمجھتا ہوں کہ یہ ان کے ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ تو بہت بزرگ تھے انہوں نے نہ شائع کیا ہوا اور اگر آپ اصرار کرتے ہیں کہ یقیناً کیا ہے تو کہیئے کہ صاحب آپ مانئے اس قسم کے وہ میں تو اس کے لئے تیار نہیں ہوں، کیا بھی ہوگا تو یہ ان کے لئے ہے میرے لئے تو سند نہیں بن سکتا لیکن یہ بات کہنے کون دیتا ہے، اقبالؒ نے ایک عمدہ دلیل دی ہے اس کے لئے کہ

خوش بود اگر مرد نکوں

ز بندے پاستاں آزاد رفتے

بڑی چیز ہے یہ کہ یہ جو مسلک ہے کہ صاحب اسلاف نے یہ کہا اس لئے ہم اس کے پابند ہیں تو یہی چیز ہے اگر اس ذہنیت کے عقیدے کے سے آزادی حاصل کر لی جائے تو بڑی چیز ہے یہ اور اس کے لئے دلیل یہ ہے کہ

اگر تقلید بودِ شیوہ خوب

پیمبر ہم رہے اجداد رفتے

اسلاف کا مسلک ہونا ہی اگر سند ہوتا حق کی تو پیغمبر اجداد کے مسلک کے اوپر چلتا اور ہر پیغمبر نے تو اپنے اجداد کے مسلک ہی کے خلاف آواز اٹھائی سب سے پہلے، قرآن نے اگلی آیت میں یہ بات کہی ہے ابھی آتی ہے وہ اقبالؒ انہی سے یہ چیزیں لیتا تھا اگلی آیت میں قرآن نے یہ بتایا ہے اسوہ ابراہیمیؑ جس کے لئے کہا ہے کہ تمہارے لئے ابراہیمؑ کی زندگی اسوہ ہے کس مقام پہ کہا ہے ابھی آتی ہے ابھی تو یہ سنئے قرآن یہاں یہ کیا کہہ کے اس کی تردید کرتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسلاف کے مسلک پہ چلیں گے (**و کذلک ما ارسلنا من قبلک فی قریۃٍ من نذیر**) یہ کوئی نئی بات نہیں ہے

جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے پہلے بھی یہی بات تھی اسی بستی میں جو ہم نے رسول بھیجا جو انہیں warn کرتا تھا کہ جس راستے پہ تم چلے جا رہے ہو اور اسلاف کا راستہ کہتے ہوئے یہ تمہیں تباہی کی طرف لے جائے گا یہ جو خدا کی طرف سے میں حق لایا ہوں اس کو قبول کیجئے تو کہا ہر نبی نے یہ کہا اور ہر نبی کو کیا جواب ملا **(الا قال مترفوھا انا وجدنا اباآءنا علیٰ امۃٍ و انا علیٰ اٰثٰرھم مقتدون)** مترفون کی بات میں ابھی بتاتا ہوں جواب یہ ملا کہ نہیں صاحب ہم نے اپنے اسلاف کو ایک راستے پر چلتا ہوا پایا ہے اور ہم اسی کے اوپر چلتے جائیں گے ان کی طرف سے جواب ملتا تھا **(قال مترفوھا)** بڑا جامع قرآن لفظ کہہ گیا ہے کہ وہ جو محنت کے بغیر دوسری کی محنت کی کمائی کے اوپر عیش مناتے ہیں ان کی طرف سے یہ جواب ملتا تھا، بات یہاں عقیدے کی نہیں آئی یہ تو سوال سارا معاش کا آ گیا، وہ ساری چیزیں جتنی بھی یہ استحصال کی اور سلب کی اور نہب کی یہ ساری چیزیں تھیں خدا کی کتاب تو اس کو کاٹ کے رکھ دیتی تھی اس نظام کو، اس کے حق میں کیا چیز آتی تھی وہ اسلاف کا مسلک، آج بھی ہمارے ہاں کے مذہبی حلقے سے اسلام کے معاشی نظام کے اوپر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ اس قسم کا Capitalism ہے جسے Capitalist country بھی چھوڑ چکی ہوئی ہیں، تو انہوں نے تو تقلید ان کی بھی نہیں کرنی تقلید تو انہوں نے کرنی ہے اس کیپٹلزم کی جو ہزار برس پہلے تھا، ان کتابوں میں دلیل کیا دی جاتی ہے کہ فلاں صحابیؓ تھے ان کے پاس فلاں اتنے لاکھوں روپیہ ہوتا تھا فلاں تھے ان کا تجارت کا قافلہ وہ یہاں سے مصر تک جاتا تھا اور فلاں تھے، چلے جا رہے ہیں، سند یہ ہے، کون ہے یہ جو کچھ کہنے والے **(مترفوھا)** سوچئے عزیزانِ من بات تو قرآن عقیدے کی کر رہا ہے یہ کون لوگ ہیں جن کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے سہل انگار اس لفظ کے بڑے بنیادی معنی ہوتے ہیں ترف سہل انگار محنت سے جی چرانے والا الفاظ میں کہتا ہوں شکل آپ اپنے سامنے لے آیئے خود، سہل انگار صبح کی کھا کے جو سوئے ظہر تک سو رہا ہے خود کام نہ کرنے والے لئے چلے آ رہے ہیں سب سے بہترین چیزیں پاؤں کو بھی چھوتے ہیں پیش بھی کرتے ہیں، مترفوھا، کسی سند دینے کیلئے دلیل پیش کرنے کے لئے کم از کم فکری محنت تو کرنی پڑتی ہے انسان کو اور وہ تو بڑی محنت ہوتی ہے جو پامال راستے ہیں ان کو چھوڑ کر صحیح راستہ تلاش کرنا بھی جو ہے اس کیلئے بھی بڑی فکری محنت کی ضرورت ہے اور پھر راستہ وہ ہو جو یہ کہے کہ **(لیس للانسان الا ما سعیٰ)** جو محنت نہیں کرتا اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ روٹی دوسروں کے اوپر سے کھائے یہ جو ملے اس میں سے اس راستے میں سے محنت بھی کریں کوشش کریں صحیح راستہ جو ہو وہ یہ بتائے تو مترفین اس کو کیسے قبول کریں گے سہل انگاری بھی اس میں ہوتی ہے دوسروں کی کمائی کے اوپر جینا بھی اس کو کہتے ہیں یہ جواب ان کی طرف سے ملتا تھا کیونکہ انہیں یہ سوٹ کرتا تھا کہ اسلاف

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج جولائی 1981ء کی 24 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الزخرف کی آیت 26 سے ہو رہا ہے 43/26۔

لیکن درس شروع کرنے سے پہلے چند الفاظ تمہیدًا ضروری ہیں آپ احباب نے دیکھا ہوگا کہ پچھلے درس سے ہمارے ان رفقاء نے درس ریکارڈ کرنے کا ایک نیا طریقہ وضع کیا ہے یا introduce کیا ہے، جن احباب کو یہ پتہ ہے کہ کیا چیز ہے وہ تو نہیں بس لیکن اکثر احباب نے اس دوران میں پوچھا کہ یہ نئی چیز کیا ہے اس کا فائدہ کیا ہوگا ہمارے درس جو ہیں وہ کیسٹس کے اوپر ریکارڈ ہوتے ہیں آپ احباب کو تو اس کا فرق نہیں پڑتا آپ سنتے بھی ہیں درس دینے والے کو دیکھتے بھی ہیں لیکن وہ کیسٹ جب باہر جاتے ہیں اور اللہ کے فضل و کرم سے اب صرف پاکستان کے ہی مختلف شہروں میں نہیں جاتے بیرونِ پاکستان بھی یہ مختلف مقامات پر جاتے ہیں تو ان احباب نے اکثر یہ شکایتیں رکھی تھیں کہ اہلِ لاہور ہمارے مقابلے میں زیادہ خوش نصیب ہیں کہ وہ درس سنتے بھی ہیں صاحبِ درس کو دیکھتے ہیں بھی اور ہم تو صرف یہ غائبانہ آواز ہی سنتے ہیں دیکھ نہیں سکتے وہ غالب کے الفاظ میں وہ کہتے تھے کہ ان کے لئے تو یہ فردوسِ گوش بھی ہے اور جنتِ نگاہ بھی ہے وہ کہتے تھے کہ کوئی طریق ایسا ہو جائے کہ اسی طریق سے اسی طرح سے درس دینے والے کو بھی ہم ساتھ کے ساتھ دیکھتے جائیں تو اچھا ہو یہ خواہش کہ جس سے بات کی جا رہی ہے اسے ہم دیکھیں بھی کچھ بڑی گہری سی قلبی جذباتی چیز نظر آتی ہے ایسی گہری سی کہ قرآنِ کریم میں حضرتِ موسیٰؑ کی خصوصیت یہ بتائی ہے (**و کلم اللہ موسیٰ تسلیمًا**) وحی تو ہر نبی کو ملتی تھی لیکن وحی کا انداز حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھ کچھ ایسا مختص سا تھا کہ ان سے خدا ہمکلام ہوتا تھا اور جیسا کہ طور کی چوٹیوں پہ جو سرگذشت بیان کی گئی ہے اس کی حقیقت کو ہم کوئی غیر از نبی سمجھ نہیں سکتا کہ وہ کیا تھی لیکن جن الفاظ میں سمجھائی گئی ہے بات وہ یہ تھی کہ وہاں حضرتِ موسیٰؑ آواز سنتے تھے خدا کی، تو آواز تو سنتے تھے لیکن بولنے والے کو دیکھ نہیں سکتے تھے تو یہ جو تمنا ابھر کر زبان پہ آئی تو الفاظ یہ ہوا کہ (**قال ربی ارء نی انظر الیک**) اے میرے رب یہ پسِ پردہ باتیں کرنے سے تشفی نہیں ہو رہی ذرا بے حجابانہ ذرا؟؟؟؟ کا شانہ ما کیا شعر ہے کہ بجز درد تو نیست درد دلِ ویرانہ ما سامنے بھی تو آیئے، جواب ملا (**قال لن ترانی**)

روئیں جوذوقِ نظر ملے، یہ ذوقِ نظر بڑی شدید سی خواہش ہے انسان کے اندر، اس سے پہلے ریڈیوایجاد ہوا تو اس میں آواز آتی تھی بولنے والا سامنے نہیں آتا تھا پھر آگے بات چلی تو ٹی وی وجود میں آئی جس میں بات بھی سنی جاتی ہے بولنے والا سامنے بھی ہوتا ہے لیکن ہمارا درس ابھی تک یوں کہئے کہ ریڈیو کی منزل میں ہی تھا باہر والوں کے لئے اب مغرب کے سائنسدان تو دن بدن آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں تسخیرِ فطرت کر رہے ہیں انہوں نے اس کے بعد ٹی وی یا سینما جو بڑے پیمانے پہ ہوتا تھا وہ انفرادی پیمانے پہ بھی ایک چیز انہوں نے ایجاد کی ہے جسے وی سی آر کہتے ہیں نظر بھی آئے سنائی بھی دے یہ جو سارا انتظام ہے آپ کے سامنے جس میں اب یہ درس ریکارڈ کر رہے ہیں تو اس میں آپ کو تو بہر حال آواز سنائی دیتی ہے میں سامنے ہوں لیکن یہ ریکارڈ اس طرح سے ہو رہا ہے کہ جو باہر کے سننے والے ہونگے یہ ان کے سامنے آواز بھی آئے گی اور ٹی وی کے پردے کی طرح تصویر یا شکل بھی سامنے آئے گی ، یہ فطرت کی تسخیرات نت نئے انکشافات ان کی افادیت کا انحصار اس مقصد کے اوپر ہے جس کے لئے انہیں استعمال کیا جائے یہ تو صرف ذرائع ہیں کسی مقصد کے حصول کے ریڈیو سینما ٹی وی وی سی آر جن جن مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہ ہوں ہم اس اعتبار سے خوش قسمت ہیں کہ ہمارے ہاں یہ چیزیں آتی ہیں تو یہ ایک نہایت بلند مقصد کے حصول کے لئے استعمال ہوتی ہیں یعنی قرآن کی تعلیم اور پیغام کی عام نشر واشاعت، جب یہ ریکارڈنگ کا سسٹم نہیں تھا تو صرف حاضرین کا جو ایک مختصر سا طبقہ تھا وہی اس سے مستفید ہوتا تھا ریکارڈنگ آئی تو باہر کے لوگ بھی اس سے مستفید ہونے شروع ہو گئے، اب یہ آئی ہے تو یہ سلسلہ اور بھی آگے بڑھے گا تو اس لئے ہم بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہیں کہ اس نے اگر ان ذرائع کے حاصل کرنے کی توفیق بخشی ہے تو یہ بھی اس نے ہمیں توفیق بخشی کہ ہم انہیں اس کی کتاب کی تعلیم اور پیام کے عام نشر کرنے کے استعمال کر رہے ہیں، یہاں تک تو معاملہ صرف نگاہ اور گوش کی تسلی اور تسکین کا تھا قرآنِ کریم نے بھی سمع اور بصر کے ساتھ فواد بھی ایک بات کہی ہے قلب بھی ہے ساتھ شامل یہ دونوں چیزیں تو سماعت اور بصارت کے لئے ہیں اگلی بات جو ہے کہ جو باتیں آپ کانوں سے سنیں بات کرنے والے کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا آگے فواد اور قلب کا مقام آتا ہے اور وہ ایسی شکل ہے جس میں نہ تو ریڈیو کچھ کر سکتا ہے نہ وی سی آر کچھ کر سکتی ہے نہ میں ہی کچھ کر سکتا ہوں اسے آپ نے خود کرنا ہوگا، اسی لئے وہ اعراب کے جو قرآن کا پیغام سنتے بھی تھے پیغام پہنچانے والےﷺ کو دیکھتے بھی تھے ان کے متعلق بھی یہ کہا کہ ان سے کہئے کہ ابھی یہ نہ کہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں یہ یہی کہیں کہ ہم نے اپنا سر جھکا دیا ہے (**ولما یدخل الایمان فی قلوبکم**) ایمان

کرونگا کہ جسے اب آپ بولنے والے کو اپنے سامنے بھی دیکھ سکیں گے اس پیغام کو دل کی گہرائیوں میں ہم اتار لیں کہ اس کا فائدہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب یہ دل میں اترے قرآن نے تو ایمان کی شرط یہ بتائی ہے کہ یہ دل میں اتر جائے اور اس تمہید یا اس تعارف کے بعد اب میں درس کی طرف آتا ہوں۔

سابقہ درس میں بات یہ کہی گئی تھی کہ ان لوگوں کے سامنے جب ان حقائق کو پیش کیا جاتا ہے تو یہ اس سے انکار کرتے ہیں سرکشی برتتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اگر اسے آپ تسلیم نہیں کرتے تو کوئی دلائل پیش کیجئے (**ھاتوا برھانکم**) کہ تم کیوں نہیں اسے تسلیم کرتے دلیل کی رو سے بصیرت کی رو سے علم کی رو سے (**لا برھان لھم**) کہا دلائل تو ان کے پاس ہوتے نہیں یہ ایک ہی بات کہتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ (ان وجدنا اٰباء نا علیٰ امۃٍ وانا علیٰ اٰثرھم مقتدون) ہم نہیں جانتے دلیل کیا اور برہان کیا ہم نے اپنے آباو اجداد کو ایک راستے پر چلتے ہوئے دیکھا ہے ہم اسی راستے پر چلے جائیں گے ہمارے نزدیک وہی راہ ثواب کی ہے وہی راہ صحیح ہے ہم کسی ایسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جو اس راستے سے مختلف ہو جس پہ ہمارے اسلاف چلتے آرہے ہیں یعنی تقلید تھی جسے وہ پیش کرتے تھے کہ یہ ہے راستہ صحیح جس پہ ہم چلے آرہے ہیں اور قرآنِ کریم نے ایک مقام پہ نہیں متعدد مقامات پر ان نہ ماننے والے کفار کا مشرکین کا یہی جواب نقل کیا ہے کہ وہ کہتے یہ تھے کہ ہم تو اسلاف کے راستے پہ چلتے جائیں گے اور میں نے عرض کیا تھا کہ دین جب مذہب کی شکل اختیار کرلیتا ہے تو اس میں نہ یہود کا اختصاص ہوتا ہے نہ نصاریٰ کا نہ مشرکینِ عرب کا نہ کفارِ مجوس کا جو قوم بھی دین کو مذہب کی سطح پہ لے آتی ہے اس کے پاس دلیل ہی یہ رہ جاتی ہے کہ ہم تو اپنے اسلاف کے مسلک پہ چلتے جائیں گے جیسا کہ آج کل آپ دیکھ رہے ہیں خود مسلمانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے ہزار برس سے انہوں نے سمجھنا سوچنا قرآن پہ غور کرنا چھوڑ دیا دلیل ایک ہی رہ گئی اسلاف کا راستہ سلفِ صالحین کی راہ بس یعنی قرآنِ کریم نے جو کچھ اس کے خلاف کہا ہے وہ ان کے نزدیک ان سے ہی متعلق تھا جو زمانہ نزولِ قرآن کریم میں مخاطب تھے وہ اس کے بعد یہ جتنا کچھ قرآن نے کہا ہے یہ سارے کا سارا منسوخ ہو چکا ہوا ہے ختم ہو چکا ہوا ہے ہمارے لئے نہیں ہے قرآن کی کوئی بات بھی ان کے سامنے پیش کیجئے یہ کہیں گے کہ یہ یہودیوں کے متعلق آیا تھا یہ عیسائیوں کے متعلق کہا گیا تھا یہ مشرکینِ عرب کے متعلق آیا ہے ہمارے متعلق صرف اتنا ہی ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے، قرآن کی ہر تعلیم ہر بات ہر واقعہ بھی حتیٰ کہ تاریخی شواہد بھی جو اس نے پیش کئے ہیں عزیزانِ من وہ اس لئے نہیں کہ کسی سابقہ اقوام کے متعلق وہ باتیں تھیں یا صرف ان کے لئے تھیں جو قرآن کے اولیں مخاطب تھے یہ تو قیامت تک کے لئے ذکر للعلمین ہے تمام اقوام عالم کے

مطابق ہے صحیح ہے خواہ وہ اسلاف سے چلا آئے یا آج کوئی بات کہے جو اس کے خلاف ہے وہ غلط ہے خواہ کہنے والا کوئی کیوں نہ ہو، ایک غلط بات جو ہے محض اس لئے سچی نہیں ہوسکتی کہ وہ غلط بات پانچ سو سال سے غلط کہی جارہی ہے اور ہمارے پاس تو غلط اور صحیح کا معیار موجود ہے غیر متبدل ابدی معیار خدا کی کتاب، میں نے پچھلی دفعہ یہ یہاں تک آ کر کہا تھا وہ اقبالؒ کا شعر بھی کہ اگر یہ تقلیدِ اسلاف ہی صحیح راستہ ہوتا تو پیامبر ہم رہے اسلاف رستے، ہر پیغمبر نے آ کر جو پیغام دیا ہے وہ اس قوم کے اسلاف کے مسلک کے خلاف انقلاب تھا انقلابی آواز تھی خود پیغمبر کے بھی تو اسلاف تھے اپنے وہ ان کے خلاف دعوتِ انقلاب دیتا تھا اور قرآنِ کریم میں یہ کہنے کے بعد جیسا کہ اس کا انداز ہے فوراً ایک تاریخی شہادت پیش کرتا ہے اور شہادت بھی اس نے پیش کی ہے **(اذ قال ابرٰھیم لابیہ و قومہ اننی برآء مما تعبدون)** حضرتِ ابراہیمؑ کا واقعہ اسلاف بھی کوئی دور کے نہیں تھے ان کے ہاں خود اپنا باپ اپنی قوم وہاں کا بادشاہ بادشاہ بھی نمرود کبھی فرصت ملے گی تو میں عرض کرونگا کہ یہ نمرود انسانیت کے لئے کیا بلا تھا یہ اس کے پھیلائے ہوئے باطل کے عقائد اور مسالک تصورات اعتقادات ہیں جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں عزیزانِ من، عجیب شخصیت تھی یہ بابل اور نینوا کا کچھ علاقہ ہی ایسا تھا، بہرحال تو حضرتِ ابراہیمؑ نے کوئی بہت پرانے اسلاف کی راستے کی تردید یا انکار نہیں کیا باپ سے قوم سے کہا اور قرآن یہی کچھ پیش کر رہا ہے کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنے اسلاف کے راستے پہ چل رہے ہیں باقیوں کو چھوڑیئے یہود و نصارٰی کو تو لیجئے یہ ابراہیمؑ کو تو مانتے ہیں نا تو یہ مانتے ہیں نا کہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ دادا کا مسلک اختیار نہیں کیا تھا بلکہ انہیں چیلنج دیدیا تھا اور اختلاف کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے **(اننی برآء مما تعبدون)** نفرت کا اظہار کیا سرکشی کا اظہار کیا علیحدگی قوم سے علیحدگی باپ سے علیحدگی ملک سے علیحدگی دوسری جگہ چلے گئے ہیں اسلاف کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے کس طرح قرآن ایک تاریخی شہادت سے اپنے دعوے کے لئے دلیل بہم پہنچاتا ہے **(الا الذی فطرنی فانہ سیھدین)** میں صرف اس خدا کے سامنے جھکتا ہوں کہ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری راہنمائی کرنے والا ہے یہ اسلاف کے راستے راہنمائی نہیں کرنے والے، خدا کا راستہ بتایا ہوا راستہ ہی وہ راستہ ہے جو صحیح منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا ہے **(وجعلھا کلمۃً باقیۃً فی عقبہ لعلھم یرجعون)** اور وہ بات ایسی قولِ ثابت تھی ابراہیم کی کہ اسے ہم نے اسی کی ذریت میں بھی باقی رکھا، یہ عرب کے کم از کم مشرکین تو یہ دعوٰی کرتے تھے کہ یہ ان کی اولاد بھی ہیں ذریت میں سے ہیں جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے یہود و نصارٰی تک ان کو اپنا نبی مانتے تھے اور یہودی تو اپنا موٴسس مانتے تھے ان کو یہ بھی ان کی اولاد میں سے تھے حضرت اسحٰقؑ کی ذریت میں،

سچائی کا پیغام دیا اور قوم کے سہل انگار دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے والے لوگ انہوں نے اس کی مخالفت کی اور یہ کہہ کے مخالفت کی ہم اس راستے کو نہیں چھوڑیں گے جس پر ہمارے آباؤ اجداد چلتے آ رہے تھے مترفون یہاں اسی کو کاٹا ہے (**بل متعت هٰؤلآء و اٰبآء هم حتیٰ جآء هم**) یہ جو کچھ تھا سامانِ زیست ان لوگوں کو ہم نے ہی دیا تھا لیکن یہ تو اس دنیاوی زندگی کے لئے سہارے اور آسرے تھے آخرت کی زندگی کے لئے نہیں ، یہ اسی روش پہ چلتے ہیں تا آنکہ ان کے سامنے یہ رسولِ کریم آ گئے حق کے ساتھ (**ولـما جآء هم الحق قالوا هٰذا سحر و انا به کٰفرون**) حق ان کے سامنے آ گیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں صاحب یہ تو سراسر جھوٹ ہے افتراء ہے کذب ہے ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ، دلیل، ہمارے آباواجداد کا جو راستہ ہے یہ اس کے خلاف جاتا ہے، اب آگے یہ دو تین آیتیں آ رہی ہیں عزیزانِ من وہ بڑی اہم اور بنیادی ہیں شاید اتنا وقت کافی نہ ہو ایک درس میں کہ میں ان کی تفسیر بیان کروں بہرحال بات میں عرض کرتا ہوں (**و قالوا لولا نزل هٰذا القراٰن علیٰ رجلٍ من القریتین عـظیم**) اعتراض ملاحظہ فرماؤ کہ خدا نے اپنا اگر پیغمبر ہی بھیجنا تھا رسالت کے لئے کسی کو چننا تھا تو یہ (اُن کے الفاظ میں) معاذ اللہ یہ ایک یتیم سا لڑکا غریب سا آدمی کوئی وجاہت نہیں ہے دولت مند نہیں ہے اسے چن لیا یہ ہمارے جو دو بڑے بڑے شہر ہیں اس زمانے میں مکہ اور طائف ہی دو بڑی بستیاں تھیں آج کل تو مکے کے علاوہ ریاض ہے ان کا دارالخلافہ بھی ہے لیکن اس زمانے میں یہ دو بڑی بڑی بستیاں تھیں کہنے لگے کہ یہ دو بڑی بستیاں ہیں ان کے اندر بڑے بڑے رجلِ عظیم واقع ہوئے ہیں رجل عظیم، عظمت کا معیار ان کے ہاں دولت تھی اور یہ کوئی آج کی بات نہیں نہ اس زمانے کی تھی جب انہوں نے یہ اعتراض کیا یہ تو سب سے پہلے جب اللہ تعالیٰ سلسلہ رشد و ہدایت کی ابتداء کرتا ہے حضرتِ نوحؑ سے وہاں ساری کشمکش ہی اس کے اوپر تھی وہ قوم کے جتنے بڑے بڑے مترفین تھے سردار تھے ان غریبوں کی محنت کے اوپر عیاشیاں کرنے والے جنہوں نے مخالفت کی تھی ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ تمہاری دعوت کے اوپر لبیک کہنے والے لوگ جو ہیں یہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے والے ذلیل لوگ ہیں (ان کے الفاظ میں) کمینے لوگ ہیں یہ دیکھو تو سہی یہ کوئی کنجڑا ہے کوئی مزدور ہے یہ لوگ اور تم کہتے ہو کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو کے انہیں اپنا ہمدوش بنا لیں یہ ہمارے برابر بیٹھ جائیں یعنی اس دعوت کے اوپر اس کے خلاف کوئی اعتراض معقول نہیں تھا کہ یہ اس لئے غلط ہے، اعتراض یہ تھا کہ اس طرح سے ہم اور یہ جنہیں ہم اپنے عجیب بات ہے عزیزانِ من یہ کمی جسے کہتے ہیں کام کرنے والا ہم نے اس کو پھر کمین کہہ دیا ٹھیک ہے جی ان کے نزدیک تو ہاتھ سے کام کر کے روٹی کھانے والا تو کمین ہی ہو گا، شریف اور عظیم تو یہ ہیں نا جو

دے جا، یہ جھپٹا مار کے لیتا ہے لیتا تو دوسروں کی محنت کی کمائی سے ہے نا، گدا گر تو آپ کے نزدیک نہایت قابلِ نفرت اور یہ جھپٹ کر لے جانے والا رجلِ عظیم، پہلی دعوت کے لئے قرآن نے جو بات شروع کی ہے وہ یہاں سے شروع کی ہے اور جواب ملتا ہے ادھر سے کہ تمہارے نزدیک معیار اس کا تمہاری دولت اور جاگیرداریاں اور سرمایہ داریاں ہونگی خدا کے اور خدا کے پیغام کے نزدیک وجہ شرف وعزت انسانیت ہے تکریمِ آدمیت ہے (**ولقد کرمنا بنی اٰدم**) خدا نے جو کہا ہے ہم نے واجب التکریم پیدا کیا تو یہ امیروں کے لئے نہیں ہے یہ تمام انسانوں کے لئے ہے بنی اٰدم کے لئے ہے، اس لئے میں تمہارے اس اعتراض کو نہ مانتا ہوں اور نہ میں تمہاری خاطر ان کو دھتکار سکتا ہوں یہ سب سے قریب تر میرے بھی رہیں گے اور خدا کے بھی مقرب یہی رہیں گے اور پھر اس کے بعد ہر دور میں جو دعوت آئی ہے عزیزانِ من قرآن نے اسے ہر بار دہرایا ہے کہ مخالفت انہی لوگوں کی طرف سے ہوتی تھی جنہوں نے معیار دنیا میں عزت کا عظمت کا شرافت کا بڑائی کا دولت قرار دے رکھا تھا دولت خود کمائی ہوئی نہیں دوسروں کی کمائی ہوئی دولت کو کسی نہ کسی ترسیل سے جھپٹا لینا، یہ کشمکش چلی آرہی ہے، اور یہی وہ وعظ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں، مختلف مقامات پہ یہ بات آئی ہے اور یہاں تو نکھر کر بات انہوں نے کہدی کہ ان شہروں کے جو بڑے لوگ تھے ان میں سے کسی کو منتخب کیا جاسکتا تھا، اب یہاں سے میں نے عرض کیا تھا نا کہ وہ دو آیتیں آتی ہیں بڑی عظیم (**اھم یقسمون رحمت ربک**) کہنے لگے اچھا اب ان کے حوصلے اتنے دراز ہو گئے ہیں کہ یہ انگلی پکڑتے پکڑتے پائینچے تک بھی پہنچے ہیں یہ کہتے یہ ہیں کہ خدا کی نبوت جو ہے وہ بھی ہمارے معیار کے مطابق ملنی چاہئے، اس نبوت کو خدا نے رحمت کہا ہے بنیادی سامانِ رزق جو ہے اسے بھی رحمت کہا ہے آپ کو اب تو معلوم ہو گیا نا کہ رحمت کے کیا معنی ہیں برسوں آپ اب تو یہاں سن رہے ہیں کہ یہ وہی چیز ہے جس طرح رحمِ مادر کے اندر پرورش ہوتی ہے رحمت وہ سامانِ زیست ہے جو خدا کی طرف سے بلامزد و معاوضہ ملتا ہے نہایت نرمی سے ملتا ہے لچک ہوتی ہے تقاضے کے مطابق ملتا ہے کوئی احسان اس کا نہیں ہوتا کوئی بدل نہیں وہ چاہتا اور وہی رحم ہے کہ جہاں سے پھر یہ خدا کی رحمت وہ رحمِ مادر کے اندر جنین تک محدود نہیں رہتی انسانوں کو جو کچھ اس کی طرف سے بلامزد و معاوضہ ملتا ہے اس سب کے لئے یہ لفظ رحمت استعمال ہوتا ہے، اگلی بات آتی ہے کہا یہ ان کی کیفیت اب یہاں تک بڑھ گئی کہ یہ چاہتے یہ ہیں کہ نبوت کے جو سرتا سر ہماری رحمت کا ????? ہے ہمارا ہم جسے اس کے لئے موزوں سمجھتے ہیں صرف اس کو دیتے ہیں یہ معیار نہیں جو ان کا معیار ہے تو اب یہ اس کے لئے بھی اپنے معیار کا تقاضا کرنے لگ گئے، اگلی بات (**نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا و**

تقسیم کرتے ہیں اوراس میں آپ دیکھتے ہیں کہ اس معیشت کے سامان میں دولت میں رزق میں بعض کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے اور یہ اس لئے ہم کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے تم کام لے سکوتو گویا رزق کی تقسیم وہی بات جو چلی آ رہی تھی خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے جسے چاہے وہ غریب کرے جسے چاہے امیر کرے اور خدا نے خود کہا دیکھئے یہ اس میں مراتب فضیلت کے ہیں مدارج ہیں کوئی بڑا ہے کوئی نیچے ہے تو یہ تو خدا خود کرتا ہے یہ سب کچھ جو ہے یہ ہے جو عام ترجمہ بھی کیا جاتا ہے یہ مفہوم بھی لیا جاتا ہے، اور دیگر مقامات میں بھی یہ چیز کہی گئی، اور جب یہ کہا گیا تو اس کے بعد یہ سارا کچھ اس لئے ہے کہ یہ جو غریب اور مفلس اور بھوکے اور محتاج ہیں ان کی نگاہ اس طرف نہ اٹھے کہ انہوں نے کیا کیا ہوا ہے جو اس طرح سے عالیشان محلوں میں رہتے ہیں اتنے بڑے سامانِ رزق ہیں عیش کرتے ہیں امارت ہے ان کے پاس سب کچھ میسر ہے ان کے کتوں کو وہ کچھ مل رہا ہے جو ہمارے بچوں کو نہیں مل رہا یہ تفاوت اور اس کے خلاف یہ جذبات ابھرنے ضروری ہیں ان کو pacify کیا جا رہا ہے یہ کہہ کے یہ سرمایہ داری کے نظام کے جتنے بھی منتظمین ہیں یہ ان کی تکنیک ہے اور یہ تکنیک ہمیشہ مذہبی پیشوائیت کے راستے لائی جاتی ہے یہ امیر خود یہ بات نہیں کہتے کہ یہ خدا کا دیا ہوا ہے یہ ان کو کہتے ہیں کہ یہ سب خدا کا دیا ہوا ہے رزق کی تقسیم اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اس کے خلاف ذرا سا دل کے اندر بھی شکایت پیدا ہو جانا خدا کی تقسیم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے توبہ کرو بابا ڈرو اس اللہ سے کیا کہتے ہو اللہ کے دئے ہوئے کو کہتے ہو، تو آپ نے دیکھا کہ کتنی بڑی یہ کامیاب یہ تکنیک ہے کہ مست رکھو ذکر وفکر صبحگاہی میں انہیں، بہلاتے رہو ان کو سلاتے رہو کہ اس کیطرف نگاہ نہ ان کی اٹھنی پائے، اس قسم کی آیات کے غلط مفہوم اور ترجمے سے اس نتیجے پہ پہنچا دیا، بات کیا ہے یہ معیشت حیات الدنیا کی یہ ذرائع رزق ہیں جو کہا گیا ہے رحمت جس کو کہا گیا ہے وہ چیزیں جو خدا کی طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتی ہیں وہ واقعی خدا کی طرف سے ملتی ہیں، یہ جس طرح سے اکتسابِ رزق آدمی کرتا ہے یا جسے ہم کمائی کرنا کہتے ہیں یہ تو سارے تصورات ہی غلط ہیں نا کمائی کے معنی یہ ہیں نا کہ شام کو اس نے دس روپے کمائے اس نے پچاس روپے کمائے یہ نظام سرمایہ داری کی تقسیم ہے دس روپے اور پچاس روپے یہ ہم نے مقرر کیا ہوا ہے ایک مزدور کی مزدوری جو ہے مثلاً آج کل تو خیر بڑھ گئی ہے پندرہ بیس روپے انجینئر کی تنخواہ پانچ ہزار روپیہ یہ ہماری مقرر کی ہوئی ہے خدا کی تو نہیں ہے، کیا چیزیں ہیں جسے خدا نے کہا ہے کہ ہماری طرف سے بلا مزد و معاوضہ ملتی ہیں، عزیزانِ من قرآن کی اس حقیقت کو مغرب کے Economist جو ہیں انہوں نے اب سمجھنا شروع کر دیا ہے یہ اکانومی یا اقتصادیات کا جو علم ہے اور مغرب کے اندر بنیاد وہ وہاں سے چلتی ہے جو کچھ کوئی کسب و ہنر سے

(سو آء للسائلین) ہر ضرورت مند کے لئے یہ یکساں طور پہ رہنا چاہئے، مفت ملی ہوئی ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ ہر ضرورت مند کی ضرورت اس سے پوری ہوتی جائے لیکن اس میں آپ دیکھتے ہیں دنیا کے مختلف مما لک میں آپ دیکھتے ہیں کہ یہ جو ذرائع رزق ہیں ان میں کتنا اختلاف ہے ایک حصہ ہے جو سال بھر برف سے ہی ڈھکا رہتا ہے انسان وہاں بھی بستے ہیں دوسرا حصہ ہے جو چاروں طرف پانی پانی سمندر ہے اس کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ ہوتا ہے انسان وہاں بھی بستے ہیں، پہاڑ ہیں کہ ان کے اوپر درخت ہی درخت ہوتے ہیں یہ چھوٹی موٹی جڑی بوٹیاں یا ذرا ذرا سی کیاریوں میں کوئی فصل اگ آتی ہے انسان وہاں بھی رہتے ہیں انسان صحراؤں میں بھی رہتے ہیں کہ جہاں کل تک سوائے کھجوروں کے اور ان کی گھٹلیوں کے کچھ ملتا ہی نہیں تھا وادی غیر ذی زرع جسے کہا جاتا ہے وہاں بھی رہتے ہیں، ؟؟؟؟ کی tropical climate میں بھی رہتے ہیں سال بھر بارش ہوتی رہتی ہے دھند ہوتی ہے سردی پڑتی ہے country میں بھی رہتے ہیں یہاں کچھ بنجر زمینیں بھی ہوتی ہیں کچھ بارانی زمینیں بھی ہوتی ہیں ادھر بھی زراعت کے اعتبار سے آبپاشی والی بھی ہوتی ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تقسیم جو ہے ارضی تقسیم ہیئت کی تقسیم زمینوں کی صلاحیت کی تقسیم ذرائع رزق کی تقسیم یہ ہماری آپ کی کسی انسان کی نہیں کی ہوئی وہاں سے کی ہوئی ہے، میں آگے چل کے آتا ہوں کہ اس تقسیم سے انسانیت کے اوپر کوئی اثر نہیں پڑتا وہ بات آگے جا کے آتی ہے تقسیم تو یہ ہے نا، اتنے حصے میں پہلے آپ دیکھئے اور میں ایک ایک دو دو آیات اس میں سے صرف موجودہ ریفرنس کے لئے پیش کرونگا اس کی تفصیل تو بہرحال میرے " نظامِ ربوبیت" میں آپ کو ملے گی اور مقامات میں بھی ملے گی 56/63 اور 63 سے آگے پھر، بڑی جامع آیات ہیں کہا یہ جتنا سامانِ رزق ذرائع رزق جس کو آپ کہتے ہیں ان چیزوں پہ انسان کی زندگی کا دارومدار ہے زمین اس کی بنیاد ہے خواہ وہ زراعت کی شکل میں نکلے خواہ اس کے خزائن جو معدنیات وغیرہ کی شکل میں ہیں وہ نکلیں انہی پہ دارومدار ہے ساری دنیا کی سارے انسانوں کی معیشت کا، کہا پہلے آؤ تو اس زراعت کی طرف **(افرء یتم ما تحرثون)** 56/63 یہ تم کھیتی باڑی جو کرتے ہو **(ء انتم تزرعونہ ام نحن الزٰرعون)** زمین میں یہ صلاحیت کہ وہ آپ کے ایک ایک دانے سے سات سات سو دانے بہم پہنچاتی ہے اتنا رزق تمہیں دئے جاتی ہے اور پھر اس میں یہ بات ختم نہیں ہوتی ہزارہا سال سے اس میں یہ کچھ کرتے چلے آ رہے ہیں وہ دئے چلی جا رہی ہے، کہا یہ بتاؤ کہ زمین میں یہ جو صلاحیت ہے اس پیدائش کی یہ تمہاری عطا کردہ ہے یا ہماری دی ہوئی ہے، کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا عزیزانِ من **(لو نشآء لجعلنٰہ حطامًا فظلتم تفکھون انا لمغرمون بل نحن محرومون)** کہا اگر یہ صورت نہ ہوا ایسی شکل پیدا

المنزلون) زمین کے بعد سارا انحصار پانی پہ ہے پانی بھی سمندر کا کھاری پانی نہیں مقطر پانی کشید کیا ہوا پانی کہا یہ آب رسانی کا سلسلہ جو ہے سمندر سے بادلوں کی شکل میں بادلوں سے بارش کی شکل میں وہ خواہ نہریں یا دریا بھی کیوں نہ ہوں عزیزانِ من اور یجن ان کی بھی یہی ہوتی ہے وہ جو فالتو پانی ہوتا ہے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کے اوپر reserver کی شکل میں وہاں برف بن جاتا ہے، کہا یہ بتاؤ کہ یہ جو پانی اور اس کی یہ خصوصیت کہ اس سے یہ کھیتی پکتی ہے اس پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے، پانی میں یہ خصوصیت کس نے رکھی ہے تمہاری عطا کردہ ہے یا یہ ہماری عطا کردہ ہے **(لو نشآء جعلنٰہ اجاجًا فلولا تشکرون)** ہم اگر چاہتے تو جیسا سمندر کا پانی کھاری ہے جو اسے سحاب بن کر اڑتا وہ بھی اگر کھاری ہوتا تو کیسے کھیتی کر لیتے تم، بنیاد دیکھ رہے ہیں آپ ذرائع رزق کی اصل و بنیاد جو ہے وہ عطیات خداوندی ہے تمام انسانوں کے لئے یکساں **(افرء یتم النار التی تورون ء انتم انشاتم شجرتھا ام نحن المنشئون)** آگ حرارت اس پہ بھی مدار ہے زندگی کا، یہ دوسری جگہ ہے یہ سبز ٹہنیاں ان کے اندر یہ اس قدر یہ آگ کے شعلے تم نے پنہاں کئے ہیں یا ہم ان پہ رکھ رہے ہیں صاحب، بڑے خوبصورت انداز میں قرآن بیان کرتا ہے، کہا یہ سب کچھ ہم کرتے ہیں تم اس میں کیا کرتے ہو محنت کرتے ہو صرف **(نحن جعلنٰھا تذکرۃً و متاعًا للمقوین)** ہم نے یہ سب کچھ اس لئے ذکر کیا ہے کہ حقائق تمہارے سامنے آجائیں تذکرہ اس لئے ہم نے کیا ہے، کہا ہے آؤ فصل پک گئی کھلیان بن گئے دانے تم نے بوری میں بھر لئے گھر لے جارہے ہو نا کہا ذرا ٹھہر تو جاؤ معاملے کی بات ہے ذرا کر لیں یہ جتنی فصل ہے اس میں ہمارا جو کچھ دیا ہوا ہے وہ کتنا ہے اور تم نے جو محنت کی تھی وہ کتنی ہے کاروباری معاملہ ہے ہم تو بڑے دیانتدار کاروباری ہیں؟؟؟ میں کہہ رہا ہوں آؤ ذرا بات تو کرو اب یہاں نہیں یہ رکے گا لادے گا گدھے کے اوپر اور لے جائے گا گھر میں یا مارکیٹ میں کہا رکو ذرا بات تو کرو ہمارا حصہ ہمیں دیدو اپنا حصہ آپ لے لو ہم تم پہ ظلم نہیں کرتے کہ تمہاری محنت میں سے کچھ چھین لیں وہ تو فرعون کیا کرتا تھا یا ملوکیت کرتی ہے یا دنیا کے سربراہِ مملکت کرتے ہیں **(ھضمًا و ظلمًا)** قرآن نے کہا ہے وہاں زبردستی استبداد سے چھین کے ہضم کر جاتے ہیں ہم نہیں کرتے ہم تو رزق کے طالب ہی نہیں ہیں لیکن آؤ کاروباری معاملہ تھا کاروبار کی بات ہے ہمارا حصہ ہمیں دیدو کھڑے ہو گئے کہنے لگے جی ٹھیک ہے یہ تو ہمارا حصہ ہے اس میں بنے گا کتنا حصہ آپ سوچئے تو سہی یہ باقی جو ہے جی فرمایئے آپ تو ہمارے نہ سامنے ہیں نہ آپ کا نمائندہ، کیا کریں اس کو کیسے دیں، قرآنِ کریم عزیزانِ من سنئے کیا کہتا ہے قرآن کہتا ہے یہ **(متاعًا للمقوین)** یہ بھوکوں کا حصہ ہے ان تک پہنچا دو ہم تک پہنچ جائے گا **(فسبح باسم ربک العظیم)** آہاہا، چھوٹی

ربوبیت ادنٰی ہے جوانسان اپنی ہی زندگی تک اپنے ہی بچوں تک رکھتا ہے وہ ربوبیتِ اعلٰی ہے جو پورے انسانیت کے لئے ہواورتمہارا تو کوئی جاتا نہیں ہم کوئی چھینتے نہیں ہیں تمہاری محنت تمہارے لئے ہمارا دیا ہواتو دیدونا، ایک اور ریفرنس اسی ضمن میں 67/21 (امن ھٰذا الذی یرزقکم ان امسک رزقه) کہو اگر یہ صلاحیت جو رزق پیدا کرنے کی ہے ان چیزوں کے اندر انہیں ہم روک لیں دنیا کی کوئی طاقت ایسی ہے جو انہیں پیدا کردے غور کیجئے کس طرح سے وہ بات کو سمجھا تا چلا جاتا ہےاور تو اور اسی میں ہے ذرا آگے چل کے (قل ارء یتم ان اصبح مآؤکم غورًا فمن یاتیکم بمآءٍ معین) 67/30 یہ وائیٹ ہیڈ کا ایک قول ہے کہ جو چیزیں ہمارے پیش پا افتادہ ہوتی ہیں پیش پا افتادہ باتوں پر غور کرنے کے لئے بہت بڑے مفکر کی ضرورت ہوتی ہے بڑی عظیم بات یہ شخص کہتا ہے یہ بات جو قرآن نے کہی ہے دیکھئے کہ پیش پا افتادہ ہے لیکن کتنی گہری ہے پانی فراز سے اوپر سے نیچے آتا ہے پھر ہمارے ہاں پانی کی شکل یہ جس شکل میں چاہئے چلا جاتا ہے پینے کی بات آپ دیکھئے کہ وہ پانی جو ہے جسے ہم پیتے ہیں وہ کس طرح سے liquid مائع کی شکل کے اندر چلا جاتا ہے بہتا ہوا چلا جاتا ہے چشموں سے ابلتا ہوا اوپر چلا آتا ہے پانی کی یہ شکل ہے پانی اگر ٹھوس ہوتا پتھر کیطرح کون زندہ رہتا اور کس کی کھیتی پکتی، کہا یہ بات نہیں تمہارے کنویں چشمے وہاں زیادہ چشمے ہی ہوتے تھے جس میں سے پانی اوپر آتا تھا کہا اگر ان چشموں کا پانی اوپر کی طرف آنے کی بجائے نیچے کی طرف جانا شروع ہوجائے پانی میں یہ یہ صلاحیت تم پیدا کرسکتے ہو کہ یہ پھر اوپر کی طرف آئے کہا یہ چھوٹی چھوٹی سی باتیں ہیں ان کے اوپر غور کرو تم کہ یہ کس کا نظام ہے او ر یہ نظام کا ہے کے لئے ہے، ربوبیتِ عالمینی کے لئے ہے، الحمدللہ رب العٰلمین تمام نوعِ انسانی کو سامانِ زیست بہم پہنچانے کے لئے یہ سارا انتظام ہمارا اس طرح سے اور یوں ہے جو ہم نے ان ذرائع کو اس طرح سے تقسیم کر رکھا ہے اب دیکھا کیا بات بن گئی جو آیت آئی تھی ہمارے سامنے حصولِ رزق یا جسے آپ کمائی کہتے ہیں میں نے عرض کیا نا کہ یہ کمائی وغیرہ کے الفاظ جتنے بھی ہیں یہ سرمایہ داری کے نظام میں آکے یہ اصطلاحات اور معنی اختیار کرلیتی ہیں یہ کمائی کا معیار wages ہمارے ہاں بن گیا مزدوری جسے کہتے ہیں اس کی اتنی اس کی اتنی یہ کون مقرر کرتا ہے سرمایہ دار مقرر کرتا ہے کارخانے دار مقرر کرتا ہے زمیندار مقرر کرتا ہے یہ جو مزدور ہے وہ تو نہیں مقرر کرتا، تو قرآن یہ نہیں کہتا قرآن کہتا ہے کہ یہ جو ذرائع ہیں جن سے یہ سارا کچھ ہوتا ہے، اب آیئے، پہلی چیز ان ذرائع میں سے ہم نے دیکھا یہ زمین اور اس میں سے جو نظام ہے پیداوار کا فصلوں کا بنیاد اس پہ ہے انسان کے رزق کی ربوبیت کی دوسری چیز اب آگئی انسان کی ذاتی صلاحیت ذہنی صلاحیتیں دماغی صلاحیتیں دیکھنے کی سننے کی قلب کی

جعل لکم السمع و الابصار و الافئدۃ قلیلاً ما تشکرون) انسان کی ذاتی انفرادی صلاحیت کے متعلق اس نے تین ہی سرچشموں کا ذکر کیا اور یہی ہیں سماعت بصارت اور قلب قلب کو آپ مائنڈ کہہ لیجئے دماغ کہہ لیجئے ذہن کہہ لیجئے دل کہہ لیجئے جامع لفظ ہے یہ تیسری چیز وہ جو اندر غور وفکر کرتی ہے اور پھر کسی نتیجے پہ پہنچتی ہے، یہ دیکھتا اور سنتا تو ایک سائنسدان بھی ہے اس کے ماتحت ایک مزدور بھی سنتا اور دیکھتا ہے فرق آگے جاکے پڑتا ہے وہ جو چیز سننے کی اور دیکھنے کی جو انفارمیشن ہوتی ہے وہ جب اس کے قلب تک مائنڈ تک دماغ تک پہنچتی ہے وہاں فرق پیدا ہو جاتا ہے اس کا دماغ چاند کی کیفیات بیان کرتا ہے اس کا دماغ اس سے آگے ہی نہیں بڑھتا ہے کہ کچھ سنا تھا کچھ دیکھا تھا، کہا یہ چیزیں جو ہیں یہ فرمایئے یہ کس کی عطا کردہ ہیں یہ صلاحیتیں یہیں سے ایک اور آیت سامنے آجاتی ہے 96/5-7 **(علم الانسان مالم یعلم)** انسان کو یہ صلاحیت ہم نے دی کہ جو کچھ یہ نہیں جانتا اس کا بھی علم حاصل کرسکتا ہے یہ، بچہ تو پیدا ہوتا ہے صلاحیت ہی اس میں ہوتی ہے علم حاصل کرنے کی علم تو نہیں ہوتا اسے کہا ہم نے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ جن چیزوں کا اسے علم نہیں ہے وہ علم حاصل کرے علم حاصل کرنے کی صلاحیت جو ہے یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگلی بات ہے جہاں سے فرق شروع ہوتا ہے جہاں سے میں اگلی آیات کے اوپر آونگا جہاں سے یہ پٹڑی بدلی جائے گی کہا **(کلا ان الانسان لیطغٰی ان راہ استغنٰی)** کیا بات ہے کہتا ہے یہ دئے ہوئی جو صلاحیتیں تھیں وہ ہماری تھیں انسانوں کی کیفیت یہ ہے کہ جب یہ زیادہ صلاحیتیں ملتی ہیں اسکی وجہ سے وہ بہت پھنے خاں بن جاتا ہے تو پھر اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے مینوں کیہدی پرواہ پئی ہوئی ہیگی اے صاحب، یہ جو چیز ہے مستغنی سمجھنا اپنے آپ کو کہا یہاں سے سرکشی کے جراثیم ابھرتے ہیں دماغ کے اندر، کوئی فرد بھی مستغنی نہیں ہوسکتا عزیزانِ من میں عرض کرونگا نا کہ وقت تھوڑا ہوتا ہے ان معاملات کے لئے یورپ کے محققین ان چیزوں پہ پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں انسان پیدا ہوتا ہے اس میں آپ دیکھئے ٹھیک ہے دماغی جراثیم اس کے جرثومے یا؟؟؟؟ ٹھیک ہے ابھی تک یہ چیز ہے کہ فرق ہوتا ہے بچے اور بچے میں لیکن آگے چل کے وہ کہتا ہے بچہ کس ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا کس ابتدائی ماحول میں اس کی تربیت ہوئی کس قسم کے معاشرے کے اندر اس نے زندگی بسر کی معاشرہ نے کیا کیا چیزیں اس کے لئے provide کیں، اگر وہ ایسے ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوا ہے کہ وہ بیچارے خود بھی کھڈی بنتے ہیں لوہارے کا کام کرتے ہیں ترکھانے کا کرتے ہیں بچے کو انہوں نے اسی میں ڈال دیا کہنے لگا یہیں کا یہیں رہ جائے گا کتنی بڑی صلاحیت کیوں نہ ہو، آگے ذرا بڑھے کسی ایسے گاؤں میں ہے جہاں سکول ہی نہیں ہے تو یہ کیا کرلے گا تعلیم ہی حاصل نہیں کی معاشرے

استغنٰی)اور اپنے آپ کو یہ مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے کہ نہیں صاحب کسی اور کا اس میں حصہ ہی نہیں ہے، کہا یہ بھی دیکھو انسان جو کچھ کرتا ہے اب آیئے کہا ایک ذہنیت یہ ہے جسے وہ قارونی ذہنیت کہتا ہے قارون نمائندہ ہے سرمایہ پرستی کے نظام کا اس کی یہ آپ نے دیکھی ہے نا کہ جتنی چیزیں خدا نے گنائی ہیں کہ یہ اس کی طرف سے بلا مزدو معاوضہ بطور رحمت کے یہ عام مل رہی ہیں ذہنیت سرمایہ پرستانہ ذہنیت جس کا نمائندہ قارون ہے اس سے جب کہا گیا کہ اتنا کچھ تم نے جمع کر رکھا ہے تمہاری ضروریات سے کہیں زائد ہے یہ سب کچھ یہ لوگ ہیں جن کو بیچاروں کو بیچاروں کو نانِ شبینہ تک ملتی نہیں ہیں تو اس میں سے اپنا حصہ تو رکھ لے جتنی ضرورت ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ تارکِ دنیا بن جا درویش بن جا جنگل میں چلا جا، اپنا حصہ رکھ لو جو اس سے زیادہ فاضل رکھا ہوا ہے کا ہے کے لئے رکھا ہوا ہے نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو یہ ان کو دو جن کے لئے ہے یہ سب کچھ آپ کو معلوم ہے کہ یہ آج بھی یہ Capitalism جو ہے اس کی اس کے خلاف دلیل کیا ہوتی ہے کہ ایک فرد کے پاس اتنا کیوں رہے اس کو صرف اپنی ضرورت کے لئے رکھنا چاہئے باقی ان کے لئے ہے جن کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں، جواب ہوتا ہے آج کی اس اکنامکس کا بنیادی مسئلہ ہے عزیزانِ من کیپٹلزم کا اور وہ یہ ہے کہ (قال انما اوتیته علیٰ علمٍ عندی) (28/78) وہ کہتا ہے کہ یہ میری ذاتی ہنرمندی کا نتیجہ ہے جو مجھے ملا ہے کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اس میں سے کچھ لے جائے، آپ حیران ہونگے کہ یہ جو آج کی اکنامکس کیپٹلزم کی ہے اس کی عمارت اسی بنیاد پہ استوار ہوتی ہے کہ ہر فرد جو کما لیتا ہے یعنی جو ہتھیا لیتا ہے یہ کہنا چاہئے وہ اس کی اپنی ذاتی ہنرمندی کا نتیجہ ہوتا ہے اس لئے اس کے اندر interfare کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے حتٰی کہ سٹیٹ کو بھی نہیں ہے، یہ قارون کی بات نہیں ہو رہی یہ فرعون کے زمانے کی بات نہیں عزیزانِ من ہو رہی یہ تو قیامت تک کے لئے حقائق ابدی ہیں، پورا نظام ہے جو چلا آ رہا ہے آج کے دور میں بھی ساری کشمکش اسی کے ساتھ ہو رہی ہے دلیل یہ دی جا رہی ہے اور آپ کو معلوم ہے قرآن نے اس کا جواب کیا دیا ہے کیا بات ہے قرآن کی لمبی چوڑی بحثیں کرتا ہی نہیں ہے ایک لفظ میں سے ساری بات کہہ جاتا ہے کہتا ہے ہماری طرف سے یہ ساری نعمتیں ملتی ہیں (قال انما اوتیته علیٰ علمٍ) 39/49 وہی بات اور یہ جواب میں کہتا ہے کہ نہیں یہ میری ساری ہنرمندی کا نتیجہ ہے اس لئے میں اس کا مالک ہوں اس میں کوئی دخل نہیں دے سکتا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے جواب سنئے (بل ھی فتنة) نوعِ انسانی کے فتنے کی جڑ تو یہی تصور ہے کیا بات ہے قرآن کی سارے نظامِ سرمایہ داری کو فتنہ قرار دے دیا اس نے ایک لفظ میں ساری چیز کاٹ کے رکھ دی (ولٰکن اکثرھم لا یعلمون) فتنہ ہے جہالت کے اوپر مبنی، علم کی بارگاہ میں آ کے ذرا بات کر کے

بہر حال اس راستے پہ ہی نہیں ہیں ہم تو بس جو اسلاف کا راستہ ہے بس چلے جا رہے ہیں خالص ملوکیت کے زمانے کا سرمایہ داری کا نظام جسے اسلام کہہ کے پیش کیا جا رہا ہے،؟؟؟؟؟؟ پھر اس کے بعد کیا کیا جا رہا ہے ان سے، میاں اللہ واسطے دیا کرو خدا واسطے کچھ دیا کرو دیکھنا یہ غریب ہیں بیچارے، یعنی خود ہی ان کو چھین کے غریب بنا لیا اور اس کے بعد ان سے منتیں کی جا رہی ہیں میاں خدا واسطے کچھ چار پیسے ان کو دیدیا کرو، کچھ نام رکھ لو اس کا خیرات نام رکھ لو زکوٰۃ نام رکھ لو صدقہ نام رکھ لو، بات ہی یہ ہے اوپر کا طبقہ جو ہے اس کی ہر چیز محفوظ، پرائیویٹ پراپرٹی کو؟؟؟؟؟ حاصل ہے، ذاتی ملکیت جو ہے اس کی تقدیس ہے، اللہ اکبر، ابھی بتاتا ہوں قرآن کیا کہتا ہے، جی آپ نے سن لیا کہا سنئے 16/53 جواب عزیزانِ من سن لیجئے جامع جواب سنئے کہا اس ذہنیت والوں سے کہو کہ (**وما بکم من نعمة فمن الله**) جتنی یہ نعمتیں تمہیں عطا ہوئی ہیں یہ سب خدا کی طرف سے ہیں اسے کہتے ہیں ایمان اللہ پر، یہ ایمان اگر اللہ پہ آ جائے کہ جتنی چیزیں اس طرح سے نعما کی شکل میں خدا نے دی ہیں وہ میری نہیں ہیں وہ زمین کی پیداوار کی صلاحیتیں ہوں نظامِ آبپاشی ہو میری ذاتی صلاحیتیں ہوں سارا علم جسے میں کہہ رہا ہوں وہ ہو یہ سارا خدا کا ہے یہ اس کی دی ہوئی صلاحیتیں ہیں ساری اس کی طرف سے ہیں جو مجھے ملی ہوئی ہیں، کہا یہ ایمان لے آیئے یہ ساری جتنے بھی اعتراضات ہیں ان کا جواب مل جائے گا، اب آیئے اختلافِ استعداد کے باوجود الہ جس کا، بڑی اہم آیت ہے عزیزانِ من اس کے بھی غلط ترجمے اور تفسیریں کہاں پہنچاتی ہیں وہ ساری ہمارے ہاں کی تفسیریں ہمارے دورِ سرمایہ پرستی کی ہیں عزیزانِ من پورا ہزار سال کا دور ہمارا، ملوکیت میں سرمایہ پرستی ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت تینوں اکٹھی چلتی ہیں، آیت ہے 16/71 جس میں ابھی میں نے 53 آیت یہ کہی ہے کہ یہ جتنی نعمتیں ہیں یہ خدا کی طرف سے ہیں یہ ایمان ہونا چاہئے کہا کہ اب آیئے یہ جو الگ الگ آپ کو نظر آتے ہیں صلاحیتوں میں تفاوت (**واللہ فضل بعضکم علیٰ بعضٍ فی الرزق**) یہ ٹھیک ہے صلاحیتوں کے اندر فرق ہے یہ صلاحیتیں ہماری دی ہوئی ہیں اس لئے یہ تو ہو گیا نا کہ اب اس سے تم کہو گے کہ صاحب اسی کا فرق پیدا کیا ہوا ہے جب صلاحیتیں اس نے دی ہیں، کہنے لگا سن لو بات صلاحیتیں ہم نے دی ہیں زیادہ صلاحیتیں علاج اس کا سن لیجئے ان صلاحیتوں کا یہ چیز جو ہے یہ یورپ کے جتنے بھی Ecomonist ہیں اب ان کی سمجھ میں یہ بات آنے لگی ہے کہ علاج اسکا کیا ہے اختلاف صلاحیت تو ایک بدیہی چیز ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا اختلاف اپنے مقام پہ باقی رہے گا اختلاف باقی رہتے ہوئے اس کا کیا علاج ہے یہ ہے قرآن کا اعجاز عزیزانِ من وہ اختلاف تو نہیں مٹاتا ناممکن چیز ہے اختلاف رہے گا، کہتا ہے اختلاف رہتے ہوئے کیا نظام ہونا چاہئے جس سے اختلافات

حاصل ہوا ہے وہ جو زیادہ ان کو حاصل ہوا ہے وہ ان کو کیوں نہیں لوٹا دیتے کہ جن کو کم مل رہا ہے اور یہ لفظ رآدی جو ہے عزیزانِ من ایک ایک لفظ قرآن کا نہ صرف ہمالیہ کی طرح اٹل ہے حقائق کا سمندر ہے رآدی یہ ہوتا ہے کہ جس کی چیز کوئی ہے اس کو واپس دیدینا او کہا یہ جو تمہیں زیادہ ملا ہے او کارخانے کے مالک او انجینئر جو زیادہ ملا ہے یہ تیرا اپنا ذاتی فعل نہیں یہ جو ہزار ہا لوگ تمہارے ساتھ کام کررہے ہیں او بابا یہ تو ان کا پیدا کیا ہوا ہے رآدی کا لفظ دیکھئے یہ ان کا ہے ان کو واپس دیدو واپس دیدو یہ ہے لفظ قرآن کا، تم سے ہم نہیں چھین رہے نعمتیں ہماری دی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے یہ ملا ہے ان کا تعاون تمہارے ساتھ ہے (**ما ملکت ایمانهم**) یہ جو تمہارے ماتحت کام کررہے ہیں یہ ان تمام کی collective, accumilative efforts ہیں جن کی وجہ سے یہ ملا ہے تو ٹھیک ہے یہ انہیں واپس دیدو، کہا یہ واپس نہیں دیتے یہ کہتے ہوئے کہ واہ صاحب اس سے تو گھوڑا گدھا سب برابر ہوگئے ہم اور یہ مزدور ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ جواب سنتے ہیں آپ کیا دے رہا ہے جواب، اللہ اکبر، کہا یہ کیا بات ہے جو کہہ رہے ہو (**افبنعمة الله یجحدون**) وہ جو خدا نے نعمت دی تھی اس سے انکار کرتے ہو اور اس کو اپنی ذاتی نعمت قرار دے رہے ہو یہ انکار ہے خدا کی نعمت کا یہ کفر کا اس بات کا، خدا پہ ایمان کے معنی کیا ہیں عزیزانِ من ان چیزوں کے معنی ہیں خدا پہ ایمان جو یہ کہتا ہے کہ یہ صرف میرے علم کی بناء پہ مجھے ملا ہوا ہے خدا کا بھی اسمیں کوئی حصہ نہیں ہے، کہا کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو تجحدون بلکہ انکار نہیں جحد ہوتا ہے کہ وہ جو کٹ حجتیاں پیش کرکر کے اختلاف کرنا کسی چیز سے، کہا یہ چیز ہے خدا کی نعمت سے انکار کرتے ہو، اب آئی یہ بات کہ اختلافِ صلاحیت رزق کے اختلاف کے باوجود علاج تو یہ بتایا ہے (**یسئلونک مالو ینفقون قل العفو**) کہتے ہیں کتنا دیدوان مزدوروں کہا کہ وہ تم دو روٹیاں تم کھانا چاہتے ہو دو روٹیاں اپنی رکھ لو باقی ان کو بانٹ دو تمہاری ضرورت سے زائد جتنا ہے وہ ان کا وہ ان کو دیدو رآدی وہ ان کا ہے واپس لوٹاؤ انہیں، کہا اب آیئے اس طرف (**نحن قسمنا بینهم معیشةً فی الحیٰوة الدنیا**) سمجھ لیا عزیزانِ من اس آیت کا مطلب تقسیمِ رزق جو ہے وہ یہ ہے جو زائد از ضرورت ہے تمہاری بس انہیں دیدیجئے ہم یہ تقسیم چاہتے ہیں دنیا کے اندر (**ورفعنا بعضهم فوق بعدٍ درجتٍ**) یہ جو تفاوت ہے صلاحیتوں کا کام کا، کا ہے کے لئے، (**لیتخذ بعضهم بعضًا سخریًا**) معاشرے میں مختلف قسم کے کام ہوتے ہیں پھاڑے سے زمین بھی کھودنی ہوتی ہے دماغی کام کے اوپر مشین کا بھی کام کرنا ہوتا ہے مختلف صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے معاشرے کا کام کرنے کے لئے کہا یہ صلاحیتوں کا اختلاف ہم نے اس لئے رکھا ہے کہ معاشرے کے مختلف کام جو ہیں سرانجام پاتے رہیں اس سے کسی کے رزق کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ

عزیزانِ من کتنی مشکل ترین مقام مشکل ترین نہیں ایسا مقام مغالطہ آفریں جس سے مغالطے دیئے جاتے ہیں گمراہیاں پیدا کی جاتی ہیں کہ غریبی بھی خدا کی ہے امیری بھی خدا کی ہے وہی بھوکا مارتا ہے وہی فراوانی دیتا ہے ساری چیز سرمایہ داری کا نظام ہے یہ ہے قرآن نے جو عزیزانِ من ہم کو بتایا ہے۔ یہ سورۃ الزخرف کی 32 ویں آیت ہے اسی تک ہم رہے ہیں خدا کرے کہ تھوڑے سے وقت میں اشارت ہی درس میں دیئے جاسکتے ہیں میں یہ چیزیں پیش کروں اگلی آیت اس سے بھی بڑی اہم آرہی ہے لیکن وہ ہم آئندہ لیں گے اس دفعہ ذرا دس منٹ پہلے درس ختم کرنا ہے کہ اس کی ضرورت کے لئے جو آپ کے سامنے یہ ریکارڈنگ کا نیا سلسلہ پیدا ہو رہا ہے۔

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج جولائی 1981ء کی 31 تاریخ ہے رمضان المبارک کا آخری جمعہ ہے، درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الزخرف کی آیت 33 سے ہو رہا ہے 43/33۔

ایک معذرت کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں وہ تو میں بہت عرصے سے مستقلاً بیمار چلا آ رہا ہوں وہ پچھلے دنوں کچھ شکایات میں شدت ہوگئی وہ چھٹی والے دن وہی کہ میں جو معمولاً چھٹی کیا کرتا تھا ہر سال اس سال وہ بھی نہیں کی تو احباب نے اگر درس میں کچھ نقاہت محسوس کی ہو تو اس کے لئے مجھے معذور سمجھیں اب کچھ بہتر ہو رہا ہوں اللہ اس کو توفیق دے۔

سابقہ درس میں بات اصولی قرآن کے معاشی نظام کی سامنے آئی بڑا اہم بنیادی مسئلہ ہے آخر میں کچھ وضاحت تھی جو وقت کی کمی کی وجہ سے سامنے نہ لا سکی تو میں سلسلہ کلام وہیں سے شروع کرتا ہوں ۔ یہ کمیونزم کا اسلام کے معاشی نظام کا مسئلہ ہمارے ہاں ایک کشمکش کی سی کیفیت اختیار کر گیا جہاں تک میں نے دیکھا بہت کم تھے کمیونسٹ جنہیں یہ پتہ تھا کہ کمیونزم کیا ہوتی ہے اور ہمارے ہاں قرآن کا معاشی نظام تو شاید پہلی دفعہ اور وہ بھی نظری طور پر لوگوں کے سامنے آیا ورنہ اسلام کا نظام ہی ہمارے ہاں چلا آ رہا ہے یعنی مسلمانوں کا نظام جو سرمایہ داری ہے، علامہ اقبالؒ کے سامنے جب یہ سوال آیا ہے تو ان کے لنگ ہسبن کے نام جو خط ہیں اس کا ایک فقرہ ہے جو بڑا معنی خیز ہے انہوں نے کہا تھا کہ Socialism + God is almost equal to Islam سوشلزم میں اگر خدا کو شامل کر دیا جائے تو وہ قریب قریب اسلام ہو جاتی ہے، وہ خدا کو کر دیا جائے آپ کو یاد ہوگا کہ میں اکثر ہی کہا کرتا ہوں کہ یہ بات کہ میں خدا کو مانتا ہوں آپ اس پہ غور کیجئے اس کے کچھ معنی نہیں ہیں ارے مانتا ہوں I beleive in God تو یہ فرق کیا ہے اتنا بڑا فرق جو اقبالؒ جیسے مفکر نے اور وہ قرآنی بصیرت کا حامل تھا کہ اس میں خدا شامل کر دیا جائے تو اسلام کے قریب قریب ؟؟؟؟ ہو جاتی ہے، کمیونسٹ بھی اس کے بعد انہوں نے بھی کہنا شروع کر دیا اور ان میں تھے بھی ایسے جنہوں نے کہا کہ ہم تو خدا کو مانتے ہیں دیکھئے ہم تو اقبالؒ کے ساتھ ملا بھی پورا ہو سکتے ہیں، خدا کو ماننے کے معنی کیا ہیں، جس مقام پہ مارکس آ کر رکا تھا وہ بڑا نازک مقام تھا، اس نے بھی یہ کہا تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ نوعِ انسان کی معاشی مشکلات کا حل یہ ہے وہ جو اس کا

محنت کرتا رہے اور اپنے لئے صرف اتنا رکھے جو اس کی ضرورت ہے اور پھر باقی جتنا بھی ہے وہ دوسروں کے لئے دیدے وہ کیوں ایسا کرے، اس اعتبار سے میں دیکھتا ہوں کہ مارکس دیانتدار شخص تھا اس نے کہا کہ حل تو یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں لیکن یہ کہ آپ پوچھتے ہیں کہ وہ جذبہ محرکہ کیا ہے یہ میں نہیں بتا سکتا میری سمجھ میں بات نہیں آ رہی جب بھی کسی کی سمجھ میں یہ بات آئے گی وہ اسے عملاً رائج کر سکے گا جو میں آج نظری طور پہ کہہ رہا ہوں اسی لئے اس نے کہا کہ میں کمیونزم کو نافذ نہیں کر سکتا میں نہ خود فریب میں ہوں نہ کسی کو دینا چاہتا ہوں، لمبی کہانی ہے اس کی اپنی پارٹی کے اندر اس کے اوپر لے دے ہوئی اور بہت سے ممبر اسے چھوڑ کے چلے گئے اس نے کہا کچھ بھی ہو بات یہ ہے، وہ جذبہ محرکہ جو ہے وہ خدا کا ایمان پیدا کرتا ہے اور بات پھر وہیں آ گئی کہ خدا کو ماننا جو ہے وہ تو بات نہیں، خدا کا ماننا کیا ہے لمبی چوڑی بات نہیں پچھلے درس میں جو بات آئی تھی سامنے وہ خدا کو ماننا قرآن نے کہا یہ ہے کہ جتنے وسائل رزق ہیں جہاں سے یہ پیداوار ساری ہوتی ہے یہ زمین یہ بارش یہ ہوائیں یہ سورج یہ سب کی سب خدا کی طرف سے بلا مزدو معاوضہ بلا قیمت ملی ہیں تمام نوعِ انسان کے لئے اسے بھی اس نے اپنی نعمت کہا ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ انسانوں کے اندر جو صلاحیت ہوتی ہے اکتسابِ رزق کی جسے اس نے capacity کہا تھا according to his capacity ????اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام لیا جائے تو کام کرنے والے کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہوا تھا وہ یہی تھا کہ صلاحیتیں مجھ میں بہت زیادہ ہیں ان کی بناء پہ میں جو کام کرتا ہوں اس کا ماحصل میری ضرورتوں سے زیادہ ہے، دوسری چیز ہے انسان کی صلاحیتیں تو قرآن نے یہ بتایا کہ جس طرح سے یہ خارجی دنیا میں ذرائع رزق اور وسائلِ زیست جو ہیں خدا کی طرف سے بطور محنت ملے ہیں یہ صلاحیتوں کی وہ بنیادی چیز ہے انسان کے اندر یہ بھی خدا کی طرف سے بلا مزدو معاوضہ ملی ہوئی ہیں، زمین سے کچھ حاصل کرنے کے لئے تمہیں محنت کرنی پڑتی ہے اسی طرح سے اپنی ان صلاحیتوں کو develope کرنے کے لئے تمہیں محنت کرنی پڑتی ہے تو اس نے کہا یہ کہ جو کچھ تم حاصل کرتے ہو اس میں تمہاری صرف محنت ہوتی ہے اور اصول یہ ہے کہ (**لیس للانسان الا ما سعیٰ**) انسان اپنی محنت کے ماحصل کا مستحق ہے یہ باقی چیزیں جو ہیں اب یہ دیکھئے دو ٹکڑے جہاں سے سمجھ میں بات آئے گی کہ وہ خدا کس طرح شامل؟؟؟؟ یا کمیونزم کے اندر، اصول تو وہی ہے جس اس نے بتایا تھا ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق کام کرے اور اس کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوتی رہیں نظام کی طرف سے، جذبہ محرکہ وہ کیا ہوگا جسے کہا خدا پر ایمان وہ ایمان کیا ہے ایمان یہ ہے کہ پچھلی دفعہ جو میں نے یہ پیش کی تھی یہ آیت 16/53 (**و ما بکم من نعمة فمن الله**) یہ ہے ایمان خدا پر کہ جتنی چیزیں اس

کے بعد صرف اپنی ضرورت کے لئے اپنے پاس رکھتا ہے اب یہ بھی نہیں ہے کہ اس کو مار مار کے اس سے کام لیا جاتا ہے، جبیہ جذبہ محرکہ نہ ملا وہاں تو مارکس نے تو یہ کہہ دیا کہ میں کمیونزم کو introduce نہیں کر سکتا بعد میں لینن وغیرہ نے یہ introduce کیا تو انہوں نے کہا کہ کمیونزم کو تو ہم بھی نہیں نافذ کر سکتے ہم سوشلزم کو نافذ کریں گے تو سوشلزم میں بھی یہ کیفیت پیدا ہوئی ان کی کہ کام کرنے کے لئے کسی کو جذبہ محرکہ نہیں ملتا تھا وہ ڈنڈے کے زور پہ کام لینا شروع کیا ڈنڈے کے زور پہ تو کوئی اپنا جی لگا کر محنت نہیں کرتا تھا یہ جو ناکامی ہوئی ہے روس کو بھی اور اس کے بعد چین کو بھی وہ اسی لئے ہے کہ جذبہ محرکہ نہیں تھا جذبہ محرکہ یہ اور وہاں اس لئے نہیں تھا کہ وہ تو سرے سے خدا ہی کے قائل نہیں تھے اور جو خدا کے قائل ہیں یہ مغربی قوتیں وہ اتنی ہی قائل ہیں جتنی ہم لوگ قائل ہیں کہ میں خدا کو مانتا ہوں بس مانتا ہوں یہ فرق کیا پڑا ایک سرمایہ دار ملک جو ہے وہ کہتا ہے امریکہ اور ہندوستان ہم خدا کو مانتے ہیں وہ روس کہتا ہے ہم نہیں مانتے ہیں تو ان دونوں میں فرق کیا ہے فرق؟؟؟ وحی کا ہے، روس کی قوتیں جب اتنی بڑھتی ہوئی نظر آئی تھیں تو ان سرمایہ دار؟؟؟ ممالک کو ضرورت پڑی کہ اس کے خلاف محاذ قائم کریں انکو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں مسلمانوں کے ممالک ہو اس کے ساتھ نہ مل جائیں تو پھر تو اس بڑی قوت کا مقابلہ دنیا کی کوئی مملکت بھی نہیں کر سکتی تھی، اس کے لئے ایک آواز اٹھی بہت بڑی سازش تھی وقت ہو تو میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں نعرہ یہ بلند ہوا روس نے یہ چیز کہی تھی .Workers of the World unite together آؤ دنیا کے محنت کشو آؤ اکٹھے ہو جاؤ انہوں نے ایک نعرہ دیا اور وہ یہ تھا کہ Beleivers in God unite together. آؤ خدا کے ماننے والوں اکٹھے ہو جائیں ہم یعنی جان بچانی تھی اپنی Russia کے ریچھ سے اور اس کے لئے دعوت دی جا رہی تھی یہ مسلمانوں کے ممالک کو کہ آؤ ہم بھی beleivers in God ہیں تم بھی beleivers in God آؤ اکٹھے ہو کے اس دہریت کا مقابلہ کریں یہ تو خدا کے منکر ہیں، آپ نے دیکھا کہ یہ مذہب سے کیسا کام لیا جاتا ہے یہ تھا جو اور مسلمانوں کو دعوت ہی یہ دی گئی کہ وہ خدا کو نہیں مانتا ہم خدا کو مانتے ہیں تم بھی خدا کو مانتے ہو لہذا محاذ یوں ہونا چاہئے خدا کے منکرین کے خلاف خدا کے ماننے والوں کا محاذ، میں نے کہا یہ جو بہت ماننے کی بات ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، خدا نے جو اقدار اور اصول زندگی کے دئے ہیں ان پر یقین رکھنا اور اس کے مطابق پھر زندگی؟؟؟ کے ڈھالنا یہ ہے خدا پر ایمان اور زیرِ نظر جو ہمارے ہاں مسئلہ ہے اس میں یہ کہ جو چیزیں بطور نعمت خدا کی طرف سے ملی ہیں وہ میری ملکیت نہیں ہیں ان پہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے ان سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ میں تو اس میں اپنی جو محنت کرتا ہوں اسی کا مستحق ہوں باقی یہ جتنا سامان ہے جتنے وسائل ہیں جتنی صلاحیتیں ہیں یہ

راستہ ملتا ہے اور اسی قرآن کو جب اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے تو گمراہی بھی اسی سے لیتے ہیں لوگ، پہلی گمراہی تو یہ تھی نا کہ رزق خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے جسے چاہے غریب بنا دے جسے چاہے امیر بنا دے اعتراض ہی نہیں کر سکتے یہ آیت جو بڑی عظیم آیت تھی اس معاشی مسئلے کو حل کرنے کی کلیدی آیتیں اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو یہ دو آیتیں ہیں یہی کہ یہ نعمت ہیں خدا کی میری ملکیت اس میں نہیں کچھ، اب اگلی بات آئی (**واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق**) کہا یہ حقیقت ہے اس سے ہم انکار نہیں کرتے کہ اکتسابِ رزق کی صلاحیتوں میں فرق ہے اور یہی جو درس کی آیت ہمارے سامنے ہے اسمیں بتایا کہ یہ فرق کیوں رکھا اور کیوں ہے یہ فرق اور یہ رہنا چاہئے رہے گا تا کہ یہ (**لیتخذ بعضم بعضاً سخریًا**) معاشرے میں مختف نوعیّتوں کے کام ہوتے ہیں اسمیں مختلف صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اختلافِ صلاحیت اس مقصد کے لئے ہے اب اختلافِ صلاحیت سے اکتسابِ رزق جو ہے رزق کا کمانا اور پھر اس نعمت کا ماحصل وہ مختلف ہوتا ہے ایک انجینئر گھنٹے بھر میں یہ محض فکری طور پر جو چیز پیدا کرتا ہے مزدور سارے دن میں وہ پیدا نہیں کر سکتا، اور یہی وہ چیز ہے جو سرمایہ داری کی بنیاد بنتی ہے وہ کہتے ہیں کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ جو زیادہ پیدا کرنے والا ہے اس سے چھین لیا جائے وہ اس کا حق ہے وہ اس کا مالک ہے (**واللہ فضل بعضکم علیٰ بعضٍ فی الرزق**) کہا یہ صحیح ہے اکتسابِ رزق کی صلاحیتوں میں اختلاف ہے اسی سے کاروبارِ حیات چلتا ہے کہا کہ آگے بھول یا فریب یہاں پیدا ہوتا ہے (**فملذین حجدوا بر آدی رزقھم علیٰ ما ملکت ایمانھم فھم فیه سوآء**) کہا اس کے بعد یہ کہ جن کو یہ صلاحیتیں زیادہ حاصل ہیں ہو کام کرتے ہیں کچھ لوگ ان کے زیرِ سرکردگی کام کرتے ہیں ان کے ماتحتی میں کام کرتے ہیں ان کی صلاحیتیں ان سے کم ہوتی ہیں، اب ان دونوں کے اشتراک سے جو ماحصل ہوتا ہے اس میں سے یہ جو بڑی صلاحیتوں والے ہیں وہ اس نسبت سے زیادہ سے زیادہ خود لے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری صلاحیتوں کا نتیجہ ہے اور وہ کم از کم اس میں سے دیتے ہیں کیونکہ ان کی صلاحیتیں کم ہیں، کہا یہ یہی وہ بھول ہے کہ انہوں نے ان چیزوں کو جو نعمتِ خداوندی تھیں وہ اس کو ذاتی ملکیت سمجھ لیا چار لفظوں میں بات کہہ گیا ہے قرآن (**افبنعمة اللہ یجحدون**) کہ یہ خدا کی جو نعمتیں تھیں ان کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اسی چیز کے اوپر اصرار کر کے وہ یوں تقسیم کرتے ہیں، عزیزانِ من اندازہ لگا لیجئے اتنا اہم مسئلہ جس نے دنیا بھر کے Economist کو؟؟؟ میں ڈال رکھا ہے آج، ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں نہ کمیونسٹ کو ملتا ہے سرا نہ Capatalist کو ملتا ہے سرا، وہ بھی خود فریبی میں رہتا ہے یہ بھی فریب دہی میں رہتا ہے اور

ملکیت کی چیزیں نہیں تھیں کہ جن سے یہ زیادہ پیدا ہو گیا ہے یہ اس کی طرف سے تھیں مجھے تو ضرورت کے مطابق چاہئے وہ مجھے مل گیا اب یہ جو زائد ہے یہ میری ملکیت ہے ہی نہیں، اب یہ چیز کہ جو اس نے یہ دی ہوئی ہیں چیزیں ان کو استعمال میں نہ لانا یا ان کو بیکار رکھ دینا یہ کفر ہے نعمتوں سے،؟؟؟؟؟ لہذا خدا کا ماننے والا قرآن کے خدا کو ماننے والا بیکار بھی نہیں بیٹھے گا سست دام بھی نہیں رہے گا جان مار کر محنت کرے گا کیونکہ محنت کو نعمائے خداوندی یعنی اپنی صلاحیتوں کو پورا پورا بروئے کار نہ لانا کفرانِ نعمت ہے، اس کے نزدیک یہ بھی جرم ہے، ذرائع رزق کو اپنی ملکیت سمجھنا یہ بھی کفران نعمت ہے اس کے نزدیک یہ بھی جرم ہے، اب ان چیزوں کو جب یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ چیزیں میری ملکیت نہیں خدا کی ملک ہیں جس طرح وہ ان کے استعمال کا ان کی تقسیم کا حکم دے گا مجھے وہ کچھ دیکھنا ہے جسے کہتے ہیں کہ انسان تو یا بندہ مؤمن تو امین ہوتا ہے وہ مالک یہ ہوتی ہے اس کے بعد، کہا اور اس کے بعد سیدھی سی بات ہے (**یسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو**) 2/219۔ یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جو ہمارا محنتوں کا ماحصل جو کچھ ہم نے یہ کیا ہے اس سے جو کچھ ماحصل ہوا ہے اس میں سے ہم کتنا رکھ دیں کتنا دوسروں کو دیدیں، تو کہا تمہاری اپنی ضرورت جس سے پورا ہوتی ہے بس پھر اتنا رکھ لو باقی اس سے فاضل جو ہے وہ ان کو دیدو جن کی ضرورتیں اپنی محنت سے پوری نہیں ہور ہیں، یہ تمہارا ہے ہی نہیں اب تم نے رکھنا کاہے کے لئے ہے کہ اب ضرورتیں پوری ہوں، یہ شرط ہو گئی عزیزانِ من یہ اس معاشرے میں نافذ ہو سکے نظام جس معاشرے میں پہلی چیز یہ ہو کہ معاشرہ اس کی ضمانت لے ذمہ داری لے کہ ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی وہ پوری کرے گا، یہ جو ذمہ داری ہے سرمایہ دارانہ نظام تو اس کو لیتا ہی نہیں ہے وہ تو انفرادی نظام ہے ہر فرد اپنی اپنی مصیبت جھیلے (**یتیمًا ذا مقربۃ**) اتنے معاشرے کے اندر رہتا ہوا بھی تنہا محسوس کرے اپنے آپ کو، جس کے سر پہ پڑی ہے وہ بھگتے، انہوں نے تو کہا ہے کہ کوئی interefare نہیں کرسکتا Capitalism کے نظام کی بنیاد ہی اس پہ ہے کہ کوئی تیسرا interefare نہیں کسی کے معاملے میں کرسکتا کہ وہ کتنا کماتا ہے کتنا رکھتا ہے کمیونزم بھی یہ نہیں کرسکا، یہ ذمہ داری روس یا چین بھی نہیں لے سکا کہ ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرے وہ بھی wages دیتے ہیں اجرت ہی دیتے ہیں وہ جو اجرت میں مزدور اور اس کے بال بچوں کا پیٹ بھرتا ہے یا نہیں وہ نہ سوشلزم (کمیونزم تو ہے ہی نہیں دنیا میں اس وقت) نہ سوشلزم کہہ رہا ہے نہ Capitalism کہہ رہا ہے یہ قرآن کہہ رہا ہے (**وما من دآبۃٍ فی الارض ؟؟؟**) پہلے یہ ذمہ داری لے معاشرہ پھر یہ نظام آگے چلے گا، یہ تھی وہ وضاحت جو ضروری تھی پچھلے درس میں اب بات سمجھ میں آئی کہ وہ جو نعرہ بلند کیا گیا تھا beleivers in God unite together پوچھنا تو ان سے یہ تھا

بلند کیا ہے نہ وہ خدا پہ ایمان لائے ہوئے تھے نہ جن سے؟؟؟؟؟؟ وہ بھی خدا پہ ایمان رکھتے ہیں ہم کیا خدا پہ ایمان رکھتے ہیں ایک فریب ہے ایک لفظ کے اندر کہ ہم مانتے ہیں خدا کو وہ نہیں مانتے خدا کو، اگلی بات قرآن نے کہی کہا یہ اتنا جو اہمیت ہم دے رہے ہیں اس معاشی نظام کو اس Capitalistic system کو مٹانے کے لئے اتنا ہم زور دے رہے ہیں مقصد اس سے کیا ہے اگلی آیت آ گئی ہے اب 33ویں جہاں سے آج کا درس شروع ہوتا ہے(**و لولا ان یکون الناس امةً واحدةً لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفًا من فضةٍ و معارج علیھا یظھرون و لبیوتھم ابوابًا و سررًا علیھا یتکئون و زخرفًا**) کہا کہ ہمارا مقصد مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ تمام نوعِ انسان ایک عالمگیر برادری بن جائیں، نظامِ سرمایہ داری میں دولت کی بنیادوں پر طبقات کی تقسیم ہوتی ہے classes اس میں پیدا ہوتی ہیں، یہ طبقاتی تقسیم اگر اس طرح سے رہے دولت کی بنیاد کے اوپر تو ایک برادری ایک نوعِ انسان مساواتی عالمگیر برادری بن نہیں سکتی نوعِ انسانی تو بہت بڑی چیز ہے ایک ملک میں بسنے والی قوم ایک قوم نہیں بن سکتی سوچو تو سہی کہ یہاں یہ امرا کا طبقہ جو ہے وہ اور وہاں کا غریب کا طبقہ وہ جو محلوں کے اوپر رہنے والا ہے اور ایک ان کے کوارٹروں میں رہنے والا ہے کیا ان میں انسانی مساوات ہے، اصل یہ ہے کہ

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہے لات و منات

وہ پرانی ذاتیں اور گوتیں اور وہ کچھ اس قسم کی برادریاں بہت فخر سے کہتے ہیں آج کل ہم لوگ کہ دیکھئے صاحب وہ ساری ختم ہو رہی ہیں ساری، ختم نہیں ہو رہی ہیں بھیس بدلا ہے انہوں نے نئی برادریاں وجود میں آ رہی ہیں، نئی unions بن رہی ہیں نئے حلقے بن رہے ہیں نئے طبقات بن رہے ہیں بات وہی ہے کہ نوعِ انسان کو ایک امتِ واحدہ نہیں بننے دینا، یہ چیز جو ہے آپ دیکھئے قرآن کہتا ہے کہ معاشرے کے مختلف کاموں کے لئے مختلف صلاحیتیں تو ضروری ہیں لیکن ان کی اس اختلاف کی بناء پہ طبقات نہیں بن سکتے ایک گھر کی مثال لیجئے گھر کے اندر بڑے چھوٹے بچے درمیان میں مستورات والدین مختلف کام کر رہے ہوتے ہیں اس کے باوجود ایک مساوات ہوتی ہے گھر کے اندر ایک برادری یہ ہوتی ہیں، قرآن نوعِ انسانی میں یہ شکل پیدا کرنا چاہتا ہے گھر کی زندگی میں جو کمانے والا فرد ہے سارا دن محنت کر کے کمائی کر کے آتا ہے وہ یہ نہیں کہتا ہے کہ جو کچھ میں لایا ہوں یہ تو میں نے کمائی ہے میری محنت کا ماحصل ہے یہ تم کون ہوتے ہو اس کے چاہیے لگدے ہو تسی ایہدے ان کو کیوں دیدوں بلکہ وہ جو سب سے پہلا نکما ہوتا

کے گھروں کی چھتیں چاندی کی ہوتیں سیڑھیاں چاندی کی ہوتیں ان کے صوفے اوران کے دروازے جو ہے وہ سونے کے ہوتے نہایت چمک دمک ان کے اندر ہوتی ایسا کھلی چھٹی ہم ان کو یددیتے کہ وہ کرتے جائیں یہ سارا کچھ، کہا یہ اس لئے ہم ایسا انتظام کرتے ہیں کہ ان کو کھلی چھٹی نہ ملے اور ہم یہ نظام دیتے ہیں جس میں یہ چیز نہ ہو اس لئے کہ ان کی اس روش سے انسانیت ایک عالمگیر برادری نہیں بن سکتی اور ہماری مشیت یہ ہے کہ آخرالامر ایسا ہو کہ نوعِ انسانی ایک برادری بن جائے، دنیا کے مفکر عزیزانِ من اس تلاش میں ہیں ان کی تلاش اوران کی پکار کے لئے تو میں بہت کچھ پیش کرسکتا ہوں میری کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہوا نظامِ ربوبیت میں بہت کچھ ہے، میرے سامنے اب ایک ہی ہے یہ، سویڈن کی مملکت ویلفئیر سٹیٹ میں دنیا میں سب سے آگے ہے فلاحی مملکت جسے کہتے ہیں جہاں دعوٰی یہ ہے کہ کوئی فرد بھوکا نہیں رہتا وہاں وہ ویلفئر سٹیٹ اس قسم کی ہے تو نظر آ گیا کہ ان کے ہاں تو منتہٰی تو اسی قسم کی سٹیٹ ایک ہوسکتا ہے نا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات ہے کہ خودکشی کی وارداتیں جتنی سویڈن میں ہوتی ہیں دنیا میں کہیں نہیں ہوتیں، بھوک کی وجہ سے نہیں خدا نہ ہونے کی وجہ سے، وہاں کا ایک بہت بڑا اکنامسٹ ؟؟؟؟ جس کی دنیا بھر میں جس کی اکنامکس کے اوپر کتابیں شہرہ آفاق رکھتی ہیں کہتا ہے کہ یہ ویلفئیر سٹیٹ نہیں کتاب کا نام Beyond Welfare state اس سے کام نہیں چلتا یہ جو بنالی ہم نے فلاحی مملکت اس سے آگے جا کے ایک چیز ایک ایسی دنیا اب میں اس کا اقتباس پڑھ رہا ہوں "ایک ایسی جس میں سیاسی حدود اور قومی امتیازات طبقات نہ ہوں ایسی دنیا جس میں تمام انسان جہاں جی چاہے آزادنہ رہیں آزادانہ چلیں پھریں اور اپنی مسرت کا سامان آزادانہ حاصل کرسکیں، سیاسی نکتہ نگاہ سے اس کا نتیجہ ایک عالمگیر واحد حکومت کا قیام ہوگا، انسانیت کے نکتہ نگاہ سے مساواتِ عظمٰی جب تک دنیا کی یہ کیفیت ہو کہ آدھی دنیا امیر اور باقی آدھی غریب ہو عالمگیر برادری قائم نہیں ہوسکتی "یہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں عالمگیر برادری کے لئے، میں نے عرض کیا ہے عزیزانِ من کہ خود ہمارے سامنے ہی قرآن نہیں تو ہم ان کے سامنے قرآن کیا پیش کرتے ورنہ اگر ان کے سامنے یہ پیش کیا جاتا یہ چار آیتیں پیش کردی جاتیں عزیزانِ من مسئلہ حل ہو جاتا انسانیت کا، چودہ سو سال پیشتر اس نے کہا تھا کہ اس نظام سے سرمایہ داری کے نظام سے جو طبقات پیدا ہوتے ہیں عالمگیر برادری نہیں قائم ہوسکتی خواہ ویلفئیر سٹیٹ ہی کیوں نہ تم قائم کرو دنیا کی بہترین ویلفئیر سٹیٹ کا شہرہ آفاق اقتصادی مفکر یہ کہہ رہا ہے کہ جب تک امیر اور غریب کا طبقاتی امتیاز باقی ہے عالمگیر برادری قائم نہیں ہوسکتی، یہی تو قرآن کہہ رہا ہے، کہا کہ ایمان اس پہ رکھو کہ (و ان کل ذٰلک لما متاع الحیوٰۃ الدنیا) قرآنِ کریم نے ان تمام چیزوں کو دنیا کی ضرورتیں

اتنا زیادہ استعمال کرلیں گے، یہ بکس بھر کے جو سگریٹوں کا رکھ لے گا پی جائے گا ایک دن میں یہ سارا، صابن کی ٹکیوں سے چھوٹے صندوق بھرلے گا استعمال کرلے گا، استعمال کی چیز سے قرآن نے ایک لفظ سے مسئلہ حل کردیا، روٹیاں کتنی کھا جائے کتنی کیا یہ جو بڑے بڑے امیر ہیں وہ تو اسے پھلکے کا پردہ کہتے ہیں میں نے وہ کھاتے ہوئے ان کو دیکھا ہے کروڑوں پتی ان کے ساتھ تعلقات آخری عمر میں میں نے دیکھا ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہروقت دماغ پہ سوار ہوتا تھا ان کے کہ بھئی وہ وہاں سے جو امپورٹ کیا تھا نا آ گیا ہے نا دیکھوا کاونٹ بک میں درج ہوگیا ہے، مونگ کی دال کا اس کو شوربہ کہہ لیجئے او پانی جیہڑا ہوندا اے اس میں روٹی کی چپاتی کا پردہ ہوتا ہے نا پیچھے وہ بھگو کے کھا رہے تھے اور وہ ان کو بتا رہے تھے اکاونٹٹ اپنے کو کہ وہ جو آ رہا تھا پچاس لاکھ کا مال وہ آ چکا ہوا ہے (**جمع ماله و عدده**) زندگی کا نصب العین رہ گیا کہ جمع کرواور گنتے چلے جاؤ کہ کتنا ہوگیا اور جہاں تک متاع الحیٰوۃ کا تعلق ہے مونگ کی دال کا شوربہ اور پھلکے کا پردہ اوراس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی دوائیاں، اس کے لئے بھی متاع الحیوۃ تو اتنی تھی اور ہوس اتنی تھی (**الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر**) یہ کیوں یہ کچھ کر رہا تھا یہ اگر کوئی مثلاً آدمی؟؟؟؟؟ تو اس نے دیکھا کہ داؤ دوالا جو ہے اس نے اور لگالیا قرآن یہ کہتا ہے کہ یہ ہوس جو ہے یہ چین سے نہیں ان کو بیٹھنے دیتی اگر صرف متاع الحیٰوۃ الدنیا تک پہنچتے اس کی تو حد ہوتی ہے کتنی روٹیاں کھا جائے گا کتنا صابن استعمال کر جائے گا اس کی تو حد ہے، ہوس کی کوئی حد نہیں ہوتی تکاثر کی کوئی حد نہیں ہوتی، متاع الحیٰوۃ الدنیا عزیزانِ من ایک لفظ میں قرآن سارا مسئلہ حل کر جاتا ہے او کاش عزیزانِ من پتہ نہیں کب تک یہ باتیں آپ سے کرسکوں قرآن کو اس طرح سے سمجھو، کیوں ہر جگہ وہ یہ کہتا ہے متاع ہے یہ، کیوں کہتا ہے کہ اس کی value ساری utility کی استعمال کی چیزیں ہیں جمع کرنے کی نہیں ہیں متاع الحیٰوہ الدنیا، نظام وہ کہ کوئی متاع الحیٰوۃ الدنیا سے محروم نہ ہو اور متاع سے زیادہ کسی کے پاس رکھا ہوا نہ ہو سیدھی سی بات ہے، متاع الحیٰوۃ الدنیا، عزیزانِ من یہ ترجمے یہ تفسیریں کیا قرآن کو بیان کریں گی کہ وہ کیا لفظ کہہ جاتا ہے (**متا ع الحیوٰۃ الدنیا**) اس سے زائد جو ہے (**و الأخرۃ عند ربک للمتقین**) اس کے قوانین کا خیال رکھنے والے اس کے مطابق چلنے والے اس سے زیادہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سارا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کا ہے اس کے ہاں سے یہ ملے گا، خدا کا ماننا سمجھ لیا کہا یہ سب چیزیں سمجھا بھی دو آ بھی جائیں (**و من یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطٰنًا فھو له قرین**) کہا بڑی مشکل یہ ہے کہ یہ سرمایہ دار اکیلا ہی کچھ کم نہیں ہوتا پھر مصاحب آ جاتے ہیں اس کے گرد و پیش کہ ہاں صاحب وہ سودا کرلینا بہت اچھا ہے اس میں یہ چیز جو ہے اس ترتیب سے ہوسکتی ہے، سرمایہ دار دولت والا ہو سرمایہ

یہ خیرگی پیدا ہو جاتی ہے تو قانون خداوندی صاف صاف ان کو نظر نہیں پھر آتا، جس کی یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہا پھر اس پر مسلط ہو جاتے ہیں یہ آ کے مصاحب، یہ اگلی آیت کے اندر اسی کو شیطان کہا ہے، کئی آیتیں اور ہیں اسی میں ہے شیطٰنًا بیچ میں سے نکتہ آ گیا ہے یہ جو ہے نا کہ شیطان گمراہ کر دیتا ہے انسان کو، یہ انسان کا اپنا نفس بڑا مکار واقع ہوا ہے یہ نہیں کہتا میں گمراہ ہو جاتا ہوں میں گناہ کرتا ہوں میں جرائم کرتا ہوں، شیطان کرا دیتا ہے، ذمہ داری نہیں لیتا اپنے آپ پہ شیطان کرا دیتا ہے، وہ آپ کو یاد ہے نا کہ جب شیطان سے پوچھا تھا خدا نے تم نے یہ کیوں کیا تو اس نے کہا میں نے کہاں کیا ہے تو نے کرا دیا تو قادرِ مطلق ہے تیرے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا میں کون بندہ بشر کر سکتا ہوں اس نے اس پہ ڈال دیا ہم شیطان پہ ڈال دیتے ہیں ذمہ دار یہاں کوئی بھی نہیں ہوتا، قرآن کہتا ہے غور سے سنئے عزیزانِ من یوں قرآن کو سمجھئے گا **(من یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطٰنًا)** شیطان اس پہ مسلط ہوتا ہے جو پہلے خود خدا کے قانون سے آنکھوں کو؟؟؟؟ لیتا ہے ورنہ ہو ہی نہیں سکتا، پہلے یہ چیز کہی **(من یعش)** ادھر سے اعراض برتتا ہے تو آ جاتا ہے اس کے اوپر **(فھو له قرین)** لفظ ہے قرآن کا مصاحب کی شکل میں آ جاتا ہے وہ میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا یہ جو لفظ ہے نقیض اس طرح سے کسی کے اوپر مسلط ہونا جیسے انڈے کا خول انڈے کے اوپر مسلط ہوتا ہے باہر کی آواز تک اندر نہیں جانے دیتا ہوا تک نہیں جانے دیتا اندر کی آواز باہر نہیں آنے دیتا یوں مسلط ہوتے ہیں عجیب چیز ہے قرآن کی صاحب کبھی آپ نے دیکھا ہو مصاحب کیا کرتے ہیں تو پھر پتہ چلتا ہے یہ کیا کہہ گیا ہے، وہ نہ باہر کی آواز سننے دیتے ہیں نہ باہر کی کوئی حالات دیکھنے دیتے ہیں نہ اس کی اپنی آنکھیں ہوتی ہیں نہ کان ہوتا ہے نہ دماغ اپنا ہوتا ہے مسلط اس طرح سے ہوئے ہوئے ہوتے ہیں صاحب، دوسری جگہ ہے کرتے کیا ہیں **(فزین لھم الیشطٰن اعمالھم)** (16/63) وہ اس کی ہر بات کو جو کچھ وہ کرتا ہے بڑا مزین حسین بنا کے اس کی نگاہوں میں سامنے اس کے پیش کرتا ہے سبحان اللہ صاحب کیا بات ہے آپ کی خوب سوجھی آپ نے، کیا کیا، او حقیقت کو حقیقت کی طرح اس کے سامنے آنے ہی نہیں دیتا وہ facts کو دیکھ ہی نہیں سکتا پہلے اپنی آنکھیں چندھیائی ہوئی ہوتی ہیں وہ چاندی اور سونے کی جو چمک ہوتی ہے؟؟؟ وہ مینا کاری جسے اقبالؒ نے کہا ہے یہ سنائی مگر جھوٹے نگوں کی مینا کاری ہے اور اس کے اوپر یہ مسلط ہوتے ہیں **(فزین الھم الشیطٰن)** اس کی ہر بات کو مزین کر کے دکھا دیتے ہیں **(و انھم لیصدونھم عن السبیل و یحسبون انھم مھتدون)** وہ انہیں صحیح راستے کی طرف آنے سے روکتے رہتے ہیں رکاوٹیں پیدا کرتے رہتے ہیں کہ ادھر آ ہی نہ سمجھے اور اسے مطمئن کر دیتے ہیں کہ آپ بالکل سیدھے راستے پہ چلے

اور کہتے ہیں کہ بھئی کیا بات ہے بہت بڑی خدمت آپ اسلام کی کر رہے ہیں اس کو الجھائے رکھتے ہیں اس کے اندر، پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے، کیا بات ہے (**و یحسبون انھم مھتدون**) وہ سچ مچ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ میں بالکل صحیح راستے پہ جا رہا ہوں، آہاہاہا، قرآن ہے عزیزانِ من، کہتا ہے وہ اس فریب میں تو رکھتے ہیں اس کو اور وہ فریب کھا بھی جاتا ہے ان کا (**حتٰی اذا جآء نا قال یلیت بینی و بینک بعد المشرقین فبئس القرین**) کہتا ہے جب پھر وہ تباہی آتی ہے اس وقت وہ سر پیٹتا ہے تمہارا ستیاناس بیڑہ غرق تم بھی ڈوبے مجھے بھی ڈوبا دیا اے کاش میرا ان کا کبھی واسطہ ہی نہ پڑتا، جی، لیکن (**و لن ینفعکم الیوم اذ ظلمتم انکم فی العذاب مشترکون**) کہا کہ آج یہ کچھ کہنا اور یہ اس قسم کی توبہ کچھ فائدہ نہیں دے سکتی (**اذ ظلمتم**) اپنے وقت میں تم نے اتنے ظلم کیے آج یہ کچھ کہتے ہو پھر ان کے سر دھرتے ہو کہ انہوں نے یہ کچھ کیا، وہ کہیں گے کہ ہم نے تو کچھ نہیں کیا یہ خود ہی یہ کچھ کرتا تھا کہا سوال ہی نہیں ہے (**فی العذاب مشترکون**) دونوں کے دونوں تم عذاب کے اندر تباہی کے اندر رہو اور وہ ہوتا ہی یہ ہے صاحب وہ تو مشترک ہوتے ہیں اس میں، اے رسولؐ ان کی یہ حالت ہوگئی خود قانون کی طرف سے اعراض برتیں مصاحب مسلط ہوگئے فریبِ نفس میں مبتلا ہو رہے ہیں آواز صحیح سن نہیں سکتے انڈے کا خول ان کے اوپر چڑھا ہوا ہے تو کہا (**افانت تسمع الصم**) او ان بہروں کو تو سنا رہا ہے (**او تھدی العمی**) اندھوں کو تو صحیح راستہ دکھا رہا ہے، انہوں نے تو خود اپنے کانوں میں اس قسم کے ڈاٹ لگا دئے آنکھوں پہ پردے ڈال دئے تو عزیزانِ من میں آپ تو ایک طرف رہے رسول کی آواز بھی وہ سن سکتا تھا جو اپنے کانوں کو کھلا رکھے اس کی روشنی سے بھی مستفید وہ ہوسکتا تھا جو اپنی آنکھوں کو کھلا رکھے، اتنا بڑا سورج کیا کرلے گا اگر تم آنکھیں بند کرلو گے وہ تو کچھ نہیں کرسکتا آنکھوں کا کھلا رکھنا ضروری ہے (**افانت تسمع الصم او تھدی العمی و من کان فی ضللٍ مبین**) کہا یہ تو جوان کو ہر بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ بھی تباہی آئے گی اس سے بھی تباہی آئے گی اس سے باز آجاؤ یہ جو نصیحت کرنے والا ہے کہا یہ پھر اب دعائیں مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ یہ کسی طرح جلدی سے مر مرا جائے تو جان چھوٹے ہماری صبح شام صبح شام اس نے یہ تو کچھ، کہا ان سے پوچھو (**فاما نذھبن بک فانا منھم منتقمون**) کہا یہ جو کچھ تباہیاں ان پہ آنی ہیں یہ نہیں ہیں کہ یہ تو انکو کہتا رہتا ہے یہاں بیٹھا ہے تو تیری وجہ سے آئیں گی یہ تو ان کے اپنے ظلم کی وجہ سے آنی ہیں تو ہو یا نہ ہو ان سے کہو میرے مرنے سے تم نجات نہیں پا جاؤ گے، مرنے کی دعائیں مانگنے سے کچھ نہیں چلتا تو یوں ان کو روک دیا جاتا ہے، جو یہ کہنے والا ہو کہ یہ سب کچھ غلط کرتے تھے کہ کہہ ہی نہ سکے یہ بھی تو زندہ مار دینے والی بات ہے، کہا یہ پھر اس کا حل یہ؟؟؟؟ یہ نہیں کہ ہم

تمہارے مرنے کے بعد یہ کچھ ہوجائے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا(**انا علیھم مقتدرون**) ہمارا قانونِ مکافاتِ عمل ہے جو ان کے اوپر قادر ہے، وہ نہیں مرتا وہ کہیں جاتا بھی نہیں ہے، وہ تو عمل کے اندر ہی وہ تباہی مضمر ہوتی ہے، میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت تباہی کی، کیا بات ہے، وہ تباہیاں اس کے اندر مضمر ہوتی ہیں کہنے والے کی وجہ سے نہیں آتی، اس کے چلے جانے سے یہ مٹ نہیں جاتی اس کی زبان کرنے سے بھی یہ غیر مؤثر نہیں ہوجاتیں، یہ تو تباہیاں ان کے اندر ہیں بچنا چاہتے ہو تو ان جرائم سے بچو اپنے آپ کو بچاؤ بس یہ ٹھیک ہے، ان کے لئے بددعائیں مانگنا اور یہ طریقہ سوچنا کہا کہ یہ یہ کچھ تم کرتے رہو اس سے نہ اپنی جان کو کھپاؤ کہ یہ کیوں اس کے باوجود تباہ ہو رہے ہیں، کہا تمہارا کام یہ تھا کہ ان کو بتادیتے کہ یہ سنکھیا ہے اس کے کھانے سے تمہیں موت ہوجائے گی، تمہیں وکیل نہیں مقرر کیا گیا محافظ نہیں مقرر کیا گیا جابر نہیں مقرر کیا گیا کہ ان کا ہاتھ پکڑلو، ہم انسان کے اختیار وارادے کو سلب نہیں کرنا چاہتے یہ الگ بات ہے کہ زندگی ہو یا ہلاکت ہو علی بینہ آئے گی دلائل و براہان کی رو سے آئے گی وہ ان کو سمجھاتے جاؤ تمہارا کام اتنا ہے، یہ سمجھنے سوچنے کے باوجود اگر وہ سنکھیا پھانک لیتا ہے تو یقیناً ہلاکت او رموت تو یقینی ہے بس تیرا کام اتنا ہے اے رسول اس سے زیادہ اپنی جان کو نہ گھلاؤ(**فاستمسک بالذی اوحی الیک انک علیٰ صراطٍ مستقیم**) تم خود اس وحی کے ساتھ متمسک رہو اور جب وحی کے ساتھ متمسک رہو گے تو تم خدا کی بتائی ہوئی سیدھی راہ کے اوپر چلتے جاؤ گے، تمہاری ذمہ داری اتنی ہی ہے حضورؐ سے کہا گیا ہے کہ آپؐ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے ان کو راستے پہ چلاؤ بھی ذمہ داری یہ ہے کہ بتادو کہ راستہ صحیح کونسا ہے اس لئے تم وحی کے ساتھ متمسک رہو، اور یہی صراطِ مستقیم کہا ان لوگوں کی بات تمہیں بتائیں بڑا عمدہ یہ؟؟؟(**انہ لذکرلک و لقومک**) یہ جو کہا ہے کہ وحی کے ساتھ متمسک رہو یہ وحی کیا ہے اس کے ساتھ تمسک جو ہے اس کے ساتھ وابستگی جو ہے یہ کیا کرے گی ایک لفظ ہے ذکر کا لفظ اب ترجموں میں یہ ذکر آئے اور ذکر ہمارے سامنے وہ جو ہوتا ہے، اب یا تو لوگوں کو محلوں میں داڑ پیڑ سون نئیں دیندی یا اے ذکر نئیں رات نوں سون دیندا، ذکر ہو رہا ہے، سینکڑوں دل کے مریض ہارٹ کے مریض ان ذکر کے مارے ہوئے ہوتے ہیں، پوچھو نہیں کہ یہ آپ کا یہ بندہ ناچیز سخت جان کتنا تھا جو بچ گیا بچ کہاں گیا آج تک وہ ساری چیزیں اس کی جو سانپ کی لکیریں ہیں چلی جارہی ہیں جو ابھی میں نے کہا ہے نا کہ مستقل بیمار رہتا ہوں، پھر یہی ذکر وکر تھے جن کے مارے ہوئے ہیں، ذکر کا ترجمہ یہ ہو گیا ذکر یہ کیا اور کرلیا، قرآن نے کہا ہے کہ یہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر کا موجب ہے سوچو تو سہی کیا بات ہوئی، ذکر کے معنی شرف اور عزت اور تکریم اور رفعت اور بلندی اور سرفرازی، کہا یہ جو کچھ تو ان کو

ہے(ولو اتبع الحق اھوآء ھم لفسدت السمٰوٰت و الارض و من فیھن) 23/71الحق جو ہے خدا کیطرف سے اگر لوگوں کی خواہشات آرزوں کا اتباع کرنے لگ جائے تو یہ ساری کائنات تہس نہس ہو جائے وہ جو دوسری جگہ کہا ہے کہ یہ تو اتباع ھوآء ہے اگر وہ کہیں دو خدا ہوتے تو تم دیکھتے کیسے تہس نہس ہوتی ایک کہتا سورج کو چڑھا ابھار باہر آجا دوسرا کہتا نہیں او نہیں ٹھہر جا اوراس کے لئے اس نے یہ کہا ہے کہ آقا ایک ہی ہونا چاہئے تم آرام سے گذر سکتی ہے(ارباب متفرقون) جو ہیں کہا قرآن نے کہا ہے اس ملازم سے پوچھو جو ایسی جگہ نوکر ہو جہاں دس آقا ہوں اس کے اربابِ متفرق عزیزانِ من ؟؟؟؟ کہا ہے ایک خدا کی حکمرانی یا ان اتنے خداؤں کی حکمرانی، کہا ارض وسما میں فساد برپا ہو جائے اگر حق لوگوں کی آرزوں کی لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو، ہر ایک کی اپنی اپنی الگ خواہش ہوتی ہے، آگے یہ جو حق الحق یا وحی ہم نے دیا ہے(بل اتینٰھم بذکرھم) یہ بذکرھم دیکھئے آپ ذکر اللہ تو آپ سمجھتے ہیں نا جن کو یہ کہتے ہیں اللہ کا ذکر یہ تو وہ ذکرھم ہے ان کا ذکر، کہا ہے کہ سوچو ان کو یہ تمہیں کہتے ہیں پاگل ہو گیا ہے (معاذ اللہ) ذرا دیکھو کہ پاگل کون ہے ہم انہیں وہ بات بتا رہے ہیں جس سے یہ شرف اور بلندیوں کے انتہائی معراج پہ پہنچ سکتے ہیں(فھم عن ذکرھم معرضون) یہ کس چیز سے منہ موڑ رہے ہیں اپنے شرف اور بلندیوں سے، اوکم بختو، جو چیز ان کو اتنا بڑا اشرف اور رفعت اور بلندی اور سرفرازی دینے کا موجب ہے یہ اس سے اعراض برت رہے ہیں اور پوچھو پاگل کون ہے، یہ اس سے اعراض برت رہے ہیں ذکر کے معنی دیکھے عزیزانِ من اور ذکرھم کا مطلب ان کا یہ جو ہم دے رہے ہیں ان کے لئے وجہ شرف ہے(وھم عن ذکرھم معرضون) یہ ذکرھم بتا رہا ہے کہ یہ وہ تو ذکر نہیں جس کو آپ خدا کا ذکر کہہ رہے ہیں یہ تو ذکرھم ہے یہ اپنے شرف اور اپنی عزت اور بلندی سے منہ موڑ رہے ہیں اعراض برت رہے ہیں، دوسری جگہ، بات بیچ میں سے آ گئی صاحب کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور یہ اس کے مقابلے میں کیا چاہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں بڑی خوبصورت آیت ہے صاحب یہ 7/175(و اتل علیھم نبا الذی اٰتینٰہ اٰیٰتنا فانسلخ منھا) آہاہاہا، بات تو یوں کہی جا رہی ہے رسول اللہؐ سے وہ جو میں کہا کرتا ہوں کہ دھیے نی اک گل سن نویں نی تو کن کر کہا ہے کہ ان کو بات سناؤ اس کو اورارے دل یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے کہ جنہیں ہم نے اپنے یہ احکام دئے اپنے قوانین دئے جو ان کے لئے وجہ شرف اور عزت ہونے تھے انہیں ہم نے دئے(فانسلخ منھا) یہ سلخ عجیب لفظ ہے یہ ان کو پیچھے چھوڑ کے یوں نکل گئے جیسے سانپ اپنی کنچلی کو چھوڑ کے بیچ میں سے نکل جاتا ہے کہ اس کے جسم کے اوپر اس کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہتا، ہماری حالت بیان ہو رہی ہے عزیزانِ من، ہم نے تو یہ کچھ انکو دیا تھا اور یہ

کے پیچھے، چلو، اونا تا تا کردا ایس کھوتے نوں لئی جاندا اے فیر، کیا عجیب انداز ہیں قرآن کے جب تک یہ اس کنچلی میں تھا تھا وہ یہیں کہیں جرآت نہیں کرتا تھا پیچھے آنے کی اور؟؟؟؟ قرآن نے کہا یہ خدا کی پناہ میں ہوتا ہے وہ، جونہی اس نے اس میں سے نکلا اور کنچلی کو چھوڑا اور وہ جو گھات میں بیٹھا تھا وہ اس کے پیچھے لگ گیا، پیچھے لگ گیا چلا رہا ہے اب اس کو؟؟؟؟ ٹھیک ہے، صحیح راستہ چھوڑا غلط راستے پہ لگ گیا، کہا سنئے کس ہتک سے قرآن یہ بات کہتا ہے خدا (**ولو شئنا رفعنا به**) ہماری مشیت میں یہ تھا کہ ہم اس قرآن کے ذریعے سے اس کو انسانیت کی بلندیوں پر پہنچا دیں ہماری مشیت میں یہ تھا (**ولکنہ اخلد الی الارض**) اور انکو دیکھئے کہ یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک کر رہ گئے، ہم انہیں آسمان کی بلندیوں پر پہنچانا چاہتے تھے ان کی کیفیت یہ کہ وہ اس آیاتِ خداوندی قوانینِ خداوندی کو پیچھے چھوڑ کے تو نکل کے آگے گئے ہیں زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک کر رہ گئے (**اخلد**) مستقل طور پہ چپک کے رہ گئے، یہ کیا ہے زمین کی پستیوں کے ساتھ چپکنا، وہ قرآن تھا اس کا اتباع تھا (**و اتبع ھو آء**) اپنے ہی جذبات اپنے ہی خواہشات کا اتباع شروع کر دیا اور جب انسان اپنی خواہشات کا اتباع کرے تو قرآن نے کہا ہے کہ پھر اس کا پیٹ نہیں بھرتا (**الھٰکم المتکاثر حتیٰ زرتم المقابر**) اس ہوس کے پیچھے جب یہ چلتا ہے تو وہ utility کی تو چیز ہے نہیں استعمال کی کہ پیٹ بھر جاتا ہے پیٹ نہیں بھرتا؟؟؟ ہے یہ چلا جاتا ہے پھر تآنکہ یہ قبر میں پہنچ جاتا ہے یہ کیفیت جو ہوتی ہے کہ پیٹ نہیں بھرتا ہوس کی وجہ سے، ہمارے ہاں اسے جوءالقلب کہتے ہیں یہ یہ جو یونانی طب میں مرض ہے جوءالقلب کتے کی بھوک، یہ ہوس کی چیز ہوتی ہے سارا دن وہ پھرتا رہتا ہے وہ کتا کبھی دیکھا ہے کہ کسی جگہ بھی اس کے سامنے ٹکڑا پھینکا ہو اور اس نے کہا ہو کہ نہیں صاحب میرا پیٹ بھرا ہوا ہے شکریہ جناب کا میں نہیں کھاتا، کچھ سامنے آئے لپکتا ہے، ہمارے ہاں اس کو ہلکایا ہویا کہندے نیں، یہ ہوتی ہے کیفیت جوءالقلب کی کہ ضرورت کے لئے نہیں ایک ہوس کیلئے (**کمثله کمثل القلب**) انسانیت کے درجے سے نیچے اتر کر کتے کے درجے پہ آجاتا ہے پھر وہ، زیادہ میں کیا کہوں (**انه لذکر لک ولقوم**) یہ اے رسول تیرے لئے بھی اور تیری قوم کے لئے بھی شرف اور اجتبٰی کی بلندیوں تک پہنچانے کا ذریعہ تھا لیکن یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک کے رہ گئے (**و سوف تسئلون**) ان سے کہو کہ یہ نہیں کہ جس طرح سے تمہارا جی چاہے کرتے رہو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں، پوچھا جائے گا تم سے کہ یہ بات بتا دی گئی تھی کہ نہیں، اور یہ تو قرآن نے ہر جگہ کہا ہے کہ جب تک ہم پہلے وارننگ نہ دے لیں یہ بتا نہ دیں کہ یہ سنکھیا ہے مصری نہیں ہے چینی نہیں ہے اس وقت تک ہم ہلاک نہیں کرتے، تمام انبیاء کے متعلق یہ کہا کہ بھیجا ہی ان کو اسلئے جاتا تھا (**وسئل ارسلنا من قبلک**

وہ نہیں ان کے نام لیوا ان کی طرف منسوب کر کے پیش کر رہے ہیں، دنیا کے تمام مذاہب عزیزانِ من قرآن کہتا ہے کہ ان کے رسول خدا کیطرف سے صحیح دین لائے تھے اب ان کے بعد ان کے نام لیوا ان کی امت وہ جو اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اپنے مذہب کو منسوب کرتے ہیں ان کی طرف وہ اس کتاب کی پیروی نہیں کرتے جو اس کے نبی نے دی تھی، وہ پیروی تو اپنی اپنے اربابِ احبار و رھبان کی اپنے اسلاف کی ان کی کرتے ہیں منسوب کر دیتے ہیں ان کو ان رسولوں کی طرف اپنے بانیانِ مذہب کی طرف کہ یہ ان کا کہا ہوا ہے یہ انکا کہا ہوا نہیں ہے، بین ہی ہم یہی کر رہے ہیں عزیزانِ من، ان سے بھی زیادہ مجرم ہیں ان کے پاس تو وہ اصل کتاب ہے نہیں جو ان کے رسول نے دی تھی اس لئے وہ اس حد تک تو ان کی معذرت قابلِ قبول ہوسکتی ہے کہ ہمارے پاس تو کتاب تھی نہیں ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ یہ کہا تھا انہوں نے رام چندر جی نے مہاتما بدھ نے حضرت عیسیٰؑ نے حضرتِ موسیٰؑ نے تو ہم اس کو مان رہے ہیں ہمارے پاس تو چیز تھی نہیں جس پہ ہم پرکھ کے دیکھتے، ہمارے لئے تو دہرا عذاب ہے عزیزانِ من وہ کتابِ عظیم موجود ہے لیکن وہ کاہے کیلئے رکھی ہوئی ہے ایک ایک لفظ سے تیس تیس نیکیاں حاصل کرنے کیلئے، الفاظ دہرانے کے لئے رٹے ہوئے ہیں بغیر مطلب کے بغیر معنی جانے ہوئے الفاظ دہراتے جاؤ، عزیزانِ من قرآنِ کریم نے پہلی ہی شروع میں (**ذٰلک الکتٰب**) کہا تھا اس کو کتاب دنیا کی کوئی کتاب ایسی کہ جس کی زبان آپ نہ جانتے ہوں اور کتاب پڑھتے چلے جاتے ہوں کوئی کتاب آپ بتا دیجئے، زبان نہ جاننا تو ایکطرف فرض کرو زبان جانتے بھی ہوں اور وہ کتاب کی زبان ذرا مشکل ہو تو آپ ایک آدھ صفحہ پڑھ کے کہہ دیتے ہیں کہ نہیں صاحب میری سمجھ میں نہیں آتی، آپ کتاب پڑھتے ہیں تاکہ سمجھ میں آسکے، خدا نے بار بار کہا ہے کہ ہم نے اس کو لسانِ عربی مبین میں واضح طور پر اس کو بیان کیا ہے (**لعلکم تعقلون**) تاکہ تم سمجھ سکو، کتاب کو اگر سمجھ کے پڑھ لیا جاتا عزیزانِ من تو نہ ملوکیت باقی رہتی نہ سرمایہ داری باقی رہتی نہ مذہبی پیشوائیت باقی رہتی سازش یہ کی گئی کہ سمجھنے کی بات یہ ہے نہیں بغیر سمجھنے کے بغیر مفہوم جاننے کے ان کے الفاظ کا دہرا دینا جو ہے اس سے نیکیاں مل جاتی ہیں، ایسا چکر دیا کہ کتاب کا سمجھنا جو تھا سمجھنا کتاب کا بے معنی ہو گیا، بغیر سمجھے ہوئے اس کے الفاظ کا دہرا دینا عینِ مقصود یہ رہ گیا، اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کے کسی طبیب حکیم کے ڈاکٹر کے نسخوں کی کتاب ہر مرض کا نسخہ جہاں لکھا ہو اس کے اندر آپ اس کو سمجھیں نہیں اس زبان کو اور وہ نسخے زبانی یاد کرلیں اور صبح اٹھ کے ان کو نسخوں کو رٹتے رہیں شام تک بولتے رہیں کچھ پتہ نہ ہو آپ کو کہ سونف کسے کہتے ہیں کلونجین کیا ہوتی ہے اور پڑھتے چلے جائیں کیا مرض کی شفا مل جائے گی اس طرح سے اس کتاب کا مسلک مقصد پورا ہو جائے گا، میں نے کہا ہے کہ ہے

پتہ ہوتا ہے میں کیا لفظ دہرا رہا ہوں نہ یہ سننے والوں کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں دونوں ہی مطمئن ہوتے ہیں کہ ثواب حاصل ہوتا ہے اس سے، اس کتاب کے ساتھ کیا کیا، تو ہم میں اوران میں کیا فرق ہے جن کے پاس وہ کتاب نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ ہم دوہرے مجرم ہیں، ہے بھی کتاب اور کتاب کو اتنا پڑھنا تو کہیں گے نہیں پڑھنا تو پھر بھی وہ ناظرہ پڑھا جاتا ہے جو دہراتے ہیں ناظرہ پڑھنا بھی تو یہی ہوتا ہے الفاظ ہی ہوتے ہیں جن کو دہراتے ہیں ہم، یہ کتابِ ہدایت تھی یہ وہ نقشے اس میں دئے ہوئے تھے کہ فلاں دوراہے پہ پہنچو تو دائیں کی طرف مڑ جاؤ تو اس طرف جاؤ گے بائیں کی طرف کا راستہ اس طرف چلا جائے گا، نہیں سمجھتے اس کو ہر مرض کی شفا تھی اس میں، دہرائے چلے جارہے ہیں، یہ پورا ریلا حفاظ جسے کہتے ہیں صرف حفظ کیا ہوا ہے کچھ معنی نہیں جانتے ؟؟؟؟؟ پھر قاری آجاتے ہیں حفظ بھی کیا ہے پڑھتے نہیں ہیں پھر قرآت کے ساتھ گا گا کے پڑھا جاتا ہے اس کو، قانون کی کتاب گا کے پڑھ رہے ہیں، قرآن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ چوری کرنے والا اور چوری کرنے والی ہو جرم کے عوض میں اس کے ساتھ یہ سزا اس کو دو اب اس کو آپ گاتے چلے جایئے قانون کو (**وسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الھۃً یعبدون**) پوچھو کہیں بھی ہم نے یہ کہا تھا کہ اس قادرِ مطلق کی حکمرانی کے سوا کسی اور کی حکمرانی قبول کرو، کسی پہ ہم نے کہا تھا، سب سے نہ پوچھو یہ جو سب سے پہلے تمہارے مخاطب یہودی ہیں ان سے پوچھو (**ولقد ارسلنا موسیٰ باٰیٰتنا الی فرعون و ملائہ فقال انی رسول رب العٰلمین**) ان سے پوچھو سب سے پہلے کیا یہ اپنے ہاں یہ؟؟؟؟؟ نہیں ہیں کہ حضرتِ موسیٰؑ آئے، کس کی طرف بھیجا تھا؟ فرعون کی طرف، کیا جرم تھا اس کا؟ (**یذبحون ابناھم ؟؟؟؟؟**) قوم میں جتنے صلاحیتوں والے ایسے لوگ جو سرکردہ ہو سکتے تھے ان کو؟؟؟؟ کرکے چھوڑ دیتا تھا ابھرنے نہیں دیتا تھا گو اس قسم کے افراد کہ جن میں زنانہ صفتیں ہوتی تھیں ان کو مقرب بنایا کرتا تھا اور آگے قرآن نے لکھا ہے کہ ان میں وہ پارٹیاں بنایا کرتا تھا کبھی ایک پارٹی کو اوپر چڑھا دیتا تھا کبھی دوسری کو اوپر چڑھا دیتا تھا یہ جرائم ہیں اس کے، کرتا کس طرح سے تھا؟ وہی آتی ہے بات، موسیٰؑ نے کہا کہ میں رسول ہوں یہیں سے لفظ آجاتا ہے رب العٰلمین کی طرف سے، اس نے کہا تھا کہ (**انا ربکم الاعلیٰ**) رزق کے سارے سرچشمے اور وسائل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے مستبد حکمران اور پھر کہتا ہے کہ ہمارے ہاتھ میں ہے یہ ہم تمہارے ان داتا ہیں ہم تمہیں رزق دیتے ہیں دیکھئے یہاں لفظ ہی قرآن نے کہا کہ جا کے حضرتِ موسیٰؑ نے کہا تھا کہ میں اس کی طرف سے آیا ہوں جو تمام عالم کو رزق دینے والا ہے، نفی جہاں اس کی اس دعوے کی چیز ہے (**فلما جآء ھم باٰیٰتنا اذا ھم منھا یضحکون**) وہ آیا یہ کہنے کے لئے، انہوں نے

سمجھتے تو اگلا جھٹکا اس سے زیادہ سخت ہوتا ہے، اس طرح سے ہم یہ کرتے ہیں تا نکہ آخری جھٹکا وہ ہوتا ہے(**اذا ذلـذلـت ارض ذلذاله**) وہ زلزلہ آ جاتا ہے پھر پھر تباہی ہو جاتی ہے یہ ہے ہمارا انداز اور یہ بھی اندازِ رحمت ہے کہ پہلی دفعہ یہ اس طرح سے یوں جھٹکا نہیں دیتا، کہتا ہم یہ کرتے تھے(**و قـالوا یآیه السٰحـر ادع لنا ربک بما عهد عندک اننا لمهتدون**) جب کوئی جھٹکا آ تا تو کہتے کہ تو اپنے خدا سے یہ دعا کر کہ ہمیں وہ اس سے نجات دیدے تو اس کے بعد تم دیکھ لینا اللہ کی قسم ہم کتنے شریف آدمی بن جائیں گے بالکل توبہ کرلیں گے(**فـلـمـا کشـفـنا عنهم العذاب اذا هم ینکثون**) وہ جب وہ مصیبت ٹل جاتی پھر ویسے کے ویسے بنے، اس لئے کہ وہ دل سے نہیں مانی ہوئی بات تھی غلط کار ہیں وہ تو ایک مصیبت آئی ہوئی تھی اس کو ٹالنے کے لئے ٹالنے کے لئے ٹھیک ہے دعائیں بھی مانگتے ہیں نبی سے بھی کہہ دیا کہ ہمارے لئے تم یہ کچھ کردو دل سے نہیں مانا ہوا ہوتا اور سنئے اس نے کیا کیا، نظر آتا ہے کہ قومِ بنی اسرائیل اگرچہ ان کی محکوم تھی لیکن بہرحال یہ اپنا کچھ weight اور وزن رکھتی تھی اور حضرتِ موسیٰؑ نظر آ رہا ہے اس قوم کے اندر فرعون کے سامنے یہ بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے اس نے جھٹ سے اس کے اوپر ہاتھ نہیں ڈالا حالانکہ اس کے درباری اس سے کہتے بھی رہے اس نے کہا کہ نہ یہ نہ کرو میں جانتا ہوں، کیا کیا اس نے عجیب بات ہے عزیزانِ من اس نے قوم میں پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہر حکومت یہ کرتی ہے پہلے تو وہ اس نے اپنا وہ جلال تھا وہ دکھایا(**و نـادیٰ فرعون فی قومه قال یقوم الیس لی مـلـک مـصـر و هٰذه الانهٰر تجری من تحتی افلا تبصرون**) پہلے تو یہ بات تھی کہ یہ رزق کے سرچشمے یہ زمینیں اتنی وسیع یہ اتنی نہریں اور یہ دریا کس کی ملکیت ہیں ہماری ملکیت ہیں دیکھ نہیں رہے ہو تم بڑی چیز ہے یاد رکھو رزق بند کر دیں گے تمہارا ذرا بھی تم نے سرتابی کی ذرا سے بھی اس کی طرف جھکے تم یہ سب ہمارے قبضے میں ہے، کہا یہ آ گیا ہے میرے مقابل میں(**ام انـا خیـر من هٰذا الذی هو مهین و لا یـکـادیبین**) کہا ایک طرف میں ہوں کہ جس کے قبضے میں یہ تمام وسائل رزق ہیں ایک طرف یہ شخص ہے آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ یہ پھٹے ہوئے کپڑے ہیں؟؟؟ پہنے ہوئے ہے عصا ہاتھ میں ہے پاس کچھ بھی نہیں نہ مکان ہے نہ زمین ہے کچھ بھی اس کے پاس نہیں ہے بہت پست درجے کا انسان ہے دوسری جگہ تو اس نے یہ بھی ساتھ کہا، درباریوں نے کہا کہ اس کی بات ذرا توجہ سے سنو، کہنے لگا کیا کہہ رہے ہو(**و قـومـه مـا لـنا عٰبدون**) ؟؟؟؟ یہ ہماری محکوم قوم کا فرد ہے اور محکوم قوم کی بات سن لے ایک حاکم قوم ذلت کا موجب ہے، نہیں سنتا، تو اس کی بات ہم کیسے سن لیں کہا اگر یہ دعوٰی ہے اس کا میرے مقابل میں آ کر کہ یہ مملکت لینی ہے اور یہ حکومت سے بنی اسرائیل کو لے جانا ہے اگر ایسا ہی خدا کی طرف

، بڑا کاریگر تھا صاحب، بہت زور مارا تو میڈل دیدیے، وہ تھے سونے کے کنگن ان کا تو یہ جو اساورہ جن کو کہتے ہیں پھر وہ آگے بات آئے گی جنھوں نے سازش کی ہے آپ کے خلاف یہ اساورہ تھے وہاں کے نورتن intellectual بڑے بڑے لوگ، کہا اگر یہ واقعی اس قسم کا خدا کی طرف سے آتا اور یہ اسکی طرف سے صاحبِ اقتدار ہوتا اس کے پاس وہ کنگن ہونا چاہئے تھا جو سلطنت کیطرف سے ملتا ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ خدا کیطرف سے میں آیا ہوں نبی ہوں تو اس کی جلو میں فرشتے ہونے چاہئیں تھے او ہمیں تو نہیں نظر آتا، دونوں ہی چیزیں ہیں جن سے اس نے یہ کہا کہ ھئیت حاکمہ جس چیز سے متاثر ہوتی ہے یا تو برابر کا اسی قسم کا ایک صاحبِ ثروت صاحبِ قوت کنگن کی نشانی لئے ہوئے آئے اور اگر وہ مذہب کے نام آتا ہے تو معجزہ دکھائے ملائکہ اس کے جلو میں ہوں، دلیل و برہان سے بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، اقتدار کی سرمستیاں اس طرف آنے نہیں دیتی وہ یہ چیزیں مانگتا ہے کہ یہ دکھاؤ، میں نے کہا تھا کہ اس نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا بڑے زور شور سے کیا، دوسری جگہ قرآن میں بتایا ہوا ہے کہ اس نے تمام شہروں کے اندر اس قسم کے ہرکارے بھیج دئے جاؤ ایک طرف یہ کہو کہ اس کے خلاف کرو گے تو روٹی بند کر دے گا تم جانتے ہو اس کی ملکیت، دوسری طرف کہا کہ یہ جو آ کے تمہارے ہاں آیا ہے اس کی حیثیت کیا ہے ذرا سنو تو سہی، کہا ہر جگہ ہرکارے بھیج دئے، اس زمانے میں یہ ابلاغ کے ذرائع جو تھے وہ تو ایسے تھے نہیں وہ ہرکارے ہی ہوتے تھے خود ہمارے اپنے بچپن کے زمانے میں بھی یہ ریڈیو یا یہ ٹی وی اور یہ چیزیں نہیں ہوتی تھیں ہم نے اپنے بچپن کے اندر دیکھا ہے وہ ڈونڈی پھرنے والا میونسپل کمیٹی کی طرف یا تحصیل کی طرف سے ہوتا تھا کوئی بات حکومت کی کہنی ہوتی تھی تو وہ ڈونڈی پہ آ کے تو شہر میں کہتا پھرتا تھا اتنا ہی ذریعہ ہوتا تھا اس زمانے میں پروپیگنڈے کا، عجیب چیز تھی اس زمانے میں سمجھ میں نہیں آتی تھی اب ہنسی آتی ہے وہ تھا ایک بڈھا سا وہاں انہوں نے رکھا ہوا وہ ایسے کرتا تھا تو پرانے زمانے کا وہ جو ڈونڈی کا فقرہ تھا رٹا ہوا وہ کہا کرتا تھا کہ حکم کمپنی بہادر دا یعنی وہ کمپنی بہادر جیہڑی سی پنجاہ ورے ٹر گئی ہوئی سی یہ انگریزوں کی پہلی جو حکومت یہاں تھی وہ کمپنی تھی نا ان کی یہ، اس نے حکومت یہاں قائم تھی اندازہ لگایئے ہماری ذلت اور پستی کی انتہا کہ یہ چند دوکاندار ہم سے چھین کے لے گئے اتنی بڑی سلطنت، حکم کمپنی بہادر دا، وہ کمپنی باغ تو آپ کو اب بھی یاد ہوگا یہ کمپنی وہ ہوتی تھی تو بہر حال وہ ڈونڈی اس طرح سے پھرتا تھا بہت کم پروپیگنڈہ ہوتا تھا نا، اور صاحب اب جو یہ آلاتِ ابلاغ آپ کے ہاں آئے ہیں تو یہ جس طرح آنکھوں کی بیماری آئی ہے نا یعنی لوری نہیں ہے کہ وہ کہیں ایک تو ہوتی ہے انفکیشن ہوتی ہے کسی کی کوئی چیز لگ جائے، قرآن نے کہا تھا شر مستطیر اڑ کر لگنے والا شر یہ اڑ کر لگنے والے شر ہیں آج کا پروپیگنڈہ تو اڑ کے

تعاقب میں یہ ایسا لگا ہوا ہوتا ہے کہیں بھی آپ کو پناہ نہیں اس سے ملتی اور اثر اس کا اتنا ہوتا ہے نفسیاتی اثر اس پروپیگنڈے کا، ٹی وی کے اوپر وہ اشتہار آتے ہیں نا اور چیز تو ایک طرف رہی latest آپ کو بتاؤں میں ایک شربتِ زنجبیل ہم جانتے ہیں زنجبیل تو ادرک کو کہتے ہیں بڑی گرم چیز ہوتی ہے ہمارے ہاں دوائی کے طور پہ تھوڑا سا یہ لیا جاتا ہے، گرمی کے موسم میں شربتِ زنجبیل ارے اب وہ جو صبح شام اس کے اوپر یہ کچھ ہونا شروع ہوا ہم نے دیکھا ہماری بیٹی نے گھر میں لے کے رکھا ہوا شربتِ زنجبیل ارے بیٹی یہ کیسے آپ نے منگا لیا، بابا جان وہ اتنا کچھ اس کے متعلق کہا تو ہم نے کہا کہ دیکھیں تو سہی، میں نے کہا پھر، کہنے لگی پہلی دفعہ ہی پیا ہے یہ تو گرم؟؟؟؟ پکڑ کے بیٹھ گیا ہے ہمارا، میں نے کہا تو بیٹی اب بک گیا، کہنے لگی پرانیاں نوں پلا دیون، یہ پروپیگنڈہ یہ کرتا ہے کمبخت ادرک کا شربت گرمی کے موسم میں خرید لیا، بڑی ناگذار چیز ہے نفسیات کے اوپر یہ روز ٹھوکریں مارتا ہے، میں آ رہا ہوں عزیزانِ من منٹ ایک ہے اور اسی میں بات ختم ہو جاتی، یہ سارا کچھ کہنے کے بعد قرآن ہے عزیزانِ من ایک لفظ ہے (**فاستخف قومہ فاطاعوہ**) اس نے اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ قوم کی مت ماردی اور وہ اس کی اطاعت پہ لگ گئے، مت ماردی ،صحیح لفظ ہے فاستخف مادے کے اعتبار سے خفیف تو کہتے ہیں جسمانی طور پہ جو کمزور ہو جائے عربوں کے ہاں خفاف کہتے ہیں عقل وفکر کے اعتبار سے جو؟؟؟؟ مت ماری جائے، ایناں پروپیگنڈہ اونے رِتا قوم دی مت ماری گئی، مت ماری جائے قوم دی تے فیر کی ہوندا ہیگا (**فاطاعوہ**) پھر کوئی دقت ہی نہ رہی کہ اس کی اطاعت کرتی چلی جائے صاحب، پروپیگنڈے کے زور کے اوپر اطاعتیں، چودہ سو سال پہلے کا جس زمانے میں شاید وہ ڈونڈی بھی نہیں ہوتی تھی جمع کرنا ہوتا تھا تو ٹھیک ہے مدینے میں مملکت اپنی تھی اس کے لئے بھی جمع کرنا ہوتا تھا اور صلوٰۃ جامعۃ کہنے والا ایک ڈونڈی والا جاتا تھا شہر میں، اس دور کی بات قرآن بتا رہا ہے کہ ایسا پروپیگنڈہ کیا جائے فرعون جیسا مستبد کہ قوم خود بخود اطاعت کرنے لگ جائے اس کی، کہا اس نے یہ technique برتی تھی ،لیکن اگلی بات وہ بڑی عجیب کہتا ہے کہا یہ ٹھیک ہے اس نے یہ سارا کچھ کیا تھا لیکن اس کی اپنی کاریگری سے یہ نہیں ہو سکتا تھا (**انھم کانوا قومًا فٰسقین**) وہ قوم ہی یہ چاہتی تھی کہ ایسا ہو ہمارے ساتھ، آہاہاہا، کوئی پروپیگنڈہ کامیاب نہیں ہو سکتا اگر قوم وہ نہ چاہتی ہو تو، جس طرح پیر منڈیاں نوں کھانداا اے ناں، اسی طرح سے یہ پروپیگنڈہ بھی ان کے اوپر اثر کرتا ہے جو خود ہی اندر سے نہیں چلنا چاہتے قانونِ خداوندی کے اوپر، ان سے؟؟؟؟ بہانہ ہو جاتا ہے (**فلما اٰسفونا انتقمنا منھم فاغرقنٰھم اجمعین فجعلنٰھم سلفًا و مثلًا للاٰخرین**) انتہا جب ہو گئی تو اب دیکھو کہ وہ کس طرح سے غرقاب ہوئے اور اس کے بعد ان کی کہانیاں باقی رہ گئی آنے والوں کیلئے تا کہ وہ وجہ

پانچواں باب: سورۃ الزخرف (آیات 57 تا 62)

عزیزانِ من! آج اگست 1981ء کی 7 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الزخرف کی آیت 57 سے ہو رہا ہے:(43:57)۔

نبی اکرم ﷺ نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو آپ کے سامنے ایک تو وہ جہاں آپ مبعوث ہوئے یا پیدا ہوئے تھے۔عرب کے بلکہ مکے کے جنہیں مشرکین کہا جاتا ہے یعنی اس کو الگ کیا گیا تھا اہلِ کتاب سے۔تو یہ لوگ تھے جو مدعی نہیں تھے کسی نبی کے اتباع کے' یہ عرب کے لوگ یا جنہیں مشرکین کہا گیا ہے۔بت پرستی ان کا مسلک تھا۔اور دوسرا گروہ تھا جنہیں اہل کتاب کہا گیا ہے اور ان میں نمایاں طور پہ یہودی اور نصاریٰ ہی تھے۔نصاریٰ یا عیسائیوں کا مذہب قریب تھا یعنی حضور ﷺ سے پیچھے جائیں تو انبیائے کرامؑ کا سلسلہ تو حضرت نوحؑ سے شروع ہوا اور چلا آ رہا تھا۔تو حضور ﷺ سے پہلے Last جنہیں آپ کہیں گے اس دور کے وہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔اس لیے نصاریٰ کے عقائد ان کے مسالک یہ عام طور پہ زیادہ وہاں معروف بھی تھے مشہور بھی تھے۔اب ایک بات ان میں تھی قرآنِ کریم کی رو سے یہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب جنہیں آپ کفار کہیے مشرکین کہیے یہ دعوت ان سب کے لیے یکساں تھی۔اہل کتاب سے بھی یہ مطالبہ تھا کہ **فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم به فقد اهتدوا** ان کا بھی خدا پر' نبی پر' کتابوں پر جو ایمان تھا اسے تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔اس طرح جیسے قرآن نے بتایا ہے اگر ان پر اس طرح سے یہ ایمان لائیں تو پھر اسے ایمان سمجھا جائے گا۔تو ان کا جو ایمان تھا ان چیزوں کے اوپر وہ ایسا ہی سمجھ لیجیے جیسا کہ ہمارا ایمان ہے ان چیزوں کے اوپر یعنی خدا کو مانتے ہو؟ خدا کو مانتے ہیں۔جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں یہ چیز کہ مانتے ہیں تو کیا ہوا نہ ماننے سے کیا فرق پڑا' آپ کے نزدیک تو پڑ گیا فرق' درحقیقت فرق کیا پڑا اس سے؟ ماننے کے تو معنی کچھ اور ہیں' ماننا تو تسلیم کرنا ہے' سرِ تسلیم خم کرنا ہے' اطاعت کرنی ہے' اس کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔**و من لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکفرون** (5:44) جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے فیصلے نہیں کرتے انہیں کافر کہا جاتا ہے خواہ وہ اہلِ کتاب کی طرح لفظی طور پر ایمان بھی کیوں نہ رکھتے ہوں یا کہتے ہوں کہ ہم ایمان لائے۔اور

قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ اکثر اوقات یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ وہ مومن ہوتے ہوئے بھی مشرک ہوتے ہیں۔ بتوں کے آگے نہیں جھکتے اس شرک سے تو سب اجتناب کرتے ہیں کہ پتہ چلتا ہے کہ بت پرستی کر رہا ہے۔ خدا کی حکمرانی وہ نہیں مانتے انسانوں کی حکومتوں کو مانتے ہیں خواہ وہ مذہب کے نام پہ ہوں یا سیاست کے نام پہ ہوں' شرک یہ ہوتا ہے۔ تو وہاں مشرکین تو وہ تھے کہ وہ مدعی نہیں تھے کسی سابقہ نبی کی امت ہونے کے اور اہلِ کتاب تھے کہ وہ اس کے مدعی تھے لیکن مطالبہ قرآن کے مطابق ایمان لانے کا ان سب سے تھا۔ ایمان ہے ہی وہ ایمان جو قرآن کی تفصیل کے مطابق کسی چیز کو مانا جائے' تسلیم کیا جائے' اس کی اطاعت کی جائے' اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ قرآن نے کہا ہے کہ اس ایمان کے ساتھ کارِعمل شامل نہیں ہے وہ ایمان نہیں ہے۔ یہ اس کے بعد جیسے کہ یہودی ایک قوم رہ گئے تھے' عیسائی ایک قوم رہ گئے تھے' مسلمان ایک قوم رہ گئے ہیں۔ تو ان سے بھی مطالبہ تھا۔ اور شاید آپ کو یاد ہو جبھی میں کہا کرتا ہوں کہ نوٹ کر رکھیے۔ قرآن نے تو کہا ہے **یایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ** یہ ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگو کہ جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہو ایمان والے ہو ایمان لاؤ خدا پر۔ آپ غور کیجیے وہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو ایمان لاؤ کے تو معنی یہ ہوئے کہ جیسا قرآن کہتا ہے کہ اس ایمان کا مقصد' مطلوب و منتہا یہ ہے' اس کے مطابق یہ کچھ کرو پھر ایمان ایمان ہے۔ تو اسی لیے اہل کتاب سے بھی مطالبہ تھا اس ایمان کا جیسے ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ہم اسی سطح پہ ہیں جس سطح پہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اہل کتاب ہوتے تھے لیکن دونوں میں کچھ تھوڑا سا فرق کیا جاتا تھا۔ وہ اس لیے کہ بہرحال ان کی تعلیم میں تحریف ہو گئی تھی ان کی کتاب اصلی شکل میں باقی نہیں رہی تھی' عقائد کے اندر بھی بہت سا اختلاف ہو چکا تھا۔ لیکن بہرحال وہ ان انبیاء کو مانتے تھے' خدا کو مانتے تھے' وحی کو مانتے تھے' اپنے اپنے انداز سے آخرت پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ تو ان دونوں میں ذرا سا فرق کیا جاتا تھا اور وہ معاشرتی فرق سمجھ لیجیے جہاں تک دین کا تعلق تھا وہ تو ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا دونوں سے ہی مطالبہ تھا اس انداز سے ایمان لانے کا۔ کچھ معاشرتی فرق کیا جاتا تھا اور پھر یہود ہوں یا نصاریٰ نے اپنے نبیوں کے متعلق بڑے غلط عقائد وضع کر رکھے تھے لیکن قرآنِ کریم تو ان انبیائے کرامؑ کو اسی سطح اسی صف پہ رکھتا تھا جس صف پہ نبوت کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کو رکھا جاتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ **لا نفرق بین احد من رسل** ہم ان کو رسول ہونے کی جہت سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ تو ظاہر ہے کہ ان کے انبیائے کرامؑ کا جب قرآن ذکر کرتا ہے یا نبی اکرم ﷺ یا جماعت مومنین جب ذکر کرتی تھی پورے احترام کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا تھا۔ وہ اسی صف میں کھڑے تھے جس صف میں کہ نبی اکرم ﷺ کھڑے

تھے۔لیکن عقائد کے لحاظ سے مثلاً یہی جو عیسائی تھے انہوں نے جو کچھ حضرت عیسیٰؑ یا اپنے جو Saints تھے ان کے متعلق عقائد وضع کر رکھے تھے وہ بالکل مشرکانہ تھے۔ان عقائد کا قرآن ذکر کرتا ہے تو انہیں بھی پھر وہ مشرک کہتا ہے اس کو شرک قرار دیتا ہے۔لیکن اس کے باوجود معاشرت میں دونوں میں کچھ تھوڑا سا فرق تھا۔یہ جو مشرکینِ عرب تھے یہ اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے یا یوں کہیے کہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔اعتراض ان کا یہ ہوتا تھا **ولما ضرب ابن مریم مثلًا اذا قومک منه یصدون** (43:57) کہ جب تو حضرتِ عیسیٰؑ کا ذکر کرتا ہے اس احترام کے ساتھ جس کے وہ مستحق ہیں تو وہ لوگ اس پہ اعتراض کرتے ہیں کہ تو ان مشرکین کے معبود کی تو عزت اور احترام کرتا ہے اور ہمارے معبودوں کے خلاف جاتا ہے یہ فرق کیوں کرتا ہے تو ان دونوں میں۔وہ سمجھتے تھے کہ معبودِ باطل ہونے کی جہت سے تو یہ دونوں یکساں ہیں ہمارے بت کیا اور ان کے حضرتِ عیسیٰؑ کیا۔وہ یہ اعتراض کرتے تھے۔کہا جب تو ان کا نام احترام سے لیتا ہے تو یہ چلا اٹھتے ہیں کہ ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے عیسائیوں کے بت کی اس طرح سے تعریف کرتا ہے۔وہ سمجھتے تھے کہ اس کی تعریف کرتا ہے جو انہوں نے اپنے ہاں گرجوں کے اندر حضرت عیسیٰؑ کے مجسمے رکھے ہوتے ہیں۔میں یہاں کے گرجوں میں تو زیادہ نہیں گیا غالبًا یہاں لاہور میں بھی ہوگا' کراچی میں تو میں نے دیکھے تھے۔تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ سمجھ میں نہیں آتی تھی' چلا اٹھتے تھے' یہ لفظ **یصد** کے معنی ہیں کہ وہ بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔اور وہ باہمی حسد کی بات ہوتی ہے' واقعی ایک انسان برداشت نہیں کر سکتا' فرق ہی نہیں پھر کرتا جب جذبات میں آ جاتا ہے۔**و قالوا ء الھتنا خیر ام ھو** (43:58) وہ پوچھتے یہ ہیں کہ یہ ہمارے بتوں میں اور ان کے اس بت میں کیا فرق ہے کہ اس کا نام احترام سے لیا جاتا ہے ہمارے بتوں کی مذمت کی جاتی ہے۔**ما ضربوہ لک الا جدلًا بل ھم قوم خصمون** (43:58) کہا یہ بات نہیں کہ انہیں معلوم نہیں ہے' انہیں بھی معلوم ہے اور ہم اتنا چرچا کرتے ہیں اس بات میں کہ یہ انبیائے کرامؑ جو تھے خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول تھے اس اعتبار سے ہم ان کا احترام کرتے ہیں یہ جانتے ہیں اس چیز کو۔اس لیے کہ اگر بعض کے انبیاء نہ بھی ہوں تو حضرتِ ابراہیمؑ جن کی نسل میں ہونے کا یہ اعتراف ہی نہیں کرتے بلکہ فخر سے بیان کرتے ہیں ان کے متعلق تو انہیں پتہ ہے کہ نبیؑ کیا ہوتا ہے۔اس لیے یہ جانتے ہیں اس چیز کو کہ اس بت میں اور ایک نبی میں جسے اس کی امت نے اپنی غلط نگہی اور گمرہی کی وجہ سے ایک معبود بنا رکھا ہے ان میں فرق ہے۔ہمارے نزدیک ہم ان کے اندر فرق کرتے ہیں انہیں پتہ ہے اس چیز کا۔تو محض کج بحثی کی بنا پہ یا یہ کہ اور دلیل تو ان کو کوئی ملتی نہیں ہے یہی دلیل

دے کے یہ تمہارے ساتھ جھگڑا پیدا کرتے ہیں۔ کہا انہیں علم ہے اس کا اور پھر ہم پھر اس بات کو دہرا دیتے ہیں کہ **ان هو الا عبد انعمنا عليه و جعلنٰه مثلا لبنی اسرآئیل** (43:59) وہ ہمارا ایک عبد تھا۔ قرآن نے انبیائے کرامؑ کو اپنا عبد کہا ہے' نبی اکرمﷺ کو بھی عبد کہا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ انسان کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ وہ اس ایک آستاں پہ سر جھکا کے ساری دنیا کے آستانوں سے سرفرازانہ گزر جاتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لیکن یہ ایک سجدہ تو ضرور ہوتا ہے۔ سجدہ کے معنی خدا کے احکام کی اطاعت ہے۔ جتنی زیادہ اس میں اطاعت کرتا چلا جائے **و اصبر اکترب** قرآن نے کہا ہے جھکتا چلا جا اطاعت کیے چلا جا اور ہم سے قریب ہوتا چلا جا۔ رسول تو اس اطاعت میں مکمل ترین مقام کے اوپر فائز ہوتا ہے۔ اس لیے اس اعتبار سے یعنی یہ جو قرآن نے ان کو عبدیت یا عبد کہا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا میں کسی اور کی محکومی اختیار نہیں کرتا وہ صرف خدا کی محکومی اختیار کرتا ہے۔ ہم سے بھی جو اعتراف ہی نہیں اعلان کرایا جاتا ہے **و اشهد ان محمد عبده و رسوله** ۔ پہلے تو یہی جو رسول کا اعتراف ہم سے کرایا جاتا ہے ایمان لایا جاتا ہے یہ بھی بڑی عظیم حقیقت ہے۔ ہم تو کبھی ان چیزوں پہ غور ہی نہیں کرتے بس رسول اللہﷺ کہہ دیتے ہیں۔ قرآن اس چیز پر زور دیتا ہے کہ وہ رسول ہے۔ رسول کے معنی قاصد یا پیغامبر کے ہوتے ہیں۔ یہ پیغام لاتا ہے کسی دوسرے کا' یہ اس کے الفاظ اس کا پیغام آپ تک پہنچاتا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ رسول کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ خدا کے احکام' اس کی تعلیم' اس کے پیغامات' وہ انسانوں تک پہنچائے۔ اور اس کو اسی لیے رسولِ امین کہا ہے کہ قاصد اور پیغامبر ہے اور نہایت امین ہے۔ جو ہم نے اسے کہا اس میں سے کوئی ایک لفظ بھی کسی طرح سے نہ اس میں تبدیلی کرتا ہے نہ چھپا کے رکھتا ہے نہ اضافہ کرتا ہے۔ امین تو جبھی ہوگا۔ تو وہ جو قرآن اقرار لیتا ہے ہم سے اس کے رسول ہونے کا' ہر جگہ **اشهد ان محمد عبده رسوله' محمد رسول الله' لا اله الا الله محمد رسول الله** رسول رسول' یہ بڑی اہم چیز تھی۔ اتنا زیادہ نبوت کا ہم سے اقرار یا اعتراف نہیں لیا جاتا۔ نبوت تو وہ مقام ہے جو خدا سے وحی ملنا ہوتا ہے وہ ہے مقامِ نبوت۔ اگلی بات یہ ہے پھر سیرت ہے اس نبی کی' وہ حیثیت رسول کی ہوتی ہے' رسالت کی ہوتی ہے۔ وہ اس پیغام کو پہنچاتا ہے **ما ینطق عن الهوٰی الا ان ؟؟؟ یوحٰی** وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا صرف وحی تم تک پہنچاتا ہے۔ اور پہنچانے کے بعد وہ

کہتا ہے کہ میں بھی اسی کی اطاعت کرتا ہوں جو میں نے تم تک پہنچا دیا۔ جب پہنچا دیا تو تم اور میں ایک جیسے ہو گئے **انا بشر مثلکم** یہ **مثلکم** کیوں کہا گیا ہے خاص طور پہ؟ پیغام لینے کی حیثیت سے تو خدا کی طرف سے نبوت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک ہو نہیں سکتا وہاں **مثلکم** کی بات نہیں ہے۔ اس پیغام کو جب دوسروں تک پہنچا دیا وہ جو پیغامبر پیغام لایا تھا اس نے جب پیغام جس تک پہنچا دیا تو وہ اور پیغامبر یکساں ایک مقام پہ ہو گئے۔ پیغامبر کی خصوصیت یہی تھی کہ اس کے پاس پیغام تھا تمہارے پاس نہیں تھا' جب اس نے پہنچا دیا دونوں ایک جیسے ہو گئے۔ اسی لیے **بشر مثلکم**۔ اور اسی لیے پیغام پہنچانے کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ہر جگہ یہ کہا کہ میں بھی اسی کی اتباع اور اطاعت کرتا ہوں تم بھی اسی کی اتباع اور اطاعت کرو۔ اب اتباعِ نبوت کہہ لیجیے اس میں رسول اور دوسرے غیرِ رسول سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام ہو جاتا ہے رسالت کا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ قرآن نے انبیائے کرامؑ کو ہر جگہ عبد کہا ہے۔ اطاعت کی انتہائی شکل میں پورا اترنے والا۔ جس کو عبودیت کہا گیا ہے وہی چیز عبادت تھی لیکن وہ تو جب دین' مذہب بنتا ہے تو پھر عبادت جو ہے پرستش بن کے رہ جاتی ہے۔ پرستش تو بتوں کی ہوتی ہے خدا کی تو اطاعت ہوتی ہے محکومیت ہوتی ہے۔ تو یہ عبدیت کا مقام ہے' محکومیت کی انتہائی شکل' اطاعت کی مکمل ترین شکل۔ اس حد تک کہ کتنے ہی مقامات ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ نے کہا کہ میں نے یہ چیز پہنچا دی اگر میں بھی اس کی خلاف ورزی کروں تو اس کے عذاب سے میں بھی نہیں بچ سکتا۔ تو یہی جو عبدیت ہے محکومیت کے معنوں میں لی جائے لیکن کس کی محکومیت؟ صرف خدا کی محکومیت جو دنیا کے ہر آستان سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ تو وہ محکومیت کچھ چھوٹا شرف نہیں ہے کہ پھر دنیا میں انسان کسی کا محکوم نہ رہے۔ حتیٰ کہ اس نے کہا ہے کہ تم پھر اپنے جذبات کے بھی محکوم نہیں رہتے۔ اور یہ آزادی کی انتہائی شکل ہے کہ جذبات بھی اس کے احکام کے تابع کام کریں۔ کسی انسان کا کسی دوسرے انسان کے اوپر حاکم ہو جانا یا حکومت کرنا' اس کا تو تصور ہی نہیں ہو سکتا اسلام کی رو سے۔ **ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتٰب و الحکمة و النبوة ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون الله** کسی بشر' کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا خواہ اسے قانون سازی کے اختیارات ہوں' خواہ وہ Executive اور انتظامیہ کے اختیار رہوں اور اگلا لفظ ہے خواہ وہ نبی بھی کیوں نہ ہو کہ وہ دوسروں سے کہے کہ تم میرے محکوم بن جاؤ۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ اسے یہی کہنا چاہیے کہ آؤ تم اور ہم اس کتاب کے ذریعے سے **یعلمنا الکتٰب و ما کنتم تدرسون** یہ کتاب جس کی ہم تعلیم حاصل کرتے ہیں جس پہ غور و خوض ہم کرتے ہیں اس کتاب کی اطاعت سے آؤ تم اور ہم مل کر ربی بن جائیں۔ فریضۂ نبوت' فریضہ رسالت بھی

یہ ہے کہ اس کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ کسی انسان کو اپنی محکومیت اختیار کرائے۔ وہ ہے مقامِ عبدیت' اس ایک کا ہو جائے۔ تو پھر تو جب وہ ادھر آ تا ہے تو وہ کہتا ہے ؟؟؟ **وجہت وجھه للذی فطر السمٰوٰت و الارض حنیفًا وما انا من المشرکین** یہ ہے دعویٰ حضرت ابراہیمؑ کی توحید کا کہ میں ساری دنیا سے کٹ کر منہ موڑ کر صرف ایک کو اپنی توجہات کا مرکز قرار دیتا ہوں اور وہ خدا ہے۔ اور اس اعتبار سے پھر میں مشرک نہیں رہتا۔ یوں انسان مشرک نہیں رہتا کہ ہر طرف سے کٹ کر منہ موڑ کر اپنی توجہات کا ایک نقطے کے اوپر ارتکاز کرے ایک کا محکوم ہو جائے' ساری دنیا کا حاکم ہو جاتا ہے۔ بلند پھر انسان سے تو اوپر کی دنیا ہو' انسان پہ تو انسان حاکم ہو ہی نہیں سکتا۔ **سخر لکم ما فی السمٰوٰت و الارض جمیعًا** پوری خارجی کائنات جو ہے اس کو مسخر کرے اس ایک کا عبد ہونے کے بعد۔ تو مقام عبدیت کوئی چھوٹا مقام نہیں ہے۔ وہ مقامِ عبدیت یہ بتاتا ہے اور ہم جو پھر چلتے ہیں اس پہ بڑے فخر اور تعظیم ہے کہ

وہی جو مستویٔ عرش ہے خدا ہو کر

اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ﷺ ہو کر

کیا بات ہے سبحان اللہ! وجد آ جاتا ہے۔

کہاں پہنچے ہوئے ہیں ہم۔ وہ جو اس نے کہا تھا کہ مومن ہوتے ہوئے بھی مشرک ہوتے ہیں۔ اور اس شرک میں (معاذ اللہ) ہم نے کس کو اپنا معبود بنایا ہے جسے خدا نے اپنا عبد کہا ہے ہم اسے کہتے ہیں کہ اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ﷺ ہو کر۔ اس کے اوپر فخر کرتے ہیں۔ بات میں کہہ رہا تھا کہ **ان ھو الا عبد انعمنا علیه و جعلنٰه مثلًا لبنی اسرآئیل** (43:59) یہ کہتے ہیں کہ تم حضرت عیسیٰؑ کی تعظیم و تکریم اور یہ کچھ کرتے ہو اتنا چڑھاتے ہو اور ہمارے بتوں کی مذمت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کی پوزیشن یہ ہے کہ خدا کا رسول تھا' نبی تھا' اس اعتبار سے' ورنہ وہ عبد تھا خدا کا۔ ہم بھی اگر اس کی عبودیت اختیار کر لیں تو ہم بھی خدا کے عبد ہیں۔ ہم تو سب خدا کے عبد ہیں اور اسے ہم نے نمونہ بنایا تھا بنی اسرائیل کے لیے کہ زندگی اس قسم کی بسر کرو لیکن ان لوگوں نے اس کے جو پیروکار ہیں جو اس کے امتی ہونے کے مدعی ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے خود یہ اس قسم کے عقائد وضع کر لیے ہیں۔ اور ان کے عقائد میں سے بنیادی چیز قرآن لے کے آیا ہے۔ میں پہلے قرآن کے متعلق بتاؤں کہ اس نے مکافاتِ عمل کے متعلق وہ بات کہی ہے جو نہایت مدلل ہے' Practicable ہے' جچتی ہوئی ہے۔ اور

انسانوں کے متعلق یہی ہونا چاہیے تھا کہ بہرحال انسان ہے ہزار احتیاط کے باوجود کہیں نہ کہیں کچھ چھوٹی موٹی لغزش ہو ہی جاتی ہے اتنے سے یہ ہمیشہ کے لیے مردود نہیں ہو جاتا۔ یہ بات نہیں ہے کہ وہ جنت میں اسے بھیجا جائے گا جو اس سے پہلے اس کو نہلا دھلا کے کفنا کے وہ کافور لگا کے پاک صاف کرلیا جائے گا کوئی گناہ نہیں ہوگا کوئی لغزش نہیں ہوگی وہ یہ معصوم یا تو فرشتے ہوتے ہیں یا پھر اس انسان کو پہلے ایسا معصوم بنا کے تو پھر جنت میں بھیجا جائے گا۔ باہر وہ؟؟؟؟ مقرر کر دیتے ہیں اور اس میں سے پھر یہ تصور ہے کہ یہ تھوڑی سی بھی جو بشریت کے اعتبار سے چھوٹی موٹی لغزشوں کی جو آلائش ہے وہ لے کر بھی جنت میں نہیں جائے گا نہا دھو کے وہاں جائے گا۔ کس قدر Practical Religion ہے' کس قدر دلائل پر مبنی ہے۔ وہ کہتا ہے انسان ہے لغزشیں ہوتی ہیں' ہم تو ایک ایک ذرہ اس کے عمل کا خیر کا بھی شر کا بھی تولیں گے دیکھنا یہ ہے کہ وہ پلڑا بھاری کونسا ہے۔ نجات کا معیار یہ قرار دیا۔ آپ دیکھیے کہ قرآن کہاں سے کہاں لے گیا۔ معصومیت نہیں کہ کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو' کوئی لغزش ہو ہی نہ ہو' تو پھر تو صاف ظاہر ہے کہ جنت میں ہی کوئی نہیں جا سکتا۔ شرط معصومیت کی نہیں ہے کہ جو ناممکن العمل ہے شرط یہ ہے کہ جسے آپ نیکیاں کہیے گا قرآن کی رو سے جنہیں تعمیری اعمال کہا جاتا ہے اس کا پلڑا جھکتا ہے۔ جسے میں سمجھانے کے لیے Passing Marks کہتا ہوں' اس میں حساب کے کئی سوال غلط بھی ہوتے ہیں' دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ اتنی سی اس میں علم میں ترقی کر لی ہے کہ اگلی کلاس میں جا کر یہ چل جائے گا۔ وہ یہ Expect کرتا ہے انسان سے۔ کس قدر انسانوں کی سطح کے اوپر آ کے گوندھ دیا گیا ہے ورنہ انسان تو مایوسی سے مر جائے۔

یہودیوں کے ہاں توبہ ہوتی ہی نہیں ہے۔ جو نہیں ہوتی تو اس کے بعد تو صاحب گناہ بھی ہوئے تو اب کیا کریں ان گناہوں کی رو سے تو جہنم میں گئے۔ انہوں نے کہا یہ ٹھیک ہے جائیں گے تو سہی وہ اس زمانے میں ہمارے بزرگ جو ہونگے وہ دفتر گئے ہوئے ہونگے ہمارے لیے پروانے بنانے کے لیے' وہ ان کو وہاں تین چار دن لگ جائیں گے اور اس کے بعد جب وہ لے آئیں گے ہمارے لیے راہداری کا پروانہ تو وہ دکھا کے جہنم کے داروغے کو تو وہ ہم سب کو نکال کے جنت میں لے جائیں گے۔ یعنی اس کے سوا اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا کہ وہاں سے پروانے بنا کے لائیں۔ یعنی خود ہی ایک ایسی چیز وضع کی جو Practicable نہیں ہے کوئی انسان بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ معصوم ہو کوئی ایک لغزش اور گناہ بھی نہ ہوا ہو۔ اب وہ جنت میں کیسے لے جائیں' لے جانے کی شرط یہ ہے کہ کوئی گناہ نہ ہو تو اب انہوں نے؟؟؟ یہ کی کہ وہ پروانے لے آئیں اور وہ لانے سے جب دکھایا گیا تو پھر یہ سارے گناہ دھل گئے۔

اب عیسائی آئے ۔ یہودیوں نے تو پھر بھی کہا تھا کہ چند دنوں کے لیے وہاں بھیج دیں گے ۔ تو یہ عیسائی اپنے ہاں کی دوکان کو More Attractive تو جبھی ادھر لوگ آتے ۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں یہ دو تین دن بھی نہیں یہیں یہیں معاملہ صاف ہو جائے گا کہ جو بھی حضرت عیسیٰؑ کے کفارے پہ ایمان لے آئے گا یہیں سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا ۔ یعنی قرآن نے ایک لفظ اس کے لیے کہا ہے کہ ان کا تصور یہ ہے کہ انسان کو ملائکہ کی طرح معصوم ہونا چاہیے جب وہ جنت میں جا سکتا ہے ۔ کہا یہ کہ اگر ہماری شرط یہی ہوتی تو ہمیں ضرورت کیا تھی کہ تمہارے جیسے انسان پیدا کرتا پھر ان کو کسی طرح سے فرشتے بناتا پھر ان کو جنت میں لے جاتا ۔ وہ اس طرح سے الٹا کے ناک کو ہاتھ لگانے کی ضرورت ہمیں کیا تھی ۔ کہا یہ تھی ان کی غلطی' انسانوں کو انہوں نے انسانوں کی سطح پہ نہیں رکھا ۔ یہ اس قسم کے عقائد ہیں ان کے کہ جن کی تصحیح کے لیے پھر یہ ایک نبی بھی آیا ہے اس کے ساتھ نئی کتاب بھی آئی ہے ۔ یہ پوزیشن تھی حضرتِ عیسیٰؑ کی ۔ اب آگے ایک بات آتی ہے ۔

آیت ہے **و انہ لعلم للساعۃ** (43:61) حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے' بڑی غور طلب چیز ہے ۔ **الساعۃ** کا جواب ہمارے ہاں مروجہ عقیدہ چلا آ رہا ہے پہلے اس کو لیتے ہیں پھر بات بعد میں سمجھ میں آئے گی ۔ قرآن نے یہ کہہ دیا کہ وہ تو **الساعۃ** کے لیے علم ہے ۔ علم کے معنی نشانی ہوتا ہے ۔ میں نے آپ کو بتایا ہے کہ ہمارے ہاں جہاں بھی **الساعۃ** کا لفظ قرآن میں آتا ہے **الساعۃ** ہی نہیں جہاں بھی اس قسم کی چیزیں آتی ہیں ہم نے تو قیامت تک اٹھا رکھا ہے یہاں تو کچھ ہوتا ہی نہیں ہے ۔ تو **الساعۃ** کا ترجمہ یا تفسیر ہمارے ہاں شروع میں جو ہوئی وہ قیامت ۔ اب **انہ** جو ہے اس کو کہا حضرتِ عیسیٰؑ کہ وہ قیامت کی نشانی ہیں ۔ یہ ہوا ترجمہ' یہ ہوئی تفسیر ۔ اب آگے خود ہی ہاتھوں سے دی ہیں اور دانتوں سے کھولنی شروع کیں ۔ تو یہ جب قیامت کی نشانی ہیں تو وہ تو رسول اللہ ﷺ سے بھی چھ سو سال پہلے ہو گزرے تو قیامت تو اس وقت بھی نہیں آئی اس کے بعد بھی نہیں ہے تو قیامت کی نشانی پھر کیسے بنے ۔ ہے ناں حل طلب سوال ۔ خواہ نصاب سے باہر ہے لیکن ہے تو ایسا جس کا جواب دینا چاہیے کہ صاحب ! پھر کیسے قیامت کی نشانی ۔ کہنے لگے ہاں ! بناتے ہیں ہم ۔ پھر کہا کہ وہ زندہ آسمان پہ چلے گئے ہوئے ہیں اور قیامت کے قریب پھر وہ دوبارہ زمین پہ آئیں گے ۔ اس طرح سے وہ قیامت کے آنے کی نشانی بنیں گے ۔ یوں آئیں گے وہ' اس وقت وہ وہاں آسمان پہ زندہ ہیں اور وہ آئیں گے تو وہ ان کا آنا جو ہے وہ پھر قیامت کی نشانی بن جائے گی ۔ یہ سارا مسئلہ جو ہے حیاتِ مسیحؑ' آسمان پہ ان کا جانا' ان کا زندہ رہنا' پھر اس کے بعد نازل ہونا یہ **لعلم للساعۃ** جو ہے اس کی تفسیر ہو رہی ہے ۔ ہم قیامت کی نشانی بنا رہے ہیں' یوں یہ

قیامت کی نشانی بنتے ہیں۔ وہ جو حضرتِ عیسیٰؑ کے متعلق: پیدائش ان کی بن باپ کے' وفات ان کی وفات نہیں بلکہ وہ زندہ وجاوید آسمان پر۔ یہ سارا قصہ جو تھا یہ جو عقائد ہیں میری کتاب میں آپ دیکھیں گے حضرتِ عیسیٰؑ کے زمانے میں یہ عقائد تھے ہی نہیں' بہت بعد کے یہ وضع کرتے ہیں۔ اور زیادہ تو ان میں شدت جب پیدا ہوئی ہے وہ تو یوں سمجھ لیجیے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہ مناظرے جو ہیں کہ قرآن آیا' ان کے ہاں تو یہ کتابیں اصلی شکل میں تھیں نہیں' عظیم انقلابی کتاب ہے' رسول آیا' اتنا بڑا انقلابی عظیم المرتبت رسول ﷺ' ان پر ایمان لانے کی دعوت۔ اب وہ جب مقابلے میں آتا ہے تو وہ اپنے ہاں والے کو ان سے بڑا کر کے دکھائے گا تو پھر مقابلہ جیتے گا میدان جیتے گا۔ وہ یہودیوں نے تو ایک ہی روایت میں ناس کر کے رکھ دیا (معاذ اللہ معاذ اللہ)۔ یہ ساری چیزیں وضعی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ معراج کی طرف تشریف لے گئے' اب حضرتِ موسیٰؑ کے متعلق تو ان کا یہ دعویٰ نہیں ہے معراج پہ جانے کا' طور تک ہی جانے کا دعویٰ ہے۔ یہاں ان کا دعویٰ ہوا کہ حضور ﷺ عرشِ معلیٰ تک گئے تو اب یہودیوں نے دیکھا کہ ان کا نبی جو ہے انہوں نے تو اس کو بہت بلند بتا دیا اوپر چلا گیا ہمارا نبی تو نیچے رہا اب کیا کریں۔ انہوں نے کہا بڑا آسان علاج ہے ''لنگناں تے ایہدروں دی اے ناں فیر'' (گزرنا تو یہیں سے ہے ناں)۔ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ جب حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو حضرت موسیٰؑ وہاں بیٹھے تھے علیک سلیک ہوئی انہوں نے کہا کہ فرمایئے! گئے تھے آپ خالی ہاتھ واپس آ گئے یا وہاں سے کچھ تحفہ بھی ملا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تحفہ ملا ہے' نمازیں پڑھنے کا امت کے لیے حکم دیا ہے۔ تو ان کے ہاں پانچ سو نمازیں' کم از کم بھی اس میں ہیں تو پچاس نمازیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ تحفہ دیا حضور ﷺ اس کو لے کے خوشی خوشی واپس جا رہے ہیں انہوںؑ نے کہا کہ ٹھہر جاؤ ذرا رک جاؤ' آپ کو پتہ ہے کہ یہ کیا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ بھی خوش چلے جا رہے ہیں۔ یہ پڑھی جائیں گی؟ یہ تو میں نے پہلے سوچا نہیں' اب بات سمجھ میں آئی آپ جو کہہ رہے ہیں تو پھر کیا کروں۔ انہوں نے کہا کہ جاؤ پھر' نہیں پڑھی جائیں گی۔ پھر بھیجا۔ دینے والے نے کہا اچھا! یہ بات ہے نہیں پڑھی جائیں گی چلو آدھی سہی۔ ''سودا ہون ڈیا اے'' (سودا ہو رہا ہے)۔ عزیزانِ من! بخاری شریف کی روایت ہے۔ اہل حدیث کا عقیدہ یہ ہے بخاری اور مسلم کی حدیث کی روایات کے متعلق کہ ان کی کسی ایک روایت سے بھی انکار کیا جائے تو مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے کہا ہے ذرا سنبھل کے ہنسا کرو۔ واپس گئے' آدھی رہ گئیں پھر آئے وہ کہنے لگے او یہ بھی نہیں پڑھی جائیں گی۔ پھر گئے پھر اس میں سے کم ہوا پھر واپس آئے اوئے انہوں نے کہا نہیں پڑھی جائیں گی پھر جاؤ۔ بہر حال آخر میں آ کے پانچ رہ گئیں'

انہوں نے کہا کہ یہ بھی نہیں پڑھی جائیں گی' آپ ﷺ نے کہا کہ بھئی! اب تو مجھے بار بار جاتے شرم آتی ہے۔ انہوںؑ نے کہا ٹھیک ہے آپ ﷺ اپنی شرم میں رہیے آپ ﷺ دیکھیے گا پھر امت کا کیا حال ہوتا ہے' نہیں پڑھ سکیں گے۔ کہنے ﷺ لگے اب میں نہیں جا سکتا۔ عزیزانِ من! اب آپ سوچیے یہ جو ہے یہودیوں کی تورات میں تالمود میں نہیں ہے آپ کی بخاری شریف میں یہ ہے۔ کیا مقام رہتا ہے نبی اکرم ﷺ کا' کیا مقام رہا اس معراج کا۔ ایک روایت میں ان یہودیوں نے ناس کر کے دکھا دیا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے ساتھ سازشیں کیا ہوئی ہوئی ہیں لیکن سب سے بڑی سازش یہ ہے کہ تورات اور انجیل اور اپنے ہاں کے تالمود میں نہیں انہوں نے اس چیز کو رکھا آپ کے ہاں کے ان مجموعوں میں رکھا جس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ اگر اس روایت کا بھی انکار آپ کرتے ہیں تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ منوایا یہ کہ یہ یوں ہوا تھا۔ اور عیسائیوں کے لیے تو آسان ہے جب یہ مخالف آتے تھے تو کہتے تھے سیدھی سی بات ہے ہمارے نبی بن باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ انفرادیت۔ اب اس پہ تو ان کو قابو نہیں تھا کیا کرتے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے نبیؑ زندہ آسمان پہ تو اس کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ

وہ رہ گئے چرخِ چہارم پہ جنابِ عیسیٰؑ

طے کیے حق سماوات کے میداں تو نے

تو آپ کے انہوں نے معراج شریف میں عرش تک بھیجا۔ عزیزانِ من! یہ نہ کہیے کہ میں معراج شریف کا کہہ رہا ہوں میں تو اس معراج کا کہہ رہا ہوں ورنہ نبوت تو شرفِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ ہے' میری کتاب کا نام معراجِ انسانیت ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ عرش تک تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے حضرتِ عیسیٰؑ کو اوپر چڑھا دیا۔ اب اس کے بعد یہ آیا کہ وہ واپس تشریف لائیں گے تو وہ پھر ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ کریں گے۔ اب یہاں پھر وہی بات آ گئی کہ غلبۂ اسلام جو ہے یہ نبی اکرم ﷺ یا ان کے بعد کے صحابہؓ یا امت تو نہیں کر سکے گی' انہوں نے کہا دیکھا! یہ جو کام رہ گیا تھا یہ پھر ہمارا ہی نبی آ کے کرے گا ناں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے ایک تصور مہدی علیہ السلام کا دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ آئیں گے۔ تو یہ ٹھیک ہے کہ دونوں کا نصب العین تو ایک ہو گا لیکن پہلے حضرتِ عیسیٰؑ ان کے ہاتھ پہ مسلمان ہونگے۔ تا کہ ان کی وہ جو دلیل ہے کہ جو کام تمہارے ہاں سے نہ ہو سکا ہمارے نبی نے آ کے کیا اس کو کسی طرح سے رد کر دیا جائے۔ اور مطمئن ہو گئے کہ ہم نے دلیل کا جواب دیدیا۔ ان کے ہاتھ پہ اسلام لا کے مسلمان ہو کے ان کی اتباع میں ان کے پیچھے نماز پڑھ کے پھر یہ دونوں مل کے جائیں گے اصل

کام تو پھر امام مہدی کا ہوگا۔شیعہ حضرات کا مہدی کے متعلق اپنا ایک عقیدہ ہے۔میں جیسا کہا کرتا ہوں مجھے تو فرقہ بندانہ عقائد سے واسطہ نہیں ہوتا۔سنیوں کے ہاں یہ عقیدہ ہے انتظار ہو رہا ہے۔وہ حضرتِ مسیحؑ کی آمد کا بھی انتظار ہو رہا ہے مہدی کا بھی انتظار ہو رہا ہے۔جب کوئی آ کے کہتا ہے کہ ہم آ گئے ہیں تو اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔جس زمانے میں یہ چیز مناظرے کی ہوا کرتی تھی اس زمانے کی یہ بات ہے میں نے کہا یہ تم لوگوں نے عجیب چیز رکھی ہوئی ہے مجلس قائم ہے اس میں ایک کرسی بچھا رکھی ہوئی ہے صدارت کے لیے تو جو اس پہ آ کے بیٹھتا ہے تم اس کے پیچھے جوتا لے کے پڑ جاتے ہو' اوا س کرسی کو کیوں نہیں اٹھا دیتے۔عزیزانِ من! جب بھی قرآن کی روش سے یوں لغزش آئی تو پھر یہ ساری چیزیں آ جاتی ہیں اس کے ساتھ۔نہ علم' نہ بصیرت' نہ دلیل' نہ برہان' نہ عقیدہ' نہ قرآن' کچھ باقی نہیں رہتا اس کے بعد' صرف توہم پرستی رہ جاتی ہے یا پھر دوسروں کے ساتھ مقابلے میں مناقشت کا جذبہ کہ یہ بڑھ کس طرح جائے ہم سے۔میں تو کبھی سنایا نہیں کرتا جو عمران مناظروں میں ہماری گزری ہے۔بہرحال کچھ عجیب چیز تھی۔دماغ تو ایسا ہی پایا تھا کہ مناظرے کے اندر جو دلیلیں دیتے تھے کہ معاذ اللہ اب اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتے ہیں۔خیر! بات میں وہ کیوں کروں۔**انہ لعلم للساعة** (43:61) قرآنِ کریم میں آپ دیکھیے **الساعة** قیامت ہی نہیں ہے یہ یہاں جو انسانوں کی دنیا کے اندر منفرد انقلاب آتے ہیں اس کے لیے یہ لفظ **الساعة** قرآن نے استعمال کیا ہے۔یہی انقلابِ عظیم جو نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں آیا تھا اس کے لیے **الساعة** کا لفظ قرآن میں آیا ہوا ہے۔اور یہ کوئی چھوٹی قیامت نہیں ہوتی' Inverted Commas میں میں اب قیامت کہوں گا۔انقلاب اس قسم کا آ جانا یہ تو قریشِ عرب سے پوچھیے کہ یہ قیامت کیا آئی تھی ان کے لیے۔پوچھیے ایران کے مجوسیوں سے' پوچھیے رومۃ الکبریٰ سے' کہ وہ قیامت کیا آئی تھی۔نہ ملوکیت باقی' یا کہیے یوں کہ نہ قیصر و کسریٰ باقی' نہ فرعون باقی' نہ قارون باقی' نہ ہامان باقی۔اندازہ لگایئے اس قیامت کا۔انسانوں کے ہاتھ سے اقتدار چھنے' غصب و نہب کرنے والوں کے ہاتھوں سے سرمایہ داری کے سامان اور ذرائع چھنے' مذہبی پیشوائیت کے ہاتھوں یہ غلط اور باطل کے جتنے عقائد اور ان کی تعظیم و تکریم کی چیزیں تھیں یا پیشہ وارانہ مفاد تھے سب چھنے۔انسان مساوات کی صف میں کھڑے ہو گئے۔عزیزانِ من! یہ کوئی چھوٹی قیامت تھی! یہ ہے **الساعة** ۔**ان تاتیھم بغتة و لھم لا یشعرون** (43:66) کہا کہ کیا اب یہ انتظار کر رہے ہیں کہ یہ انقلاب جو آنے والا ہم کہہ رہے ہیں وہ آئے' وہ یکلخت آئے گا ان کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کیا قیامت آ گئی ہے۔یہ چار آیتوں کے بعد یہی **الساعة** کا لفظ پڑا ہوا ہے۔اور میں نے عرض کیا ہے

سارے قرآن میں ہے' جتنے عظیم انقلاب اس قسم کے آئے ہیں Partial نہیں پورا انقلابِ عظیم جو آتا ہے اس کے لیے **الساعة** کا لفظ قرآن میں آتا ہے۔حضرت عیسیٰؑ کا عیسائیوں نے بھی کچھ اس قسم کا نقشہ دیدیا' ہم نے بھی اپنے ذہن میں یہ کہ ایک خرقا پوش درویش' مظلوم' مقہور' کمزور' ضعیف انسان' چند حواری ساتھ' ان کو لیے لیے بھاگے پھر رہے ہیں' اس کے بعد ان لوگوں نے جھپٹا مارا ان کو پکڑا صلیب دیدیا معاملہ یوں ختم ہوا۔عیسائیت نے کہا کہ نہیں! وہ صلیب پہ نہیں مرے وہ زندہ آسمان پہ چلے گئے۔بس اتنا سا نقشہ ہے۔ان کا کوئی کارنامہ جیسا کہ رسولوں کا ہوتا ہے' کوئی مشن کی تکمیل' مقصدِ عظیم جو وہ لے کے آئے کہیں نہیں آتا۔بہرحال وہ چیز جو دیکھنی ہو تو وہ میری کتاب ''شعلۂ مستور'' میں دیکھیے۔یہ بھی اتنا ہی بڑا عظیم مقصد لے کے آئے تھے جیسا مقصد حضرتِ موسیٰؑ یا فلاں انبیائے کرامؑ لے کر آئے تھے۔انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے چھڑانا نبیوں کا رسولوں کا مقصد ہوتا تھا۔حضرت موسیٰؑ آئے' فرعون جیسے مستبد بادشاہ کے پنجۂ استبداد سے بنی اسرائیل کو چھڑانے کے لیے۔ان کی پوزیشن ذرا سی Advantageous اس لیے تھی کہ یہ قومِ بنی اسرائیل جو تھی اس نے بہرحال ساتھ دیا تھا' خوئے غلامی میں یہ پختہ تو ہوئے ہوئے تھے لیکن اتنا ضرور تھا کہ جب یہ ان کو لے کے نکلے ہیں تو ان کے ساتھ چلے آئے تھے۔حضرتِ عیسیٰؑ کے زمانے میں یہی بنی اسرائیل تھے جن کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے' آپؑ انہی میں سے تھے۔اب وہ ایک فرعون' رومة الکبریٰ' رومن امپائر آپ سوچیے اس زمانے کی اس کے پنجۂ غلامی میں یہ جکڑے ہوئے یہ بنی اسرائیل یا یہودی۔یہاں سے ان کو نکالنے کے لیے آئے تھے لیکن یہاں مشکل یہ آ پھنسی کہ وہاں ہامان جو تھا وہ دوسری قوم تھے یہ ان کی اپنی قوم کے ہامان تھے جو ہیکل کے اندر پریسٹ تھے جو مذہبی پیشوائیت جو ان کے ہاں کی تھی احبار و رہبان جو ان کے ہاں کے تھے۔حکومت کے ساتھ سمجھوتہ ہو گیا ہوا تھا کہ شریعت جو ہے اس کا دائرہ ان کے پاس وہاں ان کی حکمرانی' سیاست میں ان کی حکمرانی۔اور یہی نہج چلا آ رہا ہے پیشوائیت اور ملوکیت میں سمجھوتے کا۔اب جو ان کی حکمرانی اپنے ہاں تھی ان کے اختیارات صرف سزائے موت کے لیے ان کو گورنر جو تھا رومنز کا اس کی توثیق کی Confirmation کی ضرورت ہوتی تھی وہاں سے' اس سے نیچے ہر سزا بھی خود دے سکتے تھے۔اتنے اختیارات تھے ان کے۔اب بھی ان کے ہاں عیسائیوں میں جب یہ چیز بعد میں آئی ہے تو ویٹی کن ایک سلطنت ہے خواہ ایک شہر کے اندر ہی کیوں نہ ہو' باقاعدہ ایک مملکت ایک امپائر مل جاتی ہے' یو این او کے اندر ان کا Representative ہوتا ہے' اس کے Ambassidors ہوتے ہیں' ایک حکومت ہے اپنی۔یہ ان کی حکومت تھی یہودیوں کے احبار و رہبان کی۔یہ جو نعرۂ انقلاب تھا

حضرتِ عیسیٰؑ کا ہر رسول کی طرح' ایک طرف وہ روما کے قیصر سے بھی اعلان تھا جنگ کا' ایک طرف ان کے ساتھ بھی اعلانِ جنگ تھا۔تو گویا حضرتِ موسیٰؑ کے مقابلے میں ان کا مشن اور زیادہ دشوار اور مشکل تھا۔اور جس قدر رکاوٹیں ان کے راستے میں آئیں' جس قدر مصیبتیں آئیں وہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے زیادہ آئی تھیں۔اگر یہ ان کے ہی ہاں کی وہ تعبیر یا داستان مانی جائے کہ صلیب پہ لٹکانے کا تو فیصلہ انہی مذہبی پیشواؤں کا تھا گورنر سے تو صرف اس کی Confirmation انہوں نے کرائی تھی۔آپ نے انتہائی کوشش کی اور اس کے بعد ان سے کہا کہ تم لوگ بے ایمان تھے' یہ سلسلہ یونہی ختم نہیں ہوگا جس قیامت کا جس انقلابِ عظیم کا میں تم سے ذکر کرتا ہوں اس کی وارننگ تمہیں دیتا ہوں وہ تو آ کر رہے گا۔ضروری نہیں ہے کہ میری زندگی میں میرے ہی ہاتھوں سے ہو' یہ تو سلسلہ آگے بھی چلے گا اس کے بعد ایک آنے والا آئے گا اس کی تکمیل وہاں ہو جائے گی۔عجیب بات ہے اگر چہ یہ اناجیل بے حد محرف ہیں ان کے اندر تحریف ہو چکی ہے اپنی اصل شکل میں نہیں ہے لیکن اس قسم کی بچی کھچی چیزیں وہاں موجود ہیں کہ جن کے متعلق اب بحث عیسائیوں کی یہی ہوتی ہے کہ نہیں! یہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بات نہیں کی تھی' کوئی اس مطلب تھا۔کچھ بھی ہے یہ چیزیں ابھی موجود ہیں۔یہ یاد رکھیے! کہ حضرتِ ابراہیمؑ کے جو دو بیٹے تھے حضرت اسحاقؑ' ان کی نسل جو آگے چلی تو یہ بنی اسرائیل تھے جن کو یہودی کہتے ہیں۔اسرائیل' حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا اسی سے یہ بنی اسرائیل آگے چلاتے ہیں۔حضرتِ اسماعیلؑ جن کو حضرت ابراہیمؑ نے حجاز میں بسایا تھا ان کی شاخ یہ اسماعیلؑ کی اولاد جو ہے یہ عرب تھے جو اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے۔تو گویا یہ دونوں اُدھر سے بنی اسرائیل اور ادھر سے یہ گھرانہ جس میں نبی اکرم ﷺ پیدا ہوئے یہ گویا ایک دوسرے سے چچیرے بھائی جن کو آپ کہتے ہیں یہ آپس میں ان کا تعلق تھا لیکن دو شاخیں تھیں ''تے شریکا ایناں داڈاہڈا اسی۔شریکا تے شاید تسی سمجھو لیکن ہُن تے ہور طراں دے شریکے ہوندے نیں'' یعنی ان کی آپس میں مخاصمت اور عداوت شروع سے چلی آ رہی تھی۔اس لیے یہ ان کی کتابوں میں بھی جو آخری انقلاب آنے والا تھا وہ بنی اسماعیل کے ہاتھوں سے آنے والا تھا۔بنی اسرائیل کے ہاں سے یہ سب چیزیں چھن کے ادھر آنے والی تھیں۔عجیب بات ہے کہ یہ محرف اناجیل میں بھی یہ چیزیں جو ہیں اس میں بھی ملتی ہیں۔یہ دوسری انجیلیں تو ایک طرف' وقت نہیں ورنہ میں بتاتا انجیل برنباس جو ہے اس میں دیکھیے اس میں تو نبی اکرم ﷺ کا نام تک لکھا ہوا ہے۔برنباس بھی حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے تھے ان کی انجیل مل گئی ہوئی ہے' چھپ گئی ہوئی ہے۔یہ اُس کو نہیں Recognize کرتے کہتے ہیں وہ وضعی ہے۔جو ان کی اپنی ہیں اس میں بھی یہ چیزیں ہیں۔انجیل متی میں

ہے حضرتِ عیسیٰؑ کا انداز جو تھا وہ تمثیلات میں ساری بات کرتے تھے۔نظر یہ آتا ہے کہ وہ اس قدر استبداد تھا اس قدر زیادہ رومن امپائر کا سخت قسم کا ٹیمپل تھا کہ وہ برہما آباد جو تھی وہ ہونے نہیں دیتے تھے۔تمثیلات اور تشبیہات میں اسی صورت میں باتیں کی جاتی ہیں کہ وہ سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ بات کیا کہی گئی' گرفت میں نہیں آتی۔آپ کا سارا بیان آپ دیکھیں گے تمثیلات اور تشبیہات کے انداز میں ہے۔اگرچہ ادبی لحاظ سے وہ بڑی عمدہ تشبیہیں ہیں لیکن نظر آتا ہے کہ حرفِ برہنہ جسے آپ کہتے ہیں کھل کے انہی الفاظ میں بات کہہ دینا یہ انداز نہیں ہے اس کا' یہ انداز قرآن کے اندر ہے۔متی کی انجیل ہے ایک اور تمثیل سنو۔ایک گھر کا مالک تھا جس نے انگوری باغ لگایا اور اس کے چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور؟؟؟؟ بنایا اور اسے باغ بانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا اور باغبانوں نے اس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا کسی کو قتل کیا کسی سنگسار کیا۔آپ دیکھتے ہیں کس طرح سے بات سے بات کہتے چلے جا رہے ہیں۔پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔آخر اس نے اپنے بیٹے کو اپنے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہ وارث ہے آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر باغ سے نکالا اور قتل کر دیا۔پس جب باغ کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا۔انہوں نے اس سے کہا کہ ان برے آدمیوں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری تمہاری نظروں میں عجیب تھا اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کو پھل لائے گی دیدی جائیں گی۔اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔آپ دیکھتے ہیں تمثیل ہی تمثیل میں کس طرح سے ساری بات کہہ گئے۔اور جب سردار' کاہنوں اور فریسیوں نے اس سے تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ یہ تو ہمارے ہی حق میں کہہ رہا ہے۔عزیزانِ من! یہ **لعلم للساعة** جو ہے اس کی تفسیریں یہ آ رہی ہیں۔ایک اور جگہ یہ واضح الفاظ میں بھی کہا تھا۔یہ دوسری جگہ یوحنا کی انجیل میں کہا ہوا ہے۔لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔یہ ترجمہ ان لوگوں نے کر دیا ہوا ہے مددگار' وہ زبان تو حضرت عیسیٰؑ کی ارمی تھی' ایرانی زبان میں تو کوئی نسخہ انجیل کا ہے ہی نہیں' اس کا ترجمہ یونانی میں ہوا تھا۔اصل یونانی میں بھی کوئی نسخہ

موجود نہیں ہے اس کے تراجم جو Latin میں ہوئے تھے وہی بعد میں ملے وہی ترجمے انگریزی میں ہوئی وہی اردو میں ہوئے۔اور آپ حیران ہونگے میرے ہاں یہ کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔ان کے ہاں ہر نیا ایڈیشن اسی زبان کا جو ہے پہلے ایڈیشن سے مختلف ہوتا ہے۔ایک لفظ تھا فارکلیت' پھر اس کے ترجمے جو وہ مختلف ہونے شروع ہوئے۔قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰؑ کی جو پیش گوئی حضور ﷺ کے متعلق کہی ہے اس میں وہ احمد اس میں لکھا ہوا ہے۔تحقیق کے بعد معلوم ہوا جہاں تک بھی وہ یونانی لفظ ہی تھا جس کو یہ فارکلیت کی جگہ اس کے معنی متعین کر سکتے تھے اس کے لیے ترجمہ یہی احمد ہی ہوسکتا تھا محمد کے مقابلے میں۔اور حضور ﷺ کے تو دونوں نام ہیں۔برنباس نے تو یہ نام لکھ دیا ہوا ہے۔انہوں نے یہ کہا تھا لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔اب ترجمہ ان کا یہ کیا۔ایک انگریزی کا جو ترجمہ میرے پاس ہے اس میں Consortor ہے اس کا ترجمہ۔اردو میں جو ہے وہ مددگار ہے اس کا ترجمہ۔انگریزی تھوڑی سی جاننے والا بھی جانتا ہے کہ Consortor اور مددگار میں کیا فرق ہوتا ہے۔اسے چھوڑیئے یہ بیچارے کیا کریں۔لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ رہو کیونکہ شروع ہی سے تم میرے ساتھ اور وہ میرے پیغام کی تکمیل کرے گا۔یہ ان کی ان محرف انجیلوں میں ہی موجود ہے۔یہی تھی وہ **الساعة** ' یہودیوں کے لیے بھی یہ قیامتِ کبریٰ' عیسائیوں کے لیے بھی یہ قیامتِ کبریٰ' رومن امپائر کے لیئے' ایران کے کسریٰ کے لیے بھی۔اور اگر اوپر کے درجے تک چلے جائیں آپ تو آپ دیکھیں گے اس چودہ سو سال کے اندر ساری دنیا کے عقائد' مسالک' نظریات' آئیڈیالوجی' کے اندر جتنی تبدیلیاں آئیں ہیں وہ Directly یا Indirectly بالواسطہ یا بلا واسطہ وہ وہی ہیں جو قرآنِ کریم نے کہی ہیں۔انقلابِ عظیم تو یہ ہے یہ ہے **الساعة** جو قرآن نے کہا ہے۔یہ حضرتِ عیسیٰؑ اپنے آخری دور میں جب انہوں نے اس سازش کو دیکھا کہ یہ لوگ تو اب پکڑ کر صلیب پہ لٹکانے کی فکر کر رہے ہیں وہ اپنے حواریوں کے ساتھ ایک عظیم مشورے کے لیے وہاں سے چلے گئے تھے پہلے ہی نکل گئے تھے' ہجرت کر گئے تھے کسی دوسرے مقام کی طرف۔لیکن جاتے جاتے ان سے یہ کہہ گئے تھے کہ تم نے مایوس نہ ہونا یہ سلسلۂ انبیائے کرامؑ الگ الگ نہیں ہوتا ہم سب ایک ہی ہوتے ہیں ایک ہی طرف سے آتے ہیں ایک ہی پیغام لاتے ہیں ایک کے پیغام کی تکمیل دوسرے کے ہاتھوں سے ہوتی ہے میرے بعد تکمیل کرنے والا جو ہے وہ آئے گا۔اور قرآن میں جو سورۃ اعراف میں ہے کہ وہ ان زنجیروں کو توڑ دے گا جن میں انسانیت جکڑی ہوئی ہے' ان بوجھل سلوں کو اتار پھینکے گا جس کے نیچے انسانیت دبی ہوئی ہے۔اور وہاں

ہے کہ جب یہودیوں نے حضرتِ موسیٰؑ سے یہ کہا کہ ہمارے لیے نجات اور سعادت کی راہ کونسی ہوگی؟ تو انہوں نے کہا کہ جب وہ آنے والا آئے گا جو اس کا اتباع کرے گا فوز وفلاح اس کے نصیب میں ہوگی۔ یہ انبیائے کرامؑ آپس میں دشمنی کا رشتہ نہیں ہوتا رقابت نہیں ہوتی یہ تو ایک ہی سرچشمہ تھا جہاں سے یہ سب کو پیغام ملتا تھا اور وہ اس پیغام کو پہنچانے آتے تھے ان پر عمل کرانے آتے تھے۔ اور اگر اس انبیائے کرامؑ کی تاریخ کو' اس ارتقائی یا تدریجی نقطۂ نگاہ سے مدون کیا جائے جیسا میں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے نظر آئے گا کہ ایک نبی جہاں چھوڑ جاتا تھا ایک انقلاب کی سٹیج کو' اگلا نبی وہاں سے آگے اس کو لے کے آتا تھا۔ اور حضورِ نبی اکرمﷺ خاتم النبیین تو بعد میں ہیں' مکمل کرنے والے ہیں اس انقلاب کے۔ **تمت کلمت ربک صدقًا و عدلًا** ' تمت ہے' **اکملت لکم دینکم** یہ **دینکم** رسول اللہﷺ کا ہی دین نہیں ہے یہ تو چلا آ رہا تھا وہ دین' اس دور میں انقلابِ عظیم کی تکمیل ہوئی ہے۔ اس لیے یہ جو انبیائے سابقہ کے مشن تھے ان مشنز کے مقابلے میں کوئی الگ مشن یا پروگرام نہیں تھا اسی سلسلۂ زریں کی آخری کڑی تھی جس میں تکمیل تک بات آ کر پہنچی۔ **و انه لعلم للساعة فلا تمترن بها و اتبعون هٰذا صراط مستقيم** (43:61) یہ حضرتِ عیسیٰؑ کے متعلق اگر ہے **انه لعلم للساعة** ٹھیک ہے تو وہ اس اعتبار سے اس **الساعة** کی نشانی دینے والے تھے کہ جواب نبی اکرمﷺ کے ہاتھوں سے رونما ہو رہا ہے۔ یہی تھا ناں کہ جو عرب کے مشرکین جس کے خلاف تھے' یہ اہلِ کتاب بھی جس کے خلاف تھے وہ **الساعة** جو تھی کہا کہ اس کی تو نشانیاں تمہارے اپنے پیغمبر گنا گئے ہوئے ہیں۔ وہی پیغام ہے جواب آنے والا ہے۔ اور ایک اور سی چیز بھی ہے نگاہ اس طرف بھی جاتی ہے ہوسکتا ہے کہ یہی مفہوم ہو **انه** میں جو ھو ہے یہ قرآن کے متعلق بھی ہوسکتا ہے کہ یہ قرآن حقیقت میں اس انقلابِ عظیم کا اعلان کرتا ہے اس کی نشانی بنتا ہے جواب آنے والا ہے۔ **فلا تمترن بها** (43:61) اس کے متعلق کسی قسم کا کوئی شک نہ کرو **و اتبعون** (43:61) میں نبی اکرمﷺ ہیں کہ اس کا عملی طریق یہ ہے کہ اس کو تو شک وشبہ سے بالا سمجھو جو یہ کہہ رہا ہے' عملی طریق یہ ہے کہ میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ **هٰذا صراط مستقيم** (43:61) یہی سیدھا سچا راستہ ہے جو تمہیں انقلاب کی آخری منزل تک لے جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے۔ قرآنِ کریم کے انداز میں یہ ہے کہ ھو کے لیے ضروری نہیں کہ ہر جگہ قرآن لکھا ہوا ہو' کئی مقامات ہیں جس میں وہ ضمیر صرف لاتا ہے Pronoun لاتا ہے اور یہ Specifically ساتھ اس کے قرآن کا لفظ نہیں لاتا۔ بہت مقام ہیں۔ تو بہرحال حضرتِ عیسیٰؑ کے متعلق ہے تو ان کی اناجیل میں یہ چیزیں موجود ہیں جنہیں پیشین گوئی کہتے ہیں۔ یہ پیشین گوئیاں نبیوں کی نہیں ہیں خدا

کی طرف سے وحی کے ذریعے سے یہ چیزیں ان سے کہی گئی تھیں۔پیشین گوئی تو آنے والے غیب کا جوعلم ہے اسے کہتے ہیں یہ تو خدا نے کہا ہے کہ ہمارے سوا کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔کسی انسان کے متعلق یہ کہنا وہ پیشین گوئی کرتا ہے یہ تو خدا ہی بن جانے والی بات ہے غیب میں اس کو شریک کرنے والی بات ہے۔سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اور یہاں ہمارے ہاں کے بڑے بڑے مقرب بلکہ جنہوں نے وہ نبی ہونے کا بھی دعویٰ اس نے کردیا' دعوے کی ساری دلیلیں پیشین گوئیاں ہیں۔یعنی اتنی بات کوئی نہیں سمجھتا کہ کوئی انسان اگر یہ کہتا ہے کہ میں آنے والے واقعات کے متعلق تمہیں بتا تا ہوں تو وہ تو غیب کے علم کا مدعی ہے۔اور قرآن کہتا ہے کہ یہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے نبیوں میں سے بھی جسے خدا نے وحی کے ذریعے کچھ دیا اتنا غیب کا علم اسے تھا۔رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ مجھے بھی غیب کا علم نہیں ہے۔اور یہاں روز پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔میں عرض کر رہا ہوں کہ جب گاڑی دوسری پٹڑی پہ جا پڑے تو پھر وہ کتنی تیزی سے جائے وہ غلط راستے کے اوپر ہی تیزی ہوتی ہے ہر سٹیشن جو آتا ہے وہ وہ سٹیشن نہیں ہوتا جو اس کو منزل کی طرف لے جاتا ہے کوئی اور ہی سٹیشن ہوتا ہے۔یہ جو چیز کہی گئی کہ ان انبیائے کرامؑ نے ایک نے آنے والے کے متعلق یہ بات کہی تو خدا کی طرف سے وحی کی رو سے یہ چیز کہی گئی تھی۔پیشین گوئی ایک انسان کی حیثیت سے نہیں تھی۔میں نے کہا ہے رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ مجھے بھی غیب کا علم نہیں ہوتا بجز اس کے کہ وحی کے ذریعے سے خدا نے مجھے دیدیا۔خدا تو یہ انبیائے سابقہؑ کی داستانیں بیان کرتا ہے ان کے متعلق بھی بعد میں کہتا ہے کہ اے رسول! تُو تو جانتا ہی نہیں تھا تُو وہاں تھا ہی نہیں جب موسیٰؑ طور کی طرف گیا ہے' تُو وہاں موجود ہی نہیں تھا جب حضرت مریمؑ کے ہیکل کے اندر پرورش دینے والے جو تھے وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ کس کی تولت میں یہ جائے گا۔تُو تو وہاں تھا ہی نہیں' یہ غیب کی باتیں ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔**ھٰذا صراط مستقیم . ولا یصدنکم الشیطٰن انه لکم عدو مبین** (43:61-62) یاد رکھو! یہ صراطِ مستقیم ہے سیدھی جانے والی' اس کے راستے میں شیطان کھڑا ہو جائے گا آ کر۔آپ کو تو معلوم ہے کہ یہ ایک تو وہ شیطان ہے کہ جس کے لیے ہر گناہ کی ذمہ داری ہم اپنے اوپر نہیں لیتے ہم نے ایک مقرر کر رکھا ہے اس کے سر تھوپ دیتے ہیں ''پتہ نئیں اوہدا حلیہ کی بنڑیا ہویا ہو گیا اے ایس ویلے تیکر' ہر شخص اپنا کیچڑ اوہدے تے سٹن ڈیا اے'' (پتہ نہیں اب تک اس کا حلیہ کیا بن چکا ہوگا' ہر شخص اپنا کیچڑ اس پہ ڈال رہا ہے) اور وہ اتنا سخت ہے کہ یہ لاکھوں کی تعداد میں اسے ہر سال وہاں پتھر مارتے ہیں وہ ڈٹا ہوا ہے اسی طرح سے۔یہ جو تصور ہے شیطان کا کہ یہ شیطان نے کرا دیا یہ خود اپنی ذمہ داری قبول کرنے سے فرار

ہے Escapism ہے۔اپنے ذہن میں ایک قرار دے رکھا ہوا ہے اس سے ہمیں تسکین ہو جاتی ہے کہ میں نے نہیں یہ کچھ کیا۔آپ کو یاد ہوگا جو میں کہا کرتا ہوں کہ یہ وہ مسلک ہے جو خود ابلیس نے اختیار کیا تھا یعنی شیطان نے بھی یہی مسلک اختیار کیا تھا۔جب معصیت کی آدم نے آدمی نے معصیت کی تو اس سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و رحمنا لنا کوننا من الخٰسرین** میرے پروردگار! بھول ہوگئی' غلطی ہوگئی' مجھ سے لغزش ہوگئی' میں اس کا اعتراف کرتا ہوں' اگر تو رحم نہیں کرے گا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔کہنے لگے کہ تم نے اپنی ذمہ داری کو قبول کیا اپنی لغزش کا اعتراف کیا تم میں اصلاح کا امکان ہے' ہم صحیح راستہ دکھاتے چلے جائیں گے جو بھی اس کو اختیار کرے گا **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** کچھ نہیں بگڑے گا' گھبراؤ نہیں' مایوس مت ہو۔''مایوس مت ہو' بڑی چیز ہے یہ۔ابلیس کے تو لفظی معنی ہی مایوس کے ہیں۔ابلیس سے پوچھا تو نے کیوں انکار کیا معصیت کی؟ کہنے لگا کہ کیا کہہ رہے ہیں آپ! میں کون ہوں تمہارے حکم کے خلاف معصیت کرنے والا' تیرے حکم کے بغیر تو پتا نہیں ہلتا یہ سب تو نے کرایا ہے مجھ سے۔کہا کم بخت! اپنی لغزش کا اعتراف نہیں کرتا ذمہ داری سے فرار حاصل کرتا ہے' تیری اصلاح کا کوئی امکان نہیں ہے۔بات ختم ہوگئی۔قصہٗ ابلیس و آدم ہے ہی اتنا۔اور ہم ہیں کہ ساری عمر یہی چیز جو ہے اسی ابلیس کو اسی شیطان کو ہم نے اپنا وہ بت بنایا ہوا ہے جس کو پتھر مارتے رہتے ہیں۔وہاں جا کے عملاً ایسا کرتے ہیں ہم ہر وقت ایسا کرتے ہیں کہ شیطان نے گمراہ کر دیا' شیطان نے یہ کرا دیا' سب چیزیں اس کے ذمے۔اس نے کہا خدا نے کرا دیا' ہم نے کہا اس نے کرا دیا تو Ultimately جو ہے Indirectly تو بات وہیں جا پہنچی۔اس چیز کو یاد رکھیے جو قرآن نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی ذمہ داری سے فرار حاصل کرتا ہے اور دوسرے کے اوپر تھوپتا ہے خواہ وہ کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو یاد رکھیے! ابلیسی مسلک ہے۔اور ابلیس کے معنی میں نے کہا ہے کہ مایوس ہیں' وہ کرتا ہے تو اس وقت شیطان کہلاتا ہے' اپنے مشتعل جذبات کے ماتحت ایک چیز کر گزرتا ہے اور اس کے بعد جب دیکھتا ہے اس کے عواقب اور اس کے نتائج تو اس سے پھر مایوسی ہوتی ہے۔بجائے اس کے کہ اس کا اعتراف کرے کہ مجھ سے یہ غلطی ہوئی تو پھر اصلاح کر لے وہ کہتا ہے کہ نہیں! لاحول ولاقوۃ الا باللہ' اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم' شیطان انسان کے لیے یہ کچھ کر جاتا ہے' وہ شیطان کے ذمے کیا آپ بری الذمہ ہو گیا۔یہ وجہ ہے کہ ہمارے ہاں غلطی' معصیت' لغزشیں جتنی ہیں پختہ سے پختہ تر ہوتی رہتی ہیں' ہم ان کی ذمہ داری ہی نہیں قبول کرتے۔یہ چیز جو تھی یہ کہا **ولا یصدنکم الشیطٰن انه لکم عدو مبین** (43:62) یاد رکھو! تمہارے سرکش جذبات'

تمہارے راستے میں کہیں کھڑے نہ ہو جائیں' بڑا سخت دشمن ہے تمہارا وہ جو ہے' تمہیں راہِ راست پہ آنے ہی نہیں دیتا۔

وقت بھی ہو گیا ہے۔ آج کے اس موسم میں آپ احباب کا سکون سے بیٹھ جانا باعثِ شکریہ ہے۔

سورۃ زخرف کی آیت 62 تک ہم آ گئے' 63 ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

بڑا اہم اعلان ہے۔ اس دفعہ گورنمنٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس یومِ آزادی کی تقریب کو حکومت کی یا قوم کی سطح پر عام منایا جائے۔ اس کے جو پروگرام آ رہے ہیں ریڈیو پہ' ٹیلی ویژن پہ' اخبارات پہ' تو وہ صبح سے ہی شروع ہو جاتے ہیں نو بجے سے بھی ذرا پہلے سے اور پھر مسلسل وہ چلتے رہتے ہیں۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج اگست 1981ء کی 21 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الزخرف کی آیت 63 سے ہو رہا ہے 43/63 ۔

سابقہ جمعہ کو یومِ آزادی کی تقریب کی وجہ سے درس کا ناغہ رہا تھا تجدیدِ یاداشت کے لئے عرض کردوں کہ اس میں آخری آیت یہ تھی جس میں حضرتِ عیسیٰؑ کو علم الساعت کہا گیا تھا اور میں نے یہ بتایا تھا کہ ساعت کا ترجمہ قیامت کرکے پھر یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ قربِ قیامت کو آسمان سے نازل ہونگے اور پھر آگے وہ سارا قصہ امام مہدی آئیں گے اور پھر ساری دنیا میں اسلام کا غلبہ ہوگا تو میں نے عرض کیا تھا کہ یہ ایک چیز الساعت کو قیامت تصور کرکے اس بنیاد پر پھر ساری عمارت استوار کی گئی، قرآنِ کریم میں الساعت متعدد مقامات پر آیا ہے یہ ایک یکا یک آنے والے انقلاب کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور قرآن میں تو یہ اس انقلابِ عظیم کے لئے لفظ آیا ہے جو نبی اکرمؐ کے ہاتھوں رونما ہوا تھا، ہمارے سامنے تو نہ اس دور کی تاریخ ہی دین کے نکتہ نگاہ سے آئی نہ حضورؐ کی سیرت ہی ایک انقلابی کے نکتہ نگاہ سے پیش کی گئی اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ آپ کی پوزیشن ایک وعظ کی یا کسی طرح ایک مملکت کے سربراہ کی اور دین کی پوزیشن ایک مذہب کی جس میں پرستش worship پوجا پاٹ رسوم؟؟؟ بس یہیں تک ہے سب کچھ آپ کے ہاں جو سامنے آتا ہے مملکت بھی آتی ہے آپ کے ہاں تو یہی دنیاوی مملکتیں سلطنتیں جیسے ہوتی ہیں اس قسم کی ایک مملکت سامنے آجاتی ہے بس کچھ تھوڑے سے اخلاقی صفات ہیں جو بیان ہوجاتے ہیں، حضورؐ کی صحیح پوزیشن اور اس انقلاب کا صحیح تصور سامنے آئے تو نظر آجائے کہ دنیا کی تاریخ میں اتنا عظیم انقلاب کہیں اور نہیں آیا تھا یہ انقلاب زمین کے خطوں میں نہیں صرف آیا تھا اقوامِ عالم کی تہذیب اور تمدن اور معاشرت اور معیشت حتٰی کہ قلوب کی دنیا کے اندر بھی ایک انقلاب پیدا ہوگیا تھا، عظیم انقلاب تھا یہ جو آیا گیا اور یہ ہسٹری کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے حضورؐ کی بعثت کے بعد، تاریخ کا ایک نیا دور ہے جو شروع ہوا ہے اور وہ دور چلا آرہا ہے اب تک، تو یہ جو انقلابِ عظیم تھا یہ تھا الساعت قرآن کریم میں جسے کہا ہوا ہے اور میں نے عرض کیا تھا کہ خود انجیل میں جیسی کچھ بھی وہ آج ہے خود حضرتِ عیسیٰؑ کے یہ بیانات پیشن گوئیاں موجود ہیں کہ ایک آنے والا آئے گا اور جس انقلاب کی میں تمہیں خبر دے رہا ہوں اس کے ہاتھوں وہ متشکل ہوگا وہ قیامت خیز انقلاب ایک ہوگا یہ چیزیں آج کی انجیل میں بھی موجود ہیں یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے بھی اسے وہ تو نبی اکرمؐ کی طرف اسے منسوب کر ہی نہیں سکتے تھے عیسائی انہوں نے بھی یہ کہا کہ یہ آنے

والا دور انقلاب حضرتِ عیسیٰؑ جب دوبارہ آسمان سے نازل ہونگے تو ان کے ہاتھوں سے یہ انقلاب آئے گا، بہر حال یہ الساعت وہ انقلابِ عظیم تھا جو نبی اکرمؐ کے ہاتھوں سے آنا تھا اور اسکی پیشن گوئیاں پہلے پیغمبروں کے ہاں وحی کے ذریعے سے موجود تھیں کہ قرآنِ کریم کی رو سے یہ سلسلہ وحی خدا کی طرف سے دیا ہوا دین شروع سے آخر تک اصولی طور پر ایک ہی چلا آ رہا تھا، اسی سلسلے میں یہ کہا اب آ گے کہ (ولما جآء عیسٰی بالبینٰت قال قد جئتکم بالحکمة و الابین لکم بعض الذی تختلفون فیه فاتقوا الله و اطیعون) حضرتِ عیسیٰؑ جب آئے تو انہوں نے آ کے قوم سے کہا اب یہاں لفظ ہے حکمت کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کے آیا ہوں اب حکمت کا ہمارے ہاں بھی عام طور پہ تصور اگر وہ حکیم مانیں طبیب نہ لیا جائے اب تو حکیم طبیب کو ہی کہتے ہیں بلکہ یہ طبیب اپنے ساتھ طبیب کا لفظ نہیں لگاتے یہ ہر طبیب حکیم ہی کہلاتا ہے اس سے ذرا آ گے چلتے ہیں تو پھر حکمت فلاسفی کے معنوں میں لفظ استعمال ہوتا ہے اس جہت سے قرآن کی یہ آیتیں جہاں حکمت آیا ہے انگریزی میں بھی ترجمہ اس کا wisdom ہی کیا گیا ہے اب یہ تصور کیجئے کہ رسول کے متعلق خدا کے انبیاء کے متعلق یہ اگر وہ کہیں کہ میں wisdom لے کے آیا ہوں فلاسفی لے کے آیا ہوں تو وہ تو خالص ایک ذہنی اور دماغی چیز ہے فلاسفر تو خدا کی طرف سے کوئی علم نہیں پاتے فلاسفی کے تو خود معنی ہوتے ہیں wisdom کے ساتھ تعلق تو حکمت کا ترجمہ اگر wisdom کیا جائے یا اپنے ہاں بھی حکمت کے معنی دانائی یا عقل مندی لیا جائے تو اس سے تو فلاسفر مقصود ہونگے خدا کی وحی تو نہیں آئے گی، آپ نے دیکھا کہ اصطلاحات یا اس قسم کے مخصوص الفاظ کے غلط تراجم سے کتنے غلط تصورات ذہن کے اندر آتے ہیں اور وہ دین اور نبوت کی ہیئت کو ہی بدل کے رکھ دیتے ہیں، wisdom تو ہر فلاسفر ہر عقل مند کو حاصل ہوتی ہے اور اس کی ذاتی ہوتی ہے فکری ہوتی ہے ذہنی دماغی ہوتی ہے نبوت تو اس سے بالکل الگ شے ہوتی ہے اس میں تو صاحبِ حکمت کی اپنی فکر اور اپنی حکمت کا شائبہ تک نہیں ہوتا، خالصتاً خدا کی طرف سے عطا شدہ ایک علم ہوتا ہے جسے وحی کہا جاتا ہے اس لئے ہی قرآنِ کریم نے حکمت کو بھی منزل من اللہ قرار دیا ہے میں ایک آدھ حوالہ ہی پیش کرونگا ویسے تو سارے قرآن میں یہ چیز موجود ہے کہ انبیاء کرام کو خدا کی طرف سے کتاب اور اس کے ساتھ کتاب کی حکمت منزل من اللہ عطا ہوتی تھی، قانون اور قانون کی غرض وغایت اس کا مقصود ومطلوب اس کا منتہٰی وہ نتائج جو اس قانون نے پیدا کرنے تھے خدا نے یہ دونوں چیزیں وحی کے ذریعے انبیاء کرام کو دی تھیں اسی لئے حکمت کو بھی اس نے منزل من اللہ قرار دیا ہے ایک ریفرنس لے لیجئے 17/39 (ذٰلک مما اوحی الیک ربک من الحکمة) یہ وہ حکمت ہے جسے خدا نے اپنی طرف سے اے رسول تجھ پر نازل کیا ہے، تو حکمت تو منزل من اللہ ہوئی یہ ایک فلاسفر کی wisdom نہیں ہے یہ فکری چیز نہیں یہ وحی ہے تو جب ہم حکمت کا لفظ نبی یا نبی کی کتاب کے متعلق استعمال کریں گے تو یہ حکمت اس حکمت سے بالکل الگ مختص اور منفرد ہوگی جسے ہم ایک فلاسفر یا عام داناؤں کے سلسلے میں بیان کریں گے، اقبالؒ نے اسی لئے حکمت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، اک دانشِ برہانی اک دانشِ نورانی، انہیں تو

اصطلاحات پہ بڑا عبور تھا، دانشِ برہانی تو وہ ہے کہ جو arguments کی رو سے کسی نتیجے پہ پہنچتی ہے برہان دلائل کو کہتے ہیں اور یہ وہ wisdom ہے جو عام دنیاوی فلاسفرز کے پاس ہوتی ہے اور دوسری حکمت کو انہوں نے حکمتِ نورانی کہا ہے جو وحی کے ذریعے سے انبیاء کرام کو حاصل ہوتی یا ملتی، تو اس لئے اسے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جب انبیاء کرام کے متعلق حکمت کو منزل من اللہ کہا جائے گا تو وہ وحی ہوگی اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا وحی کے اندر، غایت اس کی کیا تھی قرآن کی طرف سے جو وحی آئی حضرتِ عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے یہ قومِ بنی اسرائیل میں سے خود بھی تھے اور بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف جیسے انجیل میں آیا ہے ان کا دائرہ اپنی قوم کے ہی اندر تھا یہ عالمینی رسالت جو ہے وہ تو حضورِ نبی اکرم ﷺ کی ہے، کیونکہ انہوں نے قیامت تک کے لئے آپ کی رسالت نے بروئے کار رہنا تھا تو بنی اسرائیل کی طرف ہی یہ آپؑ آئے تھے بنی اسرائیل کی طرف تو ایک سلسلہ چلا آرہا ہے نبیوں کا حضرتِ ابراہیمؑ سے شروع کیجئے ان کا ایک بیٹا تو حجاز میں حضرتِ اسماعیلؑ یہاں آ کے بس گئے تھے دوسرا بیٹا آپؑ کا اسحاقؑ اور پھر ان کے بعد انکی شاخ حضرتِ یعقوبؑ حضرتِ یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا اس کے بعد آگے جو اولاد چلی ان کی تو یہ اولاد تو ذریتِ ابراہیمی تھی حضرتِ اسحاقؑ کی نسل سے آگے چلنے والی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو بنی اسرائیل ہی کہلایا تو یہ بنی اسرائیل تو چلے آرہے تھے حضرتِ ابراہیمؑ سے یا بتخصیص حضرتِ یعقوبؑ کے بعد ان کی ذریت میں سے یہ چلے آرہے تھے یہودی تو یہ حضرتِ موسیٰؑ کے بعد جب ان کو شریعتِ موسوی ملی ہے تو میرے ہاں وہ برقِ طور میں میرے ہاں یہ ساری تفصیل ان کی دی ہوئی ہے تاریخ بنی اسرائیل کی تو یہ یہودی اس اعتبار سے کہلائے تھے اپنی یہودا ازم یہودیت ان کے ہاں کی جو تھی مذہب ان کے ہاں جو تھا اس کی بناء پر یہودی کہلائے ورنہ یہ بنی اسرائیل تو اس جہت سے کہلاتے چلے آرہے تھے تو حضرتِ عیسیٰؑ یہ بنی اسرائیل تو اس جہت سے کہلاتے چلے آرہے تھے تو حضرتِ عیسیٰؑ یہ بنی اسرائیل میں سے تھے بنی اسرائیل کی طرف ہی مبعوث ہوئے تھے اب یہ ایک بنی اسرائیل کی شاخ کو ہی لے لیجئے تو انبیاء کرام ان میں آتے رہے ہر نبی خدا کا وہی پیغام لاتا رہا جو باقی انبیاء کو ملا تھا، ؟؟؟؟؟ وہی پیغام وہی تعلیم لے کے آتا تھا اور اسکے بعد اس کی امت اس کے متبعین اس میں اختلاف پیدا کر لیتے تھے، یاد رکھئے اختلاف تفرقہ فرقہ بندی دین کی جڑ کاٹ دیتی ہے امت میں اختلاف یا فرقہ پیدا ہو تو دین باقی رہتا ہی نہیں ہے، قرآن بلفظ صحیح اسے شرک کہتا ہے رسول سے کہتا ہے کہ جو لوگ دین میں فرقہ پیدا کر لیں اے رسول تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اختلاف کو وہ خدا کا عذاب قرار دیتا ہے، کہا اس نے یہ ہے کہ یہ جو ایک نبی کے بعد جب اس کی نام لیوا امت اختلاف پیدا کر لیتی تھی فرقے پیدا کر لیتی تھی تو دوسرا رسول آ کر ان اختلافات کو اس تفرقے کو مٹاتا تھا اور پھر انہیں امتِ واحدہ بنا دیتا تھا، ایک قوم ایک امت جس میں کوئی اختلاف اور تفرقہ نہیں ہوتا تھا پہلی چیز وہ یہ کرتا تھا اور اس کے بعد یہ جو امتِ واحدہ بنتی تھی اس میں پھر وہ دین کو متشکل کرتا تھا ایک عملی نظام کی شکل دیتا تھا، یہ تھا رسالت کا فریضہ نبوت تو خدا کی طرف سے وحی پانے کا نام ہے اور رسالت اس وحی کے مطابق ایک معاشرہ متشکل کرنے کا

نام جوامتِ واحدہ طے کرتی تھی اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا خصوصیت ہی یہ ہے، پہلی خصوصیت اس امت کی یہ ہے جو دین کی علمبردار ہوتی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا تفرقہ کا تو سوال ہی نہیں ہے، اس میں تو سورۃ توبہ کے اندر جو مسجدِ ضرار کا قرآن نے واقعہ اسی لئے خاص طور پہ بیان کیا ہے کہ تفرقے کی اور شکل تو ایک طرف رہی مسجد بھی اس لئے بنانا کہ وہ کسی خاص فرقے کی ہو قرآن نے اس کو کفر قرار دیا ہے ایسی مسجد کے متعلق کہا ہے کہ پناہ گاہ ہے خدا اور رسول کے دشمنوں کے لئے، حضورؐ سے کہا گیا کہ اس مسجد میں قدم تک نہ رکھنا تم نے یہ مسجد بمعہ ان کے جنہوں نے اسے بنایا ہے سیدھا جہنم میں لے جائے گی اور اس مسجد کو اس بناء پر کہ خدا نے اس کے متعلق یہ کہا تھا حضورؐ نے صحابہؓ کو بھیج کے مسجد کو گرا دیا جلا دیا، تفریقاً بین المؤمنین لکھا ہے قرآن نے کہ یہ مسجد یہ کرے گی تو یہ تو نہیں ہونے دیا جائے گا دین کے اندر امت میں تفرقہ نہیں پیدا ہونے دیا جائے گا یہ فرقہ بندی تو یہ چیز ہے مسجد بھی اگر اس بناء پہ ہے کہ وہ منسوب ہو رہی ہے ایک فرقہ پیدا کر رہی ہے تو خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ یہ کفر ہے رسول سے کہا گیا ہے کہ جا کے اس میں قدم نہ رکھنا، حضورؐ نے اس کو ڈھا دیا منہدم کر دیا اس مسجد کو، دین اس چیز کا نام ہے یاد رکھئے یہ فریبِ نفس ہے ہمارا جو اس کے باوجود سمجھتے ہیں دین باقی رہتا ہے، مذہب باقی رہے دین نہیں باقی رہتا فرقے مذہب میں ہوتے ہیں اور مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہوتا نہ خدا سے نہ خدا کے رسول سے، دین کہا یہ ہے کہ میں آیا اسلئے ہوں اس وحی کو اس لئے لایا ہوں کہ تمہارے اندر جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان کی وضاحت کر دوں، خدا کیطرف سے جو کتاب ملتی تھی اس کتاب کا پہلا مقصد یہ بتایا جاتا تھا کہ جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں لوگوں کے اندر ان کو وہ مٹا دے، اختلاف مٹانے کا طریقہ ہی قرآن نے یہ بتایا تھا، بیشمار آیات اس کے متعلق قرآن میں موجود ہیں، بہر حال نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور قرآن کے ذریعے سے ایک امتِ واحدہ پیدا کی (**و اعتصموا بحبل الله جميعًا و لا تفرقوا**) انکو حکم دیا گیا یہ خدا کی کتاب کو انفرادی طور پہ نہیں جمیعًا اجتماعی طور پہ سب کے سب اکٹھے ہو کر مل کر اس کو پکڑو اور تفرقہ نہ پیدا کرو، یہ تھا اس امت کے متعلق جو کہا گیا اور یہ کر کے دکھایا حضورؐ نے، اب یہ کہ کبھی کسی بات میں اگر تم میں اختلاف ہو جائے ٹھیک ہے آراء کا بھی اختلاف ہو سکتا ہے اگر وہ اختلاف ہو جائے اور اس کو علیٰ حالہ رہنے دیا جائے تو وہ اختلاف تو بڑھ جائے گا خلیج بڑھ جائے گی اختلاف کی اس پہ تفرقہ پیدا ہو جائے گا اس کو وہیں مٹا دیتا ہے قرآن، اب اختلاف اگر ہو جاتا ہے ٹھیک ہے کوئی مسئلہ سامنے آ گیا ہے اختلافِ آراء ہی سہی آپس میں discussion کے زمانے میں سہی اختلاف ہو جاتا ہے، کیسے اختلاف مٹے، 42/10(**وما اختلفتم فيه من شيءٍ فاحكمه الى الله ذٰلكم الله ربي اليه توكلت و اليه انيب**) اگر کسی معاملے میں تم میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کتاب اللہ سے لیا جائے گا یہ ایک محکم اصول قرآن نے بیان کر دیا پختہ طریق بیان کر دیا اختلافات کو مٹانے کیلئے، اس کا فیصلہ جو ہے وہ کتاب اللہ کی طرف سے، اب اس کے بعد جناب وہ تو پوچھئے نہیں جب یہ فرقہ بندی کو محکم رکھنا ہو تو کس کس قسم کے پھر ان کو دلائل کیا کہا جائے گا حجتیں جناں نوں کیندے او تسی کہ جی وہ قرآن کی

طرف آ گیا اور قرآن کی تعبیر میں اختلاف ہو جائے گا تو پھر کیا کیا جائے گا، جی ہاں، قرآن نازل کرنے والے خدا نے یہ کہا تھا کہ اس کے منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات ہے نہیں، قرآن اگر کسی معاملے میں دو اختلافی باتیں (بقول انکے) دیتا ہے تو وہ منزل من اللہ نہیں رہتا، عزیزانِ من نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی بات کرنے والا، پروپیگنڈے کی مشینری اتنی وسیع ان لوگوں کے پاس موجود ہے کیا کہا جائے، عام طور پہ بڑی بیبا کی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب آپ کہتے ہیں قرآن کی طرف آیئے وہاں کے اختلافات رفع ہو جائیں آپ کہتے ہیں خدا نہیں کہتا، قرآن کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ قرآن سے اختلاف مٹتا ہے اور اس کے بعد جب پھر اگلی بات کہ جی اگر قرآن کی طرف آنے سے بھی اختلاف نہ مٹ سکے تو چلئے گویا قرآن بھی ایسا ہے کہ جو اختلاف مٹا نہیں سکتا خدا کا دعوٰی جو ہے (معاذ اللہ) غلط اور اسکی رو سے یہ اگلی چیز کہ جی وہ اگر دو اختلافی تعبیریں دے وہ جی قرآن نے جو کہا کہ پھر وہ منجانب اللہ نہیں رہتی کتاب اگر وہ اس طرح سے اختلافی چیز دیدے تو، کس سے کہا جائے اور کیا کہا جائے، ابھی بات آ جاتی ہے، انہوں نے یہ بات کہی کہ میں اس لئے آیا ہوں یہ وحی لایا ہوں کہ تمہارے اختلافات کو مٹا دوں (**فاتقوا اللہ**) خدا کے احکام کی نگہداشت کرو (**و اطیعون**) اور اس کا عملی ذریعہ یہ ہے انفرادی طور پر اپنے اپنے طور پر نہ اس کو لو ایک مرکزی اتھارٹی ہونی چاہئے اور وہ خدا کا رسول تھا اس کی اطاعت کرو اب، تو عملاً بھی ایک وحدت پیدا ہوگئی جب آپ ایک مرکز کی اطاعت کریں گے ایک قانون کی اطاعت کریں گے تو اختلافات مٹ جائیں گے، چھوٹا سا بھی ایک قانون جب ہے keep to the left بائیں طرف چلو تو آپ دیکھئے چونکہ ایک اتھارٹی موجود ہے مملکت کی اس کا ایک قانون موجود ہے اسمیں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، اختلاف پیدا ہوتا ہے جہاں ہڑبونگ مچتی ہے، امام کے پیچھے جو نماز پڑھی جاتی ہے اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اس کی ایک آواز پہ اٹھتے ہیں اس کی ایک آواز پہ بیٹھتے ہیں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اسی مسجد میں وہی نمازی جب وہ فرض کے بعد فرضوں کے بعد جب امام آگے نہیں رہتا باقی نماز پڑھتے ہیں ساری مسجد اختلافات کا ایک مندر بن جاتی ہے، کوئی کھڑا ہے کوئی جھکا ہے کوئی سجدے میں ہے کوئی سلام پھیر رہا ہے کوئی دعا مانگ رہا ہے کوئی اٹھ کے جارہا ہے کوئی سامنے بھی پھر رہا ہے وہی مسجد کا صحن جو اس سے پیشتر ایک جنتِ نگاہ کا باہمی اتفاق کا باہمی اطلاق کا وہی مسجد وہی نمازی انتشار و استخار کا ایک نقشہ بن جاتے ہیں، کیا ہوا، ایک امام نہ رہا، ہزار برس سے یہ امت امتِ بے امام چلی آرہی ہے، یہ سارے اختلافات اس کی وجہ سے ہیں، امام قانون کی جہت سے کتاب کو بننا تھا خدا کی کتاب کو، محسوس طور پر اسے خلافت کا مرکز جو تھا اسے بننا تھا اس کا مرکزِ محسوس اس کی اطاعت keep to the left کی اطاعت تو آپ کرتے ہیں کہ ایسا نہ کیا گیا تو وہ سپاہی پکڑ لے گا اختلاف نہیں پیدا اس میں کرتے لیکن یہی جو اس قانون کی یوں اطاعت کر کے آپس میں وحدت پیدا کرتے ہیں یہی سارے جب مسجد میں چلے جاتے ہیں مختلف مسجدوں کے اندر تقسیم ہو جاتے ہیں، خدا کی عبادت میں اختلاف، مذہبیت کے اندر

تفرقہ ،انہوں نے کہا کہ میں آیا اس لئے ہوں کہ تمارے اختلافات مٹادوں اور وہ خدا کیطرف سے وحی کے ذریعے میں مٹاؤنگا اور یہاں ہم نے ایک آیت کم ازکم یہ دیکھی بیسیوں ہیں کہ قرآن خدا کی کتاب اسی لئے آیا ہے کہ تمہارے اختلافات مٹادے تم میں تفرقہ نہ پیدا ہونے دے، یہ ہوگا(ان اللہ ھو ربی و ربکم فاعبدوہ ھٰذا صراط مستقیم) یہ کہا انہوں نے کہ یہ قانون جس کی اطاعت سے وحدت پیدا ہوگی ہم میں میرا بھی رب وہی ہے تمہارا بھی رب وہی ہے اسی کی محکومیت اختیار کرو(فاعبدوہ) جب آپ law کی obedience کریں گے قانون کی اطاعت کریں گے تو پھر اختلاف پیدا نہیں ہوگا(فاعبدون) کے معنی ہی یہ ہیں عبادت کے معنی ہی محکومیت اختیار کرنا تھا خدا کی تو محکومیت جب ایک قانون کی اختیار کی جائے گی اس میں تو اختلاف ہونہیں سکے گا لیکن یہاں جب یہ کچھ ہوا عبادت کا ترجمہ پرستش کرلیا، اسی کی پرستش کرو تو اب پرستش تو پھر ہر ایک اپنی اپنی نماز کے مطابق کرتا ہے، اس نے کہا تھا کہ مساجد صرف خدا کے لئے ہونی چاہئیں؟؟؟؟ اس کے ساتھ کوئی دوسرا الہ نہ بناؤ، یہاں کوئی مسجد بھی ایسی نہیں ہے جو اللہ کی مسجد ہو یہاں ، ہر مسجد کے باہر لکھا ہوتا ہے مسجدِ غوثیہ رضویہ عرفانیہ یہ ہوتا ہے اس کے اندر، کسی دوسرے جو اختلاف اس مسلک سے اس کو وہاں نماز نہیں پڑھنے دیتے مسئلے ہیں ان کے ہاں کے کہ وہ نماز پڑھ لے تو مسجد اول تو اس کا فرش اکھیڑ دینا چاہئے ورنہ دھو تو ضرور لینا چاہئے نماز پڑھنے والا کوئی شرابی آ کے کھڑا نہیں ہوگیا، کیا ہوا یہ عبادت کا مفہوم محکومیت رہتا تو آپ دیکھتے اس کے لئے پھر ایک قانون ہونا چاہئے تھا ایک مرکزی اتھارٹی ہونی چاہئے تھی اس کی اطاعت ہونی چاہئے تھی جو اس کی خلاف ورزی کرتا اسی وقت سپاہی ہتھکڑی لگادیتا عذاب الیم ، یہ بیچ میں سے گئی بات دین بنا انفرادی مذہب اب اس کے اندر ہر فرد کا مذہب الگ الگ ،(ھٰذا صراط مستقیم) اس نے کہا ہے صراطِ مستقیم تو ایک ہی ہوتی ہے عزیزانِ من پگڈنڈیاں تو مختلف ہوسکتی ہیں شاہراہ ہائی وے وہ تو ایک ہی ہوتی ہے، سارے قرآن میں صراط جو ہے وہ واحد ہے سیدھا قائم راستہ یہ ہے کہ اختلاف مٹ جائے کہا اس کے بعد وہ تو یہ کہتے چلے گئے اور جو ہوتا چلا آ رہا تھا(فاختلف الاحزاب من بینھم) ان کی امت میں بھی آپس میں اختلاف پیدا کردیا(فویل للذین ظلموا من عذاب یومٍ الیم) اب اس کے بعد ان کی تباہی آئے گی اس اختلاف کی وجہ سے لیکن اس کے بعد تو پھر بھی ایک ابھی وہ ایک گنجائش تھی ایک آنے والے کی جس نے آ کر پھر اختلافات مٹانے تھے اسی لئے کہا(ھل ینظرون الا الساعۃ) دیکھئے یہ الساعت یہاں آیا ہے یہ لوگ جو اتنا ان سے کچھ کہا گیا کہ اختلافات باہمی انسانیت کو جہنم میں لے جاتے ہیں اتفاق اور وحدت ہی وہ چیز ہے جس سے کہ انسانیت پرورش پاتی ہے، تباہ ہو جاؤ گے لیکن وہ اس سے نہیں مانے تو کہا کہ اب یہ اس انقلاب کا انتظار کر رہے ہیں درحقیقت جو آئے گا اور پھر وہ یہ وحدت پیدا کرے گا(ان تاتیھم بغتۃً و ھم لا یشعرون) ایسے بھی ہوتا ہے کہ یہ مگن رہیں اپنی اس حالت کے اندر اور کہیں کہ او نہیں کون ہے ہمیں الٹا دینے والا کس میں دھرتا ہے اتنا جو ہماری روشِ زندگی ہے اس کے اندر کسی قسم کا اختلاف پیدا کردے کوئی نہیں کچھ کرسکتا، کہا کہ یہ اس زعمِ باطل میں اس self

defection میں اس فریبِ نفس میں مبتلا کہیں جسے کہ (ھم لا یشعرون) کتنی بڑی بات کہی ہے قرآن نے کہ اگر عقل وفکر اور شعور سے یہ کام لیں تو نظر آ جائے ان کو کہ تباہی آ رہی ہے ہماری، لیکن مذہب تو عقل وفکر سے کام لینے ہی نہیں دیتا؟؟؟؟؟؟؟ ایک امت کے کئی ٹکڑے کر دئے ہر فرقہ مگن ہے اس بات میں کہ میں حق پر ہوں باقی سب باطل پہ ہیں (لا یشعرون) شعور کی سطح کی سطح کے اوپر نہیں بات یہ سوچتے جذبات کے تابع یہ چلتے ہیں وہ الساعت اب دیکھئے وہی الساعت کا لفظ conciousness یہاں آ گیا یہ کیا اس کا انتظار کرتے ہیں، ذرا سوچئے عزیزانِ من اگر یہ چیز جو یونہی لے گئی ہے کہ وہ قیامت اس کے بعد آ جائے گی ساعت کے معنی قیامت پھر اس وقت یہ لوگ آئیں گے انبیاء کرام یا آسمان سے نازل ہونے والے یہ سب کچھ یعنی اس وقت جس کے بعد نہ زمین رہنی ہے نہ آسمان رہنا ہے نہ پہاڑ رہنے ہیں نہ انسان باقی یہاں رہنے ہیں تو اس وقت انہوں نے آ کے اگر ان کے اختلافات مٹائے بھی تو کس کام کے، پس ازاں کہ من نہ مانم بچے کار خواہی؟؟؟ او پھر تو رہنا ہی نہیں کسی نے (بی سائیڈ) ؟؟؟؟؟؟ابھی ہے اس کی توقع سانس باقی ہے مجھ میں تو آ جا تو مجھے زندگی مل جائے گی؟؟؟ کہ من نہ مانم؟؟؟؟ جب آخری سانس بھی میرا ختم ہو جائے گا میں مر جاؤں تو تیرا آنا میرے کس کام آئے گا، الساعت وہ عظیم انقلاب تھا حضورﷺ کی؟؟؟؟ سے آیا، کیا بات ہے اس انقلابِ عظیم کی کیفیت کہا کہ یہ موجودہ تمہارا جو معاشرہ معاشرہ میں آپس میں تعلقات کی نوعیتیں ہیں رشتہ داریاں ہیں یہ کسی اشتراکِ ایمان کی بنیاد پہ نہیں ہیں رشتہ داریوں میں تو کسی قسم کا انسان کا اپنا اختیار ارادہ ہوتا ہی نہیں ہے چاچے دا پت بھرا، پیودا بھرا چاچا او نہے پوچھیا سی پئی اے اینوں تیرا چاچا بنا دئے، ہزار کہئے آپ کہئے کہ نہیں صاحب میرا چاچا نہیں وہ تو چاچا ہے، وہ چچا کا بیٹا جو ہے وہ تو چچا کا بیٹا ہے، اختیار ہی کوئی نہیں ہے، آپس میں یہ جتنے بھی اضافی رشتے دنیا کے ہیں کاروباری رشتے کاروبار کی حد تک دوستیاں بھی اگر وہ قلب کے اطلاق کے اوپر مبنی نہیں ہیں (الف بین قلوبکم) قرآن کہتا ہے تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا یہ جو تعلق ہے جسے آپ دوستی یا مؤدت کہہ لیں یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ آپ کا نظریہ زندگی وہ ایمان جو ہے مشترک ہے دونوں میں یہ تعلق قائم رہے گا، اگر دوستی بھی اس بناء پہ نہیں ہے تو آپ دیکھتے ہیں اس کے بعد کس طرح سے پھر دوستیاں ٹوٹتی ہیں یعنی بعض اوقات تو وہ بڑی صحیح بات ہے وہ جو پنجابی کی ایک بات آئی میری لگدی کسے نے نہ دیکھی تے ٹٹدی نوں جگ ویکھدا، اوٹن دے بعد تے اواس طرح باں باں کر دے پھر دے نیں ایک دوئے دے خلاف اس پہ کوئی دشمن بھی اتنی زیادہ ایک دوسرے کے خلاف مخالفت نہیں کرتا جتنے یہ دوست ایک دوسرے کے خلاف کرتے ہیں، یہ دوستی کیا ہوتی ہے، بعض مفادات کی بناء پر بعض تعلقات کی بناء پر کچھ جذباتی طور پر یہ ہوتی ہے جب یہ رشتہ ختم ہوتا ہے وہ مفادات ختم ہو جاتے ہیں جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اسی دن یہ دوستی ٹوٹ جاتی ہے لیکن اس انقلابِ عظیم کے بعد جو باہم افراد جو ذرے ایک چٹان بنتے ہیں وہ یہ چٹان بننے کا جو ذریعہ ہوتا ہے وہ نہ تو رشتے داری ہوتی ہے جس پہ کوئی انسان کو اختیار نہیں نہ کاروباری ذہنیت ہوتی ہے نہ مفاد پرستی کی بناء پر آپس میں

دوستی ہوتی ہے حتٰی کہ سطحی جذبات کی بناء پہ بھی وہ چیز نہیں ہوتی ، یہ ساری چیزیں ایک طرف ہوتی ہیں اور وہ ہم آہنگی جو ہوتی ہے انسان کے قلب ونگاہ کی ان سے جوایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہوتے ہیں یہ ہوتی ہے محکم دوستی جسے آپ کہیں گے اس سے امت بنتی ہے قرآن نے وارن کردیا تھا اس کے لئے بھی بہت سی آیات ہیں بہر حال ایک آدھ آیت تو میں پیش کردیا کرتا ہوں حوالے کے لئے ریفرنس کے لئے آپ کہیئے 9/24 بڑی عظیم آیت ہے صاحب، دنیا بھر کے تعلقات ایک طرف یہ ایک تعلق جو ہے خدا کا ایک طرف کیا کہا ہے اس نے خوب کہتا تھا،

زمانے بھر کے غم اور اک تیرا غم
یہ غم ہوگا تو کوئی غم نہ ہو

زمانے بھر کے تعلقات کے وجوہ اور اک یہ تعلق یہ تعلق ہوگا پھر کوئی تعلق اور نہیں رہے گا اب قرآن کی آیت سنئے خدا کرے کہ اتنی سی عربی تو آپ کہیں جان ہی لیں ترجمے میں وہ بات کہاں آتی ہے (قل ان کان اٰبآؤکم و ابنآؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مسٰکن ترضونھا) اللہ اکبر ،کوئی چیز باقی رہتی ہے اے رسولؐ ان سے کہد و یہ جو ایک امت بننے کے لئے آئے ہیں کہ اگر تمہارے ماں باپ تمہاری اولاد تمہارے بہن بھائی تمہاری بیویاں اور خاوند تمہارے اہلِ خاندان تمہاری مال و دولت جو تم اس طرح سے حاصل کرتے ہو تمہاری تجارت جس کے مندا پڑنے سے ہر وقت تم خائف رہتے ہو تمہارے یہ محلات جو تم نے بڑے چاؤ چونچلوں سے بنائے ہیں جو تمہاری مرضیوں کے مطابق ہیں یہ تمام چیزیں یہ ساری چیزیں گنی گئیں غور کیجئے کو ایک چیز بھی باقی نہیں رہتی اس میں یہ تمام چیزیں کہا کہ (احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھادٍ فی سبیلہ) اگر یہ چیزیں ان میں سے کوئی ایک چیز بھی تمہارے لئے خدا اور اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ عزیز اگر ہوگئی ان میں سے کوئی ایک چیز بھی (فتربصوا حتٰی یاتی اللہ بامرہ) تو انتظار کرو تآ نکہ خدا کا عذاب آجائے تم پر، دیکھتے ہیں امت کس طرح سے بنتی ہے یہ ذرے چٹان میں کیسے تبدیل ہوتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اگر ایک رات اس کے راستے میں حائل ہوگئی ایمان کی بنیادوں کے اوپر جو آپ کا رشتہ قائم ہوا ہے اس کے راستے میں اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی حائل ہوگئی تو پھر اس کے بعد، بڑی ہی جامع بات ہے کہ ہم تفصیل سے کھول کے کیا بتائیں تمہیں پھر اس کے بعد بس یہ سوچ لو کہ پھر ذرا انتظار کرو خدا کے فیصلے کا جب وہ آیا کرتا ہے تو تم پوچھو نہیں کیا ہوا کرتا ہے، اتنی بات تو ضرور ہے کہ (واللہ لا یھدی القوم الفٰسقین) یہ ایسا جو ان کی جو یہ ترجیحات ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز بھی غالب آگئی اس جذبے کے اوپر یہ فسق ہے یہ ایسا کرنے والے فاسق ہیں یہ لوگ کبھی سیدھے راستے پہ نہیں چل سکتے ان میں سے ایک چیز بھی اگر غالب آگئی تو،

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے

یہ تو ہر ایک کی طرف سے کٹ کے ایک کا ہو جانا(انی وجھت و جھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفًا) 7/79 رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی ، ہر نماز سے پہلے جب نیت ہم کرتے ہیں عزیزانِ من تو یہ کہنا ضروری ہوتا ہے کبھی نہیں سمجھتے کہ اس کے معنی کیا ہیں کس نے یہ کہا تھا کب کہا تھا کیوں کہا تھا نتیجہ اس کا یہ ہے کہنے والا تھا وہ مورثِ اعلیٰ ہمارا حضرتِ ابراہیمؑ معمارِ کعبہ جس کی ساری زندگی اس کی ایک عملی تفسیر ہے باپ سے شروع ہوا ہے اس سے کہہ دیا کہ اگر تو اللہ کا نہیں ہے تو میرا تیرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں بادشاہ سے کہہ دیا نمرود جیسا بادشاہ عزیزانِ من نام سے تھرتھری آ جاتی ہے آج بھی اس سے جا کے کہہ دیا کہ تیرا اختیار کیا ہے تیری بادشاہت کیا ہے کیا لئے پھرتا ہے، پوری کی پوری قوم سے یہ کہہ دیا کہ تم تو تباہی کے جہنم میں جانے والے ہو میں تم میں سے ہوں نہیں، اندازہ لگائیے اپنے ذہن میں اپنے تصور میں یہ بات آئی کہ خدا کے راستے کے اوپر بیٹا بھی قربان کر دینا چاہئے بیٹے تک کے لئے بھی تیار ہو گئے یہ سارا کچھ کرنے کے بعد وہ خدا کا ایک گھر جسے کہتے ہیں وہ ایک قائم کیا ایک مرکز قائم کیا توحید کے لئے مرکز ایک ہو تو وحدت پیدا ہو جاتی ہے پیدا کیا اس کے بعد اپنی اولاد کے متعلق یہ کہا(فمن اتبعنی فھو منی) جو میرے نقشِ قدم پہ چلے گا اس طرح سے وہ میرا ہے، جو یوں نہیں چلے گا وہ میرا نہیں ہے، اس مقام پہ پہنچ کے حضرتِ ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ (انـــی وجھۃ وجھی لـلـذی فـطـر السمٰوٰت و الارض حنیفًا و ما انا من المشرکین) 6/79 میں ساری دنیا سے کٹ کر صرف ایک کا ہوتا ہوں اپنا رخ ایک کی طرف کرتا ہوں جب آپ ایک کی طرف رخ کریں گے عزیزانِ من تو باقی سب کی طرف سے رخ موڑنا پڑے گا یہ ناممکنات میں سے ہے کہ اگر ایک طرف منہ کریں تو باقیوں کی طرف بھی آپ کا منہ ہو پھر نہیں رہتا یہ چہرا باقی، وہ چہرے منافقت کے ہوتے ہیں جو لگائے جاتے ہیں اس طرح وہ گتے کے چہرے کہ جو ہر طرف لگ سکتے ہیں انسان کا چہرا ایک وقت میں ایک ہی طرف لگ سکتا ہے(انی وجھۃ وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفًا) حنیفًا ناک کی سیدھ جانے والا چلتے ہوئے ادھر ادھر جو نہ تکے اس کو کہتے ہیں حنیف، میں جانا تو ایک طرف قدم اٹھانا تو ایک طرف میں تو تکتا بھی نہیں ہوں راستے میں کسی دوسری طرف میں آیا تیری طرف یہ پوزیشن اختیار کرتے ہوئے یہ ہے میرا مسلک میں تیری طرف آیا اور جب یوں آتا ہوں میں تو پھر کہہ سکتا ہوں کہ میں مشرک نہیں ہوں، دیکھا مشرک کون نہیں ہوتا، یہ ہے حضرتِ ابراہیمؑ نے جو کہا اور یہ ہے جو ہم سے بھی فرمایا گیا نماز سے پہلے جو نیت کی جاتی ہے یہ کہا جاتا ہے، عزیزانِ من وہ رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالیؓ نہ رہی، یہ الفاظ باقی رہ گئے یہ رسوم باقی رہ گئیں ان کا تو مقصد ختم ہو گیا، یہ جو زبان سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے ساری دنیا کی طرف اس کا رخ ہوتا ہے اس کی طرف نہیں ہوتا جس کے متعلق یہ دھوکہ دے رہا ہوتا ہے کہ میرا منہ تیری طرف ہے اس کی طرف ہوتا ہی نہیں ہے اس کی طرف ہو تو باقی کسی کی طرف رخ رہ ہی نہیں سکتا حنیف نہیں ہو سکتا(و ما انا من المشرکین) (الاخلآء یومئذ بعضھم لبعضٍ عدو

الا المتقین) کہااس انقلاب کے زمانے میں یہ کیفیت ہوگئی جتنے یہ اور تعلقات ہیں سارے کے سارے کٹ جاتے ہیں تعلق صرف ایک باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہوتا ہے خدا پر ایمان کا تعلق جو ہے ایک دوسرے کے دشمن ہوجاتے ہیں جو دوست ہوتے ہیں متقین خدا کے قوانین کی نگہداشت کرنے والے متقین ان کی یہ کیفیت نہیں ہوتی اور یہ ہیں وہ لوگ جن کے متعلق کہا ہے کہ (یٰعباد لا خوف علیکم الیوم و لا انتم تحزنون) ہاں یوں زندگی بسر کرنے والو تمہیں کسی کا خوف نہیں ہوگا تمہیں کوئی حزن نہیں ہوگا قرآن نے ہر مقام پہ یہ دونوں چیزیں کہی ہیں عزیزانِ من خوف بیرونی خطرات سے معمون ہونے بیرونی خطرات سے ہوتا ہے، حزن دل کی گرفتگی افسردگی پژمردگی پریشاں خاطری کو کہتے ہیں، کیا ہے یہ معاشرہ اور یہ پھر وہ جنت ہم نے وہیں اٹھادی، اور جب اس قسم کا یہاں ہم دین مذہب سے بدل دیں گے کہ فرقوں کے متعلق ہی یہ کام ہوگا کہ فرقے میں وہ ایک اتفاق نہیں رہا تو وہ گیا اس کا مذہب اس کا دین ختم ہوگیا تو اس میں تو جہنم ہوگا، خوف نہیں ہوگا حزن نہیں ہوگا تصور ہی نہیں ہم کرسکتے ، زیادہ سے زیادہ کامیاب مملکت سلطنت وہ ہوتی ہے جو اطمینان دلادے کہ کوئی باہر کا حملہ آور کسی قسم کا تم پہ خطرہ نہیں پیدا کرسکتا ہم نے انتظامات کرلئے ہیں ڈیفنس کے پورے انتظامات ہیں، جتنے یہ انتظامات باہر کے خطرے کو روکنے کے ہوتے ہیں اتنا ہی دل کا حزن بڑھتا چلا جاتا ہے اس ملک کے باشندوں کا، کوئی ایسا دل بھی نظر کہیں آتا ہے جس میں حزن نہ ہو کسی قسم کا عزیزانِ من، وہ یہ کرتا ہے بے لوث اخلاص پر مبنی دو افراد میں بھی عزیزانِ من اگر قلبی تعلق کی دوسری ہوجائے حزن مٹ جاتا ہے، قرآن نے کہا ہے کہ اس سے دلوں کے اندر وہ جو گلیلیں بن جاتے ہیں نا ایک غلم کا لفظ ہے قرآن میں اس قسم کی چیزیں او پنجابی اچ سانوں کیندے نیں گلیلاں؟؟؟؟؟ گلیلا وٹیا وہ جو اس طرح سے وہ جو وہ کمان میں رکھ کے وہ چلاتے ہیں وہ اتنا سخت ہوتا ہے اتنا گول ہوتا ہے ٹوٹتا ہی نہیں ہے یہ چیز ہوتی ہے دلوں کے اندر ایک دوسرے کے خلاف اگر کچھ رکھا ہوا ہو تو وہ ہوتا ہے؟؟؟؟ قرآن کہتا ہے کہ جنتی معاشرے کی پہلی نشانی یہ ہوگی کہ ان کے قلوب میں ایک دوسرے کیخلاف گلیلا وٹیا ہے کوئی نہیں ہوگا اوٹ جان گے راز ایک جیسے ہوجاتے ہیں (تبلغ السرائر) کوئی راز بھی ایک دوسرے کا مخفی نہیں پھر رہتا ان کے ہاں، اغراض الگ ہوں تو راز الگ ہوتے ہیں نا، جب غرض ایک ہوجائے مقصد ایک ہوجائے تو پھر تو راز آپس میں رہتا ہی نہیں ہے پھر تو راز رکھنے والا منافق ہوتا ہے، یہ ہے وہ (الذین اٰمنوا باٰیٰتنا و کانوا مسلمین) شرط یہ بتائی وہ جو ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں (اٰمنوا) یہ تو ہوگیا ایمان ہوگیا اتنی شرط ہی نہیں ہے یہ تو ہے اس چیز کی صداقت کو accept کرلینا ہاں صاحب میں مانتا ہوں یہ صحیح بات ہے میں مانتا ہوں کہ قانون اس مملکت کا یہ ہے keep to the left یہ تو ماننا ہے صرف (و کانوا مسلمین) اس کے مطابق پھر وہ عمل کرتے ہیں اب اگر آپ یہ کہتے رہیں کہ قانون ٹھیک ہے میں مانتا ہوں keep to the left اور چلیں right کی طرف اور عام طور پہ وہاں جو چوراہے کے اوپر دور سے دیکھتے ہیں کہ اگر تو وہ لال پگڑی والا ہے تو پھر تو آپ keep to the left پھر تو آپ مسلم ہوتے ہیں نظر آئے کہ وہ نہیں ہے تو

شوں یوں جاتے ہیں امنوا تو اس وقت بھی آپ ہوتے ہیں تو تمہیں پتہ ہے keep to the left قانون ہے کہتا ہے مجھے پتہ ہے تو امنوا تو ہو گیا کونسی چیز نہیں ہوئی (وکانو امسلمین) یہ مسلم نہیں رہا دونوں شرطیں ہیں اس جنت میں جانے کے لئے دونوں شرطیں ہیں قانون کی صداقت پر یقین اور اس پر عمل، اب ہمارے ہاں (الذین امنوا) تو ہو گیا ہر مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ پیدائشی مؤمن ہوتا ہے وہ الذین امنوا تو یہ ہو گیا (و کانوا مسلمین) مسلمان نام رکھ دیا دونوں شرطیں پوری ہو گئیں، پیدائشی ہو گیا مؤمن اور مسلمان تو قوم ہے ہی تو دو ہی شرطیں تھیں قرآن نے جو آیت دی تھیں اور اس کے بعد جو اس کا وہ نتیجہ ہے پھر کہ خوف بھی نہیں ہوگا اور حزن بھی نہیں ہوگا تو اس کے متعلق کوئی بات ہی نہیں کرتا، ٹھیک ہے جی، یہ ہیں وہ دو شرطیں پوری کرنے کے بعد (ادخلوا الجنة انتم و ازواجکم تحبرون) میں نے یہ عرض کیا ہوا ہے مرنے کے بعد کی زندگی وہاں کی جنت وہاں کی جہنم اس پر ہمارا ایمان ہے بنیادی شرط ہے ایمان کی لیکن ایک چیز ہے جب دین مذہب میں بدل جاتا ہے تو یہ ساری چیزیں جنت جہنم والی باتیں قیامت تک اٹھا رکھتے ہیں ہم اس دنیا کے ان کا واسطہ نہیں رہتا اور دین میں یہ چیز یہیں سے شروع ہو جاتی ہے اور مسلسل آگے چلتی ہے جنتی معاشرہ یہاں قائم ہوتا ہے جہنم کی آگ کے شعلے یہاں بھڑکتے ہیں وہ شعلے باہر نہیں نظر آتے (نار اللہ الموقدة التی تتلعوا علی الافئدة) اس جہنم کی آگ کے شعلے جو دلوں کو لپیٹ لیتے ہیں کیوں عزیزانِ من ہے نا یہ جہنم موجود آپ کے ہاں اس کے لئے انتظار کرنا پڑے گا قیامت کا آپ کو، یہ ٹھیک ہے میں یہ نہیں اب بتا سکتا جسے جنت قرآن نے کہا ہے اس کی بھی کچھ بات کردوں جہنم کی بات تو یہ کی جا سکتی ہے اسی دنیا کے اندر وہ معاشرہ قائم ہوتا ہے جنت کے متعلق یا جہنم بعد میں جو آنے والی ہے اس کے متعلق تو قرآن نے کہا ہے مثل وہ اس کی مثال دے کے ہم بیان کر سکتے ہیں تمہیں بتا نہیں یہاں سکتے کہ وہ فی الحقیقت in reality کیا ہو گی تم نہیں سمجھ سکتے اپنے شعور کی موجودہ سطح پر اسی لئے ہم اسے مثال کے ذریعے بیان کرتے ہیں لیکن اس دنیا کے اندر جو جنت اس معاشرے کی رو سے جنت یہاں قائم ہوتی ہے وہ تو دکھائی جا سکتی ہے دکھائی تھی نبی اکرم ﷺ والذین معہٗ نے وہ جنت قائم کر کے یہاں، وہی جنت یہاں ہے اس سے پہلے کہ جہنم کا نقشہ بھی موجود ہے اور اس کے بعد اس جنت کا نقشہ بھی ہمارے سامنے موجود ہے (ادخلوا الجنة انتم و ازواجکم تحبرون) تم اور تمہارے رفقاء یہ ازواج ہمارے ہاں تو ترجمہ زوج بیوی ہوتا ہے نا صرف، قرآنِ کریم میں رفقاء کو کہتے ہیں ہم آہنگ ساتھ چلنے والے جو ہیں وہ ہوتے ہیں تم اور تمہارے ساتھی، اب یہ انفرادی نہ رہی میں دوسری جگہ بیان کرونگا سورۃ الزمر شاید آگے ابھی آتی ہے یہ آ گئی چیز وہ گروہ در گروہ یہ انفرادی چیز نہیں ہے یہ اجتماعی چیز ہے (ادخلوا عبادی و ادخلوا جنت) میرے بندوں کے ساتھ مل جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ قرآن کہتا ہے تو ازواجکم کے معنی یہی ہے، اب یہ لفظ ہے یہاں (تحبرون) حبر عربی زبان میں ہر خوش آئند چیز کو کہتے ہیں اور لغت کی رو سے اس کے معنی اچھی موسیقی بھی ہیں لیکن وہ چیزیں جتنی بھی ہمارے ہاں کی مذہبی پیشوائیت نے حرام قرار دی ہوئی ہیں ان کا تو ذکر

کرنا بھی حرام ہو جاتا ہے صاحب یہ کہنا کہ موسیقی ہی اس کا ترجمہ ہوسکتا ہے تو اس پہ تو فوراً قدغن لگ جاتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اتنی چیز پہ تو لگاتے ہیں آگے جو ہے(**یطاف علیھم بصحافٍ من ذھبٍ و اکوابٍ**) کہ وہاں یہ کواب طشتریاں پلیٹ پیالے یہ سونے کے ہونگے اب اس پہ نہیں یہ حضرات آتے کہ سونا اور چاندی تو تم یہاں حرام قرار دیتے ہو جنت میں تو یہ بھی ہے آگے ہے حریر واطلس بھی ہے جنت میں اور یہاں یہ ریشمی لباس جو ہے اس کو بھی حرام قرار دیتے ہیں مردوں کے لئے، اب یہ چیزیں جو یہاں تم اس طرح حرام قرار دیتے ہو جنت میں وہ قرآن بیان کرتا ہے کہ یہی ہوگا، اب مشکل یہ ہے کہ قرآن میں کہیں بھی یہ نہیں آیا کہ وہاں کاٹن کا بھی کوئی ہوگا لباس کہ چلو ہم وہی لے لیں اپنے لئے وہاں تو ہوگا ہی نہیں، عجیب بات ہے عزیزانِ من کوئی سوچتا نہیں یہ ایک ہی بات جو میں نے پچھلی دفعہ لکھا تھا سوچا کرو عزیزانِ من سوچا کرو، اب پمفلٹ بھی آ گیا ہے شیخ صاحب کہتے ہیں اس میرے مقالہ کا پمفلٹ بھی آ گیا ہے سوچا کرو ایک ہی بات ہے عزیزانِ من، یعنی اسی آیت میں وہ تحبرون کا میں نے یہ کہا کہ اس کے معنی موسیقی بھی ہیں تو پوچھو نہیں کیا شور مچا مچنا ہی تھا موسیقی کے سمجھنے کے لئے ایک حسِ لطیف کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں وہ لطیف حس نصیب نہیں ہوتی بجائے اس کے کہ اپنی محرومی کا افسوس کریں وہ کہا؟؟؟؟ سارے ہی کہے ہو جان، انہوں نے کہا موسیقی کو حرام قرار دو ہمارا بھید ہی نہیں کھلے گا کہ ان کو اس کی appreciation ہی نہیں آتی، او کیا شوخ میں کہہ گیا ہے وہ کیف کہ

جنابِ شیخ سے مے کا جواز کیا پوچھیں
کہ چاندنی کو بھی حضرت حرام کہتے ہیں

یہ عزیزانِ من وہ جنتی معاشرہ جس کے اندر قرآن کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان چیزوں کو استعمال کیا جائے گا اس سے یہ چیزیں حلال ہوتی ہیں وہ حدود ٹوٹ جائیں تو پھر تو عزیزانِ من روٹی کا ایک لقمہ بھی حرام ہو جاتا ہے، اکواب، ہاں اب سنئے جنت کے اندر کیا ہوگا(**و فیھا ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین**) کہا تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے جو تم چاہو گے ملے گا وہاں، آپ کو یاد ہے وہ آیت میں ہمیشہ اس کے بعد پڑھا کرتا ہوں دوسرے مقام پہ ہے جو تم چاہو گے جو تمہاری آرزو ہوگی وہ پوری ہوگی(**و لدین مزید**) 50/35 جو تمہاری خواہش ہوگی وہ پوری ہوگی اور ہمارے پاس اس سے بھی کچھ زیادہ ہوگا دینے کے لئے کیا بات ہے صاحب، ورنہ اگر اتنا جو کہہ دیا جاتا ہے کہ جو کچھ تمہارا جی چاہے گا وہ تمہیں مل جائے گا تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی یہ بڑی عظیم چیز ہے جو میں ہر بار دہرایا کرتا ہوں جو خدا نے کہا ہے کہ ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے، کہنے کی بات وہی ہے کہ تم کیا اور تمہاری خواہشیں اور آرزوئیں کیا بڑی محدود ہوتی ہیں تم تو اپنے محدود پیمانے کے مطابق ہی مانگو گے نا ہم سے اور ہمیں معلوم ہے کہ تمہاری ارتقائی منازل میں جب تم نے آگے جانا ہے تو اس سے زیادہ کی ضرورت پڑتی ہے ہم نے تمہارے لئے وہ بھی رکھ چھوڑا ہوا ہے، بچہ تو مٹی کے گھوڑے سے کھلونے سے ٹین کے موٹر سائیکل سے خوش ہو جاتا ہے وہ تو لے دیتا ہے باپ اس کو کہ وہی خوش ہوگا

لیکن ساری زندگی کے لئے وہ ٹین کا موٹر سائیکل نہیں اس کے لئے رکھتا وہ سچ مچ کی موٹر بھی اس کے لئے رکھتا ہے کہ بیٹا میں تمہارے لئے اس سے زیادہ کچھ بنا رہا ہوں، کیا بات ہے اس دینے والے کا کہ ہماری مانگ اور ہماری آرزؤں تک محدود نہیں رکھا کہا تم نہیں جانتے کہ تمہیں اور کیا ضرورت پڑے گی بڑے ہو کر وہ بھی ہمارے پاس ہے (و تلذ الاعین) یہ چیز جنتِ نگاہ ہونا کسی چیز کا بڑی چیز تھی پہلی چیز جو appreciation کی اور تقسیم کی ہوتی ہے وہ تو نگاہ سے ہوتی ہے نگاہ کی لذت لیکن آپ دیکھئے بار بار قرآن یہ کہتا ہے پہلے تو میں وہ ایک آیت حوالے کے لئے دیدوں جس میں قرآن نے کہا ہے کہ وہاں کی جنت کے بیانات سارے تمثیلی ہیں مثالی طور پہ ہم نے کہا ہے 13/35 (مثل الجنة التی وعد المتقون) متقین کے لئے جو وہاں کی جنت کا وعدہ ہم نے کیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو اور پھر اس کے بعد سب کچھ کہا ہے (تجری من تحتها الانهٰر اکلها دآئم و ظلها) پانی بہہ رہے ہیں درختوں کے نیچے پھلدار درخت ایسے ہیں جو پھل کبھی ختم ہی نہیں ہوتا نہ ان کا سایہ ختم ہوگا نہ ان کے پھل ختم ہونگے (مثل الجنة) مثال اس کی یہ ہے اور اتنا ہی نہیں ہے بلکہ یہ جو کہا ہے (تلذ الاعین) اس سے نگاہ کی تسکین کا بھی سامان ہے جنتِ نگاہ اقبالؒ نے جو اصطلاح وضع کی تھی بڑی خوبصورت ہے جنت یہاں سے ہی اس نے لیا ہے اور (تلذ الاعین) سے جنتِ نگاہ اور فردوسِ گوش تو اس نے تحبرون سے لیا ہے نا فردوسِ گوش جنتِ نگاہ اور یہ جو قرآن نے کہا ہے نگاہ کی لذت اس کے لئے بھی بات واضح کردی کہ اسی دنیا کی مادی لذتوں کو نہ سمجھ لینا یاد رکھو 32/17 یہاں تو کہا ہے کہ وہ نگاہوں کی لذت کا سامان اور یہاں کہا ہے (فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعینٍ) اپنے شعور کی سطح پہ کوئی نہیں یہ بات سمجھ سکتا کہ اس کی نگاہوں کی ٹھنڈک کا جو سامان ہم نے وہاں رکھا ہے وہ کیسا ہے عجیب کتاب ہے عزیزانِ من یہ قرآن بات صاف کرتا چلا جاتا ہے یہیں کی لذتِ نگاہ نہ سمجھ لینا وہ مثالی چیز ہے اور نگاہوں کی ٹھنڈک کا جو سامان ہم نے وہاں رکھا ہے یہاں تو تم سمجھ ہی نہیں سکتے اس کو (و انتم فیها خٰلدون) اور اگلی چیز عزیزانِ من یہاں تک تو ہم بہت خوش ہوئے نا بڑی موج ہوگئی نہیں میں نے کہا ہے کہ یہ چیز جو ہے جنت کی اس معاشرے میں بھی وہاں کے معاشرے میں بھی لیکن اگلی بات ہے ذرا، مخمصے میں آ پڑی ہے سخن؟؟؟؟ یعنی میں کہدوں کہ ساریاں امیداں تے پانی پھر گیا (و تلک الجنة التی او رثتموها بما کنتم تعلمون) یہ تمہارے اعمال کے بدلے میں ملے گی ویسے نہیں مل سکتی، اسی تے پہلاں ای باہر کڈ یے گئے اور یہ بڑی عظیم آیت ہے عزیزانِ من جس کو ہر جگہ لکھ رکھنا چاہئے، جنت صرف تمہارے اعمال کے بدلے میں تمہیں اس کا وارث بنایا جائے گا کوئی اور ذریعہ کوئی اور طریقہ نہیں ہے یہ سفارشیں یہ شفاعتیں یہ رحم لیاں یہ؟؟؟؟ یہ نہیں چلنا (اورثتموها بما کنتم تعملون) اس لئے کہ یہ تو بات کچھ اور آگے چلی جاتی ہے وہ تو ایک اندر کی تبدیلی کا نام ہے جو باہر کی کوئی چیز بھی نہیں کرسکتی، جنت تیری پنہاں ہے تیرے خونِ جگر میں، (اورثتموها بما کنتم تعملون) یہ جتنے تصورات ہمارے ہاں ہیں نا کہ بہشتِ فی سبیل اللہ ہم است، بالکل نہیں عزیزانِ من، (اورثتموها بما کنتم تعملون لکم فیها فاکهة کثیرة منها

تـا کلو ن) یہاں کی جنت وہاں کی بھی جنت مثال کے طور پر پھلوں کی بڑی کثرت ہوگی وہاں اس جنت سے میں سمجھتا ہوں یہ چیزیں export نہیں ہونگی کہیں باہر اسی لئے کثرت ہوگی نا وہاں (فاکھة کثیرة منھا تاکلون) اوران کے متعلق پھر دوسرے مقام پہ یہ بھی کہا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ نہ تو interreption ہوگی اس درمیان میں اور ایک چیز ہے (لا مــمــنــوعة) کوئی منع نہیں کرے گا تمہیں کہ یہ کیوں توڑتے ہو؟؟؟؟؟؟ کوئی منع نہیں کرے گا بکثرت ہو چیز interreption بھی کوئی نہ ہو مسلسل وہ رہنے والی ہواور کوئی روک نہ ہواس کے اندر جس کا جی چاہے اور پھر (فــا کھة) تو خالی نہیں ہوتا؟؟؟؟ آپ نے دیکھا ہوگا یہ لکھا ہوا ہوتا ہے یہ چیز وہ ہوتی ہے جس کے دل کو خوشی حاصل ہو (لا مــمــنوعة) کوئی روکنے والا نہیں ہوگا اور اس کے مقابل اس کے دوسری طرف (ان المجرمین فی عذاب جھنم خٰلدون) مجرم جہنم کے عذاب میں ہونگے عجیب بات درمیان میں یہ آ گئی مجرم کا لفظ جو یہاں آیا پھلوں کا ذکر آ رہا تھا پھلدار درختوں کا جھکی ہوئی ٹہنیوں کا (دانیة) قرآن نے بھی کہا ہے اتنی جھکی ہوئی کہ تمہارے ہاتھ ہی وہاں تک پہنچ جائیں اوپر بھی نہ چڑھنا پڑے (دانیة) قریب (لا مــمنوعة) کوئی نہ روکنے والا اور اس کے بعد مجرم جہنم میں عربی زبان میں بنیادی طور پہ جرم یا جرم کہتے ہیں دوسروں کے درخت کی شاخ کو کاٹ کے لے جانا بنیادی طور پہ یہ جرم سمجھتے ہیں دوسروں کے ہاں کے پھلدار درخت کو کاٹ کے لے جانا تفصیل اس نکتہ کی آپ خود دیکھ لیجئے یہ ہے جرم مجرمین جہنم کے عذاب میں (لا یـفتـر عـنھم و ھم فیه مبلسون) عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی اور ایک لفظ ہے عزیزانِ من عذاب کی شدت انتہا جہاں ہوگئی دل کانپ جاتا ہے کہا عذاب کی انتہا یہ ہے کہ تم مایوس ہو جاؤ گے مایوسی شدت ہے عذاب کی ،فرسٹریشن ابلیس کو اسی لئے اسی سے وہ لفظ نکلا ہے بلس مایوسی پیدا کر دینے والا یہ ہے سب سے زیادہ عذاب ،امید کی کوئی کرن بھی کہیں باقی ہو پھر نہیں آدمی مرتا عذاب تو وہ ہوتا ہے کہ جس سے نکلنے کی کوئی امید باقی نہ رہے (وما ظـلـمنٰھم ولکن کانوا ھم الظٰلمین) تمہارے ذہن میں کہیں یہ نہ آ جائے کہ ہم ان کو پکڑ پکڑ کے لے آ کے اس طرح جہنم میں اور اس طرح سے ان پہ عذاب طاری کریں گے اور ہم ان کے ساتھ یہ کر رہے ہیں، کچھ نہیں ،انہوں نے یہ جہنم اپنے لئے آپ تیار کیا ہوا ہے ،اپنے اوپر آپ ظلم کیا ہوا ہے ہم نے تو نہیں یہ ظلم کیا ہم تو ظلم نہیں کرتے ، اگلا ایک لفظ ہے ،؟؟؟؟؟؟ تفصیلی نقشہ وہ نہیں کھینچ رہا ایک لفظ کہتا ہے عزیزانِ من جس میں ساری تفصیل آ جاتی ہے (و نـــادوا یٰملک لیقض علینا ربک) جہنم کے داروغے کو اس نے مالک کہا ہے انسانوں کا کسی دوسرے انسان کی ملکیت بن جانا اس کا ان کا مالک بن جانا جہنم کے داروغے کو مالک کہا ہے کسی اور فرشتے کا نام اس طرح سے نہیں بتایا قرآن نے ، یہ ہے جہنم انسانوں کا دوسرے انسانوں کی ملکیت میں آ جانا ان کی ملک ہو جانا یہ ان کا مالک ہو جاتا ہے ان کا؟؟؟؟ ہو جاتا ہے ،کوشش کرونگا کچھ بات آگے بن جائے تو قرآن کریم نے عزیزانِ من ملکیت جو ہے کسی انسان کی دوسرے انسان کے اوپر ملکیت میں عرض کروں یہ ملکیت اس معنی میں نہ لو جیسے مکان کی ملکیت جائیداد کی ملکیت ہوتی ہے یہ خارجی اشیاء ہیں ان کے اوپر تو تصرف ان کی ملکیت؟؟؟؟

پراپرٹی اس کا ہونا اور بات ہے انسان کا دوسرے انسان کی اس طرح ملکیت بن جانا، کس طرح، قرآن نے بتایا ہے اور وہیں سے سمجھ میں بات آجاتی ہے کہ وہ کہتا کیا ہے جب کہتا ہے کہ کوئی انسان دوسرے انسان کا مالک نہیں ہوسکتا 36/71 وہ کہتا ہے یہ جو مال مویشی ہوتا ہے نا گائے بھینس بھیڑ بکری یہ گدھا گھوڑا وغیرہ مویشی جتنے ہوتے ہیں (**اولم یروا ان خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعامًا فھم لھا مٰلکون**) یہ جو مویشی The Cattles ہیں انسان ان کا مالک ہوسکتا ہے اب مالک کے معنی آپ سمجھ لیجئے (**و ذللنٰھا لھم**) ملکیت کے اندر ایک بات اور آگے کہی ایک لفظ ہے تسخیر سخر اس کے معنی ہوتا ہے کچھ کسی سے کوئی کام لینا اپنا اتنا ہی ہوتا ہے (**ذللنٰھا**) ہوتا ہے کسی کو ذلیل کر کے کام لینا اس سے یعنی وہ چلا بھی جا رہا ہے اور پیچھے سے ڈنڈا بھی مارا جا رہا ہے اور پھر وہ تو گالیاں بھی دیتے ہیں ساتھ یہ لفظ ہے اندازہ لگاؤ کہ تم ان کے مالک ہوتے ہو ان سے کام بھی لیتے ہو اور پھر ایسی چیز اس طرح کا سلوک کرتے ہو جیسے کسی کو ذلیل کیا جاتا ہے ڈنڈے بھی مارتے ہو پھر اور پھر ملکیت کے اندر کیا کیا چیزیں ہیں (**فمنھا رکوبھم**) ان پہ سواری بھی کرتے ہو (**و منھا یاکلون**) کھا بھی جاتے ہو ان کو (**و لھم فیھا منافع**) طرح طرح کے منافع ان سے حاصل کرتے ہو تم، یہ انعام کے متعلق کہا، اگر انسانوں کی کیفیت دوسرے انسانوں کے ساتھ اس قسم کی ہو جائے اسے کہیں گے ملکیت، ملوکیت یہیں سے لفظ نکلا تھا ملک اسی لئے بادشاہ کو کہتے تھے کہ وہ اپنی پوزیشن؟؟؟ کے مقابلے میں یہ رکھتا تھا قرآن نے کہا کہ وہ انقلاب جو قرآن کی رو سے اس دنیا میں آئے گا اسے اس نے ایک اصطلاح ہے اس کی پھر میں عرض کروں جو بھی ہم میں سے نماز پڑھنے والے ہیں دن میں کم از کم کوئی چوالیس مرتبہ تو یہ کہتے ہیں نا (**مٰلک یوم الدین**) خدا کے متعلق سورۃ الفاتحہ جب بھی ہم پڑھتے ہیں اس میں (**مٰلک یوم الدین**) آتا ہے پہلی چیز آتی ہے یہ یوم الدین کیا ہے قرآن نے خود کہا ہے 82/17 (**وما ادرٰک ما یوم الدین**) **یوم الدین یوم الدین** تم کہتے ہو کبھی سوچا بھی ہے تم نے یوم الدین کیا ہوتا ہے اس یوم کی کیفیت کیا ہوتی ہے معاشرے کی اس عہد کی اس دور کی اس عصر کی کیا ہوتی ہے خصوصیت اتنی اہم چیز تھی یہ کہا کہ تمہیں کون بتائے کہ یوم الدین کیا ہوتا ہے تم کیا سمجھو کہ یوم الدین کیا ہوتا ہے پھر کہا (**ثم ما ادرٰک ما یوم الدین**) بڑی اہم بات ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ کون تمہیں اور بتا سکتا ہے آؤ ہم تمہیں بتاتے ہیں یوم الدین کیا ہوتا ہے الدین جس دور کے اندر عملاً متشکل ہوتا ہے وہاں کیفیت یہ ہوتی ہے (**یوم لا تملک النفس لنفسٍ شیء**) کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا مالک نہیں ہوتا، پھر معاشرہ کیسے قائم رہتا ہے انارکی پھیلتی ہے قطعاً نہیں (**و الامر یومئذ للہ**) اس دور میں حکومت صرف خدا کی ہوتی ہے اور خدا کی حکومت کی عملی سمبل یا نشان یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا مالک نہیں ہوتا مالک مویشیوں کے ہوتے ہیں انسان حیوانوں کے مالک ہوتے ہیں، انسانوں کے نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ (**ولقد کرمنا بنی ادم**) ہر انسان کو ہم نے واجب التکریم پیدا کیا ہے تو کوئی انسان دوسرے انسان کا مالک نہیں ہوسکتا، اس نے کہا کون مالک ہوسکتا ہے، تیس پارے ختم کرنے کے بعد قرآنِ کریم کی آخری

announcement(قل اعوذ برب الناس) اعلان کیا الناس کا رب سامانِ نشو ونما بہم پہنچانے والا یہ خصوصیت ہے اس کی الحمدللہ رب العٰلمین سے بات شروع کی برب الناس پہ جا کے بات ختم کی (قل اعوذ برب الناس ملک الناس)اس کو حق حاصل ہے کہ انسانوں کا مالک بنے اپنے حکم کے تابع ان کو چلائے اسے حق حاصل ہے اور یوں یہ الہ الناس بنتا ہے معبود اور پرستیدہ نہیں کہ جس کی پرستش کی جائے صاحبِ اقتدار، رب الناس بننے کے بعد ملک الناس بنتا ہے پھر الہ الناس بنتا ہے اور وہ وہی صرف بنتا ہے کسی انسان کا وہ یہ دعویٰ نہیں مانتا کہ (انا ربکم الاعلیٰ) یہ تو فرعون کا دعویٰ ہے، رزق اس کے قوانین کے تابع ہر فرد کو ملتا ہے تو ملک یا مالک جسے آپ کہتے ہیں وہ تو خدا کے سوا کوئی ہو ہی نہیں سکتا یعنی وہ کیفیت انسان اور انسان کی جو انسان اور حیوان کا آپس میں رشتہ ہے دیکھا قرآن نے خود واضح کر دیا، کوئی شائبہ بھی ایسا اگر آ جائے انسان اور انسان میں جو انسان اور حیوان میں ہوتا ہے تو وہ ملوکیت ہوگئی عزیزانِ من اور ملوکیت ہی تو حرام ہے قرآن میں (والامر یومئذ للہ) حکم صرف خدا کے قانون کا چلے گا (یٰملک لیقض علینا ربک) افو، اس عذاب کے بعد آپ دیکھتے ہیں کیا درخواست پیش کریں گے وہ وہ جیلر کے پاس دروازے پہ جو کھڑا ہے اس کا، کہا کہ اس عذاب سے چھٹکارا ممکن نہیں خدا سے کہو کہ ہماری موت ہی ہم پہ طاری کر دے، افو، موت ہی طاری کر دے لیکن وہ عذاب کیا ہوا جو موت سے ختم ہو جائے کہا تھا وہ تو ناامید ہونگے اس سے، آپ کو معلوم ہے اس سے پہلے بھی آ چکی ہیں یہ آیتیں لیکن ریفرنس کے لئے پھر دہرا دوں جہنم کے متعلق قرآنِ کریم میں 14/17 پہلے یہ لے لیجئے (و یاتیہ الموت من کل مکانٍ وما ھو بمیتٍ) چاروں طرف سے موت آتی دکھائی دے گی لیکن وہ مریں گے نہیں، اس کیفیت کو آپ سمجھ سکتے ہیں عزیزانِ من مریں گے نہیں موت آتی دکھائی دے گی، دوسری جگہ ہے 87/13 چاروں طرف سے موت آتی دکھائی دے گی مریں گے نہیں اور کہا (ثم لا یموت فیھا ولا یحییٰ) اس میں نہ وہ مردہ ہونگے نہ زندہ ہونگے، اب اس کی تفصیل کیا بیان کی جائے، ہزار ہیف نہ بنی قیامتِ موجود، اقبالؒ کہتا ہے کہ یہ تم اس کی داستانیں سرگذشتیں تو بیان کرو گے کہ قیامت میں جہنم ہوگا یہ ہوگا یہ نہیں دیکھو گے کہ تم خود اس جہنم کے اندر کھڑے ہو (انکم مٰکثون) تمہیں تو رہنا ہوگا اس لئے کہ (لقد جئنکم بالحق ولکن اکثرکم بالحق کٰرھون) تمہارے پاس الحق آ چکا تم نے اس الحق سے نفرت کی کراہت برتی سرکشی نہیں نفرت برتی، پہلی قوموں کے پاس تو الحق آیا کسی طرح سے اس کے بعد وہ الحق محفوظ نہ رہا پھر دوسرے پیغمبر کے آنے کی ضرورت پڑی کہ وہ پھر اصلی الحق کو اس قوم کو دے، عزیزانِ من ہم کہاں جا سکتے ہیں ہمارا چھٹکارا کہاں ہوگا الحق آیا اور الحق قیامت تک کیلئے محفوظ رکھ دیا گیا قرآن محفوظ کر دیا گیا اسی لئے حضورؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہیں کہ وہ تو آتا تھا الحق کو اپنی original form میں دینے کے لئے وہ تو original form میں موجود ہے کہا یہ گیا ہے ان جہنم والوں سے کہ تمہارے پاس الحق تھا نا پھر اس پہ چلتے تم الحق پہ اس سے تو تمہارے دل میں کبیدگی پیدا ہو جاتی تھی اور اب چلا رہے ہو کہ اس جہنم کے اندر سے کسی طرح سے نکالا جائے، ہم

نے تو یہ جہنم طاری نہیں کیا الحق سے کبیدگی اور سرکشی اور نفرت کا نتیجہ خود ہے یہ (للحق کرھون) (ام ابرموا امرًا فانا مبرمون) کہا یہ لوگ اتنا کچھ ان کو سمجھایا جا رہا ہے اس کے باوجود یہ اپنی حکومت اپنے اقتدار اپنی قوت ملکیت اپنی ملوکیت اسی کے اوپر جمے بیٹھے ہیں اور اس قسم کی تدبیریں محکم کرتے جا رہے ہیں کہ اس میں کوئی دراڑ نہ پڑے اس میں کوئی رخنہ نہ پڑے کہا انہیں بتا دیجئے کہ تمہاری تقدیریں ایک طرف رہیں ہمارے قانونِ مکافاتِ عمل کی تدبیریں بڑی محکم ہوتی ہیں، حذر اے چیرا دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں ان کو کوئی توڑ نہیں سکتا، کہا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم under ground چلے جائیں گے وہاں سازشیں کریں گے تو پھر تو کوئی نہیں پکڑ سکے نا (ام یحسبون انا لا نسمع سرھم ونجوٰھم) یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے راز کی باتیں ان کے خفیہ مشورے ان کی سازشیں ہمیں ان کا علم نہیں ہے، انہیں ہماری سی آئی ڈی وہ کوٹڈ میں کہتا ہوں آج کی اصطلاح میں اس کا علم ہی نہیں ہے (بلیٰ و رسلنا لدیھم یکتبون) ہمارے فرستادہ جو ہیں ان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ایک ایک بات نوٹ کرتے چلے جا رہے ہیں یہاں یہ نہیں کہ کسی ایک مجمع میں ایک جلسے میں کسی ایک علاقے میں کہیں کوئی ایک ہو ہمارا سی آئی ڈی کا، یہاں تو ہر فرد کے ساتھ ہیں او کہاں ہیں وہ رہتے کہاں ہیں ان کے ساتھ یہ تو دائیں بائیں دیکھتا کہیں بھی نہیں ہوتا، کہا ان کے سینے کے اندر ہوتا ہے، وہ وہاں بیٹھا نقل کرتا چلا جاتا ہے اور پھر وہ اپنے پاس نہیں رکھتا لکھ لکھ کے ان کی گردن میں لٹکاتا چلا جاتا ہے فرق اتنا ہوتا ہے کہ وہ ذرا لپیٹ کے اس کاغذ کو لٹکاتا ہے اور جب یہ وقت آئے گا انقلاب کا تو وہ لپٹا ہوا کاغذ کھول دیا جائے گا ان کے سامنے، ممکن ہے یہ کہدیں کہ آدمی کوئی ہمارا غم تحریر بھی تھا غالب کہتا ہے کہ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق یہ تو بڑا؟؟؟؟ تھا نا، یہ تو کسی اور کا لکھا ہوا ہے اور ہمیں دیا جا رہا ہے، کہا جائے گا اقرا کتٰبک پہلی چیز تو یہ ہے کہ خود پڑھ اس کو اس کے بعد تم کہتے ہو کوئی گواہ تم خود اس کے لئے گواہ ہو مکر و تو مکر سکتے ہو تم مکر نہیں سکتے، کہ جی پھر اس کی سزا، کہنے لگے سزا بھی خود مقرر کر و تو اس سے بڑا انصاف تو اور کوئی نہیں ہو سکتا نا سزا تو ملی ہوئی ہے اس جہنم میں تو ہو اور سزا کیا ڈھونڈ رہے ہو تم، عزیزانِ من وقت ہو گیا۔ سورۃ الزخرف کی آیت 80 تک ہم آ گئے 81 سے ہم آئندہ لیں گے۔

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم)

شکریہ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

پہلے 3:30 منٹ آواز نہیں ہے،

آخری آیت کو لیجئے بڑی دشواری یہ ہے کہ باوجود میرے بار بار عرض کرنے کے بہت کم احباب کے سامنے قرآن کے نسخے ہوتے ہیں آج آپ دیکھیں گے کہ صرف ایک زیر اور زبر کے فرق سے بات کہاں جاتی ہے،عیسائیوں کے ساتھ؟؟؟؟ کی اختلاف تھا ان کے خلاف اعتراض یہ تھا کہ وہ حضرتِ عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اوران کی پرستش کرتے ہیں، خدا کے بیٹے کی پرستش، آیت ہے ہمارے ہاں(قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العٰبدین) آپ کوئی سا ترجمہ اٹھا کے دیکھئے کوئی سی تفسیر اٹھا کے دیکھئے شروع سے آخر تک ترجمہ تفسیر یہ ملے گی کہ اے رسولؐ ان سے کہدو کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتو میں پہلا شخص ہوں جو بیٹے کی پرستش کرے، آپ سمجھ رہے ہیں سن رہے ہیں کیا بات کہہ رہا ہے، کیا بات ہوئی ہے یعنی بات اتنی ہوئی کہ ہم بیٹا مانتے نہیں ہیں حضرتِ مسیحؑ کو، تم بیٹا مانتے ہو، بیٹا وہ مان لیں ہم بھی تو میں سب سے پہلے اس کی پرستش کروں، رسول اللہﷺ کی زبانِ مبارک سے خدا کہلوا رہا ہے تو باعث نزاع تو اتنی بات ہی ہوگئی نا کہ انہوں نے کہا کہ جی ٹھیک ہے ہم مانتے ہیں ایک کو بیٹا تو اس کی پرستش کرتے ہیں آپ اسے نہیں مانتے لیکن پرستش سے تو آپ بھی انکار نہیں کررہے آپ کہہ رہے ہیں کہ اگر ثابت ہوجائے کہ خدا کا کوئی بیٹا ہے

یا وہی بیٹا ہے تو میں سب سے پہلے ان کی پرستش کروں، یہی ہے توحید یہی ہے رسالت، چلا آ رہا ہے

یہ ترجمہ بھی چلی آ رہی ہیں یہ تفسیریں بھی، آسمان پھٹ پڑ جاتا ہے زمین شق ہو جاتی ہے، خدا رسول کی

زبان سے کہلوا رہا ہے کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہو تو میں سب سے پہلے اس کی پرستش کروں، مجھ سے تو اکثر

یہ اعتراضات یہ ہوتے ہیں کہ میں اس کی رو سے قرآن کا ترجمہ یا قرآن کا مفہوم بیان کرتا ہوں

عربی زبان کے اعتبار سے ہی اور قرآن کی آیات کو ساتھ رکھ کے ہی مفہوم بیان کرتا ہوں، آپ اس

کو نوٹ کر لیجئے اور جو عربی جاننے والے علماء حضرات ہیں ان سے پوچھئے کہ جو میں کہہ رہا ہوں زبان

کے اعتبار سے یہ صحیح ہے یا نہیں، یہ جو ہے (انا اول العٰبدین) دیکھ رہے ہیں کہ عبد ہے اس میں

عٰبدین ہے اس میں لفظ ع ب د یہ مادہ جسے آپ کہتے ہیں عبادت معبود یہ وہ ہے عربی زبان میں ایک

ہے عبد یعبد یہ زبان بڑی نازک ہے بڑی Scientific ہے یہ زیر زبر سے بھی دیکھئے اس میں حرف

تو وہی تینوں ہیں ع ب د عبد ع پہ ب پہ د پہ تینوں پہ زبر ہے یعبد مضارع اس کے بنتا ہے ب کے اوپر

پیش ہے عبد یعبد کے معنی ہوتے ہیں کسی کی محکومی اختیار کرنا ان کے الفاظ میں پرستش کرنا اطاعت کرنا

اس کے یہ معنی ہوتے ہیں، اور یہیں سے ہے عبد یعبد ب کے زیر کے ساتھ یعبد جو وہ مضارع ہے

اس میں ب کے زبر کے ساتھ عبد یعبد کے معنی ہوتا ہے انکار کرنا کسی سے نفرت کرنا تم کہتے ہو کہ خدا

کا ایک بیٹا بھی ہے ایسا خدا کہ جس کا بیٹا بھی ہو میں سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والا ہوں، ایسے

خدا کو سات سلام، ؟؟؟ وہی لفظ ہے وہی زبان ہے کہیں سے دیکھ لیجئے کہ دونوں چیزیں موجود اس

میں ہیں یا نہیں، تو پھر یہ کیا ہوا پہلے معنی آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ جو سارا سارا اسلام ہی الٹ دیتا ہے

وہ، چلا آ رہا ہے، کیوں چلا آ رہا ہے، پہلے کسی نے لکھ دیا پیچھے ساری بھیڑیں چلی آ رہی ہیں آج بھی

یہی ترجمہ ہورہا ہے آج بھی یہی تفسیر ہورہی ہے آج بھی ان کے ہاں کے جو عربی زبان کی لغت ہے وہ کتابیں ان میں آج بھی یہ دونوں چیزیں لکھی ہوئی ہیں ، میں کہاں سے لا سکتا تھا ، وہیں سے ، ؟؟؟؟تم خدا کا بیٹا مانتے ہو تم مجھے کہتے ہو کہ میں اس خدا کی پرستش کروں اس خدا کو خدا مانوں یہ خدا کا بیٹا ہو اس خدا کو تو میرے سات سلام میں تو خدا ہی نہیں مانتا؟؟؟؟ کتنی زبردست چیز ہے یہ تم بیٹا کہہ رہے ہو میں اسے خدا ہی ماننے کو تیار نہیں ہوں ، یہاں سے ؟؟؟؟ وہ آیت آگے آتی ہے **(سبحٰن رب السمٰوٰت والارض رب العرش عما یصفون)** ؟؟؟؟آیت میں بات بیان کرتا ہے خدا تو ان تصورات سے بہت بلند ہے جو تم اس کے متعلق قائم کئے ہوئے ہو، اس کا بیٹا بھی ہے ، ؟؟؟؟ وہ رب السمٰوٰت والارض ہے رب العرش ہے ؟؟؟؟؟ تم اس کے متعلق ذہن میں تصورات قائم کر بیٹھے ہوئے ہو وہ اس سے بہت بلند و بالا ہے **(لم یلد ولم یلد)** نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟ میں اس خدا کو خدا مانتا ہوں، جس خدا کا بیٹا بھی ہو اس کو خدا ماننا ہوا، اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جارہا ہے کہ یہ جھگڑے کرنے والے یہ قریش باتیں بنانے والے دو لفظ ہیں بات تو اس زمانے کی ذہن میں ایسی ہے کہ قرآن تو ابدی حقیقتیں بیان کرتا ہے کیا ان سب کے لئے یہ چیزیں ہیں کہا آؤ تمہیں بتائیں کہ بعض گروہ کرتے کیا ہیں **(فذرھم)** پہلی چیز یہ ہے چھوڑ دو ان کو الگ کر دو ان کو مت جان کھپاؤ ان کے ساتھ، کون ہیں یہ لوگ **(یخوضوا و یلعبوا)** کیا بات ہے یخوضوا کے معنی ہوتے ہیں باتیں کرتے رہیں statement issue کرتے رہنا تقریریں کرتے چلے جانا باتیں کرتے چلے جانا، چھوڑ دو ان کو کسی کام کے نہیں ہیں، وہ کہتا ہے **(لما تقولون ما لا تفعلون)** جو کچھ تم کر کے نہیں دکھاتے کہتے کیوں ہو، کیا بات ہے یخوضوا اس کے معنی ہوتے

ہیں باتوں میں ڈوبے رہنا ہر وقت باتیں ہی کرتے رہنا تقریریں ہی کرتے رہنا بیانات ہی دیتے چلے جانا، باتیں باتیں باتیں(**ذرھم**) وہ کہتا ہے یہ کسی کام کے نہیں ہیں، ان کے متعلق تو بلکہ اتنا ہی نہیں ہے کہ یہ کسی کام کے نہیں ہیں، ایک ریفرنس اور لے لیجئے 74/42 افو کہا جہنم میں جائیں گے یہ مجرم تو ان سے وہ پوچھیں گے(**ما سلککم فی سقر**) (74/42) تم کون ایسے جرم کیا کرتے تھے کہ جہنم میں آ گئے پوچھے گا داروغہ جہنم کا پاسبان جو اندر داخل کرے گا قرآن تو مثال کے ذریعے سمجھاتا ہے کونسا جرم تھا وہ تمہارا جس کی وجہ سے تم جہنم میں آ گئے وہ بات غور سے سننے کی ہے نا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا تھا کیوں جہنم میں آ گئے پہلی چیز تو(**قالوا لم نک من المصلین**) (74/43) پہلی چیز تو یہ ہے کہ ہم نے نظامِ صلوٰۃ قائم نہیں کیا جس نظام کا نتیجہ خدا نے بتایا تھا(**تنھٰی عن الفحشاء و المنکر**) کہ وہ معاشرے سے بے حیائی کی باتوں کو جرائم کو ختم کردے گی، صلوٰۃ ہم نے وہ قائم نہیں کیا ایک جرم(**و لم نک نطعم المسکین**) (74/44) بھوکوں کی روٹی کا انتظام ہم نے نہیں کیا تھا دوسرا جرم کیوں آئے جہنم میں خود بتا رہے ہیں کیوں ہم آئے ہم یہ کرتے تھے ہم یہ کرتے تھے اور اگلی بات یہ کچھ کرتے تو نہیں تھے(**و کنا نخوض مع الخآئضین**) باتیں بڑی کیا کرتے تھے اور اس طرح سے(**و کنا نکذب بیوم الدین**) ہم عملاً اس یوم الدین کی تکذیب کیا کرتے تھے مانا تو کرتے تھے زبان سے کہ قیامت آنی ہے عملاً اس کی تکذیب کرتے تھے کہ کہاں کی قیامت کہاں کا خدا کہاں کے اعمال کہاں کا جہنم، ہم یہ کیا کرتے تھے تو یہاں بھی وہ اہلِ جہنم کہہ رہے ہیں کہ ہم کرتے یہ تھے(**و کنا نخوض مع الخآئضین**) اکیلا ہی نہیں بات کرنے والا مع الخائضین ایک گروپ تھا گروہ تھا پورا سب باتیں کیا کرتے تھے ہم بس

باتیں ہی کیا کرتے تھے نہ بھوکے کو روٹی کھلاتے تھے نہ وہ نظام قائم کرتے تھے باتیں بہت کیا کرتے تھے اور اس طرح سے عملاً ہم اس بات کو جھٹلاتے تھے کہ کون پوچھنے والا ہے جو جی میں آئے کرتے جاؤ، باتیں بہت کرتے تھے، باتیں کرتے تھے اور پھر کرتے کیا تھے کچھ کرنے کی بات جو تھی (و یلعبوا) لعب کے معنی ہوتا ہے ایسے کاموں میں الجھائے رکھنا جو اس کو مقصد کی طرف نہ لے جائے عرب بولتے تھے جب دریا کی یا سمندر کی موجیں کشتی کو ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر لے جائیں لیکن ساحل کی طرف نہ لے جائے وہ کشتی کو تو یہ جو حرکت ہوتی تھی اس کو وہ تلعب کہتے تھے کہ ہم حرکت میں تو رکھتے تھے قوم کو، مقصد کی طرف ساحل کی طرف نہیں ان کو جانے دیتے تھے ہم یہ کیا کرتے تھے ، رسول اللہؐ سے فرمایا کہ چھوڑو ان کو یہ بے کار ہو چکی ہوئی ہے جنس ان سے کچھ نہیں ہو سکے گا اپنا پروگرام جو ہے ان لوگوں کے ساتھ مل کے کرو جو کہیں کم کریں زیادہ، ان کا ہر چپو کشتی کا ساحل کی طرف لے جانے والا ہو (حتٰی یلٰقوا یومھم الذی یوعدون) چھوڑ دو ان کو وہ تباہی کا دن آ جائے گا ان کے سامنے معلوم ہو جائے گا اب آئی وہ آیت عزیزانِ من جس کے لئے میں نے عرض کیا ہے کہ کچھ ضعف کے باوجود میں نے آج ضروری سمجھا کہ میں یہ درس ضرور دیدوں، آیت ہے (و ھو الذی فی السمآء اله و فی الارض اله) عزیزانِ من میں نے بھی جتنا مطالعہ کچھ کیا ہے تمام مذاہبِ عالم کا مطالعہ میں نے کیا ہے مذاہب کے علاوہ بھی بہر حال علمی دنیا فلسفے کی دنیا سائیکالوجی کی دنیا کچھ نہ کچھ ان کا بھی کچھ پڑھا ہے یہ جو چیز ہے نا اس انداز سے خدا کا یہ تصور کہ وہی سما میں اله ہے وہی ارض میں اله ہے یہ اس انداز سے یہ بات میری نظر سے کہیں نہیں گذری یہ دو الگ الگ چیزیں خارجی کائنات میں بھی وہی اله ہے اور انسانوں کی اپنی دنیا میں بھی وہی اله ہے اب

ہمارے ہاں الہ کا ترجمہ ہوا معبود جس کی پرستش کی جائے اور سارا مقصود و مطلوب ہی غارت کر کے رکھ دیا، انسانوں کی دنیا میں تو پھر بھی کہئے نا کہ چلئے نماز پڑھتے ہیں پرستش خدا کی کرتے ہیں یہ خارجی کائنات کے اندر کونسی نماز پڑھتے ہیں پرستش کرتے ہیں الہ السما اور الہ الارض وہ اتنی عظیم چیز کہہ گیا ہے آپ دیکھیں گے کہ کیا کیا عمارتیں کھڑی ہوتی ہیں اس ایک کے اوپر، بس الہ تک قرآنی مفہوم عربی زبان کی رو سے صاحبِ اقتدار جس کا حکم چلے جس کا قانون چلے اور بات الہ کے اس ترجمے اور مفہوم نے واضح کردی ہے خارجی کائنات میں بھی اسی کا قانون چلتا ہے اور انسانوں کی اپنی تمدنی اور معاشرتی زندگی میں بھی اسی کا قانون چلنا چاہئے، وہ الہ خارجی کائنات کا بھی الہ وہی تمہاری اپنی زندگی کا بھی الہ وہی، یہ ہے خدا کا ماننا یہ ہے توحید ایک کا ہی قانون، اب یہ دیکھئے ایک تو یہ ہے جسے اسلام آپ کہیں گے Scientifically خارجی کائنات میں خدا کا قانون اس کی تحقیق یہ تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں یہ جو مؤمن ہیں ان کا بھی فریضہ ہے قرآن کی رو سے کہ خارجی کائنات میں قوانینِ خداوندی کی تحقیق کریں لیکن فرق یہاں آ کے پڑتا ہے کہ وہ خارجی کائنات کے قوانین کی تحقیق کرتے ہیں مانتے ہیں کہ وہ واقعی خدا کے قانون ہیں یہ جو ارضی ہے انسانوں کی اپنی زندگی جو ہے اس میں اسے نہیں مانتے، اس زندگی میں یہ جو انسانوں کی زندگی ہے بڑی احتیاط سے حوالے نوٹ کیجئے گا عزیزانِ من اگر کوئی صاحب نوٹس لکھنا جانتے ہیں تو لکھتے بھی جایئے گا یہ بہت کام آئیں گے آپ کے یہ چیزیں جو میں آج عرض کر رہا ہوں اسلام کی بنیاد بن جاتے ہیں یہ، یہ الہ الارض جو ہے 21/21 (ام اتخذوا الهة من الارض هم ينشرون) کیا انھوں نے اپنی انسانی زندگی کے لئے ایسے الہ تجویز کر رکھے ہیں کہ جن کے سہارے سے زندگی آگے بڑھتی ہے پھیلتی

ہے زیست کا سامان بنتا ہے تو ارض کی زندگی اپنی انسانی زندگی میں انہوں نے ایسے الہ اختیار کر رکھے ہیں جن کے سہارے زندگی آگے چلتی ہے تو گویا انسانی زندگی تمدنی زندگی اس کی معاشرتی زندگی اس کے اندر یہ الہ الہ پھر وہی کہئے صاحبِ اقتدار اتھارٹی جن کا قانون چلے جن کا حکم چلے جن کا نظام چلے تو گویا ارض کے اندر انہوں نے اور الہ تجویز کر رکھے ہیں جن کے سہارے زندگی آگے بڑھتی ہے تو دو چیزیں ہو گئیں کہ اسلام تو تھا کہ سما اور ارض میں ایک ہی الہ ایک ہی کا قانون، ایک کیٹگری ایسی آئی اب کہ ارض میں دوسرے الہ دوسرے قوانین دوسروں کے احکام دوسروں کے نظام اس خدا کے نہیں سما کا خدا تو وہ اور ارض کے خدا جو ہیں یہ انسان، آج کی اصطلاح میں اس کو سیکولرازم آپ کہہ لیں، یہ یورپ کی قومیں یہ سب خدا کو مانتی ہیں ایک آدھ کو تو آپ چھوڑ دیجیے کہ نام نہیں وہ لیتے مثلاً رشیا کے ملحد یا چائنا وغیرہ والے خارجی کائنات کے قوانین تو وہ بھی مانتے ہیں چلئے ادھر سے اس خدا کا تو انکار کیا ارض میں تو انسانوں ہی کے قوانین کو مانتے ہیں نا، سیکولرازم کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا کو مانا جائے آسمانی خدا جو ہے خدا ہے آسمان بنایا اس نے زمین بنائی اس نے چاند ستارے سارے اس نے بنائے ہوئے ہیں انسانوں کو بھی وہی بناتا ہے یہاں تک تو سارا خدا ماننا اور جہاں انسانوں کی اپنی زندگی آئی یہاں قوانین خود اپنے بنائے ہوئے یا اپنے جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ان کی اطاعت کرنا یہ الہ دوسرے آ گئے، سیکولرازم ان معنوں میں خدا کو مانتے ہیں میں نے عرض کیا تھا نا کہ یہ لفظ جو ہے میں خدا کو مانتا ہوں بالکل بے معنی ہے یہ بلکہ فریب انگیز ہے خدا کو مانتا ہوں او قرآن کہتا ہے کہ خدا کو ماننا نہیں ہے خدا کو تم صاحبِ اقتدار مانو، یہ وہ نہیں مانتے، یہ تحریکِ پاکستان کے دوران حضرت علمائے کرام سے جو ہمارا جھگڑا تھا نا لیگ والوں کا یا قائداعظم کا وہ یہی جھگڑا تھا وہ

وہاں سیکولر اسلام چاہتے تھے یعنی یہ جو تھا خدا کو مانتے تھے کائنات کو پیدا کرنے والا خدا جو تھا اس کو مانتے تھے شخصی قوانین جو ہیں نکاح صلوٰۃ وصیت وغیرہ یہاں تک بھی مانتے تھے لیکن وہ ارض قرآن نے کہا ہے کہ وہ نظام جس سے زندگی آگے بڑھتی ہے اور جس میں زیست کا سامان ملتا ہے اس میں یہ دوسرے الہ مانتے تھے وہاں یہ کہتے تھے کہ یہ جو حصہ ہے مملکت کا یہ تو جمہوری ہوگا جسمیں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی وہ تو ان کا ہوگا اور یہ نکاح طلاق وغیرہ کے مسائل جتنے بھی ہیں شریعت کے یہ ہمارے چلیں گے اس قسم کا جو اسلام یا خدا کا ماننا ہے عام طور پر مغرب کے ممالک میں رائج ہے وہاں بھی مسلمانوں کو عیسائیوں کو یہودیوں کو شخصی قوانین کی اجازت ہوتی ہے، مملکت کے قوانین جو ہیں اس میں وہ خدا کو نہیں لاتے وہ انسانوں کے ہی بنائے ہوئے ہوتے ہیں تو گویا اب یہ صورت پیدا ہوگئی کہ الہ آسمان کے الہ ماننے والے یعنی معبود اور ارض کے اندر انسانوں کو الہ ماننے والے تو میں نے کہا ہے کہ آج کی اصطلاح میں اس کو سیکولرازم آپ کہہ لیجئے جسے آپ کہتے ہیں تو دوسری کیٹگری یہ ہوگئی، اسلام کی تو وہ ہے نا کہ ارض اور سما کے اندر ایک ہی صاحبِ اقتدار اب یہاں یہ ہوگیا کہ آسمان کا تو وہ مانتے ہیں اور ارض کے اندر وہ اور انسانوں کو مانتے ہیں، خدا کو ایک الہ ماننا ہے نا ارض میں بھی اور سما میں بھی سما کے الہ کو تو آپ چھوڑ دیجئے کہ وہ قوانینِ فطرت تک کی بات سہی ہمارا واسطہ ارض کے الہ سے ہے کہ ہماری انسانوں کی زندگی جو ہے وہ کس کے قوانین کے تابع ہو ہم کس کا حکم مانیں کون صاحبِ اقتدار ہے ہمارا، یہ نہ صرف نوٹ کر رکھئے بلکہ جہاں جہاں بھی ہو سکے اس کو لکھ کے رکھ رکھئے کہ اسلام ہے ہی یہ عزیزانِ من، 18/26 (ولا یشرک فی حکمه احدًا) خدا اپنے حکم اپنے قانون اپنے فیصلے میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کر سکتا، یہ ہوا خدا کا ماننا یہ ہوا الہ الارض (احدًا) کسی

کی استثنٰی نہیں ہے کہ فلاں فلاں کیٹگری جو ہے اس کو تو ہم نے اجازت دی ہے کہ وہ ہماری شراکت کرے ہمارے قوانین کے ساتھ اور قوانین اپنے بھی بنالے اور فلاں کو اجازت نہیں دی (**لا یشرک فی حکمہ احدًا**) یہ ہے جی اسلام، جہاں خدا کے حکم کے ساتھ کسی انسان کا حکم آپ نے ملایا شرک ہو گیا، کسی کا بھی حکم (**احدًا**) اور قران تو پھر جب وضاحت کرتا ہے ان باتوں کی یہ تو بڑی اصولی باتیں ہیں نا، وہی 3/78 کی آیت جو عام طور پہ دہرائی جاتی ہے یہاں (**ما کان لبشرٍ**) وہاں احدًا کہا تھا قرآن نے کسی ایک کو بھی وہ حق نہیں دیتا کہ خدا کے قوانین کے ساتھ وہ یشرک ہے یہاں اس کے ساتھ کوئی انسانی قانون ملایا جائے یہاں ہے (**ما کان لبشرٍ ان یوتیہ الکتٰب والحکمۃ و النبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادًا لی من دون اللہ**) کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا یہ اختیار نہیں ہے خواہ وہ صاحبِ کتاب ہو خواہ اس کو حکومت حاصل ہو والنبوۃ وہ نبی بھی کیوں نہ ہو اس کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں سے اپنے حکم منوائے، اس کا فریضہ یہی ہے (**ولکن کونوا ربنینا بما کنتم تعلمون الکتٰب و بما کنتم تدرسون**) اس کا فریضہ صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ وہ کتاب جس کو تم پڑھتے ہو جس پہ غور و فکر کرتے ہو اس کتاب کی اطاعت کر و اس سے ربانی بنو ہاں میں بھی بنتا ہوں تم بھی بنو، اور فیصلہ یہ ہے کہ (**ومن لم یکم بما ان انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون**) جو خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتا حکم نہیں دیتا حکومت قائم نہیں کرتا ان کو کافر کہا جاتا ہے، یعنی یہ ہیں کافر اور مشرک میں فرق ابھی میں عرض کروں وہ یہ ہیں کہ جو اس کے مطابق نہیں کرتا ٹھیک ہے انکار کرتا ہے وہ مانتا ہی نہیں ہے اس کتاب کو، یہاں پاکستان میں آپ کے ہاں غیر مسلم بھی تو بستے ہیں جنہیں بھی آپ اسلامی قانون کہتے ہیں یہ سچ مچ

جب اسلامی قانون آئیں گے تو ان کے اوپر وہ لاگو ہی نہیں ہونگے وہ مانتے نہیں ہیں اس کو، تو وہ تو کافر ہیں یہ مشرک کون ہیں پھر، پھر دہرا دوں اسلام یہ ہے سما میں تو خدا کے قوانین جو ہیں اس اعتبار سے تو انسان آدم کے مقام پہ Scientist کے مقام پہ پہنچتا ہے ارض کے اندر صرف خدا کے احکام کی اطاعت یہ ہوا وہ اسلام، سما کے اندر خدا کے قانون کو کہنا کہ اسی کا قانون چل رہا ہے ارض میں انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے قوانین یہ سیکولرازم ہوگئی ساری دنیا میں آج یہی کچھ چل رہا ہے، سرے سے خدا کے قوانین کو ماننا ہی نہیں خدا کی کتاب کے احکام کو ماننا نہیں ہے کفر ہے اس کی اجازت ہے ٹھیک ہے نہ مانو یہ کفر ہوگیا شرک خدا نے کہا تھا کہ خدا کے قوانین کے ساتھ کسی اور کے قانون کا ملا دینا خدا کا بھی ماننا ہے اس کے قانون کو بھی ماننا ہے اس کے ساتھ ملانا ہے 16/51 (و **قال الله لا تتخذوا الی حین سنین)** خدا نے کہا یہ ہے کہ یاد رکھو دوالہ نہ ماننا دوصاحبِ اقتدار نہ ماننا دو اتھارٹیز نہ ماننا قانون دینے والی، یہ نہ کر لینا کہ ایک الہ تو وہی خدا ہے اس کا بھی کچھ ساتھ ساتھ رکھتے جاؤ اور اس کے ساتھ دوسرے الہ بنالو انسانوں کو، دوالہ بنانے جو ہیں یہ ہے شرک یعنی خدا کے احکام اور ان کے ساتھ انسانوں کے احکام یہ ہے جسے قرآن نے شرک کہا ہے، یہ کون ہیں یہ جو دوسرے الہ بن رہے ہیں 42/21 **(ام لهم شرکؤا شرعوا لهم من الدين ما لم ياذن به الله)** کیا انہوں نے اپنے ہاں کچھ اس قسم کے شریک بنا رکھے ہیں جو شریعت کے قوانین بناتے ہیں ان کے لئے جس کی ہم نے قطعًا اجازت نہیں دی، انسان قوانینِ شریعت بنانے والے، دو خدا، ساری تاریخ آپ کی ہماری مسلمان کی صدرِ اول کو چھوڑ کر اسی شرک کی تاریخ ہے عزیزانِ من دو چار مثالیں خدا نے قرآنِ کریم میں چار چیزوں کو چند چیزوں کو حرام قرار دیا ہے لحمِ خنزیر ہے بہتا ہوا لہو

ہے مردار ہے اور چوتھی چیز اگر کہدونگا تو آپ سارے ہی کہیں گے کہ صاحب یہ تو ہم سارے ہی کھاتے ہیں یہ جو نذر نیاز جس کو کہتے ہیں خدا نے بہرحال سارے قرآن میں انہی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے یہ تو ہو گیا خدا الہ اور اس کے بعد آپ فقہا کی فہرستیں دیکھئے یہاں سے وہاں تک یہ حلال وہ حرام یہ حلال وہ حرام یہ حلال کس نے اس کا اختیار دیا جی ان کو کس نے یہ حق دیا اس کا، آج جب پوچھئے ان سے کہ صاحب اس کے لئے سند کیا ہے، کہا صاحب علمائے کرام یہ کہتے چلے آئے سلف سے یہی ہمارے ہاں کا مسلک ہے، یعنی وہ سارا زور جو کہتا یہ چلا آیا نا؟؟؟؟؟ وہ اسلاف بن گئے علماء کا ایماء ہے آپ دیکھیں گے عام طور پہ یہ کہتے ہیں؟؟؟؟؟ کے اوپر، اسلاف کا مسلک یہی ہے، یہ ساری فقہ کی کتابیں یہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں قرآن کہتا ہے کہ کس نے ان کو یہ اجازت دیدی تھی کہ یہ شریعت کے قوانین ایسے بنائیں جن کی ہم نے اجازت نہیں دی یہ دو خدا بنا لینے والی بیک وقت دو ہیں نا وہ بھی حرام ہیں وہ جو خدا نے کہی ہیں کتاب میں یہ غور طلب بات ہے کفر یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی وہ نہ مانیں کہ میں مانتا ہی نہیں ہوں، میں قرآن کو خدا کی کتاب ہی نہیں مانتا کفر ہے، ٹھیک ہے، کہ ان میں سے یہ جو چار چیزیں یہ ہیں یہ تو خدا کی اور یہ جو اس کے بعد لسٹیں بنی ہوئی ہیں قرآن نے احدًا کہا تھا کہ کسی شخص کو بھی اس کا حق نہیں حتٰی کہ اس نے نبوت میں بیچ میں وہ لے آیا کہ نبوت بھی کیوں نہ ہو کسی کے پاس اس کو بھی یہ حق نہیں ہے عزیزانِ من کسی کی آزادی پر پابندی عائد کرنا یہ بہت بڑا حق ہے کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں دیا جا سکتا، پھر یہ اور بات ہے کہ خدا کا ایک حکم ہو اس پر عمل کرانے کے لئے کوئی طریقے وضع کرے وہ حکومت جو خدا کے احکام کو نافذ کرنے کے لئے عمل میں آئی ہو اس کو نافذ کرنے کے کچھ طریقے وضع کرے وہ طریقے وقتی طور

یہ ہوسکتے ہیں وہ دین نہیں ہے وہ شریعت ابدی نہیں ہے وہ ہمیشہ کے لئے خدا کے قانون کے ساتھ دوسرا قانون نہیں ہے اپنے وقت کے تقاضوں کے مطابق خدا کے قانون کو عملاً نافذ کرنے کے لئے کچھ طور طریقے ہیں دین تو وہی ہے جو خدا نے دیا ہوا ہے، یہ اس لئے دین نہیں یہ اس لئے الہٰ نہیں بن رہے کہ یہ ہر وقت تبدیل کی جا سکتی ہیں یہ ان کے طور طریقے، کسی وقت میں وہ زائد ہونگے دوسرے وقت میں ان کی جگہ دوسرے آجائیں گے (**لا تبدیل لکلمت اللہ**) یہ صرف خدا کے قانون کے لئے ہے خدا کے قوانین کے سوا کسی انسان کے قانون کے متعلق ابدیت اس کو دیدینا (**لا تبدیل لکلمت اللہ**) کہدینا اس کے متعلق، یہ اس کو خدائی درجہ دیدینا ہے اور یہ محض چیز نظری نہیں ہے قرآنِ کریم کے ساتھ عقیدہ یہ ہے **مثلہ معہ** قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل قرآن کی مثل قرآن کے ساتھ، یہ روایات کہا جاتا ہے کہ جی ان کی بناء پر یہ ہمارے ہاں فقہا نے یہ فقہ کے مسائل یا شریعت وضع کی ابدی غیر متبدل خدا کا حکم یونہی دو تین مثالیں جو سامنے آتی ہیں ہر بار خدا کا حکم کہ زانی مرد یا عورت ہو اس کو سو کوڑے مارو خدا کا حکم ہے یہ حکم بھی اپنی جگہ یہ تو ہو گیا نا ایک الہٰ دوسرا الہٰ آیا اس نے کہا کہ نہیں صاحب شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے الہٰ سنین خدا بھی اپنے ہاں الہٰ ہے یہ اپنے ہاں اعلان، خدا کے الہٰ ہونے میں تو پھر بھی کچھ تھوڑی بہت نرمی برت لیتے ہیں یہ جو ہیں انسانی الہٰ جو ہیں ان کے متعلق تو آپ دیکھتے ہیں کتنی قیامت اس ایک حکم کے اوپر ہی کیا کچھ ہو رہا ہے صاحب، یعنی یہاں تک کہا یہ جاتا ہے کہ خدا کا حکم قرآن کی آیت منسوخ ہو گئی ہے، کنڈا کڈو وچوں، میرے اللہ، (مثلہ معہ) بھی عقیدہ ہے اس کی قرآن کی مثل قرآن کے ساتھ جہاں آ کے اب ٹکراؤ ہوتا ہے وہاں یہ کہ قرآن کی آیت منسوخ ہو گئی، خدا کا حکم کہ جب کوئی تم مرنے لگو وصیت کرو جو کچھ بھی تم

چھوڑ چلے ہو اس کی وصیت کرو جس کے حق میں جی چاہے وصیت کرو خدا الہ ہو گیا دوسرے الہ آئے انہوں نے کہا نہیں سارے مال میں وصیت نہیں ہوسکتی صرف ایک تہائی میں ہوسکتی ہے، اچھا جی، جس کے حق میں نہیں جس کے حق میں تم قرآن جو کہتا ہے وہ نہیں وارث کے حق میں نہیں ہوسکتی یعنی وہ حکم بھی موجود ہے وصیت کرواتنے حصے کو منسوخ نہیں کیا فائدہ ہی کیا تھا اس کو منسوخ کرنے کا جو آگے بات ہوگئی وہ کہتا ہے سارے مال میں کرو وہ کہتے ہیں نہیں تہائی میں کرو، وہ کہتا ہے جس کے حق میں جی چاہے تم کرو تم بہتر سمجھ سکتے ہو کہ کسے یہ ملنا چاہئے، وہ کہتے ہیں کہ نہیں ورثا کے حق میں نہیں ہوسکتی قانون یہ کہتا ہے پوچھا گیا کہ صاحب اس کے لئے کوئی سند کوئی دلیل یہ جو اس خدا کے حکم کو یوں پلٹا کے یہ کر دیا ہے آپ نے، کہا کہ یہ جو ہم کہہ رہے ہیں یہ حدیث میں ہے اور حدیث نے قرآن کی آیت کو منسوخ کر دیا، چلئے صاحب، خدا نے کہا کہ اگر کوئی بچہ یتیم رہ جائے اس کا باپ مرجائے دادا کی موجودگی میں یہ یتیم جو ہے اس کی پرورش کرو اس کا زیادہ حق ہے جو کچھ اس کے باپ کو دادا کی وراثت میں سے ملنا چاہئے تھا اس کا یہ حقدار ہے یہ اسے ملنا چاہئے، ان کا حکم یہ ہے کہ نہیں صاحب یہ محروم ہے اس کو نہیں ملنا چاہئے وہ جو زندہ چاچا ہے سارا وہ لے جائے گا، قرآن نے غلامی کو یکسر ختم کر کے رکھ دیا تکریمِ انسانیت کے خلاف ہے کسی انسان کا دوسرے انسان کو غلام بنانا وہ تو کسی انسان کا حکم نہیں منواتا دوسرے سے غلامی تو ایک طرف رہی اور سارا کچھ یہی چلا آتا ہے نا کہ خدا کے سوا کسی کو حق نہیں ہے کہ اپنا حکم اپنا قانون کسی دوسرے انسان سے منوائے چہ جائیکہ ایک انسان کو دوسرے انسان کا غلام بنا دے (معاذ اللہ) کتنا بڑا انقلاب یہ آ کے قرآن نے کیا یہ اعلان کیا یہ، ان کے ہاں فقہ کی کتابیں اٹھا کے دیکھئے 75% نہیں تو آدھی کتابیں غلامی کے احکام سے متعلق ہیں

کہ کیسے بنایا جاسکتا ہے کیا حقوق ان کے ہوتے ہیں لونڈیاں کس طرح سے رکھی جاتی ہیں بے تعداد کے بلا نکاح کے یہ سارا کچھ، بھئی وہ قرآن نے کہا ہوا ہے غلاموں کے متعلق، کہ جی ہاں غلام کو چھڑا دینا ثواب ہے اور پھر پکڑ کے غلام بنالینا یہ شریعت کی اجازت ہے، میں وقت نہیں ہے ورنہ میں آپ کو اس قسم کی مثالیں دیتا چلا جاؤں قرآن نے کہا کہ نکاح بالغ مرد اور عورت کی باہمی رضامندی کا نام ہے انہوں نے کہا کہ پہلی چیز تو عورت کی رضامندی کی ضرورت ہی نہیں اور پھر یہ کہ وہ چھ مہینے کی بھی ہو تو نکاح ہوسکتا ہے اس کا، آپ دیکھتے ہیں کہ عملاً الہ کونسے ہیں جو چل رہے ہیں وہ کبھی کبھی بیچ میں آجاتا ہے کہاں جہاں وہ ٹکرائے نہیں (**قال اللہ تعالیٰ**) اللہ کا فرمان اگر اس کے ساتھ ٹکرائے نہیں تو وہاں یہ چیز آجاتی ہے ورنہ جہاں ٹکراتا ہے وہاں یہ الہ جو ہے یہ ہمیشہ غالب ہوتا ہے، یا تو امام ؟؟؟؟ ہے ان کے ہاں فقہ حنفی کے بہت بڑے امام انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہمارے ائما میں سے کسی کا قول اگر وہ قرآن سے ٹکراتا ہے تو پہلے تو کوشش کرو کہ قرآن کی تاویل ایسے کی جائے جو اس حکم کے مطابق ہوجائے اور اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو تو پھر قرآن کی آیت کو منسوخ مانو، اگر ٹکرائے نہیں اس کے ساتھ وہ چلتا ہے تو پھر اس کو لے لیجئے اس میں تو کوئی بات نہیں اس کے ساتھ چلتا ہے نا وہ تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم وراہ ہو ہم کو بھی پوچھے رہو تو کیا گناہ ہو، یوں ہے کبھی کبھی جو پوچھ لیا جاتا ہے اس الہ کو بھی، آپ نے غور فرمایا عزیزانِ من ہماری تاریخ کیا ہے یہ فقہ کیا ہے جنہیں اسلامی احکام کہا جاتا ہے وہ کیا ہیں تو قرآن کی رو سے توحید کس کو کہتے ہیں (**لا یشرک فی حکمہ احدًا**) **احدًا** کسی کو حق نہیں دیتا کہ وہ اس کے ساتھ حکم دینے میں شریک ہوجائے، اب یہ شرکت آپ نے دیکھا کہ یہ کیا چیز ہوئی جس کو آپ شریک کہتے ہیں موجودہ دور کی اصطلاح میں سمجھئے میں نے کہا ہے نا کہ

ایک تو نا مسلم ہیں یہاں بستے ہوئے وہ مانتے ہی نہیں ہیں آپ کے ہاں کے قرآن کے اصول کو وہ کفر ہے ان سے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ ایک مملکت میں بسنے والے سٹیٹ ؟؟؟؟ سٹیٹ قائم کر لیں یعنی مملکت کے اندر دوسری مملکت کچھ احکام اس مملکت کے کچھ احکام اس مملکت کے، کیا اس کی اجازت دی جا سکے گی کوئی مملکت اس طرح سے قائم رہ سکتی ہے اب اس آیت کا مفہوم بھی سمجھ میں آ جائے گا 4/48 آپ نے غور فرمایا شرک کس کو کہا ہے قرآن نے خدا کا حکم اس کے ساتھ اس کے برابر اس کی مثل اس کے ساتھ متوازی parallel ایک اور خدا کا حکم اس کے برعکس یہ ہوا شرک، state within a state اس کو آج کی اصطلاح میں کہتے ہیں اسے بغاوت کہیں گے نا آپ مملکت کے اندر مملکت کا ایک قانون ہو اس کے برعکس دوسرا قانون آپ رائج کریں اس مملکت کے اندر اسی کو بغاوت کہیں گے نا، اس کی روشنی میں پھر قرآن کی اطاعت کے معنی سمجھ میں آ گئے (ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشآء) (4/48) عام ترجمہ بھی لیا جائے تو اس سے تو یہ کہتے ہیں نا کہ شرک جو ہے وہ بخشا نہیں جا سکتا اس کے سوا اور جرائم بخشے جا سکتے ہیں، بخشا جانا کچھ اور مفہوم لیجئے مملکت کے اندر اس چیز کو برداشت نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی دوسری مملکت قائم کر لیں اس کے سوا چھوٹے موٹے جرائم اور جو بھی ہوں وہ قابلِ برداشت ہو سکتے ہیں لیکن یہ قابلِ برداشت ہو ہی نہیں سکتا بات ٹھیک ہے نا، اسی لئے شرک کو دوسری جگہ قرآن نے ظلمًا عظیم کہا ہے سب سے بڑا جرم سنگین ترین جرم، واقعی اس سے بڑا تو کوئی جرم اور ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ ایک مملکت کے اندر دو اتھارٹیز مانیں قانون دینے والی، یہ جو شرک میں نے گنایا ہے ابھی آپ کے سامنے یہ غیر مسلموں کا تو شرک نہیں ہے وہ تو کافر ہیں وہ تو مانتے ہی نہیں ہیں آپ

کے اس ضابطہ قانون کو خدا کے احکام کو وہ مانتے ہی نہیں ہیں وہ کفر کرتے ہیں انکار کرتے ہیں اس سے وہ نہیں ہیں یہ مشرک کون ہیں دو قانون ماننے والے دو اتھارٹیز ماننے والے یہ ہے نا غصہ نہ منائیں گے آپ جب اپنے آپ کو بھی میں شامل کرلونگا ہم ہی ہیں نا اور یہ میں نہیں کہہ رہا عزیزانِ من 12/106 کیا کہنے اس خدا کے کیا کتاب ہے اس کی یہ سب کچھ کہنے کے بعد کہا(**وما یؤمن اکثرھم باللہ و ھم مشرکون**) وہ لوگ بھی تم دیکھو گے کہ مؤمن کے مؤمن کہلاتے ہوئے بھی مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں، ٹھیک ہے، خنزیر حرام ایمان ہے ہمارا ہوگیا نا مؤمن اتنے تک اور وہ بیسیوں چیزیں جن کو قرآن نے خدا نے حرام نہیں قرار دیا ان کو ساتھ حرام ماننے والے تو شرک ہوگیا نا صاحب، کتنی عظیم چیز مؤمن کہلاتے ہوئے بھی مشرک کے مشرک رہ گئے، ہمارے ہاں ہوا کیا الٰہ کا ترجمہ تو کیا معبود عبادت کا ترجمہ کیا پرستش، لہذا شرک ہوگیا بتوں کا پوجنا پھر تو ہم میں سے کوئی بھی مشرک نہیں رہتا نا، پھر جھگڑا اچلا ہمارے ہاں فرقوں میں آگے یہ وہابی تے غیر وہابی قبروں پر جانا وہاں دئے جلانا یا مرادیں مانگنا عرس کرنا ان کی مخالفت کرنے والے پتہ نہیں آپ لوگوں کے ہاں بھی تھا ہمارے ہاں پنجاب میں ان کو موحد کہتے تھے کہتے تھے نا موحد یعنی یہ توحید پرست ہیں اسی طرح سے ماننے والے کہ یہ خنزیر حرام ہے بیس اور چیزیں بھی ساتھ لیکن قبروں پہ نہیں جاتے دئے نہیں جلاتے گویا خدا کی الوہیت یا الٰہیت اس کو کہئے وہ تو ہوگئی پرستش خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کرتے وہ تو نہیں پوجتے مشرک نہیں ہیں توحید یہ ہے کہ قبروں پہ نہیں جاتے اب سارا جھگڑا آپ دیکھئے شروع سے آخر تک ان فرقوں کے اندر قبروں پہ جانا روا ہے نہیں روا جایا جائے نہیں جایا جائے مردے جو ہیں وہ سنتے ہیں ان کی نہیں سنتے اولیاء اللہ مرادیں برلاتے ہیں نہیں برلاتے یعنی جھگڑا سارا شرک اور

توحید کا اس میں سمٹ گیا خدا کے حکم کے ساتھ انسانوں کا حکم ملانا یہ تصور میں بھی نہیں ہے کہ یہ شرک ہے وہ چل رہا ہے ان کے ہاں بھی چل رہا ہے جو یہ دیوے جلانا جو ہے یہ غیر اسلامی قرار دیتے ہیں ان کے ہاں بھی چل رہا ہے جو دئے جلا کے آ جاتے ہیں دونوں کے ہاں یہ سب کچھ چل رہا ہے یہ شرک ہر جگہ موجود ہے تو شرک سمٹ کے آ گیا بت پرستی میں یا قبر پرستی میں اور بڑا آسان ہو گیا مسئلہ ہر قسم کی حکومت میں یہ اسلام آپ کا اسلام اس اسلام کی اجازت آپ کو ملتی رہی وہاں جھگڑا یہی چلتا ہے سارا وقت تحریکِ پاکستان میں اور لوگ بھی تھے زندگی کا اعتبار نہیں میں عرض کروں کہ میں نے دس سال وہاں ساتھ اندر کام کیا قائداعظم کیساتھ، میرے سپرد محاذ ہی یہی تھا اور وہاں سارا وقت یہ ثابت کرنے میں لگ گیا کہ بابا شرک انسانوں کے بنائے ہوئے احکام کی اطاعت کو کہتے ہیں اور وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کی جمہوریت کے تابع ممکن ہی نہیں وہ اسلام یا وہ ایمان اور وہاں یہ چیز تھی کہ بتوں کی پرستش کو کہتے ہیں اور ہندو نہ ہمیں مجبور کرتا ہے بلکہ اجازت اپنی اپنی مسجدوں میں جا کے تم جس طرح سے جی چاہے نماز پڑھ لو، یہ پڑھ لو توحید ہو گئی مندر میں جا کے بتوں کے سامنے جھک جاؤ تو وہ شرک ہو گیا یعنی آپ حیران ہونگے کہ یہ بات جو تھی قریب دس سال تک مابہ نگاہ رہی وہاں اختلاف اس پہ رہا بحثیں اس کے اوپر رہیں کہ کسی غیر مسلم حکومت کے اندر رہتے ہوئے توحید پرست ہو نہیں سکتے حتٰی کہ مسلمانوں کی بھی اگر ہو اور اگر وہاں بھی خدا کا احکام نازل نہیں ہوتا تو وہاں بھی توحید پرست نہیں رہ سکتا، یہ تھی ساری بحث جو وہاں جھگڑا ہو رہا تھا یہاں آنے کے بعد بھی آپ کے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے، تو جس قوم کی حالت یہ ہو جائے عزیزانِ من بتوں کے آگے جھکنا تو وہ جہالت ہے صرف عملی زندگی کے اوپر اس کا تو اثر نہیں پڑتا یعنی احکام قوانین اطاعت وہ آپ باہر جن

جن کی بھی کرنا چاہتے ہیں کیجئے یہ بات کہ جا کے کسی مورتی کے سامنے ڈنڈوت بجالائے اس کا اس کے ساتھ تعلق ہی کچھ نہیں ہوتا، لیکن کسی انسان کے احکام کے سامنے جھکنا باعث تذلیلِ انسانیت ہے اس لئے یہ جرمِ عظیم ہے، قرآن نے ایسے ہی اسے جرمِ عظیم نہیں کہا کفر کو نہیں کہا اس نے ظلمِ عظیم جہالت ہے نہیں مان سکتا، بت پرستی بھی ایک وقت کے لئے اگر محض جہالت ہے تو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی، حضرتِ موسیٰؑ گئے ہیں جب چند دنوں کے لئے ؟؟؟؟؟ ان کے بھائی ہارونؑ پیچھے رہے تو قوم نے وہ گوسالہ بنالیا تھا ناوہ ایک بچھڑا اور اس کو پوجنے لگ گئے تھے تو حضرتِ موسیٰؑ آئے اور آ کے وہ بڑے برافروختہ ہوئے اور بھائی سے کہا کہ تمہاری موجودگی میں انہوں نے یہ حرکت کی اور تم نے روکا نہیں ان کو، کیا بات ہے نبیؑ پوچھ رہا ہے نبیؑ جواب دے رہا ہے کہا میں نے کچھ وقت کے لئے ان کی اس حماقت کو برداشت کرلیا کہ اگر میں ان کو روکتا تو ان کے اندر تفرقہ پیدا ہوتا تو تو آ کے میری گچی مروڑ دیتا کہ تو نے قوم میں تفرقہ پیدا کر دیا میں نے اسے برداشت کرلیا اس کو گوارا نہیں کیا۔ اللہ اکبر۔ بت کے سامنے جھک جانا جہالت ہے حماقت ہے ہندو خود بخود آج کل اس کو چھوڑتا چلا جارہا ہے ہماری تبلیغ کئے بغیر لیکن انسان کے سامنے جھکنا انسان کا یہ وجہ تذلیلِ انسانیت ہے

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
جب جھکا تو غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

یہ ہے جس لئے قرآن نے شرک کو ظلمِ عظیم کہا ہے اور سنئے اس نے کیا کہا ہے کہ جو قوم شرک اختیار کرتی ہے انسانوں کے احکام کے تابع جھکتی ہے چلتی ہے معبود بناتی ہے ان کو اس قوم کی آہستہ آہستہ حالت کیا ہوجاتی ہے جنسِ مفقود ہوجاتی ہے بیبا کیاں باقی نہیں رہتیں شرف اور کرامت انسانیت

نہیں رہتی یہ میرے الفاظ ہیں قرآن کے الفاظ سنیں(و من یشرک باللہ) جو شرک کا مرتکب ہوتا ہے خدا کے احکام کے ساتھ انسانوں کے احکام کے سامنے بھی جھکتا ہے ان کو بھی اپنا الٰہ مان لیتا ہے یوں سمجھو مثال ہے(فکانما خر من السمآء) (22/31) یوں سمجھے جیسے وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پہ آ گیا ہے(فکانما خر من السمآء) آسمان کی بلندیوں سے، ساری دنیا سے بے نیاز عزیزانِ من ایک خدا کا حکم ماننے والا تو وہ آسمان کی بلندیوں پہ جا رہا ہوتا ہے وہ تو معراجِ انسانیت ہے کہا جس نے بھی اس کے ساتھ انسان کو اپنا الٰہ بنالیا یوں سمجھو آسمان کی بلندیوں کو زمین کی پستیوں کے ساتھ ملا دیا، دو تین مثالیں ہیں(فتخطفه الطیر) کہا جس طرح سے یہ چڑیا کا چھوٹا سا بچہ گھونسلے سے نیچے گرتا ہے اور جس پنجے والے پرندے کا جی چاہتا ہے اچک کے لے جاتا ہے نا پھر اس قوم کو جس کا جی چاہے گا اچک کے لے جایا کرے گا(او تھدی بہ) یا یوں سمجھو کہ جیسے ایک طرح کا گھاس کا تنکا اور جھکڑ چل رہا ہو پھر اس تنکے کا جو حشر ہوتا ہے اس جھکڑ میں کہا اس قوم کی یہ حالت ہو جاتی ہے، کوئی مرکز اس کا باقی نہیں رہتا کہیں استحکام اس کو نصیب نہیں ہوتا شرفِ انسانیت کی بلندیوں سے ذلیل تریں درجے پہ گرتی ہے جس کا جی چاہے اچک کے لے جاتی ہے پھر، ایک گھاس کے تنکے کیطرح جھکڑ اڑائے اڑائے اس کو پھر رہا ہوتا ہے اور یہ کیفیت اس قوم کی ہوتی ہے(ذٰلک) ایسا ہی ہوتا ہے ایسا ہی ہوگا، کیا بات ہے ذٰلک کا یہاں جو کہا ہے، یہ ہے عزیزانِ من قرآن کی رو سے شرک اور یہ ہے اس کا نتیجہ جو اس نے بتایا ہے، مجھے کچھ اطمینان یہ ہوا کہ یہ تھی وہ آیت جو میں نے دیکھی کل پرسوں حالانکہ مجھے ہمت نہیں تھی لیکن میں سمجھتا ہوں آپ مجھ سے متفق ہونگے کہ یہ آیت سامنے آنی چاہئے تھی کم از کم مجھے اطمینان ہو گیا کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ

حقائق قرآن کے آپ احباب کے سامنے پیش کردئے میں نہیں کہہ سکتا آج کی بات جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ محفوظ بھی ہورہا ہے آنے والا قرآن کا کوئی مفکر یا محقق جو بھی اس کو سنے وہ اس پہ غور کرے شاید اس کے دور میں حالات مساعد ہو جائیں تو وہ پھر عملاً اس کے اوپر کرے کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جاسکتا(**و تبٰرک الذی له ملک السمٰوٰت و الارض و ما بینهما**) کتنی با برکت ہے اس کی شان کہ جس کی ، اور وہ وہ کہتا ہے تمہاری اطاعت کا تمہاری فرمانبرداری کا محتاج نہیں ہے وہ تمہارے ہی لئے ہم کہہ رہے ہیں ،تم جب نہیں تھے ہم اس وقت بھی خدا تھے جب تک نہیں ہوگے ہم اس وقت بھی خدا ہونگے یہ(**ملک السمٰوٰت و الارض**) سب ہماری ہے(**و عنده علم الساعة**) مکافاتِ عمل کا جو انقلاب آنے والا ہے اس کا علم ہمیں ہے(**و الیه ترجعون**) اور تمہارے تمام اعمال جتنے بھی ہیں وہ ہمارے اسی میزان کے سامنے آنے والے ہیں کہیں بھاگ نہیں سکتے تم جو ہم نے کہا ہے یہ ہو کے رہنے والی بات ہوتی ہے(**لا یملک الذین یدعون من دونه الشفاعة الا من شهد بالحق و هم یعلمون**) جن کو تم دوسروں کو سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور تمہیں بچالیں گے یاد رکھو کوئی ان میں سے یہ نہیں کام کر سکے گا،آپ کو یاد ہے میں نے کہا تھا ایک دفعہ کہ شفاعت کے معنی ساتھ کھڑے ہو کر گواہی دینا ہے کسی کی ،سفارش کرنا نہیں ہے،اس آیت میں بات ہوگئی کوئی نہیں شفاعت کسی کے ساتھ کھڑا ہونے کے لئے ہماری عدالت میں آئے(**الا من شهد بالحق**) بجز اس کے کہ جو سچی گواہی دے تو گویا نظر آگیا کہ شفاعت کے معنی تو قرآن نے خود کردئے ہیں کہ سچی گواہی دینے کے لئے جو کسی کے ساتھ کھڑا ہو تو وہ تو ہے،شفاعت کے معنی سفارش ہے نہیں اور وہ تو قرآن کے مکافاتِ عمل کی ساری عمارت کو

ڈھادیتی ہے(و ھم یعلمون ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ فانی یؤفکون) یہ سما کو ماننے والے الہ ان سے تو کسی سے بھی پوچھئے کہ صاحب یہ سارا کارگہ کائنات جس کے قانون کے سامنے چلتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ خدا ہی کے قانون کے سامنے چلتا ہے، یہ تو سارے مانیں گے (و قیلہ یٰرب ان ھؤلآء قوم لا یؤمنون) اور رسولؐ یہ کہے گا کہ یہ آسمانی خدا کو ماننے والے یہ تھے جو زمینی خدا میں دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کر رہے تھے رسولؐ یہ چیز کہے گا اس وقت، عزیزانِ من رسولؐ اتنی سی بات ہی نہیں کہے گا رسولؐ کچھ اور بھی کہے گا ہمارے متعلق کہے گا قیامت کا دن یوں تصور میں لے آیئے نا ساری دنیا قومیں کھڑی ہونگی ایک ایک قوم اپنے اپنے رسول کے ساتھ سامنے سے گذرے گی ان کے جرائم گنائے جائیں گے ہم جب گذریں گے تو نبی اکرم ﷺ آواز دیں گے اور ہمارا تعارف یہ کہہ کے کرائیں گے 25/30 کا یہ لکھ لیجئے کیا کہہ کے تعارف کرائیں گے (و قال الرسول) رسول کہے گا (یٰرب) اے میرے رب (ان قومی اتخذوا ھٰذا القراٰن مھجورًا) یہ میری وہ قوم ہے جس نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ سے فرمایا کہ جب یہ صورت ہے تو (فاصفح عنھم و قل سلٰم فسوف یعلمون) ان سے کہو کہ پھر جب یہ صورت ہے تمہاری کہ قرآن کو بھی چھوڑ دیا تو میرے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟؟؟؟؟؟؟؟ میں اس کے بعد چاہوں گا کہ تم پھر سے آ جاؤ قرآن کی طرف سلامتی تمہیں مل جائے میں بددعا نہیں دینے والا لیکن حالت تمہاری یہی ہے (فسوف یعلمون) تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کو چھوڑنے کے بعد تمہارا کیا مقام ہوا ہے۔ سورۃ الزخرف تکمیل تک پہنچ گئی عزیزانِ من اللہ کا شکر ہے اب اس کے بعد 44 ویں سورۃ سورۃ الدخان ہے جس کو ہم آئندہ لیں گے لیکن میں نے پتہ نہیں کس وقت میں

ہمارے ہاں؟؟؟ کیندے ہیں پنجابی اچ وہ جو کہا تھا نا کہ میں نے اس دفعہ چھٹی نہیں لی آپ لوگوں سے دیکھ لیجئے وہ قدرت کو؟؟؟؟؟؟ سے اس نے کہا ہے کیسے کہہ رہے ہو تم اس نے مجھے مجبور کر دیا ہے کچھ وقت کے لئے چھٹی لینے کو آج بھی میں نے بمشکل درس دیا ہے میں سمجھتا ہوں دو درس چھوڑ دوں شیخ صاحب کہتے ہیں کہ دو درسوں کی چھٹی دیتے ہیں آپ کو تو 11 تاریخ اور 18 تاریخ یہ دو درس جو ہیں میں آپ احباب سے اس کی چھٹی مانگتا ہوں مجھے امید ہے کہ اس میں میری صحت کچھ بہتر ہو جائے گی صحت زیادہ ہی خراب ہوگئی ہے تو 25 تاریخ کو وہ جو درس ہوگا وقت بھی بدل دوں 9 بجے 25 دسمبر کو اس کے بعد 9 بجے پھر درس ہوگا آپ احباب سے اتنا لمبے عرصے کے لئے الگ رہنے سے مجھے بھی افسوس ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے مجبوریاں بھی؟؟؟؟ کے ہیں اختیار میں، آپ کا شکریہ۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج ستمبر 1981 کی 25 تاریخ ہےاور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الدخان سے ہورہا ہے 44ویں سورۃ پہلی آیت سے ہی۔

مجھے افسوس ہے کہ پچھلے دو جمعہ درس کا ناغہ رہا آپ احباب کو میں سمجھتا ہوں اس کی محرومی کا احساس ہوتا ہے یقین مانئے مجھے آپ سے بھی زیادہ کوفت ہوتی ہے خدا کرے کہ اس سلسلے میں انقطاع نہ ہواور یہ مسلسل جاری رہے۔ 44ویں سورۃ ہے۔**بسم اللہ الرحمن الرحیم (حم والکتٰب المبین)** خدائے حمید ومجید کاارشاد ہے کہ یہ کتابِ مبین خوداس حقیقت پرشاہد ہے یہ جواکثر قرآنِ کریم میں یہ وآتی ہے اس کا ترجمہ ہمارے ہاں عام طور پہ قسم کیا جاتا ہے تو یہ چیز کہ خدا قسم کھا کر کہتا ہے یہ بات ایسے ہے کچھ جچتی نہیں ہے خدا کو اپنی بات کہنے کے لئے قسم کھا کر اس کی سچائی کا ثبوت کیوں پیش کرنے کی ضرورت ہو،عربی زبان میں یہ وشہادت کے لئے گواہی کے لئے آتی ہے یہ کتاب خود اس چیز پر گواہ ہے یعنی کتاب کا متن خود کتاب کی تعلیم خود کتاب کا پیام یہ جو آگے بات کہی جارہی ہے خود کتاب اس پر گواہ ہے اس کی شاہد ہےاور کتاب ہے یہ مبین ہے خودواضح اور ہر شے کوواضح کرنے والی اس قسم کی یہ یہ الکتٰب ہےاورال ہے خاص طور پر یہ ضابطہ قوانین جوخودواضح ہےاور ہر شے کوواضح کردینے والی ہے اس حقیقت پراس کا متن اس کے مندرجات اس کا پیغام اس کی تعلیم اس پرشاہد ہے کہ **(ان انزلنٰہ فی لیلۃٍ مبٰرکۃٍ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امرٍ حکیم)** اس کتاب کو ہم نے میں عرض کروں گا کہ پھراس کا مفہوم کیا ہے اس کتاب کو ہم نے ایک مبارک رات میں نازل کیا اور یہ کوئی نئ بات نہیں تھی یہ سلسلہ رشدو ہدایت انبیاء کرام کا شروع سے جاری رکھا ہم نے ،منذرین آگاہ کرنے والے قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر بتایا ہے کہ کوئی قوم بھی تباہ نہیں کی گئی تاوقتیکہ پہلے دوشرطیں پوری نہیں ہم نے کرلیں ایک تو یہ کہ وہ قوم ذہنی طور پرایسی سطح پہ ہو کہ جوصداقت ان کے سامنے پیش کی جائے اسے سمجھنے کی صلاحیت ان میں آچکی ہوئی ہواور دوسرے یہ کہ یہ تعلیم ان تک پہنچ چکی ہو آپ دیکھتے ہیں کہ کتنا عجیب وغریب قانون ہے یہ آج اس دورِ تہذیب میں بھی قانون کی کتاب کا یہ پہلا ضابطہ ہوتا ہے کہ ignorance of law is no excused کہ قانون کی واقفیت نہیں تھی صاحب میں تو جانتا ہی نہیں تھا کہ قانون یہ ہے وہ

پیغام کو سمجھ لیں، آج بھی Premitted Tribes جن کو کہتے ہیں پرانے زمانے کے قبیلے قبائل آسٹریلیا میں جنوبی افریقہ میں امریکہ میں ایسے قبائل بستے ہیں جو ابھی یوں کہئے کہ شعوری طور پر انسانیت کی سطح پر بھی نہیں آئے وہ قریباً قریباً حیوانی سطح پر ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے ان میں ان چیزوں کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور پھر بہت سی قومیں ایسی بھی ہیں کہ جن تک یہ پیغام پہنچا ہی نہیں ہے تو اس پیغام سے انحراف ان قوموں کے لئے کہ جو یا تو اس کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں یا یہ پیغام ان تک پہنچا ہی نہیں ہے ان کو اس کی پاداش یا سزا دیدینا یہ عدل کا تقاضا تو نہیں ہوسکتا تو یہ جو قرآن کہتا ہے نا کہ (انا کنا منذرین) ہمارا یہ شیوہ رہا ہے سنت اللہ رہی ہے یہ یہ روش ہے ہماری کہ ہم پہلے آگاہ کرتے ہیں ہر قوم کو کہ تمہارے اندر اس قسم کی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کا نتیجہ تباہی ہوگا یہ جو کہا جاتا ہے نا کہ وہ قوم تباہ کردی جاتی ہے تو ایسا نظر آتا ہے جیسے کہ خدا ایک دن کسی وقت غصے میں آتا ہے اور آ کے کہہ دیتا ہے کہ الٹ پلٹ کردو تہس نہس کردو ان کو، تو خدا کسی قوم کو تباہ نہیں کرتا اقوام اپنی غلط روش اپنے غلط قوانین غلط نہجِ زندگی غلط معاشرہ اس کے جو نتائج نکلتے ہیں وہ تباہ کن ہوتے ہیں تو وہ اپنے ہاتھوں خود تباہ ہوتی ہے یہ چیز جو ہے کہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ ہم کررہے ہیں اس کا نتیجہ تباہی ہے یہ خدا نے اپنے ذمہ لی ہے کہ انہیں معلوم ہو اور وہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو اس کے بعد بھی اگر وہ اپنی اس غلط روش تباہ کن روش کے اوپر مصر رہیں اڑے رہیں اس سے باز نہ آئیں تو پھر اس کا لازمی وفطری نتیجہ تباہی ہوتا ہے یہ ہے قوموں کی تباہی سے مفہوم (انا کنا منذرین) ہماری یہ سنت چلی آرہی ہے کہ ہم پہلے آگاہ کردیا کرتے ہیں قوموں کو کہ تمہاری یہ روش تباہ کن ہے اس کو چھوڑ دو ورنہ تم ہلاکت میں پھنس جاؤ گے ہم ایسا کرتے رہے ہیں تو اسی بناء پر یہ کتاب اب نازل کی گئی ہے کہ دورِ حاضر کی یعنی نزولِ قرآن کے زمانے کی اقوام یا بعد میں قیامت تک آنے والی اقوام جو کہ نبی اکرم ﷺ آخری نبی اور قرآن خدا کی آخری کتاب تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک کے لئے تو گویا آگاہی اب اس قرآن کی رو سے اقوام کو کردی گئی کہ فلاں روش تباہی کا نتیجہ پیدا کرتی ہے اور فلاں روش زندگی کی خوشگواریاں دیتی ہے، ہم ایسا کرتے چلے آرہے ہیں اسی بناء پر یہ کتاب نازل کی ہے (فیها یفرق کل امرٍ حکیمٍ) کیوں یہ چیز نازل کی جاتی ہے خدا کی طرف سے پیغامبری کیوں آتی ہے وہ غلط اور صحیح میں فرق کردیتی ہے حق اور باطل میں تمیز کردیتی ہے، انسانی زندگی میں غلط اور صحیح کچھ آپس میں اس طرح سے گڈمڈ ہوئے ہوتے ہیں التباس ہوتا ہے ان کے اندر ملے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ آسانی سے پہچانے نہیں جاتے تو یہی وجہ ہے کہ ایک قوم ایک چیز کو بالکل ناجائز اپنے ہاں سمجھتی ہے دوسری قوم اس کو بالکل جائز سمجھتی ہے اب یہ

ہمارے ہاں جیسے قانون ہے keep to the left بائیں ہاتھ کو چلو امریکہ میں قانون ہے دائیں ہاتھ کو چلو یہاں یہ جائز ہے وہاں وہ جائز ہے یہاں ہمارے ہاں دائیں ہاتھ والا ناجائز ہے ان کے ہاں بائیں ہاتھ والا ناجائز ہے، تو گویا جائز اور ناجائز کے الفاظ تو دونوں جگہ آئیں گے، اسے اصطلاح میں کہتے ہیں relative truth اضافی حق یعنی اپنے ہاں ہمارے ہاں یہ چیز جائز ہے ان کے ہاں وہ چیز جائز ہے، اس لئے کہ اس کے لئے اپنا پیمانہ رکھا ہوا ہے انہوں نے اپنا پیمانہ رکھا ہے ہم نے اپنا پیمانہ رکھا ہے یہ relative یا اضافی ہوتا ہے لیکن ایک شے ہے جسے مطلق حق یا جائز اور مطلق ناجائز کہا جائے گا فریب دینا کسی کو یہ مطلق ناجائز ہو گیا یعنی یہ بات نہیں ہے کہ کوئی قوم اپنے ہاں فیصلہ کر لے کہ فریب دینا جو ہے اچھا ہے تو وہ اچھا ہو جائے، دوسری قوم کہے کہ اچھا نہیں ہے تو وہاں ناجائز ہو جائے یہ چیزیں relative نہیں ہوتیں یہ انہیں کہتے ہیں مطلق یا absolute truth انسانی فکر absolute truth جو ہے اس کو متعین نہیں کر سکتی انسانی شعور یا عقل یا قومی مفاد معاشرے کا اپنا اپنا فائدہ دیکھتا ہے وہ اس چیز کو جائز قرار دیتا ہے جس میں اس کا فائدہ ہوتا ہے افراد میں بھی تو آپ دیکھتے ہیں نا یہی ہوتا ہے جھگڑے اسی بات پہ ہوتے ہیں اقوام میں بھی یہ ہوتا ہے کہ ہر قوم اپنا فائدہ جس میں دیکھتی ہے اسے اپنے ہاں جائز قرار دیتی ہے دوسری قوم اپنا فائدہ جس بات میں دیکھتی ہے اسے جائز قرار دیتی ہے اور یہ سارے ٹکراؤ اس لئے ہو رہے ہیں کہ جائز اور ناجائز حق اور باطل مطلق کا کوئی پیمانہ نہیں ہے انسانوں نے رکھا اپنے پاس، اگر پوری انسانیت کے پاس ایک پیمانہ ہو مطلق حق اور باطل کا کہ یہ نہیں کہ اس قوم میں یہ حق ہے اور دوسری قوم میں وہ باطل بلکہ پوری انسانیت یہ تسلیم کر لے کہ یہ چیز جو ہے یہ حق اور یہ چیز باطل ہے، مثلاً مساواتِ انسانیہ کا قرآنِ کریم نے جو پہلا ایک بنیادی اساسی صداقت اور سچائی کا پیمانہ دیا ہے مساواتِ انسانیہ اب اس میں انسان کے رنگ نسل زبان وطن کی کوئی تخصیص نہیں ہے، ایک جیسے، اقوامِ عالم نے یہ پیمانہ اپنے ہاں نہیں رکھا وہ اپنے ہاں اپنی قوم کے افراد جو ہیں ان کو ہمیشہ برتر قرار دیتی ہے دوسری اقوام کے انسانوں سے تو گویا یہ پیمانہ مطلق نہ ہوا اضافی ہوا relative ہوا اور اسی وجہ سے یہ جتنے فساد دنیا میں پیدا ہو رہے ہیں پہلے تو نوعِ انسانی اقوام میں بٹی اور پھر قوموں نے اپنے ہاں یہ فیصلہ کیا کہ My country right or wrong میرے ملک کا مفاد غلط اور صحیح کی ہمیں پرواہ نہیں ہے یعنی تم غلط یا صحیح جو کہو ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے میرے ملک کا مفاد میرے نزدیک یہ جائز جو اس مفاد کے خلاف ہے جو کچھ وہ ناجائز اب ہر قوم نے اپنے ہاں یہ رکھا پیمانہ جائز اور ناجائز کا تو یہاں سیدھی بات ہے کہ ٹکراؤ ہوگا مفاد میں ٹکراؤ تو ہوگا ایک دوسرے میں اور جب ٹکراؤ ہوگا اس کا نتیجہ مخاصمت ہوگا عداوت ہوگا اور پھر

لائنوں کو تم نے اتنا ابدی مستقل اور مستحکم قرار دیدیا کہ یہ ان مٹ ہوگئیں، اب اس لائن سے ادھر بسنے والا اور انسان ہے اور اس لائن سے دوسری طرف بسنے والا اور انسان ہے قرآن نے کہا کہ پہلے یہ تقسیم ہی باطل ہے اور جب یہ تقسیم باطل ہوگی انسانیت ایک برادری ہوگئی تو یہ بات کہ اس قوم کہ حق میں مفید ہے یہ بات اس قوم کے حق میں وہ بات مفید ہے یہ تو خود بخود ختم ہو جائے گا جب اقوام کی تقسیم ہی ختم ہوگئی تو اس لئے اس نے کہا کہ یہ تفریق بھی غلط ہے کہ یہاں یہ اچھا ہے اور وہاں وہ برا ہے اچھے اور برے کا معیار قوموں کا افراد کا اپنا ذاتی فیصلہ نہیں ہے اس کے لئے مطلق پیمانہ ہونا چاہئے جو انسانوں کا وضع کردہ نہ ہو اسے قرآن کی اصطلاح میں قدر اقدار آج کل کی اصطلاح میں values کہا جاتا ہے permanent values , absolute values تمام نوعِ انسانی کے لئے ایک پیمانہ قدر کے معنی پیمانہ ہوتا ہے تو قرآنِ کریم نے دیا کیا نوعِ انسانی کو، یہاں تو یہ ہے کہ اس رات میں ہم نے نازل کیا (**فیھا یفرق کل امرٍ حکیم**) خدا کی حکمت بالغہ کی بنیاد پر تفریق کردی گئی ہے ہر معاملے میں حق اور باطل کی غلط اور صحیح کی اور مطلق ہے یہ تفریق جو کی گئی ہے اضافی نہیں ہے تمام نوعِ انسان کے لئے ہے ہر مقام پر ہر قوم کے لئے یہی کچھ ہے، کیا چیز ہے یہ جو مطلق جسے میں نے کہا ہے بار بار کہہ رہا ہوں absolute جسے کہہ رہا ہوں یہاں تو قرآن نے کہا ہے (**لیلۃ مبٰرکۃ**) دوسری جگہ ہے (**انا انزلنا فی لیلۃ القدر**) دیکھئے وہی قدر کا لفظ آ گیا جو میں نے ابھی کہا ہے کہ value اس کا ترجمہ ہے جمع اس کی اقدار ہے اور values اسے کہا جائے گا اضافی نہیں ہونگی relative نہیں ہونگی بلکہ absolute مطلق اقدار تو قرآن نے بتایا یہ کہ اس کتاب کے اندر اللہ تعالیٰ نے اقدار دی ہیں لیلۃ القدر میں لیل کا ابھی ابھی مفہوم بیان کرونگا قرآن نے دیا یہ ہے اس تعلیم کی رو سے اقدار ملی ہیں values ملی ہیں اور values انسان کی سطح پر ہوتی ہیں حیوان کی سطح پر value نہیں ہوتیں حیوان کی سطح پر اس کی طبعی یا جسمانی زندگی کی پرورش بس یہ مقصد ہوتا ہے جیسا کہ میں اکثر مثال میں کہا کرتا ہوں زمیندار کے گھر سے بیل ایک باہر جاتا ہے بھوکا ہے سب سے پہلے جو کھیت اس کے سامنے آئے گا وہ اس میں چرنے لگ جائے گا اس کو اس سے مطلب نہیں کہ وہ کھیت اس کے مالک کا ہے یا کسی غیر کا ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک صرف پیٹ بھرنا مقصد ہے اپنے مالک کا یا غیر کا یہ جو فرق ہے اپنے ہاں کے مالک یا اپنے کھیت سے چرنا جائز دوسروں کے کھیت سے چرنا ناجائز بیل کی سمجھ کی بات نہیں ہے اس کی سطح کی نہیں ہے یہ انسانیت کی سطح کی ہے جائز اور ناجائز اسے value کہتے ہیں values انسانی سطح پر آتی ہیں تو قرآنِ کریم جو ہے یہ اقدار دیتا ہے اسے اسی لئے لیلۃ القدر کہا گیا ہے اسی کو یہاں (**فیھا یفرق کل امر**

Dark Ages کی اصطلاح تو آپ نے سنی یا پڑھی ہوگی Dark Ages یعنی یہ جو زمانہ اب تمدن کا تہذیب کا علم کا عقل کا فکر کا اس سے پہلے کا جو دور ہے یا ادوار ہیں جتنا بھی زمانہ ہے اس کو ازمنہ مظلمہ کہتے ہیں وہ ذرا مشکل لفظ ہے عربی زبان کا تاریک دور Dark ages جو ہے یہ اصل میں انگریزی کی اصطلاح تاریک زمانہ جو ہے، قرآنِ کریم نے کہا یہ ہے کہ یہ قرآن تاریک زمانے کے اندر آیا Dark ages کے اندر آیا، نورانیت نہیں تھی انسانوں کے پاس اس زمانے میں، انبیائے کرامؑ آتے رہے اس سے پہلے بھی وہ مختلف علاقوں میں آتے تھے مختلف قوموں کیطرف آتے تھے پھر ان کی تعلیم تھوڑے عرصے کے بعد مسخ ہوجاتی تھی باقی نہیں رہتی تھی پھر تاریکی ہوتی تھی، پوری نوعِ انسانی پر تاریخ بتاتی ہے کہ زمانہ نزولِ قرآن نے اقدار یا وحی کی رو سے جو روشنی ملی تھی آسمانی روشنی یا دانشِ نورانی جسے اقبالؒ کہتا ہے وہ دنیا میں اپنی اصل شکل میں کہیں بھی موجود نہیں تھی ساری دنیا پر تاریکی چھائی ہوئی تھی یہ جو تاریکی کی فضا ہے پوری دنیا پر اقدار کے اعتبار سے اسے قرآن نے لیل سے تعبیر کیا ہے رات کی تاریکی اس میں یہ سپیدہ سحر یہ طلوعِ آفتاب یہ عالمگیر روشنی کا سرچشمہ اور منبہ یہ آیا جسے قرآن کہا گیا ہے اس لئے قرآنِ کریم میں دونوں مقامات پر اس کے لئے کہا ہے کہ تاریکی کے زمانے کے اندر اس قسم کی روشنی کا سرچشمہ ہم نے نازل کیا ہے یہ اس لیل کا جو ترجمہ یا مفہوم ہے تو وہ یوں آیا ہے، رنگ تو سفید ہی آئے گا نا تو اب نظر آ گیا کہ تاریخ کا وہ دور کہ جس میں اقدار کی روشنی دنیا میں کہیں نہیں تھی اس تاریک ترین فضا کے اندر یہ کتابِ مبین جس کو قرآن نے نور کہا ہے روشنی کا سرچشمہ کہا ہے اسے ہم نے نازل کیا، کاہے کے لئے، روشنی کیا کرتی ہے پہلے دیکھئے تاریکی کیا کرتی ہے، تاریکی میں فرق ہی نہیں آپ کر سکتے سانپ میں اور رسی میں فرق نہیں کر سکتے تاریکی میں دو فرد انسان کھڑے ہوں آپ دور سے پہچان نہیں سکتے کون کون ہے تاریکی کی چادر میں یہ تفریق اور تمیز نہیں ہوسکتی یہ تو طبعی جسمانی تاریکی کی بات ہوئی اسی طرح سے اخلاقی اور فکری تاریکی بھی جو ہے اس میں بھی غلط اور صحیح کی تمیز نہیں ہوسکتی تو وہ تاریکی وہ شے ہے جس میں تفریق اور تمیز نہیں ہوتی، روشنی کیا کرتی ہے، وہ سانپ کو سانپ دکھا دیتی ہے رسی کو رسی دکھا دیتی ہے، گویا روشنی تفریق کر دیتی ہے صحیح اور غلط میں، ہر شے کو اپنے صحیح مقام پہ دکھا دیتی ہے یہ یہ ہے اور یہ یہ ہے دھوکہ نہیں کھاتا پھر انسان، یہ ہے جس کو قرآن نے (**فیھا یفرق کل امرٍ حکیمٍ**) کہا ہے کہ اس میں خدا کی حکمتِ بالغہ کی بناء پر تمام امور میں تفریق و تمیز کر کے رکھ دی پتہ چل گیا کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے حق کیا ہے باطل کیا ہے یہ کیا اس قرآن نے، آپ دیکھئے گا کتنی صاف اور واضح بات ہے جو قرآنِ کریم نے کہی لیکن میں آپ کو یہ عرض کروں کہ قرآن یہ عجمی اثرات ہیں وہ کس طرح سے چھا گئے یہ ہمارے ہاں کی یہ

اعتقادات جو تھے یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے مسلمان بن کے آئے تھے اس ملت کے اندر، اپنے سارے حقائق ساتھ لائے تھے اسلام کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ یہ کہ انہوں نے اپنے تمام عقائد کو آ کر اسلام کا لبادہ اوڑھایا اس کے نقاب میں پیش کیا اور چونکہ یہ وہ دور تھا جس میں سب سے پہلے آپ کے ہاں یہ ساری چیزیں مدون ہوئیں حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں تاریخ کی کتابیں مدون ہوئیں فقہ کے احکام مدون ہوئے عقائد کی شرحیں مدون ہوئیں یہ ساری اس دور میں ہوئیں اس سے پہلے کوئی کتاب ہی نہیں تھی عربوں کے ہاں، زمانہ نزولِ قرآن میں قرآنِ کریم کے سوا کوئی کتاب ہی نہیں تھی انکے ہاں، بنی امیہ کے زمانے میں بھی قرآن کے سوا کوئی قانون کی کتاب نہیں تھی یہ اس دور میں یہ ساری چیزیں مدون اور مرتب اور وضع کی گئیں، اب ان کے اندر بیشتر جو چیزیں آئی ہیں خاص طور پہ عقائد میں احکام میں وہ ساری ان عجمیوں کی ہیں ایرانیوں کی ہیں انہیں مذہبی اعتبار سے مجوسی کہا جاتا تھا؟؟؟؟ یہ جنہیں اب پارسی کہتے ہیں نا بچے کھچے جہاں کہیں وہ نظر آتے ہیں تو یہ تو پوچھئے نہیں کہ ان کا مقام کیا تھا اس زمانے میں، یہ مجوسی تھے بنیادی عقیدہ ان کا تقدیر کا تھا تقدیر میں جبر کا عقیدہ determinism جسے کہتے ہیں کہ سارے معاملات جو ہیں یہ اللہ تعالیٰ پہلے سے طے کر لیتا ہے یہ طے شدہ ہوتا ہے اس نے یہ کرنا ہے اس نے فلاں دن مرنا فلاں دن بیمار ہونا ہے فلاں دن صحت ہونی ہے اس نے غلط کام کرنا ہے اس نے فلاں برائی کرنی ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ نے طے کیا ہوا ہوتا ہے وہ یزداں کہتے ہیں اسے ہم اللہ تعالیٰ تو قرآن کا لفظ تھا کہ یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ یزداں نے پہلے سے طے کی ہوئی ہیں ہر انسان کے متعلق اسے عقیدہ تقدیر کہتے ہیں حالانکہ تقدیر جو تھا اس میں اگر یہ اس کو قدری کہتے ہیں دوسرا اس کے مقابلے میں جو عقیدہ تھا وہ قدری کہلاتا ہے کہ نہیں انسان کو صاحبِ اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا ہے یہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے خدا مجبوراً اس سے گناہ نہیں کراتا، یہ ابلیس کا عقیدہ تھا بہر حال مجوسیوں کا ایرانیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ تمام معاملات پہلے سے خدا کی طرف سے طے شدہ ہوتے ہیں اس طے شدہ کے لئے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ سال میں ایک رات آتی ہے اس رات کو سال میں ہونے والے سارے واقعات افراد کے بھی اور اقوام کے بھی وہ سب واقعات اس رات کو طے ہو جاتے ہیں خدا کی طرف سے، پتہ نہیں آپ لوگوں نے بڑی بوڑھیوں سے سنا ہے یا نہیں کہ وہ بہت بڑا درخت ہوتا ہے اس رات اس کے نیچے فرشتہ کھڑا ہوتا ہے ایک بہت بڑا تھال لے کر جس نے مرنا ہوتا ہے سال میں اس کے پتے جھڑ جھڑ کے اس تھال کے اندر گر پڑتے ہیں تو گویا بنیادی طور پہ اس رات کو آنے والے سال میں جو کچھ ہونا ہوتا ہے خواہ وہ افراد کیلئے ہو یا اقوام کے لئے وہ طے ہو جاتا ہے اس رات کو، اب اسلام میں تو کوئی اس قسم کا تصور ہی نہیں تھا طے ہو جانے کا،

خود ہی زبردستی کراتا ہے اس سے یہ غلط کام تو غلط کام کے بعد اسے بھیج دیتا ہے جہنم میں تو وہ تو پوچھ سکتا ہے نا کہ صاحب میں تو ذمہ دار ہی نہیں تھا کرایا تو آپ نے اور آپ ہی مجھے جہنم میں بھیج رہے ہیں، تو اسلام میں تو یہ عقیدہ جو تھا یہ وہاں سے چلا یہ بات لمبی ہو جائے گی میرا خیال ہے تقدیر کے موضوع پر اس سے پہلے جب بھی بحثیں آئی ہیں تو میں نے یہ باتیں بیان کی تھیں، ہمارے ہاں یہ چیز قرآن میں ہو ہی نہیں سکتی تھی یہ قرآن کی بنیاد کے خلاف ہے قرآن تو مکافاتِ عمل قرار دیتا ہے ہر شخص کو اس کے عمل کا ذمہ دار قرار دیدیتا ہے لیکن یہ چیزیں جو تھیں وہ ادھر سے آئیں، اب وہ ایک رات جس میں فیصلہ ہونا ہے سب کچھ آپ کے ہاں کیسے آئے، یہ عباسیوں کے زمانے میں ان کے وزیر بھی اور بڑے بڑے دانشور بھی برامکا کہلاتے تھے ایران کے مجوسیوں کے ہاں کے معبد جو تھے ان کے ہاں کے شریعت والے مذہب والے ان کے ہاں بڑے بڑے عہدوں پہ لوگ جو تھے یہ جو برامکا یہ مسلمان ہوئے اور یہ آئے اور یہ عباسیوں کے زمانے میں انہوں نے اتنا عروج حاصل کیا کہ گویا سلطنت کی زمام اور لگام ان کے ہی ہاتھ میں تھی اور تمام عقائد نظریات خیالات سارے ان لوگوں نے پھیلائے یہاں آنے کے بعد، اب وہ جو رات وہاں اپنے ہاں مناتے تھے جس میں یہ سارے فیصلے ہونے تھے وہ رات آپ کے ہاں بھی introduce ہوئی وہ جسے آپ شبِ برات کہتے ہیں اور جتنی تقریبیں ہمارے ہاں ہوتی ہیں ان کے لئے کچھ نہ کچھ بتایا جاتا ہے کہ یہ اسلئے ہوتی ہے یہ اسلئے ہوتی ہے شبِ برات کے متعلق کچھ نہیں بتایا جاتا یہی ہوتا ہے کہ اس میں عبادت کی جاتی ہے حضورؐ نوافل پڑھتے تھے باہر قبرستان میں نکل جاتے تھے یعنی یہ نہیں کہ یہ particular رات جو ہے خاص یہ خاص رات اس کے لئے کیوں مخصوص ہوئی کیا بات تھی اس کے اندر کچھ نہیں بتایا جاتا، منائی جاتی ہے اتنے زور شور سے، یعنی حلوے کے زور پر تو اب تو شاید پکتا بھی نہیں ہے، اتنا اہم تہوار ہے آپ کے ہاں آپ دیکھ رہے ہیں یہ وہ رات ہے مجوسیوں کی، برات کے تو معنی تقدیر کے یا قسمت کے ہوتے ہیں فارسی زبان میں شبِ برات تقدیر اور قسمت کے باندھنے کی رات فیصلہ کرنے کی رات یہ آپ کے ہاں یہ آئی شبِ برات بن کے اور شبِ برات کے متعلق یہ عقیدہ ہے نا کہ اس رات کو یہ پھر فیصلے ہوتے ہیں وہی جو ان کے ہاں اس رات کے متعلق تھا عقیدہ اب یہ عقیدہ بھی آ گیا شب برات بھی آ گئی آپ کے ہاں اس کی سند کہاں سے ملی تو سند تو پھر آپ دیکھئے نا جب ریت کی بنیادوں پہ عمارتیں اٹھائی ہوں تو پھر تو تمیز ہی نہیں ہوتی نا کہ کس قسم کی نیچے مٹی آتی ہے اٹھا کے دیکھئے نا یہاں وہ لیلۃ مبٰرکۃ لکھا ہوا ہے نا رات رات بڑی مبارک رات جو لکھا ہوا ہے، اچھا جی، کیونکہ رات لکھا ہوا ہے یہ جو آیت ہے نا اس کو پیش کیا جاتا ہے سند میں کہ یہ رات (فیھا یفرق کل امر حکیم) دیکھئے

رمضان الذی انزل فیه القرآن) رمضان کے مہینے میں قرآن کے نزول کی ابتداء ہوئی تو یہ تو رمضان میں ہونی تھی، پہلوں نے لکھا اور یہ جو تھا انا انزلنہ ذہن نہیں گیا یا کیا ہوا پتہ نہیں کیا ہوا کہا یہی کہ صاحب یہ دیکھئے نا یہ ہے وہ رات شب رات کی، بعد میں آ کے کسی نے اعتراض کیا جن کو پھر مرتد قرار دیا گیا کہ صاحب یہ شعبان میں کیسے آ جائے گی یہ رات، نازل کیا قرآن کو اس رات میں لیلۃ القدر جسے کہا گیا قرآن میں ہے کہ وہ رمضان کے مہینے کی رات ہے یہ شعبان کے مہینے کی رات میں آپ بتا رہے ہیں یہ کیسے ہوا کہنے لگے یہ آپ لوگوں کے سمجھ کی بات نہیں ہے بہت اونچی بات ہے اصل میں، اچھا جی، ذرا زور سے سمجھا دیجئے لاؤڈ سپیکر اونچا کر لیں گے ہم، کیسے، کہنے لگے کہ یہ جو ہے نا شب رات کی رات شعبان کی اس میں قرآن شریف عرشِ معلیٰ سے پہلے آسمان پہ نازل ہوا پھر ذرا سالے کے رمضان میں پھر پہلے آسمان سے زمین پہ اتر آیا کہنے لگے دیکھیں نا دونوں باتیں پوری ہوگئیں کہ نہیں، اعتراض کرنے والے جو ہیں ان کی تو گردن ٹیڑھی ہے بس یوں ہو گیا معاملہ عرشِ عظیم سے پہلے آسمان پر شعبان میں اس رات کو اور پہلے آسمان سے زمین پہ رمضان کی رات کو دونوں باتیں قرآن سے ثابت ہیں، غور فرمایا کہ وہ ایک تقدیر جو تھا اور اس تقدیر کے فیصلے کرنے کی رات جو تھی وہ رات نوروز کی جو مجوسیوں کی رات تھی وہ رات برامکا نے آپ کے ہاں introduce کی برات یہ شب برات جسے کہتے ہیں مجوسی آتش پرست تھے نا یہ جو آتش بازی چلاتے ہیں نا یہ اسی سنت کی پیروی ہے آگ کی وہ یہ چیز وہ یہ آ گئے، اب یہ سند جو تھی اس کی یہ ان کے علمائے کرام تھے جنکے ذمہ رہی اور سند آ گئی قرآن سے کہ یہ ہے وہ چیز قرآن نازل ہوا اس رات کو، اور پھر یہ جب اعتراض ہوا تو جواب دے دیا گیا کہ وہ نازل ہوا عرشِ عظیم سے آسمانِ اول پہ اور اس کے بعد رمضان میں نازل ہوا آسمانِ اول سے اس زمین پر، پہلا آسمان دوسرا آسمان تیسرا آسمان وہ تو ان کے نزدیک یہ جو ہے نا اوپر آپ کو حدِ نگاہ نظر آتا یہ پہلا آسمان شیشے کا ڈل ہے اس کے اندر تارے جن کو کہتے ہیں نا آپ وہ ہیرے موتی لعل جڑے ہوئے ہیں ایک آسمان، پھر اس کے بعد اس کے اور اگلے آسمان میں پانچ سو وہ میل کا فاصلہ پھر اس کے بعد دوسرا آسمان پھر تیسرا، سات آسمان سات آسمان کے اوپر ایک سمندر اور سمندر میں پہاڑی بکرے ان بکروں کے سینگوں کے اوپر عرشِ الٰہی یہ ہے نا ساری تقسیم آپ کے ہاں کی تو یوں آسمانِ اول اور عرش جو ہے اس طرح سے آتا ہے سب کچھ، میں نے عرض یہ کیا ہے کہ قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے کہ قرآن کو ایسی Dark ages میں نازل کیا جہاں روشنی کی کوئی کرن نہیں تھی اس میں اقدارِ خداوندی ملیں مطلق absolute truth کی values ملیں جنہیں کوئی بدل نہیں سکتا، اس اعتبار سے یہ رات لیلۃ القدر بھی ہوئی لیلۃ مبٰرکۃ بھی ہوئی (انا کنا منذرین)

الفرقان علیٰ عبده لیقون للعٰلمین نذیرۃ) آپ دیکھتے ہیں للعٰلمین پھروہی نذیر کا لفظ یہاں منذر وہاں آیا ہے اور یہاں فرقان کا لفظ آیا ہے (فیھا یفرق کل امر حکیم) آیا ہے تفریق کردینے والا فرق کردینے والا حق اور باطل کے اندر، اسی اعتبار سے (امرا من عندنا) کہ یہ values absolute ہیں انسانوں کی بنائی ہوئی values جتنی ہونگی وہ relative ہونگی اضافی ہونگی بدلنے والی ہونگی الگ الگ ہونگی اپنے اپنے اغراض اور مفاد کے تحفظ کے لئے وضع کی جائیں گی یہ values انسانوں کی بنائی ہوئی نہیں ہیں (امرًا من عندنا) اگلی بات پھروہی (انا کنا مرسلین) وہاں یہ کہا تھا کہ ہماری یہ سنت روش رہی ہے کہ ہم آگاہ کرتے ہیں پہلے قوموں کو کہ یہ غلط ہے اور یہ صحیح ہے اب یہ جو کتاب بھیجتے ہیں یہ لکھی لکھائی ہوئی کتاب آسمان سے یوں نازل ٹپک نہیں پڑتی نازل نہیں ہوتی یہ ایک انسان کی وساطت سے دوسرے انسانوں کو دی جاتی ہے جنہیں کتاب ملنے کے اعتبار سے نبی یا نبوت کہا جاتا ہے لیکن اس کا فریضہ یہ نہیں ہوتا کہ اس کو کتاب ملے اور وہ اپنے تک رکھ لے وہ رسول ہوتا ہے رسول کے معنی ہی پیغامبر ہیں قاصد کے ہیں خدا کا پیغام انسانوں تک پہنچانے والا اسی لئے ہر نبی کو رسول کہا گیا ہے کہ خدا کی طرف سے اس کو یہ ملتا ہے تو یہ تو نبوت ہوتی ہے اس کو اس پیغام کو جب وہ دوسرے انسانوں تک پہنچاتا ہے تو یہ فریضہ رسالت ہوتا ہے، قاصد بھی کہا رسول کہا الرسول کو رسول الامین بھی کہا نہایت امین امانت دار قاصد تو قاصد کی پہلی تو ڈیوٹی یہی ہوتی ہے کہ جو پیغام کسی نے دیا ہے بین ہی لفظاً لفظاً وہی پیغام دوسرے تک پہنچائے قاصد آتا ہی اس طرح سے ہے وہ اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ نہیں کرتا ردوبدل نہیں کرتا اور اگر اس کیساتھ پھر امین کا لفظ بھی خود خدا ہی اس کے ساتھ اضافہ کردے اس کا تو رسول امین قاصد قاصد کو ویسے ہی امین ہونا چاہئے لیکن یہ خدا نے کہا کہ ہمارے قاصد جو آتے رہے ہیں یہ امین ہوتے تھے یہ اس میں خیانت نہیں کرتے تھے جو کچھ خدا کی طرف سے ملتا تھا بین ہی وہی کچھ یہ دوسروں تک پہنچادیتے تھے یہ ایک بہت بڑا نکتہ ہے جس سے وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اپنی طرف سے اس میں نہ کچھ add کرتا تھا نہ اس میں ردوبدل کرتا تھا رسول ہوتا تھا (رحمةً من ربک) یہ سارا سلسلہ کیوں کیا گیا کہ مقصود تھا خداوندی کہ نوعِ انسانی کی نشوونما کی جائے رحمت سامانِ نشوونما کو کہا جاتا ہے یہ تھا مقصود نشوونما میں ایک تو انسانوں کی جسمانی نشوونما ہوتی ہے جسمانی نشوونما بھی اور ان کی انسانیت کی نشوونما بھی، قرآن ایک ایسا ضابطہ ہے جس میں یہ دونوں پرورشیں یا نشوونما جسے میں نے کہا ہے Human development تھی physicl اور پھر دوسری اس کے لئے وہ انگریزی کا لفظ کچھ صحیح نہیں جسے spiritual انہوں نے کہدیا یہ اس کے اندر سامان موجود ہے جسمانی نشوونما کے لئے

ہوتی ہے(**رحمة من ربک**) رحمت اس سامان کو کہتے ہیں ایک تو اس میں بڑی نرمی ہونی چاہئے میں نے بتایا ہوا ہے نا کہ یہ لفظ رحم سے ہے رحمِ مادر جس میں بچہ پرورش پاتا ہے اس قسم کی پرورش کے لئے رحمت کا لفظ آتا ہے بلا احسان اور مروت کے، بچے پہ کوئی احسان نہیں ہو رہا ہوتا جو اس کی پرورش ہو رہی ہوتی ہے ماں اس پہ احسان نہیں کر رہی ماں کو تو علم ہی نہیں ہوتا کہ پرورش ہو کیسے رہی ہے اگر چہ اسی کے جسم کا حصہ ہوتا ہے جس سے یہ بچہ بنتا ہے لیکن ماں کے علم کے بغیر یہ سب کچھ ہو رہا ہوتا ہے اور اتنی رحمت ہوتی ہے لچک لوچ اتنی ہوتی ہے اس رحم کے اندر کہ وہ جسے کہتے ہیں ہڑ بونگ یہ نہیں وہ سخت نہیں ہوتا وہ بچہ اس کے اندر لیٹتا ہے کودتا ہے جیسے وہ کہتے ہیں سب کچھ اس قدر لچکدار اس قدر نرمی اور رفاقت اور شفقت اور رحمت اس کے اندر ہوتی ہے اور نشو ونما کا سامان ملتا چلا جاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ یہ عربوں کے ہاں یہ لفظ جو تھے کتنے وسیع معنی کو اقدار کو اپنے اندر لئے ہوئے ہوتے تھے(**رحمة من ربک انه هو السميع العليم**) سنتا بھی ہے اور اگر نہ بھی تم اپنے ہاں زبان سے سناؤ تو علیم وہ جانتا بھی ہے یہ سننے والا جاننے والا یہ ہے وہ نظام آپ کے ہاں جو اس رحمت یا پرورش کا ذمہ دار ہوگا، جاننے والا اس کو ہونا چاہئے وہ شام کی صحرا میں حضرتِ عمرؓ جب واپس آ رہے تھے تو صحرا میں کسی ایک خیمے میں اپنی عادت کے مطابق یہ تحقیق کیا کرتے تھے کہ رعایا پہ کیا گذر رہی ہے کیا حالات ہیں ان کے کوئی کسی کی مشکل تو نہیں ہے تو صحرا میں ایک جھونپڑی میں یا ایک خیمے کے اندر ایک بڑھیا تھی اس سے جا کے آپ نے یہ پوچھا بڑھیا سے کہ مائی کچھ عمر کے متعلق بھی تمہیں پتہ ہے کہنے لگی کہ مجھے کیا پتہ سنا ہے کہ وہ شام میں گیا تھا واپس آیا ہوا ہے کہنے لگے کہ وہ کوئی واسطہ تمہارا اس سے کہنے لگی میرا واسطہ کیا، کہنے لگے تمہاری کوئی ضرورت، کہنے لگی تمہیں میں ضرورت کیا بتاؤں ضرورتیں میری بے شمار ہیں کہنے لگے تم نے اپنی کسی ضرورت کو خلیفہ تک پہنچایا بھی ہے کہنے لگی کیا کہا تم نے خلیفہ تک میں اپنی ضرورت کو پہنچاؤں اگر وہ خدا کے نام پہ نظام قائم کئے ہوئے ہے تو اسے خدا کی صفتِ علیم کا مظہر ہونا چاہئے اگر وہ رعایا کی ہر ایک مشکلات سے واقف نہیں تو جاؤ عمر سے کہدو کہ چھوڑ دو اس خلافت کی ذمہ داریوں کو تم اس کے اہل نہیں ہو ،خدا کے نام پہ نظام قائم کرنے والے کو خدا کی صفات کا مظہر ہونا چاہئے اور اس کی ایک صفت خبیر اور علیم بھی ہے اس کو باخبر ہونا چاہئے میں بھکاری ہوں گداگر ہوں محتاج ہوں کہ میں جا کے مانگوں اور مشکل اس تک پیش کروں یہ اس کا فریضہ ہے، زندگی کا باقی حصہ اس واقعہ کو یاد کر کے رویا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عمر تو نے کیا ذمہ داری اپنے اوپر لے لی ہے(**السميع العليم**) کا ہے کے لئے یہ سب سمیع اور علیم (**رب السمٰوٰت و الارض و ما بينهما**) کتنی بڑی ذمہ داری، رب کا لفظ یہاں آیا آپ دیکھئے ربوبیت

سماوات وارض وبینہما کہاہے، آہاہاہا، رب ہے وہ ان سب کا (ان کنتم مؤقنین) وہ بات تو کہا ہم نے کہی ہے تحقیق تم کرو گے تو تمہیں یقین آجائے گا اس بات کا کہ ہم نے ٹھیک کہا ہے وہ محض بات کہہ کے منواتا نہیں ہے کہ ہم نے جو کہا ہے مانتے کیوں نہیں ہو، یقین کا درجہ علم سے بھی اگلی منزل ہوتی ہے، او کیسے یہ اس چیز کے متعلق پتہ چلے کہ جو ہم نے کہا ہے ٹھیک ہے تحقیق کرو گے تو پتہ چلے گا نا، تو یہ تو فریضہ عائد ہو گیا قرآن کو ماننے والوں کا کہ وہ تحقیق کریں اس چیز کی کہ وہ (رب السمٰوٰت و الارض وما بینهما) ہے اور اس تحقیق کے بعد اس علم کے اگلے درجے کے بعد جس کو یقین کہا جاتا ہے اس درجے پہ پہنچے تو پھر وہ حقیقت میں ایمان لانے والا ہو گا اس بات پہ کہ وہ واقعی خدا رب السمٰوٰت والارض ہے، یہ ربوبیت پوری کائنات کی ربوبیت اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے یا یہ ربوبیت قائم کیسے ہو سکتی ہے (لا اله الا هو) بنیاد ہے ساری آپ کے ہاں اسلام کی عزیزان من لا اله الا الله یا الا هو اله کوئی نہیں ہے اس کے سوا اله کہتے ہیں صاحبِ اقتدار کو جس کی پاور ہو جس کا اختیار ہو بنیاد ہے یہ کہ خدا کے سوا کسی کو حقِ اقتدار نہیں ہے حقِ حکومت نہیں ہے پاور نہیں کسی کے پاس اختیار کسی کے پاس نہیں ہو سکتا یہ چیز اگر کوئی اس کا مدعی ہے تو وہ پھر خدا کا شریک کہلائے گا کیونکہ اس نے لا اله الا هو کہا ہے اس میں استثنیٰ اس نے کسی نہیں کی ہے کہ یہ بھی اور وہ بھی (لا یشرک فی حکمه احدًا) وہ اپنے حقِ حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا (لا اله) تو اتنی بڑی ذمہ داری جو ربوبیت کی ہے وہی پورا کر سکتا ہے کہ کامل اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہو اگر اس کے ساتھ اور بھی ہیں جن کے اختیارات ہیں تو پھر تو ٹھیک ہے نا یہ رقبہ وہ چھین کے لے جائے گا وہ زمین اس کے نام لکھی جائے گی وہ سارا کچھ وہ بٹ بٹا جائے گا، اختیار اس کے ہاتھ میں یعنی اس کے قانون کے ہاتھ میں اختیار ہونا چاہئے (لا اله الا هو) اگر اقتدار اور اختیار کسی انسان کے ہاتھ میں آ گیا ہے تو پھر وہ (لا اله الا) کا ماننے والا معاشرہ نہیں رہے گا اب یہ بڑی مشکل تھی ساری یہاں تو دورِ اول کے بعد جو ملوکیت شروع ہوئی تو خدا کا تو اقتدار ہی کہیں نظر نہیں آیا وہ ہے ہی نہیں بیچ میں، پتہ نہیں پہلے بھی سنایا ہے یا نہیں لیکن ہے وہ بڑا متعلقہ ایک چیز اور واضح بھی کر دیتی ہے ریاست سوات اس سے پہلے ریاست تھی اب اس انتظام کے اندر آ گئی نا تو وہاں والی تھے ان کا تو اختیارِ مطلق ہوتا ہے وہا ں ایک قرآنی مولوی صاحب تھے بڑے دبنگ قسم کا آدمی تھا مرحوم ہو گئے عجیب شخص تھا وہ جو اس کی جرآت و مردانگی اور زبردستی تھی نا اس کی بناء پہ اسے مولوی ہٹلر کہا کرتے تھے لوگ، دربار پورا لگا ہوا ریاست کے تمام ارکان بیٹھے ہوئے والی صاحبِ صدر تلاوتِ قرآنِ کریم سے حسبِ عادت ہماری عادت ہی ہے یہ کہ شروع کیا اس نے تلاوت کی (لله ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا منه)

کہ سماوات اور ارض میں جو کچھ ہے خدا کی ملکیت ہے سماوات تک تو مجھے علم نہیں ہے نہ وہاں گیا ہوں باقی ارض کا بھی مجھے پتہ نہیں ہے جہاں تک ریاست کی ارض یا زمین کا تعلق ہے میں یہ جتنے بھی ریونیو کے دفاتر ہیں؟؟؟ ان کے دفاتر کے ریکارڈز میں دیکھ کے آیا ہوں رجسٹر میں ساری ریاست کی زمین کا ملکیت کا جو خانہ ہے اس میں والی لکھا ہوا ہے مرلے زمین کے آگے بھی خدا نہیں لکھا ہوا تو جب واقعہ یہ ہے تو یہ کہنا کہ آسمان کو چھوڑ دیجئے کہ ارض میں جو کچھ بھی ہے ساری ارض خدا کی ملکیت ہے جھوٹ بولتا ہے یہ ایک مرلہ بھی نہیں ہے یہاں تو (لا الہ الا اللہ) کا مفہوم وہ سمجھتا تھا پھر آپ سمجھ سکتے ہیں دوسرے دن مولانا کہاں گم ہوئے، کہاں کہا ہے (**رب السمٰوٰت و الارض و ما بینھما ان کنتم مؤقنین لا الٰہ الا ھو یحی و یمیت**) موت اور زندگی اس کے قانون سے وابستہ ہے زندگی عطا کرنے والے اسباب اور سامان جتنے ہیں یہ بھی اسی کی ملکیت کے اندر رہنے چاہئیں کسی دوسرے کی نہیں، کہا تمہارا ہی رب نہیں یہ بات نہیں کہ میں پہلی دفعہ کہہ رہا ہوں نزولِ قرآن میں نبی اکرمؐ فرما رہے ہیں اپنی مخاطب قوم کو تمہارا ہی رب نہیں (**رب اٰبئکم الاولین**) تمہارے آباؤاجداد کا بھی وہی رب تھا کوئی نیا خدا نہیں میں لایا تمہارے لئے ،شروع سے یہی رب چلا آ رہا ہے، کہا حقیقت تو یہ ہے لیکن اب یہ جو نقشہ ہے ان کے معاشرے کا جس میں ایک مرلہ زمین جو ہے اس کے سامنے ملکیت کے خانے میں خدا نہیں لکھا ہوا یہ کیا ہے کیا یہ ایمان ہے اس چیز پہ کہ واقعی ارض کی ملکیت خدا کی ہے کہا (**بل ھم فی شکٍ یلعبون**) یقین نہیں ان کو اس بات کا تلاوت کر دیتے ہیں یہ یہ نہیں یقین ہے کہ واقعی یہ ملکیت خدا ہی کی ہے دوسرے کی نہیں ہے اس باب میں کوئی شک میں ہے اور پھر اس کے بعد جب یقین نہیں رہتا تو کہتا ہے کیا بات کہہ گیا ہے قرآن کہتا ہے جب ان حقائق یا صداقتوں پہ یقین نہ رہے تو زندگی کھیل کود سے زیادہ کچھ رہتی نہیں ہے کھیل ہی کھیل ہے سارا، یہ لعب ہوتا ہے حرکت میں تو کسی چیز کا رہنا لیکن منزلِ مقصود کی طرف بڑھنا نہیں جو کشتی گھر جائے امواج میں موجوں کے طلاطم کے اندر تو وہ بڑے زور سے حرکت کرتی ہے لیکن وہ موجیں اسے ساحل کی طرف نہیں جانے دیتیں زندگی کی اس قسم کی حرکات اور ایسے پروگرام کہ جس میں حرکت تو بیشک مسلسل ہی ہو لیکن وہ منزلِ مقصود کی طرف نہ لے جائے اسے لعب کہتے ہیں ،تو مقصود تو یہ تھا کہ یہ کم از کم ارض کی ملکیت کے متعلق تمہیں یہ یقین ہو کہ یہ خدا کی ہے اور دوسرے کی نہیں ہے پھر لا الہ الا ھو ہوگا ورنہ یہ اگر بات نہیں تو پھر زندگی کھیل تماشا ہی ہے حرکت تو ہوگی اس کے اندر مقصد کوئی سامنے نہیں ہوگا جس طرف تمہاری زندگی جائے گا (**فارتقب یوم تاتی السمآء بدخان مبین یغشی الناس ھٰذا عذاب الیم**) کہا پھر ان سے کہو کہ یہی کھیل کود ہی ہے تمہاری

وہ اندھیرا چھا گیا واقعی اندھیرا ہی نہیں ہو جاتا مصیبت کی انتہاء ہوتی ہے، آسمان پھٹ پڑا یہ زبانوں کے محاورے ہوتے ہیں قرآن سمجھنے کے لئے محاورہ عرب بڑا ضروری ہے جاننا ان کے ہاں مصیبت کی انتہا ہوتی تھی تو وہ یوں کہتے تھے کہ اس میں جب انسان اوپر کی طرف دیکھتا ہے تو اسے دھواں ہی دھواں نظر آتا ہے جیسے ہم کہتے ہیں آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا ہے تو کہا کہ پھر وہ انتظار کریں اس دن کا اس انقلاب آفریں ساعت کا وہ مخاصمت کہ جو قریباً بیاسی جنگوں کی شکل میں ظاہر ہوئی انتظار کریں کہ پھر اس تباہی کے وقت آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جایا کرتا ہے اب یہ کہ یہ جو الفاظ ہیں معنی یہی ہیں محاورے کی روسے سچ مچ کوئی آسمان پہ دھواں نہیں چھا گیا لفظ موجود ہے (**ھٰذا عذاب الیم**) بات کردی یہ بڑی الم انگیز تباہی ہے انسانوں کے لئے تو گویا تباہی کے لئے ہی یہ محاورے کا لفظ جو ہے یہ قرآن نے استعمال کیا ہے قرآن سمجھنے کے لئے یہ سمجھنا بڑا ضروری ہے کہا کیفیت یہ ہوتی ہے اس قسم کی قوموں کی، غلط روش پہ غلط نظامِ زندگی پہ چلے جاتے ہیں ذرا سا جھٹکا آتا ہے تو پکار اٹھتے ہیں کہ (**ربنا اکشف عنا العذاب انا مؤمنون**) اے پروردگار اگر تو اب کے معاف کردے اس مصیبت کو دور کردے تو اس کے بعد ہم کبھی یہ نہیں کریں گے قومیں کیسے یہ کہتی ہیں یہ تو معلوم نہیں ہم افراد جس طرح کہتے ہیں یہ تو روزمرہ کا ہمارا معاملہ ہے یا میرے اللہ یہ اس دفعہ کا معاف ہوجائے نا میں کدی ایہدے لاگے آجاں میری توبہ میرے؟؟؟ دی وی توبہ، بہتیریاں توبہ کرتا ہے انسان، کہتا ہے یہ منذرین جو ہم ہیں ناآگاہ کرتے ہیں پہلی دفعہ ہی وہ آخری تباہی نہیں لے آتے ہلکے ہلکے سے جھٹکے پہلے آتے ہیں ان کو وارننگ دی جاتی ہے متنبہ کیا جاتا ہے کہ بابا غلط روش ہے دیکھو اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے تو اس میں تو یہ ہوتا ہے کہ یا اگر یہ عذاب دور ہوجائے یہ تباہی دور ہوجائے تو وہ آئندہ کے لئے آپ دیکھئے کہ ہم کس طرح سے پکے مؤمن بن جاتے ہیں صاحب لیکن پھر پکے مؤمن بنتے نہیں ہیں اپنی پہلی روش میں اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں بڑھتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ پھر وہ آخری وقت آجاتا ہے جس میں تباہی ناگزیر ہوجاتی ہے اٹل ہوجاتی ہے، وہاں جاکے جب یہ کہیں کہ یا اللہ ہم سے یہ تباہی دور کردے کہا کہ اس وقت کہا جاتا ہے ان سے کہ (**انیٰ لھم الذکریٰ**) وہی بات جو میں نے کہی تھی کہ خدا یہ اتمامِ حجت کرتا ہے کہ پہلے وارننگ دیتا ہے ان کو ان تک پہنچا تا یہ بات یہاں وہی کہا کہ کہو تم تک یہ وارننگ پہنچی تھی یا نہیں پہنچی تھی (**و قد جآء ھم رسول مبین**) تمہاری طرف یہ ہماری قاصد پیغامبر آیا مبین دیکھئے یہاں وہ مبین واضح طور پر اس نے بات سمجھا دی تھی کوئی شک نہیں تھا کوئی شبہ نہیں تھا یہ جواب قرآن کے متعلق ہر قسم کا معاذ اللہ جو نقص ہو سکتا ہے نا کسی کتاب میں وہ قرآن کی طرف ہوتا ہے اس میں یہ بھی ہے واضح نہیں ہے جی مجمل ہے جی مفہوم

کا ہے کے لئے تھی وہ پہلے سلسلے کو کیا ہو گیا تھا یہ اسی طرح سے جاری رہتا، نبوت کو ختم کیا ہے (**رسول مبین**) ہماری طرف بھی وہ آیا تھا وہ (**ثم تولوا عنه**) اور تم نے اس سے روگردانی کی، ہے نا یہ واقع کہا روگردانی نہیں کرتے تھے تم اس کے خلاف بڑی طنز آمیز باتیں کیا کرتے تھے وہ کہتا تھا کہ خدا کیطرف سے یہ پیغام تھا جو میں نے دیا ہے (**قالوا معلم**) یہ کہتے ہیں کہ اسے کوئی چپکے سے سکھا جاتا ہے یہ باتیں اس لئے کہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی زندگی قبل از نبوت کی تھی اس میں تو آپ ان پڑھ تھے قبل از نبوت میں یاد رکھئے یہ جو ہے نا کہ حضورؐ ساری زندگی امی رہے ان پڑھ یہ بالکل قرآن کے خلاف ہے نبوت کے بعد آپؐ ان پڑھ امی نہیں رہے تھے قرآن کہتا ہے کہ اس کے بعد آپ جانتے تھے اور پھر ایسا رسولِ عظیمؐ جس نے علم کی اتنی اہمیت دنیا کے سامنے پیش کی ہے تو وہ اتنی بڑی ذمہ داری کے اوپر وہ تو وہ لکھنا پڑھنا بھی نہ سیکھے کہیں سے لیکن یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ جو اس قسم کی باتیں کہنے لگ گیا ہے کوئی آ کر اس کو سکھا جاتا ہے دوسرے کہتے تھے کہ نہیں یار یہ باتیں تو عجیب وغریب قسم کی کرتا ہے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو یہ اس قسم کی باتیں سکھا کے جائے تو پھر کیا کہتے تھے کہتے تھے پاگل ہو گیا ہے، ٹھیک ہے، وہ پاگل ہی ہوتا ہے یہ تو اپنی طرف سے بڑی دانشمندانہ تدبیریں کرتے ہیں نا اپنے لئے کہ ہمیں کون چھیڑ سکتا تھا ہمیں کون مار سکتا ہے وہ کہنے والا یہ کہے کہ تمہاری کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی رکھی کی رکھی رہ جائے گی تو اس کے متعلق یہی وہ کہتے ہیں کہ یہ پاگل ہو گیا ہے تو یہ چیز بھی حضورؐ کے متعلق تھی کہ پاگل ہو گیا ہے کبھی کہتے تھے کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے (**انا کاشفوا العذاب قلیلًا انکم عآئدون**) کہا کہ پہلے یہ تھا یہ ہلکے ہلکے جھٹکے آتے تھے تم گڑگڑاتے تھے نظر آتا تھا کہ اگر واقعی یہ جھٹکے ختم کر دئے جائیں تو آئندہ تم اپنی اس غلط روش سے باز آ جاؤ گے لیکن تم ہر بار یہی کرتے ہو ہر بار پلٹ کے اپنی روش پہ آ جاتے ہو تآنکہ وہی جو مہلت کا وقفہ ہوتا ہے بیماری اور موت کے درمیان وہ مہلت کا وقفہ ہوتا ہے صحیح علاج کر لیا جائے تو زندگی مل جاتی ہے نہ کیا جائے یا غلط علاج کیا جائے موت آ جاتی ہے کہا کہ اس طرح سے یہ مہلت کا وقفہ تم نے ضائع کیا (**یوم نبطش البطشة الکبریٰ انا منتقمون**) تو پھر آخر میں تو ہماری گرفت بڑی سخت ہوتی ہے ہم قوموں کی غلط تباہ کن روش کا جو نتیجہ ہمارے قانون کے مطابق نکلتا ہے وہ تباہی ہوتی ہے اور یہ گرفت ہماری بڑی سخت ہوتی ہے اس سے کوئی چھوٹ نہیں سکتا، بات اس کے بعد مثال کی شروع ہوئی قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک بات نظری طور پر پیش کرتا ہے اس کی صداقت کی شہادت میں اقوامِ سابقہ کی تاریخ کو پیش کرتا ہے تو یہ جتنا کچھ کہا گیا ہے نا زمانہ نزولِ قرآن میں قریش کے بعد وہاں یہودی زیادہ بستے تھے جو اہلِ کتاب تھے ان کی تاریخ بڑی عام تھی وہاں تو عام طور یہ آپ

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم)

ہم سورۃ الدخان کی آیت 16 تک آ گئے ہیں 17 ویں آیت سے آئندہ ہم لیں گے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج اکتوبر 1981ء کی 2 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الدخان کی آیت 17 سے ہو رہا ہے 74/17۔

سابقہ آیات میں اس کشمکش کا ذکر تھا جو نبی اکرمؐ کی دعوت اور آپ کے مخالفین میں بر پا تھی، انداز وہی تھا اور جو شروع سے انبیاء کرامؑ کے سلسلے میں چلا آتا ہے یعنی اپنی دعوت کو دلائل اور براہین کی رو سے پیش کرنا مخالفین سے بھی یہی مطالبہ کرنا کہ اگر تم مجھ سے متفق نہیں ہو تو اپنے موقف کی تائید میں دلائل پیش کرو، تو دین میں اکراہ یا زبردستی یا مجبوری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسلام نام ہے دل اور دماغ کی کامل؟؟؟؟ کے ساتھ صداقت کا اقرار کرنا اعتراف کرنا، اور اس میں اگر کسی قسم کا بھی جبر یا اکراہ آ گیا ہے تو وہ ایمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا، اس لئے یہ دعوت پیش ہی کی جاتی تھی دلائل اور براہین کی بنیادوں پر اور یہی مطالبہ مخالفین سے کیا جاتا تھا لیکن وہ دلائل و براہین کا راستہ چھوڑ کر مخالفت پر اتر آتے تھے اور مخالفت کی انتہا یہ تھی کہ وہ میدانِ جنگ تک آ جاتے تھے، اس مقام میں تو پھر اپنی؟؟؟؟؟؟؟؟؟ میدانِ جنگ میں تو پھر دلائل؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ یہ ساری داستان قرآن جو بتاتا ہے آخری منزل یا سٹیج تک پہنچنے سے پیشتر پھر دلائل ہی کی رو سے وہ ایک بات سمجھاتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر نظری طور پر ہماری سمجھ میں نہ آیا ہو تو تاریخی شواہد کو قرآن تاریخ کو بڑی اہمیت دیتا ہے اس کے نزدیک تاریخ کے معنی یہ ہیں کہ قوانینِ خداوندی اٹل ہیں غیر متبدل ہیں کوئی قوم کسی زمانے میں کسی ملک میں جس قسم کی روش اختیار کرے گی اسی قسم کا نتیجہ برآمد ہوگا اور اس میں کبھی اختلاف نہیں ہوگا وہ جو کہتے ہیں نا History repeat hisself تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے تاریخ واقعات کو نہیں دہراتی بلکہ یہ جو اصول ہے تاریخ کا قرآن نے بتایا کہ یہ اٹل قوانین ہیں کہ فلاں قسم کی روش کا نتیجہ یہ ہوگا ہمیشہ ایسا ہی ہوگا اور یہی چیز جو ہمیشہ ایسا ہوگا جو شرط ہے اس میں یہی چیز ہے جو اس چیز کو قانون بنا دیتی ہے تو تاریخ میں قانون اپنے نتائج ہمیشہ وہی برآمد کرتا ہے جو ایک دفعہ اس نے کئے، اس لئے ایسے مقام پر آ کر قرآنِ کریم سابقہ اقوام کی تاریخ کو اپنی شہادت میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا تو تمہیں علم ہے اور قرآنِ کریم کے چونکہ پہلے مخاطب عرب کے قریش تھے یا عرب کے ہی رہنے والے لوگ تھے اس لئے وہ

یہ حشر ان کا ایسے ہی ہنگامی طور پر نہیں ہو گیا تھا اتفاقیہ نہیں ہو گیا تھا بلکہ انہوں نے فلاں قانونِ خداوندی کی خلاف ورزی کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا جو تم دیکھ رہے ہو، یہ بات انہیں سمجھائی جاتی تھی کہ اسی سے کم از کم تم دیکھ لو کہ اگر تم بھی اسی قسم کی روش اختیار کرو گے تو جو اس کا نتیجہ ہوا تھا وہی تمہارا نتیجہ ہو گا، تو یہاں تک پہنچنے کے بعد قرآنِ کریم تاریخی شواہد میں وہ داستانِ حضرتِ موسیٰؑ اور فرعون کو بڑی زیادہ اہمیت دیتا ہے اور اسے زیادہ تفصیل سے بیان کرتا ہے اس لئے کہ یہاں بھی جو مخالفت ہو رہی تھی اس کی زیادہ سے زیادہ مماثلت اسی سے تھی جو فرعون اور حضرتِ موسیٰؑ کے درمیان تھی وہاں بھی تین قوتیں جو انسانیت کا گلا گھونٹ دیتی ہیں ملوکیت فرعون کی شکل میں ہامان مذہبی پیشوائیت کا نمائندہ اور قارون نظامِ سرمایہ داری کا ؟؟؟؟؟ یہ کشمکش جو تھی صاحبِ ضربِ کلیمؑ اور فرعون میں ان میں مقابلے میں یہ تینوں قوتیں ایک وقت میں ایک قوم کے اندر ایک ملک کے اندر جمع ہو گئیں اس لئے قرآن جامع طور پر اس قوم اور اس کشمکش کی تاریخ کو سامنے لاتا ہے اور کہا کہ (**ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون و جآء ھم رسول کریم**) اسی قسم کی ایک تباہی کی داستان اس سے پیشتر پیش آ چکی ہوئی ہے اور وہ تھی فرعون کی ؟؟؟ ان کی طرف ایک خدا کا رسول آیا میں ابھی رسول کی بات کرتا ہوں آ کے اس نے جو کہا ہے یہ دو لفظ بڑے ہی جامع ہیں (**ان ادوا الی عباد اللہ**) بنی اسرائیل کی قوم کو فرعون نے اپنا غلام اور محکوم بنا رکھا تھا مطالبہ یہ ہے حضرتِ موسیٰؑ کا، مطالبے میں دو لفظ آئے ہیں اور یہ آزادی اور محکومیت کے پورے اصول اس کے اندر آ گئے، پہلی چیز تو انہوں نے کہا ہے عباد اللہ یہ خدا کے محکوم تو ہو سکتا ہے انسان کوئی انسان کسی انسان کا محکوم نہیں ہو سکتا، تم نے اس قوم کو اپنا محکوم بنا رکھا ہے، عام طور پر سیاست میں ہوتا تو یہ ہے کہ کسی ملک میں اگر کوئی قوم محکوم یا کسی نے اس کو غلام بنا رکھا ہے تو دوسری قوم یا دوسرا ملک وہاں جاتا ہے وہاں جا کے اس ملک کو فتح کرتا ہے اور انہیں اپنا غلام بنا لیتا ہے یہ ساری تاریخ محکوموں کے مقابلے میں حاکموں کی تبدیلی کی تاریخ ہے کبھی وہ اس قوم کے محکوم ہو گئے دوسرے وقت میں وہ کسی دوسری قوم کے محکوم ہو گئے انسان انسانوں ہی کا محکوم رہا ہے تاریخ یہی بتا رہی ہے لیکن یہ جو انقلاب آسمانی انقلاب ہے اس میں ایک لفظ نے ساری بات بتا دی عباد اللہ کہہ کے کہ انسان تو صرف احکامِ خداوندی کا پابند یا محکوم ہو سکتا ہے انسانوں کا نہیں اس لئے یہ خدا کے محکوم ہیں جنہیں تم نے اپنی محکومی میں لے رکھا ہے اور اگلی بات یہ کہی ہے کہ انہیں میں اپنا محکوم بنانے کے لئے تم سے نہیں مانگ رہا یہ نہ تمہارے محکوم ہو سکتے ہیں نہ میرے محکوم ہو سکتے ہیں یہ اللہ کے محکوم ہیں خدا کی محکومیت کے اندر ہی ان کو رہنا ہو گا اس لئے کہا ہے (**ان ادوا**) اور یہ ادوا کا لفظ اس کے معنی ہوتے ہیں جس کی کوئی چیز ہو اسے واپس دے دینا عام طور پر یہ امانت کے لئے یہ لفظ آتا ہے وہ امانت کسی کی چیز ہوتی

پوزیشن ہے انسانوں کی ساری؟؟؟؟ اس کے اندر آجاتی ہے عزیزانِ من باقی رہا (انی لکم رسول امین) اپنی پوزیشن واضح کی کہ اس میں میں نہ تو حاکم بن کے آرہا ہوں نہ تم پہ چڑھائی کرر ہا ہوں نہ میں اپنی ملوکیت یا حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں نہ انہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہوں میری پوزیشن خدا کے ایک پیغامبر کی ہے یہ خدا کا پیغام ہے جو میں تم تک پہنچا رہا ہوں پیغام بھی میرا اپنا نہیں ہے میں کوئی اپنا منشاو مقصد ومقصود لے کے نہیں آیا خدا کا یہ پیغام ہے اس نے کہا ہے کہ یہ میرے بندے ہیں اس لئے اس سے کہو کہ یہ اپنی محکومیت سے ان کو چھوڑ کے میرے حوالے کردے میں یہ پیغام پہنچانے کے لئے آیا ہوں پہلی پوزیشن یہاں سے واضح ہوجاتی ہے کہ رسول قرآنِ کریم میں نبی کہا گیا ہے اور رسول کہا گیا ہے ان حضرات کو، نبوت تو ہوتا ہے وہ مقام جہاں کسی انسان کو خدا اپنا پیغام یا وحی دیتا ہے وحی کے حامل ہونے کی جہت سے وہ نبی کہلاتا تھا کہ اس کو خدا کی طرف سے وحی ملتی تھی لیکن یہ اس کی ذات تک محدود نہیں رہنی تھی کہ وہ یہ بات کہے کہ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ بخدا تا نا کشی، کہ یہ تو جو پئے اس کو نشہ آئے گا دوسرے تک یہ نشہ منتقل ہی نہیں کیا جاسکتا یہ تصوف ہے، نبوت تو یہ ہے کہ خدا سے جو پیغام اس کو ملتا ہے اس نے دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے اب پہنچانے والا جو ہے اب دیکھیئے اس کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایک لفظ بھی اس میں اضافہ نہیں کرسکتا کم نہیں کرسکتا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرسکتا ایک تو قاصد ہی خود لفظ قاصد کے اندر یہ بات ہے اور اس کے ساتھ رسول امین کہا گیا ہے قاصد بڑا ہی امانتدار تھا یعنی اس سے اب رسول کی پوزیشن بڑی واضح ہوتی ہے کہ خدا کے پیغام میں رسول اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرسکتا، یہ بڑی اہم چیز ہے بڑی بحثیں ہیں ان کا حل ہے ان دو لفظوں کے اندر کہ رسول کی تو پوزیشن یہ ہوتی ہے خدا سے پیغام پاتا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ نبوت ہے خدا سے پیغام لینا رسالت ہے اس پیغام کو دوسروں تک پہنچانا امین ہے رسول قاصد کہ وہ اس پیغام میں کسی قسم کی کوئی بھی تبدیلی نہیں کرتا، اب اگلی چیز جو آتی ہے وہ ایک اور پروگرام ہے اس رسول کے پاس کہ وہ اس پیغام کے مطابق انسانی معاشرے میں انقلاب لاتا ہے ایک نیا نظام قائم کرتا ہے اس پیغام کی بنیادوں پر، نبوت کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے جب وحی ملتی ہے رسالت ہے جب وہ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ نبوت تو ختم ہوگئی رسالت مآب ﷺ پر خدا کیطرف سے وحی کا پانا اب اس کے بعد وحی نہیں خدا کی طرف سے آئے گی براہِ راست خدا کی طرف سے علم کسی انسان کو اس کے بعد نہیں آئے گا یہ وحی ہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے اس کا سلسلہ ختم ہوگیا، پیغام مکمل ہوگیا قرآن کے اندر محفوظ ہوگیا خدا نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا یہ جو رسالت تھی اس پیغام کا آگے پہنچانا یہ ایک فریضہ قرار پا گیا اس امت کا، اس لئے قرآن نے کہا ہے کہ پھر ہم نے اپنے

کی محکومیت کے اندر رہنے چاہئیں یہ کسی اور کی محکومیت میں نہیں رہ سکتے، خدا کی امانت خدا کے حوالے کر دی، کوئی انسان کسی دوسرے انسان اپنے لئے نہیں لے رہا خدا کے بندوں کو خدا کے حوالے کر دو یہ ہے اسلامی نظام عزیزانِ من **(و ان لا تعلموا علی اللہ انی اٰتیکم بسلطٰن مبین)** کہا میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں تمہیں دے رہا ہوں میں یہ کہہ رہا ہوں کہ خدا کا یہ پیغام ہے اس کے خلاف سرکشی نہ کرنا یہ سرکشی میرے خلاف نہیں ہے میں تو پیغامبر ہوں خدا کے خلاف سرکشی ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ اس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور میں پھر یہ کہا سلطٰن مبین لے کے آیا ہوں تاریخ کی شہادت بھی دلیل ہے اور بڑی واضح اور مبین دلیل ہے بڑی اہم دلیل ہوتی ہے تاریخ کی شہادت کی، کہتا ہے میں نے یہ شہادت بھی پہنچا دی ہے یہ دلیل بھی میں نے پیش کر دی ہے تمہارے سامنے **(و انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون)** باقی رہا تمہارا تمہاری یہ دھمکی کہ اگر تم اپنے اس مطالبے سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے، میں اس کے متعلق اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں تمہارے اس چیلنج کی حفاظت خدا کے قوانین سے چاہونگا وہی مجھے محفوظ رکھے گا اس سے یہاں ضمناً یہ لفظ جو آ گیا ہے **(ترجمون)** رجم جسے کہتے ہیں آج کل یہ ہے نا چلی ہوئی زانی کی سزا رجم جو تھی یہ یہودیوں میں تھی اور یہ یہاں پہ نظر آتا ہے کہ وہ صرف زنا کی سزا ہی نہیں تھی ان کے ہاں یہ؟؟؟ یا سنگسار کرنا بلکہ وہ اپنے مخالفین کو یہاں تو حضرتِ موسیٰؑ ہیں نا فرعون کے مقابلے میں تو نظر آتا ہے کہ انہوں نے جو دھمکی ان کو دی ہے وہ یہ کہا ہے کہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے تو ان کے ہاں یہ عام بات نظر آتی ہے کہ کسی جرم کی سزا ہی نہیں بلکہ بغاوت کی سزا بھی مخالفت کی سزا بھی ان کے ہاں رجم یا سنگساری کی سزا تھی، اسلام میں یہ کسی چیز کی سزا نہیں ہے ،تو اس نے کہا کہ اگر سرکشی تمہاری خدا کے خلاف ہے انتقام مجھ سے لیتے ہو بہر حال تم جو مجھے دھمکی دیتے ہو کہ تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا تو بہرحال اس کے لئے میں پناہ تلاش کرونگا خدا کے قوانین کی رو سے **(و ان لم تؤمنوا لی فاعتزلون)** کہنے لگے جی بات صاف ہے یا تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں میری بات یہ مان لو اور اگر ایسا نہیں ہے تو میرا راستہ چھوڑ دو میں تمہیں کچھ نہیں کہتا مجھے جانے دو بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر جانے دو، تمہاری قوم کا ایک فرد نہیں میں مانگتا تمہاری زمین نہیں مانگتا تمہاری سلطنت نہیں دولت نہیں کچھ نہیں مانگتا یہ خدا کے بندے ہیں انکو میرے ساتھ جانے دو یہ تھا ادھر سے جو مطالبہ پیش آیا لیکن اس پر بھی وہ کیسے راضی ہو جاتے حاکم قوم کو حکومت کرنے کے لئے کوئی محکوم قوم چاہئے وہ اپنی قوم کے اوپر حکومت نہیں کر سکتا محکوم قوم کی ضرورت ہوتی ہے تو اگر وہ محکوم قوم کو لے کر حضرتِ موسیٰؑ نکل جائیں اس کے ذہن میں تھا نا کہ پھر ہم حکومت کس قوم پر کریں گے وہ کیسے جانے دیتے اس لئے انہوں نے نظر

،تو اس پر فیصلہ یہ ہوا ہے ارشادِ باری تعالیٰ یہ ہوا پروگرام خدا کا مشیتِ ایزدی یہ ہوئی کہ حضرتِ موسیٰؑ سے کہا گیا کہ (فاسر بعبادی لیلًا انکم متبعون) تم اس قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ اور یاد رکھو کہ یہ تمہارا پیچھا کریں گے قرآن درمیانی کڑیاں چھوڑ دیتا ہے خود ہی پروگرام کی کوئی بھی تفاصیل نہیں دیتا کیونکہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب تو ہے نہیں کہ اس نے اتنی تفصیل دینی ہے وہ تو جو اصول ہیں ان کو بیان کرنا چاہتا ہے، کہا یہ گیا کہ ان کو لے کے نکل جاؤ، کتنا لمبا پروگرام یہ ہوگا کتنی تنظیم اس کے لئے ہوگی ایک قوم کو لے کر اس ملک سے نکل آنا جس کی اس قدر وہ مخالفت کرتے تھے اس کے لئے تو بہت لمبی چوڑی کسی تنظیمی پروگرام کی ضرورت ہوگی نا تو وہ سب کچھ کیا ہوگا لیکن قرآن اس تفصیل میں نہیں جاتا اور تفصیل تو ہر زمانے میں ہر قوم میں ہر ملک میں اپنے واقعات کے مطابق طے ہوگی کسی ایک دور کی تفصیل تو دوسرے دور میں کام نہیں آسکتی اصول تو غیر متبدل رہتے ہیں یہ تفاصیل جو ہیں وہ بدلتی رہتی ہیں تو قرآن اسی لئے تفاصیل نہیں دیتا ان کی وہ، لے کر ان کو یہاں سے نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیئے جائے گا، اب نکل کے جو؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ دیکھیں گے، یہ مصر کے؟؟؟؟ یہ تھا یہ سب کچھ ذرا آگے بڑھیئے تو Read Sea آجاتا ہے درمیان میں بحرِ قلزم اور اس کی دوسری طرف انہوں نے جانا تھا اس میں بھی میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا اب تو نہر سویز نے Read Sea کو اور بحرہ روم کو ملا دیا ہے آپس میں، اس زمانے میں یہ نہرِ سویز نہیں تھی وہ خشکی تھی تو یہ بحرہ قلزم یا Read Sea وہاں جا کے ختم ہو جاتا ہے یہ اس سے ذرا پیچھے دو شاخوں میں بٹ جاتی تھی بڑی شاخ تو مصر کی طرف تھی اور چھوٹی سی شاخ ادھر آجاتی تھی وہ جدھر اب بوسینا یا فلسطین اور سمجھ لیجئے، تو یہ جو درمیان کا ایک یہ خشکی کا ایک قطعہ تھا جو سینا کہلاتا تھا اس قطعے کے اندر انہوں نے خشکی کے قطعے میں ادھر آنا تھا، ابھی پہلے ہی جست میں یہ وہاں سے فلسطین نہیں آرہے؟؟؟؟ میں آئے ہیں پہلے انہوں نے مصر کے یہ جو درمیان میں چھوٹا سا پاٹ تھا Read Sea کا اس کو عبور کر کے سینا کی خشکی کے قطعے کے اندر آنا تھا انہوں نے، تورات میں ہے اور تورات کے اتباع میں ہی ہمارے ہاں کی تفاسیر میں بھی یہ بات آگئی ہوئی ہے ہمارے ہاں کی تفسیریں جو ہیں وہ تو اکثر و بیشتر ان کو اسرائیلیات کہتے ہیں وہ تورات کے جو قصے ہیں وہاں کے جو افسانے وہ ہمارے ہاں کی تفاسیر میں آگئے ہوئے ہیں ہمارے ہاں بھی یہ ہے جو کہ تورات میں ہی ہے کہ وہاں آئے تو یہ پھر ایک معجزہ تھا کہ وہ حضرتِ موسیٰؑ نے وہ اب سمندر پہ اپنا سوٹا مارا عصا جس کو کہتے ہیں اور اس سے وہ سمندر دو پاٹ میں پھٹ گیا شیشے کی دو دیواروں کی طرح وہ پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خشک زمین تھی اس میں سے یہ سارے بنی اسرائیل نکل کے اور وہ خشکی میں چلے آئے اور بعد میں جب فرعون کا لشکر

شان میں یہ نہیں ہوگا کہ انہوں نے علمی کارنامہ سرانجام دیا بات یہ ہوگی کہ جی یہ کرامت ان سے سرزد ہوئی تو اقبالؒ کے الفاظ میں

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا

ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

وہ جو زندہ کرامات ہوتی ہیں نا نبی کا یا پیغمبر کی اس پہ ہماری نگاہ نہیں ہوتی وہ تو خود ایک کرامات ہوتے ہیں اس کے لئے ہم ڈھونڈتے ہیں کہ اس کے کرامات اس کے معجزات کیا ہیں وہ دلیلِ نبوت بنتا ہے ہمارے ہاں، تو ہم ہر واقعہ کے اندر کوئی نہ کوئی معجزہ فوق الفطرت چیز کارنامہ سامنے آئے جب مانتے ہیں کہ ہاں بات ہوئی نا، یہ ہے نا جو نبوت کرتی تھی یا نبی کرتا تھا یہ ہے نا جو اللہ تعالیٰ نے کیا اس کے لئے، یہ چیز میں اس وقت معجزات پہ بحث نہیں کر رہا میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ اگر یہ چیز ہو تو انبیاء کرام کا اسوہ جو ہے ان کی جو زندگی ہے وہ ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی اگر ہر آڑے وقت میں ہونا یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی فوق الفطرت قوت آنی ہے اس نے آ کے وہ مسئلہ حل کرنا ہے تو ہمارے لئے تو وہ؟؟؟؟؟ بھی نہیں تو ہمارے لئے وہ چیز نمونہ کیسے بن سکے گی کہ اس کے مطابق کریں تو ہمارا مسئلہ بھی حل ہو جائے وہ تو انسانوں کی سطح کے اوپر جو کچھ وہ کر کے دکھائیں گے وہ آنے والوں کے لئے اسوہ یا نمونہ بنے گا، اب یہ قرآنِ کریم میں پہلے ہم دیکھتے ہیں پھر آئیں گے کہ خود تورات والوں نے یہودیوں نے بھی اب کیا وہ کیا کہہ رہے ہیں یہ بات انہوں نے کہی ہوئی ہے کہ انہوں نے سوٹا مارا اور وہ سمندر دو حصوں میں پھٹ گیا شیشے کی دیواروں کی طرح پانی کھڑا ہو گیا درمیان میں سے یہ گذر گئے قرآن نے یہ کہا ہے کہ یہاں ہے (**و اترک البحر رھوًا**) اگر یہ دو لفظ جو ہیں قرآن کے انہی کی طرف ہماری توجہ آ جاتی تو ان افسانوں کی ضرورت نہ پڑتی، دوسری جگہ ہے سورۃ طٰہٰ میں 20/77 (**و لقد اوحینا الا موسیٰ ان اسر بعبادی فاضرب لھم طریقًا فی البحر یبسًا**) دو لفظ ہیں رھوًا نہیں یبسًا ہے یبسًا کے تو معنی ہیں خشک راستہ کہ انہیں لے چل اور جو خشک راستہ ہے وہاں سے اس کو سینہ کی وادیوں میں لے کے چلا جا بنی اسرائیل کو او قرآن خود کہہ رہا ہے، تو یہ سمندر میں یہ ایسا سمندر کہ جہاں آ کے آخر میں میں نے کہا ہے نا کہ خشکی آ جاتی ہے وہاں، وہاں یہ خشک اس طرح سے راستہ ہوگا قرآن کا اعجاز ہے عزیزانِ من کہ (**و اترک البحر رھوًا**) رھوًا کہتے ہیں مدوجزر سے پانی کبھی اوپر کی طرف آتا ہے کبھی پیچھے کیطرف ہٹ جاتا ہے یہ جو پانی کا آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا ہے اس کو عربی زبان میں رھوًا کہتے ہیں وہ اس طرح سے پانی کے پیچھے ہٹ جانے کو کہتے ہی رھوًا تھے اور رھوًا جب ہو جائے تو جہاں سے پانی پیچھے ہٹ گیا ہے یبسًا تو وہاں

آ جائے تو اتنے میں لے کے ان کو تم پار چلے جاؤ اور اس کے بعد ان کے پیچھے انکی دیکھا دیکھی وہ قوم جو تھی جو تعاقب کر رہی تھی فرعون کے آدمی وہ جب آئے ہیں تو قرآن نے بتایا یہ ہے کہ اتنے میں پانی آ گیا تھا ، بات بڑی صاف سی ہے سمجھ میں آ سکتی ہے قرآن کے اندر دونوں لفظ موجود ہیں اس طرح سے ان کو لے کے وہ آگے گئے اور اس طرح سے پیچھے سے یہ جو آئے فرعون کے لوگ وہ اس طرح اس پانی میں غرق ہو گئے ، میں نے عرض کیا ہے کہ یہ جو قصہ ہے نا سوٹا مار کر وہ دو پاٹ میں اس کا بٹ جانا وہ تورات کے اندر افسانہ ہے اور اب قرآنِ کریم نے یہ جو کچھ کہا ہے یہ تو وہ نہیں ہے جو وہ کہتے تھے وہ تو سیدھی سی بات قرآن نے کہی ہے نا کہ رھوًا مد و جزر کا ہے اور خشکی کا حصہ تھا جہاں سے لے کے چلو، یہودیوں نے خود اپنی تورات کا جو نیا translation شائع کیا ہے 1962ء میں شائع کیا امریکہ میں تورات کا بہت بڑا publication کا مرکز ہے ان کا وہاں سے یہ شائع کرتے ہیں، تو جو انہوں نے شائع کیا ہے تورات کا نیا translation انگریزی میں اس میں یہ لکھا ہے کہ تحقیقاتِ جدیدہ نے یہ بتایا ہے کہ یہ جدھر سے حضرتِ موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کے گئے تھے وہ وہ حصہ تھا اس شاخ کا بحرِ قلزم کے کہ جہاں پانی آتا تھا کبھی اور پانی چلا جاتا تھا اور وہاں سرکنڈا اگا ہوا تھا اس کو Sea of reeds کہتے تھے اب بھی اس کا نام Sea of reeds ہے اس خطے کا نام حالانکہ اب یہ وہ تو بحرِ قلزم سیدھا جا ملتا ہے لیکن اس زمانے کے اعتبار سے انہوں نے کہا ہے کہ وہ جو Sea of reeds آتا ہے ہمارے ہاں یہ حصہ تھا جہاں یہ مد و جزر کی رو سے پانی آتا تھا اور جاتا تھا اور وہاں سرکنڈا اگا ہوا تھا حضرتِ موسیٰؑ اپنی قوم کو اس راستے سے لے کے سینا میں پہنچے تھے یہودیوں نے اپنی تورات کے نئے ترجمے کے اندر یہ چیز لکھدی ہے، یہ ہے اعجاز ہے یہ ہے معجزہ قرآن کا عزیزانِ من کہ چودہ سو سال پیشتر کے زمانے میں جب ابھی کوئی اس قسم کی جغرافیائی تحقیق نہیں ہوئیں تھیں اس زمانے میں ایک ایسے خطہ ارض میں جہاں علم کی شعائیں نہیں پہنچی ہوئی تھیں وہ تو زمانہ ہی Dark ages کا کہلاتا ہے جہلات کا دور پھر اس میں عرب کہ جہاں مکہ میں بھی صرف لکھنا پڑھنا جانتے تھے سترہ آدمی اس کے اندر بھی ایک امی شخص ہے جو اس زمانے میں قبل از نبوت اتنا بھی نہیں جانتا تھا وہ ایک بات بتاتا ہے کہ یہ ہوا تھا اور آج 1962ء میں خود یہودی اپنی تورات کا جو نیا ترجمہ شائع کرتے ہیں اس میں خود لکھتے ہیں وہ بات جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے کہی تھی معجزہ یہ ہے عزیزانِ من یہ ہے چیز جس سے ہم کہیں گے کہ یہ کسی انسان کے ذہن کی فکر یہ کہہ ہی نہیں سکتی تھی اس زمانے کے اندر، کہیں اور نہیں اس زمانے میں کہیں ملے گی یہ بات سوائے قرآن کے لیکن ہم قرآن والوں نے قرآن کے ان الفاظ کو تو چھوڑ دیا تھا اور ہم نے بھی اسی تورات کے افسانے کے اپنے ہاں لے کے ساری تفسیروں میں

فوج آ رہی ہے آ گے سمندر آ گیا ہے تو تم ہمیں کہاں مارنے کے لئے لے آئے ہو تو نظر آ تا تھا اس قوم کو تو وہاں یہ چیز حضرتِ موسیٰؑ نے کہی کہ میرے خدا نے جو مجھے حکم دیا ہے کہ ادھر سے لے چلو وہ یقیناً ہمیں ایسا راستہ دکھائے گا جہاں سے ہم حفاظت سے نکل جائیں قرآن میں یہ بات ہے تو یہ اتنی سی چیز کہ خدا کی راہنمائی پیغمبر کو ملتی تھی وحی کے ذریعے سے وہ فلاں جگہ کا راستہ جو ہے وہاں سے یہ ممکن ہوگا کہ تم خشکی کے راستے سے سینا میں چلے جاؤ یہ وہاں چلے گئے اور اس کے بعد پھر داستان لمبی ہے کہ انہوں نے آ گے چل کر فلسطین کے علاقے میں یہ آباد ہوئے یہ سارا علاقہ فرعون کی مملکت کا ایک حصہ تھا تو یہاں سے فرعون کو اپنی حکومت اپنی سلطنت پیچھے ہٹانی پڑی یہ سارا کچھ چھوڑنا پڑا اور اس کے قابض پھر یہ بنی اسرائیل ہوئے اور انہوں نے وہاں لمبے عرصے تک حکومت کی فلسطین کے علاقے میں Palestine میں، یہ تھا یہودیوں کا پہلا علاقہ اسی لئے قرآن نے کہا ہے (**کم ترکوا من جنٰتٍ و عیونٍ و زروعٍ و مقامٍ کریمٍ و نعمةٍ کانوا فیھا فکھین**) کہا کہ انہوں نے ان کو پوچھو تاریخ کے اوارق سے کہ کیسے کیسے باغات چشمے کھیتیاں ایسا خطہ زمین کہ جو بڑا ہی سرسبز تھا یہ مقامِ عزت اور نعمت جن میں وہ بڑے خوشحال تھے کس طرح اس قوم کو یہ سب کچھ چھوڑنا پڑا اور اس کے بعد یہ ہے (**کذٰلک**) ایسا ہی ہوا تھا وہ جو کہہ رہا تھا نا کہ فرعون نے اپنی سرکشی اختیار کی قوانینِ خداوندی کی رو سے اس کا نتیجہ یہ ہوا (**کذٰلک**) ایسا ہی ہوا (**و اورثنٰھا قومًا اٰخرین**) اور ان کی ان تمام ثروت دولت دراز خوشحالیاں؟؟؟؟ ان تمام کی وارث ایک دوسری قوم بن گئی قومِ بنی اسرائیل جو انکی غلام اور ان کی محکوم قوم تھی، اور آ گے ہے قرآن کا انداز ہے فرعون کی قوم کی یہ تباہی کہ یہ سب کچھ ان سے چھن گیا کہا (**فما بکت علیھم السمآء و الارض وما کانوا منظرین**) ان کی اس تباہی پر نہ تو آسمان رویا نہ زمین کی آنکھ سے کوئی آنسو ٹپکا، ظالم اور مجرم کی تباہی پر کوئی آنکھ ایسی نہیں ہوتی جس میں آنسو آئے وہ تو اقبالؒ کے الفاظ میں مرگِ تو اہلِ جہاں را؟؟؟؟، ظالم کی موت تو دنیا کے لئے زندگی کا باعث ہوتی ہے، باش تا بنی کہ انجامِ؟؟؟؟ ظالم سے کہا گیا ہے کہ تھوڑا انتظار کرو اور پھر اس کے بعد دیکھو کہ تمہارا انجام کیا ہوتا ہے مرگِ او اہلِ جہاں را ؟؟؟ ظالم کی موت مظلوموں کے لئے زندگی کا باعث بنتی ہے اس لئے اس کی تباہی اور موت کے اوپر کونسی آنکھ اشک بار ہوگی دنیا تو اس دن جشنِ مسرت منائے گی، کیا انداز ہے قرآن کا کہ اتنی بڑی قوم ان کی اتنی بڑی تباہی اس تباہی پر نہ آسمان رویا نہ زمین کی آنکھ میں کوئی آنسو آیا (**و ما کانوا منظرین**) پھر ان کو مہلت بھی نہ دی گئی پہلے کافی عرصہ مہلت کا ان کو دیا گیا تھا کہ اب بھی روش میں تبدیلی پیدا کرلیں بڑے chances دئے گئے لیکن آخری چانس جو اس کے بعد (**ولقد نجینا بنی اسرائیل من**

ادم) کہا ہے کہ ہم نے ہر انسانی بچے کو واجب التکریم پیدا کیا ہے یاد رکھئے عزیزانِ من یہ اذیتیں یہ تکلیفیں یہ صعوبتیں جو جابر ظالم مستبد حاکمین کی طرف سے محکوموں پر روا رکھی جاتی ہیں یہ ان کی طبعی زندگی کے لئے ہوتی ہیں جسمانی تکلیفیں ہوتی ہیں؟؟؟؟؟؟؟ یا؟؟؟؟؟؟؟ یہ ہوتی ہے جب انہیں ذلیل کیا جاتا ہے عزتِ نفس کا چھیننا جو ہے اس سے زیادہ اور مھین عذاب قرآن نے کہا ہے ذلت آمیز عذاب یہ ہے جو کچھ یہ قومیں کرتی ہیں اور اصل میں یہ ہے کہ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ کو کہتے ہیں سائیکالوجی میں ایک نفسیاتی بیماری ہوتی ہے کہ دوسرے کو اذیت دے کے اس سے خوش ہو جانا لذت اٹھانا دوسروں کی اذیت کے اوپر وہ لذت یہ ہوتی ہے کہ یہ اسے ذلیل کر رہا ہوتا ہے، کہا کہ ہم نے ان کو ایک اس عذاب سے بچایا جو عذاب ذلت آمیز تھا ان کے لئے ،(و لقد اخترنٰهم) فرعون کے عذاب سے وہ بہت بڑا مستبد تھا سرکش تھا حدود فراموش تھا اس لئے اس کے عذاب سے ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دی(و لقد اخترنٰهم علیٰ علمٍ علی العٰلمین) انہوں نے وحی خداوندی یعنی یہاں کہا ہے کہ انہوں نے علم کا اتباع کیا اس لئے ہم نے انہیں اس زمانے کی اقوام پر فضیلت عطا کر دی برتری عطا کر دی علیٰ علم برتی یہ ہوتی ہے نبی کے ذریعے سے جو ہوئی وحی خداوندی کی رو سے علم و بصیرت کی رو سے دھاندلی سے نہیں استبداد سے نہیں یہ اتنا ہی فرق ہے اس نظام میں جو وحی کی روشنی میں لایا جاتا ہے اور جو اقوامِ عالم اپنے طریق سے لاتی ہیں اس میں استبداد ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوتی استبداد نہیں ہوتا تبدیلی ہوتی ہے؟؟؟؟؟ بہتری کے لئے اس قوم کی بہتری کے لئے ایک تبدیلی ہوتی ہے جو انقلاب آسمانی روشنی کے تحت لایا جاتا ہے(علیٰ علمٍ علی العٰلمین و اٰتینٰهم من الاٰیٰت ما فیه بلؤا مبین) اور انہیں ہم نے اس اس قسم کے قوانین اور احکام دئے کہ ان میں، ہمارے ہاں تو یہ بلا کا لفظ بلا ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے نا یہ عربی زبان میں یہ بلا کا لفظ صرف مصیبت کے لئے استعمال نہیں ہوتا وہاں کسی چیز کا پہلو بدلنا جیسے ہم کہتے ہیں نا گردش جس کو کہتے ہیں جس حالت میں وہ ہے اس سے بدل کے اس کے مقابل میں دوسری حالت لے آنا اس کو کہتے ہیں بلا اس لئے اگر بدحالی ہے تو اس کی جگہ خوشحالی آئی ہے تو اس کے لئے بھی بلا کا لفظ آئے گا اگر خوشحالی ہے اور اس کی جگہ پہلو بدل کر بدحالی آئی ہے تو اس کے لئے بھی یہ لفظ آئے گا تو گویا جو کسی کی حالت ہو اس سے بدل کے گردش سے دوسری حالت جو آ جانا ہے اس کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، اسی لئے (بلا حسنا) بھی ہے قرآن کے اندر ورنہ بڑی خوشگوار بلا یہ تو ہماری زبان کے اعتبار سے تو بات ہی سمجھ میں نہیں آتی او ایسا یہ کیسے ہو وہ؟؟؟؟ کا ناول اس کا ہوتا تھا جہنمی حور وہ جہنمی حور جیسی بات ہی ہے بلا حسنا ورنہ بلا حسنا کیا ہوتی ہے وہ عربی زبان کے

صرف اس صورت میں بچ سکتا ہے کہ اسے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر یقین ہو کہ میں نے اگر اس وقت زیادتی کی ہے اور اس قوم میں اتنی قوت نہیں ہے کہ یہ اس کا بدلہ لے سکے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میرا یہ جرم بغیر بدلا لئے رہ جائے گا بغیر نتیجہ پیدا کئے ہوئے رہ جائے گا، یہ نہیں ہے یہ نتیجہ پیدا کرے گا اس کا نتیجہ تباہی ہے بربادی ہے یہ ہوگا اس زندگی میں نہیں یہ اگر ہوسکا ہے تو زندگی تو ختم نہیں ہوسکتی ختم ہو نہیں جاتی آگے چلتی ہے مسلسل چلتی ہے تو اس کے بعد کی زندگی میں ہوگا لیکن اس کا نتیجہ ضرور برآمد ہوگا، کہتا ہے کہ صرف یہ ایمان ہے کہ جو محفوظ رکھ سکتا ہے انسانوں کو دوسرے انسانوں کے جور و استبداد سے اگر یہ ایمان نہ رہے تو پھر تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس ؟؟؟؟؟ جس کے پاس قوت ہے وہ دوسروں کو دبا لیتا ہے اور جو وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے کون پوچھنے والا ہے صاحب یہ چیز ہے کہ مجھے کون پوچھنے والا ہے کہ جو اس پہ ان لوگوں کو آمادہ ہی نہیں یا جلی کر دیتا ہے کہ جہاں کہیں کمزور اور ضعیف نظر آئے ؟؟؟؟؟؟؟؟ اس کو ؟؟؟؟؟ قرآن کہتا ہے گرفت کرتے ہیں اور سختی سے گرفت کرتے ہیں کہ ان کی ہڈیاں توڑ دیتے ہیں کہ ان پہ ان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اور اگر یہ ایمان ہو کہ نہیں پوچھنے والا ہے اور ہم سے پوچھا جائے گا اس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ پھر اس استبداد اور ظلم کے اوپر قومیں نہیں اترتیں، کہا کہ یہی چیز اس قوم میں ہے جو ہماری مخالفت ہے اس وقت ان کی بھی دلیل یہ ہے کہ (؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟) اس موت سے زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس کے بعد زندگی زندگی کا قصہ یونہی افسانے ہیں کہاں کا زندہ ہونا اور کہاں کا حساب کتاب اور کہاں کا مکافاتِ عمل، بالکل نہیں، ٹھیک ہے، اور یہاں اگر انتظام کر دیا جائے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کے نتائج سے ہم محفوظ رہ سکتے ہیں تو پھر راوی عیش لکھتا ہے جو جی میں آئے کرو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے، کہا کہ یہ قوم بھی جو تمہاری مخاطب قوم ہے دلائل و براہین سے نہیں مانی تاریخی شواہد کے بعد بھی یہ اپنی روش سے باز نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ زندگی اسی دنیا کی زندگی ہے موت کے ساتھ انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اگر ہم نے انتظام کر لیا کہ یہاں ہمیں کوئی نہ پوچھے تو اس کے بعد پھر معاملہ ختم ہو جاتا ہے یہ وجہ ہے اصلی کہ جو یہ باز نہیں آتے اور یہی چیز ہے عزیزانِ من آج ساری دنیا کے اندر جس قدر ظلم اور استبداد ہو رہا ہے کمزور قوموں پہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو ایمان ہے آخرت کا جسے ہم کہتے ہیں یہ ایمان نہیں ہے کسی قوم کے اندر ، اور کہیں نہیں نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری، خواہ وہ مسلمان نام رکھنے والی قومیں ہیں یا غیر مسلم اقوام ہیں یہ ایمان نہیں ہے اس چیز کا کہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں اس کا مواخذہ بھی ہوگا اس کا حساب ہوگا یعنی اس کے نتائج ہمیں بھگتنے پڑیں گے (فاتوا باٰبآئنا ان کنتم صٰدقین) کہا تمہیں معلوم ہے نا کہ اس

استبداد اور جو کچھ بھی ضعیفوں اور کمزروں کے گلے گھونٹے جارہے ہیں اس کا صرف ایک علاج ہے اور وہ ہے ایمان مکافاتِ عمل پر ایمان آخرت پر اگر یہ نہیں ہے تو جو فرد یا جو اتنا انتظام کر لے کہ اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہو تو وہ پھر باز نہیں آ سکتا ظلم سے اور استبداد سے (**اھم خیر ام قوم تبع و الذین من قبلھم اھلکنٰھم انھم کانوا مجرمین**) ان سے کہا کہ پھر ان سے یہی بات کہو کہ ان اقوام کی تاریخ پہ نگاہ ڈالو، تبع کی قوم یمن کے علاقے میں رہتی تھی جوان سے بالکل قریب تھا اور اس کی داستانیں عربوں سے زیادہ دیر کی بات بھی نہیں تھی قریب قریب ہی دور میں وہ قوم ہوئی تھی، کہا ان سے پوچھو کہ تبع کی قوم تو تمہارے سامنے تباہ ہوئی ہے اور اس سے پہلے بھی یہ عاد اور ثمود وغیرہ کی قومیں راستے میں ان کی بستیاں تمہارے آتی ہیں تو وہ کیوں تباہ ہوئی تھیں ان کے پاس تو تم سے کہیں زیادہ ثروت طاقت قوت موجود تھی کیوں اس کے باوجود وہ تباہ ہوئیں اس لئے کہ انہوں نے قوانینِ خداوندی سے سرکشی برتی تھی انسانیت پر مظالم کئے اس کا نتیجہ یہ سب ہو گیا، ہم نے جو انہیں ہلاک کیا (**انھم کانوا مجرمین**) اس لئے کہ وہ یہ جرائم جسے ہم کہتے ہیں نا اس کے معنی یہی نہیں جو ہمارے ہاں ہمارے ہاں تو جرائم عام طور پہ بس وہی دو چار قسم کی چیزیں ہیں نا ؟؟؟؟ چوری ہے کوئی ڈاکہ زنی ہے کوئی فریب کاری ہے جس کو crimes کہتے ہیں اصل چیز تو اس سے بڑی چیز ہے عربوں کے ہاں یہ قوم تو بڑی پتہ نہیں ایسی عجیب وغریب قوم کہ تہہ تک پہنچی ہوئی تھی کسی دوسروں کے درخت کا پھل کاٹ کے لے جانا اس کو جرم کہتے تھے وہ اب پھیلا لیجئے اس حقیقت کو جرم کی حقیقت سامنے آ جائے گی آپ کے، ساری قومیں اس پہ لگی ہوئی ہیں،

؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ آں حاصل برد

امتِ بہ امتِ دیگر چرد

کوئی قوم اپنے کھیت میں سے نہیں کھاتی دوسرے کے کھیت میں سے کھانے کی کوشش کرتی ہے بوتا یہ ہے کاٹ کے وہ لے جاتی ہے اس کو تو عربی زبان میں جرم کہتے تھے کہا کہ وہ قوم مجرمین قوم تھی جو قوم بھی یہ کرے گی اس کا نتیجہ یہی ہو گا جو قرآن بتا رہا ہے، باقی رہا یہ کہ صاحب کوئی پوچھنے والا نہیں (**وما خلقنا السمٰوٰت و الارض وما بینھما لٰعبین**) میں سمجھتا ہوں کہ اس کو پھر ہم آ گے ،؟؟؟؟ کہا پھر یہ گیا ہے کہ ہم نے یہ ارض و سما اس کے کھیل کود؟؟؟؟؟؟ یہ بڑی اہم بات ہے قرآن کے دیگر مقامات میں مکافاتِ عمل کے سلسلے میں یہ چیز آئی ہے کہ یہ زمین و آسمان کا سلسلہ اس لئے متحرک ہے کہ کسی شخص کا کوئی عمل بغیر نتیجے کے نہ رہ جائے یہ بہت بڑی چیز ہے، تو اس لئے اس اعلان کیساتھ آج میں اسے ختم کرونگا کہ اب درس کا وقت ڈیڑھ گھنٹے سے گھٹا کے میں نے ایک گھنٹہ کر دیا ہے میں نے پچھلی دفعہ بھی کہا تھا کہ

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج اکتوبر 1981ء کی 16 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الدخان کی آیت 38 سے ہو رہا ہے 44/38۔

پیچھے سے سلسلہ کلام اس کشمکش کا چلا آ رہا تھا جو حق اور باطل میں شروع سے چلی آ رہی ہے مخالفین کی مخالفت شدت اختیار کئے جا رہی تھی ان سے بار بار کہا جا رہا تھا کہ مسئلہ کچھ تمہارے اور ہمارے درمیان کسی مخاصمت کا نہیں ہے بلکہ یہ کہنے والا رسول کہتا تھا کہ میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تم جس تباہی کے راستے پہ جا رہے ہو اس سے مڑ جاؤ ہٹ جاؤ صحیح راستہ اختیار کرلو تباہ ہو جاؤ گے اور تم اس کی مخالفت کر رہے ہو، اب جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اس وقت تو تمہارے زعمِ باطل میں یہ ہے کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں قوت ہے دولت ہے ثروت ہے جتھہ لشکر ہیں بالخصوص قریش کے مقابلے میں لیکن غلط کام اپنا غلط نتیجہ نکال کر رہتے ہیں یہ ہے ساری لم دین کی عزیزانِ من جسے قانونِ مکافاتِ عمل کہتے ہیں کہ انسان کا ہر کام نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے حتٰی کہ دل میں گذرنے والے خیالات اور قرآن کے الفاظ میں نگاہ کی خیانتیں، یہ ہے اصلِ دین، اب یہ چیز کہ ہر عمل نتیجہ خیز ہوتا ہے اس سے اگلی آیت یہ ہے(**و ما خلقنا السمٰوٰت و الارض و ما بینھما لٰعبین ما خلقنھما الا بالحق ولکن اکثرھم لا یعلمون**) آیت یہ ہے کہ ہم نے اس سلسلہ ارض وسما اس سلسلہ کائنات کو یونہی کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا اسے بالحق ہم نے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں بظاہر نظر آتا ہے کہ پیچھے سے سوال چلا آ رہا تھا کہ تمہارے غلط کام غلط نتائج پیدا کریں گے اس سے تم تباہ اور برباد ہو جاؤ گے سابقہ اقوام نے یہی کچھ کیا تو ان کی بھی یہی کیفیت ہوئی اور اس کے بعد اگلی آیت یہ ہے کہ یہ سلسلہ کائنات ہم نے بالحق پیدا کیا ہے یونہی یہ مذاق نہیں ہنسی نہیں لیکن لوگ کم سمجھتے ہیں آپ نے دیکھا کہ بظاہر اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کوئی ربط نظر نہیں آتا لیکن یہ تو قرآن ہے بڑی گہرائیوں میں جاکے اس کے ربط کا پتہ چلتا ہے، پہلی بات تو یہ قرآن نے ایک مقام پہ نہیں اکثر مقامات پہ اس خارجی کائنات کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ بالحق پیدا کی ہوئی ہے یہ حق بڑا جامع لفظ ہے عربی زبان کا لیکن عام معنی بھی لئے جائیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ possitive چیز ہے ایک مثبت چیز ہے یہ ایک یہ exist کرتی ہے یہ حقیقت ہے یہ

ہے یہ مایہ کا جال ہے یہ فریب ہے آپ کا سارا تصوف اسی پہ مبنی ہے کہ اس کی حقیقت ہی کچھ نہیں ہے
تصوف فلسفہ ان پر مبنی شاعری

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے

exist بھی نہیں کر رہی، پھر exist ہی نہیں کر رہی تو اس کی اہمیت پھر کیا ہو سکتی ہے تو اب اندازہ لگا لیجئے کہ ایک طرف وہ قومیں کہ جو اس کائنات کو سمجھتی ہیں کہ یہ بالحق ہے exist کرتی ہے possitive ہے اس کے نتائج ہیں وہ تسخیر کر رہی ہیں ارض و سماوات کا چاند اور سورج تک پہنچ رہی ہیں ایٹم کی توانائیوں کو اپنے قبضے میں لا رہی ہیں ساری دنیا کانپ رہی ہے ان کے سامنے اور دوسری طرف ہم بیٹھے ہیں اس خیال والے کہ یہ حلقہ دامِ خیال ہے اس کا وجود ہی کچھ نہیں ہے، تو ہے تجھے جو کچھ نظر آتا ہے نہیں ہے، تو اب سوچئے کہ یہ قوم ان قوموں کا کہیں مقابلہ کر سکتی ہے، کسی نکتہ نگاہ سے بھی آپ دیکھئے تو قرآن کا بار بار یہ کہنا کہ یہ بالحق ہے یہ exist کرتی ہے یہ ایک reality ہے یوں کہئے انگریزی میں جو کہتے ہیں یہ ایک reality ہے اس کا مسخر کرنا تمہارا فریضہ ہے اس سے کام لینا ہے تم نے تو اسی سے آپ دیکھئے کہ یہ دو نظریاتِ زندگی ایک دوسرے سے جو متضاد تھے اس نظریہ زندگی نے کیا نتائج پیدا کئے اور یہ بالحق کا نظریہ زندگی کیا نتائج پیدا کرے گا لیکن ہمیں اس سے کیا واسطہ یہ ہم پڑھ رکھتے ہیں ثواب کی خاطر تلاوت کی غرض سے وہی تصوف وہی شاعری وہی فلسفہ ہمارے اعصاب پہ سوار ہے، وہ قومیں جنہوں نے سمجھا کہ واقعی یہ in reality exist کرتی ہے اور یہ قوتیں ایسی ہیں جن سے ہم نے کام لینا ہے وہ کہیں سے کہیں جا پہنچی ہیں قرآن کے بالحق کا انہوں نے فائدہ اٹھایا ہم اس کو پھر بھی باطل ہی سمجھتے رہے لیکن یہ اس کا ایک پہلو ہے یہ جو پہلی بات میں نے کہی تھی نا کہ پیچھے سے بات چلی آ رہی ہے مجرمین سے کہا ہے (**اھلکنھم انھم کانوا مجرمین**) اقوامِ سابقہ تباہ ہو گئیں کیونکہ وہ احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتی تھیں تعمیری پروگرام جو فطرت نے دیا ہے ان کے خلاف جاتی تھیں، سلب و نہب exploitation ان کا ؟؟؟ تھا تباہ ہو گئیں اور اس کے بعد ہے کہ کائنات بالحق پیدا کی، اس کا میں نے کہا تھا کہ اس کے اندر کیا ربط ہے اور یہ وہ چیز ہے جو بڑی گہری ہے معلوم نہیں یہ پوری اس کی حقیقت کب سامنے آئے گی ابھی تک تو یہ بات اس طرف یہ تحقیقات وغیرہ تو اہلِ مغرب ہی کر رہے ہیں اور اہلِ مغرب کی نگاہ ابھی قانونِ مکافاتِ عمل کی طرف نہیں گئی وہ physical laws کے اوپر ہی ہیں ابھی تک طبعی قوانین تک ہی محدود ہیں وہ انسانیت کے جو قوانین ہیں جو انسانیت کے حقوقِ انسانیت جسے آپ کہتے ہیں اقدارِ

کائنات محسوس دنیا ہے جو میں عرض کر رہا ہوں وہ قرآن کی یہ آیت ہے 45/22 کتنی عظیم آیات میں سے ہے تو میں نے عرض کیا ہے کہ میری تو بہر حال زندگی گذر گئی ہے اسی قرآن پہ غور کرتے ہوئے اس آیت کی کنہ حقیقت کے متعلق یوں کہئے گا زیادہ کوئی تحقیق نہیں ہوئی آیت ہے (**و خلق اللہ السمٰوٰت و الارض بالحق**) وہی جو الفاظ یہاں سے وہی ہیں خدا نے اس خارجی کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے، for the reality ہے اگر وہی ترجمہ کرنا ہے یہ حقیقت ہے یہ بالحق ہے یہ پیدا کیا لیکن آگے ہے (**و لتجزیٰ کل نفس بما کسبت و ھم لا یظلمون**) (45/22) اس لئے یہ بالحق پیدا کیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے عمل اور کام کا نتیجہ مل جائے اور کسی پہ کوئی ظلم نہ ہو، کائنات یہ سلسلہ ارض و سما یہ سب پیدا کیا ہے بالحق تا کہ ہر شخص کو اس کے کام کا صلہ مل جائے نتیجہ مل جائے کسی کا کوئی کام نتیجہ خیز ہونے سے رہ نہ جائے یہ ہے اصل چیز، خارجی کائنات اس کی گردشیں اس کی نقل و حرکت یہ چیزیں جو ہیں وہ کہتا ہے (**لتجزیٰ**) یعنی اس کا مقصد یہ ہے یہ اس کے لئے پیدا کی گئی ہے یہ اس لئے سرگرم عمل ہے یہ خارجی کائنات تا کہ ہر شخص کو اس کے عمل کا نتیجہ مل جائے اور کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو، ایک تو وہ کام ہیں جو محسوس دنیا کے کام ہیں طبعی physical laws کے ماتحت ہیں کسان ہل جوتتا ہے زمین تیار کرتا ہے بیج ڈالتا ہے وہ سارے کام کرتا ہے اس کی محنت جو پھل لاتی ہے نتیجہ پیدا کرتی ہے وہ اسی صورت میں ہے کہ یہ کائنات کے جو مظاہر یا عناصر ہیں وہ اس کا ساتھ دیں اگر حرارت پانی ہوائیں روشنی یہ نہ ہو کسان کی محنت کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی تو اتنی سی چیز جو ہے وہ تو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ہم نے اسے بالحق پیدا کیا تا کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا نتیجہ مل جائے اور کسی پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو تو میں نے عرض کیا ہے کہ جہاں تک یہ طبعی چیز ہے physical laws ہیں اس میں تو بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اگر یہ خارجی کائنات کے جو مظاہر ہیں عناصر ہیں قوتیں ہیں قواء ہیں یہ اگر ساتھ نہ دیں تو انسان کی محنت جو اس خارجی کائنات میں وہ کرتا ہے کبھی نتیجہ خیز نہ ہو ہر معاملے میں فطرت کے ان قوانین اور ان قوتوں کا ساتھ ہونا اس کے نہایت ضروری ہے تو ایک تو اس کا یہ جو کہا (**لتجزیٰ کل نفس بما کسبت فھم لا یظلمون**) ایک بات تو یہ سامنے آئی لیکن بما کسبت کے اندر تو صرف یہ physical laws یا طبعی قوانین کے ماتحت ہی محنت نہیں ہے ساری چیز تو انسان کے اقدار کی ہے، یہ بات کہ صاحبِ قوت صاحبِ اقتدار سرکش قوتیں سلب و نہب کرتی ہیں غصب کرتی ہیں ظلم کرتی ہیں لوٹتی ہیں کھسوٹتی ہیں فریب دیتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں دوسروں کو تنگ کرتے ہیں یہ اقدار کے خلاف ہے ان چیزوں کا ان باتوں کا بھی تو نتیجہ ہے نا اصل چیز تو میں نے عرض کیا تھا کہ وہ تو یہ ہیں جن کی نتیجہ خیزی وہ جو کہتا ہے کہ یہ اس لئے ہے

بات اس نے یہ ٹھیک کہی تھی کہ

رات دن گردش میں ہیں نو آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

لیکن یہ چیز جو تھی میں ضمناً عرض کردوں کہ یہ غلط تھی وہ ایک عقیدہ تھا ایران والوں کا چلا آ رہا کہ انسانوں کی قسمتیں ستاروں کے تابع ہوتی ہیں تو اس لئے وہ گردشِ افلاک جسے کہتے ہیں یہ ہماری شاعری میں عام طور پہ آتا ہے وہ یہ بات نہیں ہے قرآن کہتا یہ ہے کہ یہ بات کہ ظالم کو اس کے ظلم کا نتیجہ تباہی بربادی یہ ملے بظاہر تمہیں نظر نہیں آتا کیونکہ انسانوں کی قوتیں ایسی سامنے نہیں ابھی ہوتیں لیکن یہ بات نہیں ہے کہ وہ اسی طرح سے رہے گا چھوٹ جائے گا اور اس کو اس کا نتیجہ نہیں ملے گا یہ سارا سلسلہ کائنات مصروفِ گردش اس لئے ہے کہ انہیں ان کے ان اعمال کا نتیجہ ملے یہ چیز ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکی کہ خارجی کائنات کی اس گردش کا اس نقل و حرکت کا اس نظامِ کائنات کا جو خارج میں ہے اس کا تعلق انسانوں کے ان اعمال سے کس طرح سے ہے جن کا تعلق اقدار سے physical نہیں ہے یہ طبعی نہیں ہے یہ، اگر میں دل میں کسی کے خلاف فریب دہی کا اس کی بربادی کا کوئی خیال کروں اس طرح سے کسی کے خلاف کوئی چیز ایسا کروں جو کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوسکے یہ کہ اس کا بھی نتیجہ مجھے ملے گا، ٹھیک ہے خدا کا قانون مکافات ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اس قانونِ مکافات کی نتیجہ اس طرح ہوتی ہے کہ یہ خارجی کائنات سرگرمِ عمل ہے ان دونوں کا تعلق کیا ہے یہ ہے تحقیق طلب چیز اور یہ آگے چل کر سامنے آئے گی ابھی تک تو ہمارے ہاں تو تحقیق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہم پہ تو ایسا جمود چھایا ہوا ہے کہ آج تک قرآن کی کسی حقیقت پہ غور ہی نہیں کیا گیا تحقیق تو ایک طرف رہی صاحب، میں نے عرض کیا ہے مغرب کی قوتیں تحقیق کر رہی ہیں لیکن بدقسمتی ہے انسانیت کی کہ ان کا سارا دائرہ طلب و تحقیق physical laws یا طبعی قوانین تک ہے اقدارِ انسانیت تک نہیں، یہ تو وہ مانتے ہیں اس چیز کو کہ جس کے پاس ایٹم نہ ہوگا وہ تباہ ہوجائے گا وہ یہ ابھی تک نہیں مانتے کہ جو دوسروں کو exploit کرے گا سلب و نہب کرے گا وہ تباہ ہوجائے گا، یہ تحقیق جس دن ہوئی اس دن معلوم ہوگا کہ یہ خدا نے جو کہا ہے کہ یہ سلسلہ کائنات بالحق پیدا کیا گیا ہے تا کہ کسی شخص کا عمل بلا نتیجہ نہ، رہے یہ بات کہ جو میں نے عرض کیا ہے کہ اس سے یہی مراد ہے اگلی آیت نے بتا دیا ہے کہ (**ان یوم الفصل میقاتھم اجمعین یوم لا یغنی مولی عن مولی شیئا ولا ھم ینصرون**) کہ یہ خارجی کائنات کا سلسلہ جو ہم نے کہا ہے سرگرمِ عمل ہے تو ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ نہیں کہ جو جی میں آئے ان کے یہ کرتے رہیں کوئی پوچھنے والا ہی نہ ہو کوئی گرفت

العزیز الرحیم) عام ترجمہ تو اس کا یہی کرتے ہیں کہ جس پر خدا رحم کرے یعنی mercy کے اوپر یہ تصور عیسائیت کا ہے یہ ترجمہ ہی غلط ہے صاحب، عدل اور رحم تو دو متضاد چیزیں بظاہر نظر آتی ہیں اور یہ سارا قرآن تو عدل پہ مبنی ہے مکافاتِ عمل کا قانون تو عدل پہ مبنی ہے، عیسائیت نے پیچھا چھڑایا تھا نا عمل کے نتیجے سے کہ وہاں ؟؟؟؟ کے الفاظ کے اندر کہ God is mercy نجات انسان کے اعمال سے نہیں ہو سکتی وہ اس کی mercy پہ depend کرتا ہے اور اس نے اپنی mercy کے لئے اپنے بیٹے کو قربان گاہ کے اوپر بھیج دیا یہ ہے ان کا عقیدہ mercy کے معنی یہ ہیں، ہمارے ہاں بھی جب یہ کہا جاتا ہے کہ خدا جس پہ رحم کرے وہی اسی کی نجات ہو سکتی ہے تو یہ عیسائیت کا عقیدہ ہے، رحم اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں بجز ان کے کہ جن کی انسانیت کی صلاحیتیں خدا کے قانون کے مطابق پرورش پا چکی ہونگی رحمت کے یہ معنی ہیں وہ ان تباہیوں سے بچ سکیں گے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ان اقدار کے مطابق روش اختیار کی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس تباہی سے بچ سکیں گے اور کوئی اس تباہی سے بچ نہیں سکے گا تو یہ نظر آیا یہاں سے **(ھو العزیز الرحیم)** اس نے سامانِ نشو ونما بھی دیا ہوا ہے اور وہ قوت کا مالک بھی ہے اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ اس کے قانون کے مطابق نتائج پیدا نہ ہوں تو قرآن کی ساری تعلیم اسی محور کے گرد گردش کرتی ہے کہ یہ سارا سلسلہ کائنات انسان کے لئے اور اس لئے کہ انسان کا کوئی کام نتیجہ خیزی سے رہ نہ جائے، جس دن انسانیت اس ایمان پہ آ گئی یہ دنیا جنت میں تبدیل ہو جائے گی، جب بھی یہ ایمان پیدا ہو گیا کہ میرا برا کام تو ایک طرف رہا دوسرے کے خلاف دوسرے کی بدی کے لئے میرا خیال تک بھی جو ہے اس کی مجھے سزا بھگتنی پڑے گی ایمان ہو جائے اس چیز کے اوپر جب تو آپ دیکھئے یہ دنیا بن کیا جاتی ہے جنت بن جاتی ہے اور اگر یہ چیز نہ ہو اب اس کے بعد آگے قصہ آتا ہے جہنم کا، میں یہ عرض کر دوں یہ ویسے تو سارے ہی قرآنِ کریم میں جنت اور جہنم جو مرنے کے بعد کی ہے اس کی جتنی تفاصیل ہیں وہ مثال کے طور پر قرآن نے بیان کی ہیں **(مثل الجنة التی)** یعنی ان الفاظ کے معنی جسے وہ مجازی کہتے ہیں معنی لینے literary meaning نہیں وہ ہوتے بلکہ اس کا مفہوم لیا جاتا ہے معنی لئے جاتے ہیں مجازی معنی وہ ہوتے ہیں مثال کے طور پہ وہ بیان کرتا ہے قرآن اسی لفظ کے معنی جو عام لئے جاتے ہیں وہ نہیں ہوتے مثال ہوتی ہے وہ، یہاں سے بلکہ آگے چل کے انتیسویں اور تیسویں پارے میں بالخصوص جامع طور پر حیات بعد الممات کے متعلق تفاصیل دی ہوئی ہیں بڑی تفصیل دی ہوئی ہیں، معلوم نہیں جو حضرات میرے اس درسِ قرآن کے دورِ اول میں شریک ہوتے تھے انہیں معلوم ہے کہ وہ دو پارے جو تھے کتنا وقت اس میں لگا تھا کیونکہ اس میں ایک ایک لفظ کی جو تشبیہہ یا جو استعارہ یا

شروع ہوگئی ہے وہ بات اب وہ یہ چیزیں جواب آئیں گی وہ مثالی طور پر آپ کے سامنے آئیں گی پہلی چیز اس میں جہنم کی آئے گی کہ یہ تباہی والے کیا صورت ہے (**ان شجرت الزقوم طعام الاثیم کالمھل یغلی فی البطون کغی الحمیم خذوہ فاعتلوہ الیٰ سوآء الجحیم ثم صبوا فوق راسہ من عذاب الحلیم ذق انک انت العزیز الکریم ان ھٰذا ما کنتم بہ تمترون**) تمام آیات میں لفظ تو عذاب ہی ہماری زبان میں ہے یہی ہم کہہ سکتے ہیں اس کا ذکر ہے جو چیز انسانوں کے تباہ کن انسانیت سوز سلب ونہب کے اعمال کے نتیجے کے طور پر سامنے آنے والی چیز جہنم ساری چیزیں مثال ہیں استعارے ہیں تشبیہیں ہیں عام لفظی معنی تو پہلے میں عرض کردوں (**شجرت الزقوم**) زقوم کا درخت یا پیڑ عام معنوں میں تو یہ تھوہر کا پیڑ جو ہوتا ہے عربوں کے ہاں ریگستان میں یہ اگتا ہے وہ بڑے بڑے وہ ناگ پھنی جیسے اس کے پتے جو ہوتے ہیں اس کو وہ کہتے تھے قرآن میں بھی یہ کہا ہوا ہے کہ وہ شجر ہے جس کا روسِ شیاطین کہتے ہیں وہ شیطان کے معنی ہی ہمارے ہاں شیطان لیتے ہیں اور پھر وہ کہتے ہیں کہ شیطان کے سر جیسے ہیں اس کے پتے اس قسم کے ہوتے ہیں شیطان کے سر جیسے گویا شیطان دیکھا ہے آپ لوگوں نے اس کا سر بھی دیکھا ہوگا پھر پتہ چل گیا کہ پتے ایسے ہیں، وہ مثال سمجھا رہا ہے ایسی کہ پھر جو آپ نے کبھی دیکھی نہ ہو آپ سوچئے تو سہی عربی زبان میں شیطان پھنئے کو کہتے ہیں کوبرے کو وہ بالکل کوبرا جیسے اپنا پھن پھیلا دے نا اس کے پتے اس قسم کے ہوتے ہیں، تو میں لفظی معنی یہ بتا رہا ہوں کہ معنی تو یہ ہوگئے جو کھائیں گے (**طعام الاثیم**) **اثیم** کا ترجمہ ہمارے ہاں گناہگار بس انہوں نے تو کیا ہے اثم ہو عدوان ہو معصیت ہو جرم ہو کچھ بھی ہو لفظ ایک ہے گناہگار اب گناہ اس کا ترجمہ کیا کوئی محسوس طور پہ بات پلے نہیں پڑتی، طعام گناہگار کا یہ طعام ہوگا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ان کے پیٹوں میں کھولے گا ابلتا ہوا پانی پینے کو ملے گا کہا جائے گا کہ پکڑو اسے اور جہنم کے بیچ میں جا کے اس کو پھینک دو پھر اس کے سر کے اوپر کھولتا ہوا پانی اس کے اوپر سر پہ ڈالو اس کے یعنی یہ عام الفاظ کے معنی اس کے ہونگے جو ایسا نقشہ دیا ہے، پہلی چیز تو یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق یہ چیز کہی گئی ہے (**طعام الاثیم**) کہا ہے اثم جس کے معنی گناہ کیا جاتا ہے، یہ گناہ نہیں ہوتا جن کی صلاحیتیں مضمحل ہوچکی ہوئی ہوں (**ناقۃ الاٰثمہ**) عربی میں کہتے ہیں اس اونٹنی کو کہ جو تھک کر چور ہوجائے اور اپنی باقی قطار کے ساتھ چلنے کے قابل نہ رہے اس میں اتنی توانائی نہ رہے مضمحل ہوجائے پژمردہ ہوجائے افسردہ ہوجائے تھک جائے، یہ وہ لوگ ہیں کون ہیں یہ لوگ پوچھئے قرآن سے بات صاف سمجھ میں آجاتی ہے، 56/47 یہی سب پیچھے سے چلا آتا ہے اسی قسم کا عذاب کون ہیں جن کے لئے یہ عذاب ہے (**انھم کانوا قبل ذٰلک مترفین**) یہ وہ

کے معنی ہیں جس مقام کے اوپر کوئی چلتا ہوا رک جائے آگے جا نہ سکے اثیم جس کی قوتیں توانائیاں صلاحیتیں پژمردہ ہوجائیں افسردہ ہوجائیں دوسروں کی محنت کی کمائی پر سہل انگاری کی زندگی بسر کرنے والے ان کی اپنی توانائیوں کی یہ کیفیت ہوجائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہی نہ رہیں جحیم ہے وہیں رک جائیں، کہا یہ ان کا یہ رزق جس سے موت کوتاہی جس سے آتی ہے اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی یہ پرواز میں کوتاہی جو ہے یہ ہے اثیم یہ ہے رزق جو بتایا گیا ہے کہ ان کا رزق بظاہر تو نظر آئے گا کہ نہایت عمدہ سب کچھ کھانے کو ملتا ہے جز و بدن نہیں بنتا یہ ہضم ہونے والا یہ رزق نہیں ہے assimilate ہونے والا نہیں ہے یہ وہ چیز ہے in-animate کہ جس میں خود زندگی نہیں ہے اور وہ جو جز و بدن نہیں بنتا کھولتا ہوا تانبا یعنی یہ سمجھانے کے لئے کہ جو کھایا جائے وہ تو جز و بدن بننا چاہیئے ہضم ہونا چاہیئے اس سے انسانوں کی قوت توانائیاں بڑھنی چاہئیں لیکن اگر ایک foreign matter وہ جسم کے اندر ڈال دیا جائے تو ٹھیک ہے پیٹ تو بھر جائے گا اس سے بوجھ سے لیکن اس سے آپ کو وہ رزق تو آپ کا نہیں بنے گا توانائیاں تو اس سے نہیں حاصل ہونگی یہ نظامِ سرمایہ داری کا حاصل کردہ رزق جو ہے انسانیت کی توانائیاں نہیں اس سے بڑھتیں بوجھ تو بڑا ہوتا ہے اس کا وزن تو بڑا ہوتا ہے اس کا لیکن اس سے توانائیاں اور صلاحیتیں نہیں بڑھتیں، پیاس کے لئے پانی تو ہے پیاسے کو گرم پانی پلا کے دیکھئے وہ جسے ہمارے ہاں کہتے ہیں ناکٹی لگ گئی پانی پیئے جائے پیاس نہ بجھے، قرآن نے یہ بتایا ہے نظامِ سرمایہ داری کے متعلق، ایک تو چیز ہے ضرورت کی جو ہوتی ہے ضرورت کی چیز یہ جتنا بھی نظام ہے سرمایہ داری کا ضرورت تو بہت تھوڑی سی چیزوں میں پوری ہوجاتی ہے ان کی یہ باقی جو ہوس ہوتی ہے چل سوچل جسے ہم کہتے ہیں ایک مل ہے نہیں ایک اور لگنی چاہیئے ایک فیکٹری ہے ایک اور بننا چاہیئے ایک اور آرگنائزیشن کھڑی کردی جائے اس میں بھی share لے لئے جائیں اس میں بھی چھین لیا جائے یہ جائیداد بھی بنالی جائے وہ اور کوٹھیاں بھی ہوجائیں یہ کیا جذبہ ہے جس کے تابع یہ سب کچھ ہورہا ہے یہ ضرورت تو نہیں ہے (الھٰکم المتکاثر) قرآن کہتا ہے ضرورت کی تو ایک حد ہوتی ہے کتنی روٹیاں کھا لے کتنے کمروں میں سوجائے گا وہ جو ایک فلم میں مزاکیے نے کہا تھا کہ یہ کمرہ کاہے کے لئے کہنے لگا یہ سونے کے لئے کہنے لگا یہ دوسرا کمرا اتنا بڑا کہنے لگا یہ میرے جاگنے کے لئے، جی، تو اب یہ باقی جو کچھ ہے وہ سونے کے لئے تو ایک ٹھیک ہے کاہے کے لئے ہے یہ قرآن کہہ رہا ہے تکاثر ا یکدوسرے سے آگے نکل جانے کی ریس ہے جو لگی رہتی ہے ہوس ہے تو اس ریس کا کوئی end بھی ہے بھوک کا تو end ہے پیاس کا تو end ہے سونے کے لئے بھی ایک ہی پلنگ چاہیئے آپ کو کتنے اور ایک ہی کمرہ چاہیئے، اس کا

عجیب چیزیں آ رہی ہیں عزیزانِ من،؟؟؟؟؟؟ زندگی کا کیا اعتبار ہے، کہتا ہے زندگی کا مقصد کیا رہ جاتا ہے 104 سورۃ آخری سورتیں عجیب وغریب سورتیں بڑی concentrated form میں پیغام آتا ہے(الذی جمع ماله و عدده) کہتا ہے زندگی کا سارا مقصد یہ رہ جاتا ہے دولت اکٹھی کرتے چلے جائیں اور پھر اس کو گنتے رہیں بس مقصدِ حیات دولت اکٹھی کرتے رہیں اور اسے پھر گنتے رہیں کہ اب کتنا ہوا کیسی چٹکی دی ہے قرآن نے نازک مقام کی کہ پھر اس کو دیکھتے رہیں کہ اب کتنا بیلنس اب کتنا ہوا گنتے رہیں گنتے رہیں ٹھیک ہے قرآن نے تو یہ چیز کہی تھی اہلِ جہنم کی کہ مقصدِ حیات ہی جمع کرو اور پھر گنتے رہو تو انہوں نے کہا کہ نہیں یہ کوئی ایسی بری بات نہیں ہے جمع بھی کرو گنتے بھی رہو گننے کے بعد بس اس میں سے اتنے percentage جو ہے وہ دیدو اور پھر جمع بھی کرو اور گنتے بھی رہو گننے کے بعد ہی وہ percentage نکلتی ہے نا کہتا ہے زندگی کا مقصد یہ رہ جاتا ہے تکاثر ہے اس کا جذبہ جو ہے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کا، کہتا ہے لے جاؤ اس کو وسطِ جہنم کے اندر اس کو ڈال دو اور اگلی چیز ہے عزیزانِ من ڈالو وہاں اور اس سے کہو(ذق انک انت العزیز الکریم) تو بہت بڑا بنا پھرتا تھا بڑی اختیارات اور اقتدارات اور قوتوں کا مالک اپنے آپ کو سمجھتا تھا honourable بھی تھا عزت کا بھی ؟؟؟؟؟ یہ سب چیزیں تو سمجھتا تھا عزیز بھی تھا کریم بھی تھا، کیا لفظ ہے(ذق)اب چکھ مزا اپنی اس تمام زندگی کے سرمایے کا(ذق انک انت العزیز الکریم) اف بہت بڑا بنا پھرتا تھا عزیز بھی تھا کریم بھی تھا سب کچھ تھا لیکن اعمال کے نتائج جب یہ سامنے آئے تو اس وقت پھر (ذق) ایک لفظ ہے وہ بھی دو حرفوں کا عزیزانِ من آپ سوچئے تو سہی کہ کتنی قیامتیں اس کے اندر برپا ہیں کسی کو عزیز وکریم کہنے کے بعد کہنا کہ اب چکھ اس کا مزا، قرآن کے بعض مقام تو پوچھو نہیں کہاں لے جاتے ہیں انسان کو کتنے اختصار کے اندر اس قدر پوری داستان کہہ جانا عزیز اور کریم بھی تھا ایک طرف کیفیت ذق اب چکھ مزا اپنے اس تمام کا جو جمع کر کے دوسروں کی لوٹ وکھسوٹ کی کمائی سے مترفین کی زندگی بسر کر کے آیا تھا تو، تکاثر میں ایک دوسرے سے بڑھنے کے بعد تو دیکھتا ہی نہیں تھا کہ تمہارے پاؤں کے نیچے کون روندا جا رہا ہے صاحب سب کچھ تھا تو عزت بھی تو بہت کر رہا تھا غلبہ بھی تیرا اقتدار اور اقتدار بھی بہت کچھ تھا(ذق) اب چکھ ذرا اس کا نتیجہ (ان ھٰذا ما کنتم به تمترون) یہ ہے جس کے متعلق تم سے کہا جاتا تھا اور تم کہتے تھے کہ کہاں کا عذاب اور کہاں کی جزا اور کہاں کا سزا تم اس کے متعلق اپنے آپ کو فریب میں رکھے ہوئے ہو دھوکے میں رکھے ہوئے ہو اپنے آپ کو، ایک طرف یہ کیفیت دوسری طرف وہ لوگ کہ جنھوں نے اقدارِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کی(ان المتقین فی مقام امین) پہلی چیز تو یہی، اب جنت کی

وہ دولتِ کونین تھی ان کے لئے ان کی آبادیاں ان چشموں کے گرد ہوتی تھیں صاحب بہت بڑی چیز تھی، سبزہ درخت پھل ٹھنڈا صاف شفاف پانی(فی جنٰتٍ و عیون) اور پھر اس کے بعد ان کی نگاہیں ایران اور روما کی سلطنتوں پہ پڑتی تھیں جا کر وہاں کی تہذیب وہاں کا تمدن وہاں کی معاشی زندگی رہن سہن اب یہ چیز کہ یہاں بہرحال باغ اور چشمے ہونگے تو ہوگا کیا وہی کمبل اور گدڑیاں پہننے کو رہا نہیں (یلبسون من سندس و استبرق متقبلین) ریشمی لباس باریک ریشم بھی دبیز ریشم بھی جسے آپ کے ہاں مردوں کے لئے حرام قرار دیتے ہیں قرآن بیان کر رہا ہے اب یہاں یہ چیز جو آئی یہ تو ہوا کہ اچھا تو یہ ٹھیک ہے ایسے طبقے ہونگے ہمارے ہاں بھی تو ہیں کہ جن کے ہاں یہ ریشمی لباس بھی ہوتے ہیں دبیز بھی ہوتے ہیں باریک بھی ہوتے ہیں صوفے بھی ہوتے ہیں باغات بھی ہوتے ہیں یہ سب کچھ بھی ہوتے ہیں تو وہ تو ایک طبقہ ہے نا اور باقی ساری دنیا جتنی بھی ہے وہ تو ترستی رہتی ہے ان کی طرف دیکھ کے کیا طبقاتی تقسیم ہے ایک لفظ ہے عزیزانِ من آپ دیکھئے کہ تفصیل بیان ہو رہی ہے ساری اس زندگی کی کہ اس کی فارغ البالیاں خوشگواریاں کتنی ہیں لیکن قرآن اصل مقصد جو ہے اس کو نظرانداز نہیں ہونے دیتا ایک لفظ ہے (متقٰبلین) کسی اور شکل میں بھی آپ بیٹھئے کچھ آگے ہونگے کچھ پیچھے ہونگے کچھ پیچھے کچھ پیچھے ہونگے اور اگر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہونگے طبقاتی امتیاز اٹھ جاتا ہے ایک لفظ ساتھ لے آیا قرآن کہ یہ کسی خاص طبقے کی بات نہیں ہے کہ وہ کچھ بنچز ہونگے کچھ آگے بیٹھے ہوئے فرنٹ سیٹ والے ہونگے یہ صورت نہیں ہے، وہ جو دسترخوان کے اوپر آمنے سامنے جیسے بیٹھا جاتا ہے نا یہ کیفیت ہوتی ہے اس میں برابری ہوتی ہے مساوات ہوتی ہے جنت میں کہیں نہیں ہے کہ یہ سب کچھ کسی خاص طبقے کو ملے گا اور دوسرا طبقہ جو ہے وہ اسی طرح سے وہاں ؟؟؟؟؟؟ کا ہی ہوگا وہ ہر ایک کے لئے ہے جنتی زندگی کی خصوصیت یہی ہے کہ یہ ساری فراوانیاں اور خوشگواریاں میسر ہوں ہر ایک کو میسر ہوں (کذٰلک) یہ ہیں وہ دو لفظ جن کے لئے کچھ وقت ضرور چاہئے گا (و زوجنٰہم بحورٍ عین) یہ ہے وہ چیز کہیں بھی دیکھئے ترجمے آپ کو ملیں گے کہ ہم پھر ان کی شادی کر دیں گے بیاہ دیں گے ان کو ان کا نکاح کر دیں گے حور عین سے تو حوروں کے متعلق تو ہمارے ہاں موجود ہی ہے ہر ایک ذہن میں یہ کہ جنت کی وہ وہاں کی کوئی خاص وہ عورتیں ہیں حور صاف شفاف آنکھ والی عین بڑی بڑی آنکھوں والی تو یہ عورتیں ہی ہیں وہاں کی (زوجنٰہم) تو عربی والے جانتے ہیں کہ یہ ہم یہاں مرد ہی مراد لیا جائے گا تو عورتوں سے شادی ہوگی نا ان کی تو گویا پہلی چیز تو یہ ان کے ذہن میں آئی کہ جنت میں ہونگے تو مرد ہی ہونگے صرف کیونکہ انہیں بیاہنا ہے نا، مردوں کو بیاہا جائے گا نا حور عین سے اب یہ کوئی لے لیجئے حور عین جو ہیں کچھ تو یہ ہے کہ یہاں

پہلے باوا آدم جو تھے وہی تھے مقصود بالذات ان کے دل بہلانے کے لئے پسلی چیر کے عورت نکالی گئی، جنت میں ہی ہونگے تو مرد ہی اب مردوں کو کہیں بیاہنا بھی تو ہے نا وہاں وہ ان حوروں سے بیاہ دئے جائیں مقصود بالذات پھر وہاں بھی مرد ہی رہیں گے صاحب سارا تصور ہی غلط ہے یہ لفظ حور جس کے متعلق ہمارے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا کہ یہ مردوں کے لئے بھی لفظ آ سکتا ہے کبھی ذہن میں نہیں یہ آ سکتا اس قدر ہمارے ذہنوں میں یہ چیز گہرائیوں تک پہنچائی ہوئی ہے کہ حور تو ہوتی ہے حور ہوتی ہے ہوتا نہیں ہے یہ عزیزانِ من دونوں لفظ جو ہیں حور بھی اور عین بھی یہ جمع کے صیغے ہیں اور یہ مرد اور عورت دونوں کے لئے بولے جاتے ہیں عربی زبان میں ابھی میں عرض کرونگا معنی کیا ہیں مرد بھی حور اور عین اور عورت بھی حور اور عین یہ حور جو ہے اس کا جو ہے ایک واحد ہے احور جو مذکر ہے اور ایک ہے حورہ جو مؤنث ہے عربی جاننے والوں کے لئے میں یہ دو لفظ کہہ رہا ہوں یہ مذکر مؤنث دونوں کے لئے جمع کا صیغہ یہ حور آتا ہے مرد اور عورت دونوں کے لئے اسی طرح سے یہ جو عین ہے نا یہ بھی جمع ہے اعین کی جو مذکر ہے اور عینہ کی جو مؤنث ہے تو یہ دونوں لفظ حور اور عین مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے آتے ہیں مردوں کے لئے بھی عورتوں کے لئے بھی آتے ہیں معنی ان کے کیا ہوتے ہیں ہمارے ہاں بھی اہلِ لغت نے یہ بات لکھی ہے اور کینہ نگہی آپ نے تو سنا ہوگا نگاہ کا پاک ہونا سنا ہوگا نا آپ نے، بڑی تفصیل کے ساتھ ہمارے ہاں جو لغت تاج العروس ہے بہت عمدہ لغت ہے لین نے اپنے ہاں وہ تاج العروس کا انگریزی میں بھی لغت لکھا ہے اس پہ مبنی کر کے، وہ اسکے لئے جو لفظ لکھتا ہے میں سمجھتا ہوں وہ زیادہ آسانی سے سمجھ میں آتا ہے pure & clean intellect ایسی عقل جو فریب کار نہ ہو پاکیزہ عقل صاف شفاف عقل وہ اقبالؒ نے دو قسم کی عقل بتائی ہے عقلِ خود بیں دیگر و عقل جہاں بیں دیگر است، تو عقلِ خود بیں تو جو ہے جو ہر ایک چیز اپنی منفعت کے لئے ہی چاہے دوسروں کو دھوکہ دے فریب کرے کچھ کرے اپنی منفعت صرف چاہے اور عقلِ جہاں بیں انسانیت کی منفعت چاہنے والی یہ جو عقل ہے یہ ہے جو حور اور عین کا لفظ جس کے لئے آتا ہے عربی زبان میں، یہ اسی کے لئے اس نے کہا ہے، اے خوشاں عقل کے پہنائے

دو عالم ؟؟؟؟ ، پہنائے دو عالم با اوست

نور و افرشتہ او سوزِ دل آدم با اوست

عقل تو ایک صلاحیت کا نام ہے نا اس کا استعمال ہے نا جو اس کو فریب کار بھی بنا لیتا ہے پاکیزہ بھی بنا لیتا ہے تو پاکیزہ عقل جو کسی کو فریب نہ دے اور وہ مفادِ انسانیت کے لئے ہی ہمیشہ سوچے clean clear intellect، pure اس کے لئے یہ لفظ آتے ہیں عزیزانِ من نہ یہ مرد کے لئے نہ یہ عورت کے لئے

companion کس قسم کے اصلی جنت تو یہ ہے companion کہ جو پاکیزہ عقل کے ہوں فریب کارعقل جن میں نہ ہوصاف شفاف عقل وشعور وفکر کے انسان یہ ان کے ساتھی ہونگے(**یدعون فیھا بکل فاکھةٍ اٰمنین**) ہر خوشگوار چیز وہاں وہ چاہیں گے اور وہ لوٹ کھسوٹ سے نہیں(**اٰمنین**) پورا امن قائم رکھتے ہوئے معاشرے کے اندر یہ سب چیزیں چاہیں گے، اس قسم کا معاشرہ ایک طرف تو جہاں تک طبعی زندگی کے رزق کا تعلق ہے اس کو بھی مثالوں سے سمجھا دیا کہ بہترین قسم کا جو رزق تصور میں آ سکتا تھا وہ رزق بھی ساتھ دیا اور وہاں اصل چیز تو یہ companion ہے صاحب companion یا ساتھی اگر وہ فٹ ان نہیں کرنے والا جسے ہم کہیں گے تو وہ ایسے ہی ہے جیسے نہایت قیمتی جوتا آپ کا سفر کے لئے لیکن اولگدا ہووے پیرنوں کتھے پھر دیکھو کہ مصیبت کی بندی اے تہاڈی لئی، اوا یویں ایناں جتنا پوائنٹ ہوندا اے، جہاں جوتا لگتا ہے ایک قدم نہیں چلنے دیتا انسان کو، companion اس قسم کا نہیں companion بدھو بھی نہیں کیا بات ہے قرآن کی عقل وفکر کے مالک شعور کے مالک intellect کے مالک لیکن وہ جن کا intellect فریب کاری کے لئے صرف نہ ہوصاف شفاف clean پاکیزہ عقل وفکر کے مالک یہ وہاں ساتھی ہونگے یہ ہے تصور جو دیا اور اس کے بعد(**لا یذوقون فیھا الموت الا الموتہ الاولی و وقھم عذاب الجحیم فضلا من ربک**) حیاتِ جاوید ہوگی پہلی موت جو آ چکی وہ آ چکی اس کے بعد موت نہیں ہے اس پہ میں پھر گفتگو کرونگا کیونکہ یہ چیز تو اب آتی رہے گی نا شروع ہوگئے ہیں قرآن نے یہ انداز اختیار کیا ہے، پہلی چیز یہ ہے کہ حیاتِ جاوید ہے موت نہیں ہوگی دوسری موت، وہ جو روک دینے والا تھا کہ جحیم یہاں کہا گیا ہے جہاں ارتقائی منزل میں انسان یعنی زندگی رک جاتی ہے آگے نہیں بڑھتی اس روک سے ان کو بچا لیا جائے گا وہ آگے بڑھتے چلے جائیں گے قرآن میں یہ ہے کہ وہ اپنی پیشانی کے نور کی روشنی میں آگے بڑھیں گے جنت جو ہے وہ آخری مقام نہیں ہے وہ تو راستے میں ستانے کا مقام ہے صرف، بڑھتے چلے جائیں گے آگے(**فضلا من ربک**) یہ ہے کہ جو تیرے نشو ونما دینے والی کی طرف سے ان کو یہ چیز حاصل ہوئی(**ذٰلک ھو الفوز العظیم**) پھر ایک بات آ گئی دوسری دفعہ عرض کرونگا قرآن میں نجات کا تعلق نہیں ہے نجات کے معنی ہوتا ہے کسی عذاب میں گرفتار ہونے والے کو اس سے نجات سے چھٹکارا مل جانا یہ قرآن کا تصور نہیں ہے اس سے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا وہ فوز کہتا ہے acheivement کچھ حاصل ہونے والی بات اور achievement بھی بڑی عظیم، آخری آیت آ گئی(**فانما یسرنہ بلسانک لعلھم یتذکرون**) ہم نے تمام یہ باتیں تیری زبان میں اے رسول عربی زبان میں مثالوں میں استعاروں میں تشبیہات میں آسان کر کے

(ربنا تقبل مناانک انت السمیع العلیم)

اور پھر ایک اور معذرت آپ دیکھ رہے ہیں میری صحت اب بھی اچھی نہیں ہے اس کے لئے مجھے چند دنوں کے لئے باہر بھی جانا پڑے گا اور ہوسکتا ہے کہ میں اگلے جمعہ تک واپس نہ آسکوں بہتر یہی ہے کہ آپ حضرات کو مایوسی نہ ہو آنے کی تو اگلے جمعہ کے درس کی مجھے پھر چھٹی دیدیجئے ناغہ کیجئے اس کے بعد جو درس ہوگا انشاء اللہ اس میں آپ تشریف لائیے گا۔

اعوذ باللہ من الیشطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیزانِ من!

آج اکتوبر 1981ء کی 30 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الجاثیہ سے ہو رہا ہے 45ویں سورۃ۔

پچھلے جمعہ کو درس کا ناغہ رہا تھا اور اس پہ وہ چوالیسویں سورۃ کا خاتمہ ہوا تھا،

سورۃ کی ابتداء ہوتی ہے (حٰم تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم) پہلے دو حرف تو وہ مقطعات ہیں اور آپ کو معلوہی ہے اس سے پہلے یہ پیشتر مقامات پر آ چکے ہیں وہ میں اپنی بصیرت کی رو سے جو ان کے معنی کیا کرتا ہوں وہ یہی ہے کہ خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ اس کتاب کا نازل کرنا ہے اس خدا کی طرف سے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے، ایک ایک لفظ کے اندر قرآن کے سارے معنی سمٹ آتے ہیں قرآن کا ایک اعجاز لفظی یہ ہے کہ وہ جس موضوع پہ گفتگو کرتا ہے اس کے لئے جو الفاظ چنتا ہے خود اس لفظ کے اندر اس موضوع کا مفہوم سمٹ کر آ جاتا ہے، وحی کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ ایک انسانی علم ہوتا ہے وہ انسانی فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اسے کہیں گے کہ جب وہ شخص اس علم کی بات کرتا ہے تو اپنے اندر سے ایک چیز کو باہر لاتا ہے وحی منفرد ہے اس سے کہ وہ علم انسان کے اندر سے باہر نہیں آتا بلکہ وہ باہر سے خدا کی طرف سے انسان کے اندر آتا ہے القاء ہوتا ہے اس کے قلب پر تو یہ جو اوپر سے کوئی چیز نیچے آئے یا خارج سے اندر آئے تو اس کے لئے عربی زبان کا لفظ ہوتا ہے نزول جسے آپ کہتے ہیں ن ز ل تو قرآنِ کریم کے متعلق یہی نزول کا لفظ ہر جگہ وہ آیا ہے تو خود اس لفظ کے اندر وہ وحی کی جو تخصیص ہے کہ یہ علم پیغمبر کی اپنی فکر کا نتیجہ نہیں جو اندر سے باہر آئے بلکہ یہ اسے خارج سے ملتا ہے اوپر سے نیچے آتا ہے خدا کی طرف سے قلبِ نبوی پر اس کو القاء کیا جاتا ہے تو خود اس لفظ کے اندر یہ چیز موجود ہوئی کہ یہ فکرِ انسانی کی تخلیق نہیں ہے خارج سے ملا ہوا ایک علم ہے اور پھر عربی زبان عجیب خصوصیات ہیں اس زبان کی یہ جسے باب کہتے ہیں یہ اسی زبان کی خصوصیت ہے اور اس سے یہ بڑی scientific بنتی ہے یہ تو ایک مادہ ہو گیا ن ز ل نزول جس کے معنی ہوئے کسی چیز کا اوپر سے نیچے آنا اب اس کے عربی زبان میں ابواب ہوتے ہیں ہر باب کی الگ خصوصیت ہوتی ہے اسی مادے سے مختلف باب جو بنتے ہیں ہر باب کی ایک خصوصیت ہوتی ہے یہ باب ہے تفعیل میں گرائمر کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا بابِ تفعیل جو ہے اس سے یہ لفظ ہے تنزیل آپ دیکھتے ہیں اسی وزن کے اوپر ہے یہ تفعیل تنزیل تو یہ جو تفعیل کا باب ہے اس کا

تاریخ ہے تو ایک لفظ تنزیل میں آپ دیکھئے کہ کیا کچھ نہیں کہہ گیا قرآن کہ یہ پیغمبر کی اپنی فکر کا نتیجہ نہیں خارج سے ملا ہوا علم ہے جو بتدریج تئیس سال کے عرصے میں تکمیل تک پہنچا ہے ایک لفظ تنزیل میں یہ سب کچھ پوشیدہ ہے یہ ہے اعجاز اس قرآن کا، یعنی اسلوبِ بیان کا اعجاز میں کہہ رہا ہوں معنی اور حقائق کے اعجاز کی تو بات ہی اور ہے اسلوبِ بیان کا بھی اعجاز اس کے اندر ہے تنزیل الکتٰب الکتاب ضابطہ قوانین خارج سے عطا ہوا بتدریج تکمیل تک پہنچا، کس کی طرف سے آیا من اللہ خارج سے کہاں سے آیا خدا کی طرف سے ملا اور الکتاب والا جو خدا ہے جو ضابطہ قوانین دینے والا خدا ہے اس کی دو صفتیں بیان کیں عزیز بھی حکیم عزیز صاحبِ غلبہ کو کہتے ہیں قوت والا جو اپنے قوانین کو نافذ کرنے کی قوت رکھتا ہے اقتدار رکھتا ہے وہ وعظ نہیں ہے قانون ہے قانون کو نافذ کرنے کی قوت رکھتا ہے عزیز ہے لیکن وہ قوت دھاندلی کی نہیں ہے ڈکٹیٹر کی نہیں ہے شہنشاہیت کی نہیں ہے حکمرانوں کی نہیں ہے وہ حکیم بھی ہے وہ reason پر مبنی ہے عقل وفکر پر مبنی ہے قانون کا نفاذ اس کی پوری قوت اور قانون مبنی ہے عقل وفکر علم و بصیرت اور حکمت پر چار لفظ ہیں آیت کے (تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم) قرآن کا سارا پیغام آجاتا ہے اس کے اندر تاریخ بھی آجاتی ہے پیغام بھی آجاتا ہے، اب اس کے بعد اس سورۃ کی بیشتر آیات اور ابتدائی آیات میں ہی وہ اہم بنیادی چیز دی گئی ہے مذہب کی دنیا میں اس خارجی کائنات سے کچھ تعلق ہی نہیں سمجھا جاتا یہ دنیاداروں کے معاملات ہیں اور مذہب اللہ والوں کی باتیں ہوتی ہیں قرآنِ کریم ابتداء اس سے کرتا ہے کہ آغازِ کار جو ہے دین کا وہ تسخیرِ کائنات سے ہوتا ہے Universe یا کائنات کی جو قوتیں ہیں ان کو مسخر کیا جاتا ہے ان کو اپنے قابو میں لایا جاتا ہے یہ جو چیز ہے یہ تو ہر انسان کر سکتا ہے آدمی کا بنیادی فریضہ یہی تھا اس میں مؤمن اور کافر کی بھی تمیز نہیں ہے جو چاہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکتا ہے اور آگے بات آتی ہے جہاں فرق شروع ہوتا ہے کفر اور اسلام کا کہ ان فطرت کی ان قوتوں کو قرآن کی اقدار کے مطابق صرف کرنا جو ہے یہ ہے مؤمن کا فریضہ اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے مفاد اور اپنی اغراض کے لئے صرف کرنا یہ ہے کافر، اور کفر اور اسلام یہاں آتا ہے پہلی جو شرط ہے وہ انسان کے لئے ہے لیکن یہ جو اگلی بات ہے کہ ان قوتوں کو اقدارِ خداوندی کے مطابق صرف یا استعمال کرنا یہ جو چیز ہے یہ ہے جہاں میں نے کہا ہے کہ مؤمن ہوتا ہے انسان، اگر یہ قوتیں مسخر ہی نہ کی جائیں تو یہ استعمال کن چیزوں کو کرے گا تو یہ مؤمن کس طرح سے ہو سکے گا جی ایک قدم پیچھے چلئے اگر یہ ان قوتوں کو مسخر ہی نہ کرے تو یہ تو آدمیت کے درجے پہ بھی نہیں پہنچ سکتا انسان یا آدمی کی خصوصیت بتائی ہے کہ وہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کر سکتا ہے حیوان نہیں یہ کر سکتا حیوان کے اندر تو جو اپنی قوتیں ہوتی ہیں صرف وہی

قدم تھا اس کا تو مؤمن ہونے کے لئے پہلا قدم انسان ہونا ہے اور پھر انسان ہونے کے بعد اگلا قدم مؤمن ہونا ہے یہ ہے دین وہ قوم کہ جو فطرت کی قوتوں کو اس طرح سے مسخر نہ کرے اور اس میں دوسروں کی دست نگر ہو وہ ٹھیک کہا اقبالؒ نے کہ بعد میں نہ رسیدی خدا کہ؟؟؟؟ جوئی، تو تو آدمی کی سطح کے اوپر بھی نہیں آیا خدا کی تلاش کیا کر رہا ہے تو اس کے لئے تو پہلے انسان ہونا ضروری ہے نا، شروع ہی کرتا ہے قرآنِ کریم اس سے (ان فی السمٰوٰت والارض لاٰیٰت للمؤمنین) یہ Out of Universe جسے ہم کہتے ہیں خارجی کائنات اس کے لئے قرآن کی اصطلاح سماوات اور وہ ارض ہے سماوات ہر وہ شے جو اوپر ہو اور اس کو ہمیشہ قرآن نے یہ جمع کا صیغہ اسکے لئے استعمال کیا ہے کہ یہ کرے بےشمار لاتعداد ہیں اس لئے یہ جمع کا صیغہ ہے اور اس کے نیچے یہاں جو ہم رہتے ہیں وہ ایک ہے ارض اس لئے ارض تو واحد ہوتی ہے اور سماوات جو ہیں وہ جمع ہوتے ہیں یہ الگ چیز ہے کہ قرآن نے ایک نکتہ عجیب بیان کیا ہے اس نے کہا ہے کہ ہر ارض کا ایک سما ہوتا ہے ہر سما کی ایک ارض ہوتی ہے اوپر والے کرے سے جو کرہ بھی نیچے ہوگا وہ اس سما کی ارض ہوگا اور یہ نیچے والے کرے سے جو کرہ بھی اوپر ہوگا وہ اس ارض کا سما ہوگا قرآن نے یہ بھی بتایا ہے تو وہ سماوات والارض خارجی کائنات کو کہتا ہے سماوات والارض میں آیات ہیں مؤمنین کے لئے تو آپ نے دیکھا پہلی خصوصیت مؤمن کی کیا ہے اور پھر اس ایک لفظ نے تخصیص کر دی یا کہیئے کہ امتیاز پیدا کر دیا مؤمن اور کافر میں جو دونوں مسخر کرتے ہیں لیکن ان کے لئے یہ چیز جو ہے یہ آیت ہوتی ہے آیت کے معنی ہوتا ہے کسی دوسری شے کی موجودگی کی علامت یا نشانی دور سے آپ دیکھیں آپ کو کہیں آگ نظر نہ آئے لیکن دھواں نظر آئے تو دھواں اس بات کی نشانی ہوتا ہے کہ نیچے آگ ہے، صحرا میں اگر کہیں کوئی ایک پرندہ اڑتا ہوا نظر آئے تو اس کی علامت ہوتا ہے کہ یہاں اردگرد کہیں پانی ہے جبھی وہ زندہ پرندہ موجود ہے نا تو یہ جو چیزیں ہوتی ہیں کسی شے کے وجود کی دلالت کرنے والی یا اس کی علامت یا نشانی بننے والی اسے آیت کہا جاتا ہے تو آیت مقصود بالذات نہیں ہوتی دھواں مقصود بالذات نہیں اصل مقصد تو اس آگ سے ہے نا جو نیچے جل رہی ہے دھواں اس آگ کے وجود کی آیت ہے، عزیزانِ من میں نے عرض کیا ہے نا کہ قرآن کے ایک ایک لفظ پہ کھڑے ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اس کو سمجھنے کے لئے مؤمن کے لئے یہ تمام ارض وسماوات یا خارجی کائنات کی جتنی قوتیں ہیں یہ نظام جس طرح سے سرگرمِ عمل ہے یہ مقصود بالذات نہیں ان قوتوں کا مسخر کرنا تو ضروری ہے لیکن یہ صرف نشانی یا علامت ہے کسی دوسری شے کی اور وہ ہے خدا پر ایمان خدا کی اقدار پر ایمان اس کی وحی پر ایمان تو اس اعتبار سے مؤمن کے لئے یہ قوتیں یا کائنات خارجی جو ہے وہ آیت بنتی ہے ایک عظیم صداقت پر یقین رکھنے کے

جس طرح سے گھڑی کو چابی دی جائے تو از خود چلتی رہتی ہے یہ چلتا رہتا ہے خدا کا تعلق نہیں درمیان میں آتا اس کے، تو یہ خارجی کائنات کا نظم ونسق آیت بنتا ہے للمؤمنین یہ تو خارجی کائنات (وفی خلقکم وما یبث من دآبۃ اٰیٰت لقوم یوقنون) اور خود تمہاری اپنی تخلیق میں اور جس قدر ذی نفس ذی حیات اس کرہ ارض کے اوپر چلتے پھرتے ہیں یا باہر کے کروں میں بھی قرآن تو کہتا ہے کہ وہاں بھی جاندار ہیں یہ بھی آیات ہیں، پہلے کہا تھا للمؤمنین یہاں کہا ہے (لقوم یوقنون) جو یقین رکھتی ہے قوم اس حقیقت پر کہ یہ نظم و نسق کائنات یونہی؟؟؟؟ نہیں چل رہا ان کے لئے خود انسان کی تخلیق اور جتنی ذی حیات مخلوق اس کرہ ارض یا اس کائنات میں جہاں کہیں بھی ہے وہ بھی آیت بنتی ہے اس امر کی کہ یہ نظام واقعی ایک عزیز وحکیم خدا کا کارفرمودہ ہے اور (واختلاف الیل والنھار وما انزل اللہ من السمآء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتھا و تصریف الریح ایت لقوم یعقلون) اختلاف لیل ونھار میں رات اور دن کی گردشیں بادلوں سے جو بارش برستی ہے دیکھئے یہاں بھی انزل کا لفظ آیا ہے اوپر سے نیچے آتی ہے بارش برستی ہے زمین مردہ کو اس سے زندگی ملتی ہے اور پھر یہ ہوائیں جو مختلف موسموں میں اپنا رخ اور سمتیں بدلتی ہیں وقت نہیں ورنہ میں ایک ایک گوشے میں بتاتا کہ سائنسدان ان علوم کے ماہران چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے اندر کتنے بڑے بڑے حقائق کو مضمر دیکھتے ہیں، ہواؤں کی سمت کا بدلنا کہاں تمام چیزوں میں (ایت لقوم یعقلون) جو لوگ جو قوم عقل وفکر سے کام لیتی ہے اس کے لئے ان میں بھی آیات ہیں، اب آپ دیکھ لیجئے کہ مؤمن ہونے کے لئے قدمِ اول شرطِ اول کیا ہے اس تمام نظامِ کائنات کے اوپر غور وخوض کرنا اور اس کے بعد ان کی قوتوں کو مسخر کرنا یہ پہلی چیز ہے، سپاہی کے لئے پہلی چیز ہے اس کے پاس اسلحہ ہونا چاہئے یہ مؤمن یہ یوقنون اور پھر یعقلون عقل وفکر کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان چیزوں کو مسخر کرے، اور اس کے بعد ہے (تلک ایت اللہ نتلوھا علیک بالحق) اور یہ آیات قرآنی اب یہاں جو قرآن کے متعلق بھی آیات آئے گا اس میں بھی ہر آیت ہر ٹکڑا ہر فقرہ ہر سورۃ وہ نشاندہی کرتی ہے ایک عظیم مقصد کی جسے انسان نے حاصل کرنا ہے ایک عظیم منزل کی جس تک اس نے پہنچنا ہے، تو یہ آیات اللہ ہیں اے رسول جسے تم پر حق کے ساتھ نازل کیا جاتا ہے پیش کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہے اب دیکھئے ایمان کی شرط (فبای حدیثٍ بعد اللہ وایتہٖ یؤمنون) کہا کہ یہ آیات جو بکھری پڑی ہیں خارجی کائنات کے اندر اور یہ قوانینِ خداوندی جو قرآن کے اندر وحی کی رو سے دئے گئے ہیں ان کی موجودگی میں پھر کونسی اور بات رہ جاتی ہے جس کا یہ انتظار کرتے ہیں خدا پر ایمان لانے کے لئے، تو اب خدا پر ایمان لانے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت پڑ گئی فطرت کی قوتوں کی تسخیر اور قوانین جو وحی کی رو سے انسانی زندگی کے لئے دئے گئے ہیں ان پر غور وفکر اور اس کے

روسے ان کا استعمال کرنے والی اس کے لئے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اسکے لئے بڑے ایثار اور قربانی کی ضرورت ہے وہ جو ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے میں نے کہا اقدارِ خداوندی کے مطابق استعمال کرنا پہلی قدر تو اس میں یہ ہے (فلینقت فی الارض ماینفع الناس) وہی عمل عملِ صحیح ہے وہی باقی رہ سکتا ہے جو تمام نوع انسانی کی منفعت کے لئے ہو تو یہ جو مؤمن قوم ہے وہ جب فطرت کی قوتوں کو مسخر کرے گی تو تسخیرِ فطرت میں تو اتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ایٹم کی قوت کو مسخر کرنے کے لئے یہ قومیں کیا کچھ کر رہی ہیں، تصور میں بھی ہم نہیں لاسکتے چھ چھ مہینے یہاں خلا کے اندر وہ جہازوں کے اندر وہ تیر رہے ہوتے ہیں پتہ نہیں کس طرح زندگی بسر کر رہے ہیں بڑی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے یہ تو ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنا اور آگے اقدارِ خداوندی کے مطابق صرف کرنا تو پہلی قدر تو میں نے یہ کہا ہے کہ یہ تمام نوعِ انسانی کی منفعت کے لئے یہ ہونا چاہئے یہاں یہ جو جتنی قومیں ہیں مغرب کی یہاں وہ مؤمن کے درجے پہ نہیں آتی ہر قوم اپنے فائدے اور دوسری قوم کو تباہ کرنے کے لئے صرف کر رہی ہے، کہا کہ تباہی ہے اور اس کے لئے دو لفظ آگے آ گئے ایک تو اثیم میں نے عرض کیا ہے نا کہ ہمارے ہاں تو ترجموں سے سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا قرآن اثیم یہاں لایا ہے ترجمہ تو ہوگا گناہگار بات سمجھ میں نہیں آتی گناہگاری کیا چیز ہے اثیم ہوتا ہے تھکی ماندی ہوئی سست رفتار جس میں دوسری قوموں کے ساتھ چلنے کی ہمت نہ رہے آگے بڑھنے کی طاقت نہ رہے افسردہ ہو واماندہ ہو تھکی ہوئی ہو سہل انگار ہو یہی قومیں ہیں نا جو فطرت کی قوتوں کی تسخیر تو ایک طرف رہا ان کا علم بھی حاصل نہیں کرتیں اس کے لئے تو بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے جہادِ مسلسل کی ضرورت ہے اثیم قومیں جو ہیں سہل انگار سست رفتار تھکی ہوئی واماندہ بھیک مانگنے والی دوسروں کی دست نگر تو ویل تباہی ہے ایک تو ان کے لئے اور دوسرا لفظ ہے (افاک) جال سازی مکاری غلط بیانی یہ سب کچھ اس میں آ جاتا ہے یہ قومیں جو مسخر کرتی ہیں اور پھر اس کو اس طرح سے الفاظ ان کے ہاں سنئے تو ایسا نظر آتا ہے کہ سارے نوعِ انسان کا درد ان کے جگر کے اندر ہے روز آپ کے ہاں کانفرنسیں ہو رہی ہیں سیمینار ہو رہے ہیں مجلسیں ہو رہی ہیں ایسا نظر آتا ہے یہ ابھی ابھی میکسیکو میں ہوئی وہ کانفرنس دولت مند ملکوں کی کانفرنس یہ طے کرنے کے لئے کہ غریب ملکوں کی مدد کس طرح کی جائے resolution بھی پاس نہیں ہوسکا، کوئی قوم جتنی زیادہ قوت مسخر کرتی ہے فطرت کی وہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو زیادہ طاقتور بناتی ہے تاکہ دوسرے ملکوں کو مغلوب اور مفتوح اور محکوم بنالے یہ ہے افاک اور دوسری قومیں ہیں اثیم کہ جو تھکی ماندی بیٹھی رہیں گداگری کرتی رہیں بھیک مانگتی رہیں دوسروں سے تو یہ دونوں انواع آ گئیں انسانوں کی دونوں قومیں آ گئیں اس کے اندر ان دونوں کے لئے

کہتا ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ یہ قرآن کہہ رہا ہے اسے وہ سنتے تو ہیں بڑا چرچا ہوتا ہے قرآن کا ہمارے مسلمانوں کے ملکوں کے اندر تو ہمارے ہی ہاں زیادہ ہونا چاہئے، اس قدر قرآن کی تلاوت ہوتی ہے اس قدر چرچا ہوتا ہے اس کا کیا بات ہے قرآن کی کہتا ہے سنتے ہیں یہ انکو لیکن بضد رہتے ہیں اپنی ہی روش کے اوپر اس میں تبدیلی نہیں کرتے اس کے مطابق اسے صرف سنتے ہیں مستکبرًا نہایت تکبر کے عالم میں اپنی کبریائی قائم کرنے کی خاطر اپنی قوت کو مجتمع کرنے کی خاطر مصر رہتے ہیں اپنی روش کے اوپر بضد رہتے ہیں اسی پہ اصرار کرتے ہیں اس میں تبدیلی نہیں کرتے صرف سنتے ہیں تو یہ سننا تو نہ سننے کے برابر ہے صاحب، سننے کے متعلق تو قرآن نے کہا ہے کہ مؤمن کا شعار یہ ہے کہ وہ کہتا ہے سمعنا واطعنا ہم نے بات سن لی اب ہم اس کے مطابق عمل کریں گے سننا تو یہ سننا ہے نا اور سننا جسے ان سنی کردینا کہتے ہیں محاورے میں یہ ہے (کان لم یسمعہا) کہ یوں سنتے ہی جیسے کہ سنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ سننے کے معنی تو اس کے مطابق اطاعت کرنے کے ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ کلام اللہ کو آیات اللہ کو یہ مسلمانوں کی قوم کتنا سنتی ہے یہ شاید ہی کوئی لمحہ ایسا گذرتا ہوگا کہ یہ آواز نہ کہیں نہ کہیں سے آتی ہوگی اب تو یہ ریڈیو ٹی وی کے ذریعے سے ساری دنیا میں آواز گونجتی ہے ہر کان میں یہ پہنچتی ہے یوں کہئے نا (یسمع کلام اللہ) لیکن ایسے سنتی ہے گویا سنتی ہی نہیں ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں دردناک تباہی کے عذاب کی فبشرہ بشارت جسے آپ کہتے ہیں اعلان کردوان کے لئے کہ تباہی ہے اور بڑی دردانگیز تباہی ہے صاحب (واذا علم من ایتنا شیئا اتخذ ھاھزؤا اولئک لھم عذاب مھین) اگر ان میں سے کسی بات کا علم بھی انہیں ہوجاتا ہے تو اسے ھزوا کے معنی ویسے تو استہزا ہوتا ہے مذاق اڑانا ہوتا ہے ہنسی اڑانا ہوتا ہے اس کے معنی کسی چیز کو lightly لینا جسے انگریزی میں کہتے ہیں نا seriously نہ لینا کسی چیز کو تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ صرف سنتے ہی ہیں ایک کان میں سے سنا دوسرے میں سے نکال دیا کہیں اگر علم بھی اس کا ہوجاتا ہے تو وہ اس کو seriously نہیں لیتے کہ واقعی ایسی چیز ہے کہ جس پہ غور کرکے اس پہ عمل بھی کرنا چاہئے اور یونہی lightly اس چیز کو لے لیتے ہیں ان کے لئے یہاں عذاب الیم تھا پہلے دردانگیز یہاں عذاب مھین کہا ہے وہ عذاب وہ عذاب کے لئے تو ہمارے ذہن میں لفظ آتا ہے تو وہ قیامت والا عذاب ہی آتا ہے ویل یہاں کہا تھا اس نے تباہی ہے قوموں کا تباہ کن انجام جو ہے وہ ہوتا ہے عذاب یہ عذاب جو ہے اس کی کیا خصوصیت یا نوعیت کہ مھین ہے ذلت آمیز تباہی ایک تباہی اور پھر ذلت آمیز تباہی اف جتنی قومیں فطرت کی قوتوں کے لئے دوسری قوموں کی دست نگر ہوتی ہیں وہ قومیں انہیں تباہ بھی کرتی ہیں اور یہ ذلیل اور خوار بھی ان کے ہاں ہوتی ہیں، بھیک منگوں کی طرح سامان خریدنا ہوتا ہے پیسے دے کے اور بھک منگوں کی کیفیت

میں نہ رکھو جو ہم نے کہا کہ ہوگا کہیں جا کر ہوگا (وما ھم عنہا بغائبین) یہ جہنم کی نگاہوں سے آج بھی اوجھل نہیں ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان کی نگاہوں سے جہنم اوجھل رہتا ہے، کیا انداز ہے بات کرنے کا اس کی نگاہوں سے یہ آج بھی اوجھل نہیں ہے وہ تو ان کو دیکھ رہا ہے جہنم، یہ اندھے ہیں جن کی کیفیت یہ ہے کہ سامنے اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں دیکھ نہیں سکتے اندھے ہیں لیکن ان کے نہ دیکھنے سے تو وہ آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی شعلے تو اور زیادہ تیز بھڑکتے چلے جائیں گے (من ورائھم جھنم ولا یغنی عنہم ما کسبوا شیئًا ولا ما اتخذوا من دون اللہ اولیآء) پھر دو چیزیں یہاں کہی گئی ایک تو وہ کہ جنہیں یہ اپنا حامی اور ناصر اور سرپرست اور مددگار یہ سمجھتے ہیں یا جو کچھ بھی انہوں نے کمایا ہے یہ مطمئن ہوتے ہیں اس پر کہ یہ کافی ہے ہمارے لئے ان کی موجودگی میں کوئی تباہی نہیں آ سکتی، کہا جن کے اپنے جب ان کے اپنے ان غلط اعمال کی وجہ سے تباہی آئے گی تو نہ تو وہ جو حامی اور ناصر اور سرپرست اور اولیاء جن کو یہ سمجھتے ہیں وہ کسی کام آئیں گے اور نہ ہی جو کچھ انہوں نے اس غلط طریق سے کمایا ہے وہ بھی ان کے کسی کام نہیں آئے گا صاحب، سیلاب آتا ہے تو پھر وہ یہ نہیں پوچھتا ہے کہ تم ہو اور یہ تمہارے دوست ہیں اچھا تمہیں یہ بچالیں گے اس سے، وہ تو اس طرح سے آتا ہے وہ سیلاب نہ پرسد کہ درِ خانہ خدا مد وہ تو یہ بھی نہیں پوچھتا کہ گھر کا دروازہ کدھر سے ہے کہاں سے میں آؤں وہ تو پھر بہا کے لے جاتا ہے صاحب، کوئی اس میں کام نہیں آ سکے گا (ولھم عذاب عظیم) یہاں عظیم آیا ہے عظیم عظم سے ہوتا ہے اس کے معنی ہڈیاں ہوتے ہیں انسانی جسم کی بنیاد اس کی ہڈیوں کے ڈھانچے کے اوپر ہوتی ہے bones جو ہیں وہ اصل میں بنیاد ہوتی ہے کسی انسان کے پیکر کی، وہ تباہی جو بنیادوں تک کو بہا کے اور لڑکھڑا کے لے جائے عذاب الیم تھا عذاب مھین تھا عذاب عظیم آ گیا صاحب کہ جس کے بعد ختم ہی ہو جاتا ہے قصہ، یہ ہوتا ہے ان قوموں کے ساتھ جو فطرت کی قوتوں کو مسخر نہ کریں پہلی چیز وہ عذاب مھین ذلت آمیز مسخر کرے لیکن انہیں دوسری قوموں کو تباہ اور برباد کرنے کے لئے صرف کرے یہ ہیں دونوں چیزیں مل کے عذاب عظیم بن جاتی ہیں اور اس کے مقابل میں (ھذا ھدًی) یہ جو ہم کہہ رہے ہیں یہ ہے کامیابی کی راہیں دکھانے والی چیز یاد رکھئے قرآنِ کریم یا رسول اللہ ؐ کے ارشادات اسوہ یہ راہنمائی راستہ دکھاتے ہیں زبردستی راستے پہ چلاتے نہیں ہیں بڑی رحمت جو انسانوں کے لئے ہوئی وہ یہ کہ چوراہے پہ کھڑے ہو کے یہ بتا دیا کہ بھئی جس گاؤں میں تم نے جانا ہے یہ راستہ اس طرف جاتا ہے بڑی چیز ہے یہ اب اگر وہ اس راستے کی بجائے دوسرے راستے پہ چلتا ہے تو اس نے کہا ہے کہ نہ یہ خدا کا فریضہ ہے نہ اس کے رسول کا فریضہ ہے کہ اس کو وہاں سے بازو اس کا پکڑ کے وہ کہے کہ یہ ادھر کہاں جا رہے ہو ہم نے تو بتایا تھا تمہیں ادھر چلو پھر یہ بات انسانی

ہم پھراس کوزبردستی چلاتے بھی ہیں اس راستے پہ رسول اللہﷺ سے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تو اپنی جان کو ہلکان کررہا ہے اس لئے کہ یہ غلط راستے پہ کیوں چل رہے ہیں تیرا کام یہ نہیں ہے کہ تو ان کوزبردستی صحیح راستے کے اوپر چلائے ، انسانی اختیار وارادے کو ہم سلب نہیں کرتے (ھذا ھدًی والذین کفروا باٰیٰت ربھم لھم عذاب من رجزٍ الیم) تو جواس کے بعد انکار کرتا ہے صحیح راستے سے چلنے کے لئے تو اس کے لئے تو تباہی ہے بڑی دردناک ہے بڑی لڑکھڑاہٹ پیدا کرنے والی ہے اوراس کے بعد کہا پھر کہ آ ؤ پھر دوبارہ تمھیں بتائیں تسخیرِ کائنات کیطرف پھر آ گیا (اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ) سمندر کو تمھارے لئے دریاؤں کو پانی کو تمھارے لئے تابع تسخیر بنادیا تاکہ اس میں خدا کے قانون کے مطابق تمھاری کشتیاں چلیں (ولتبتغوا من فضلہ) اورتم پھر خدا کی عطا کردہ جتنی نعمتیں بکھری ہوئی ہیں دنیا میں ان کی تلاش میں نکلو یہ جو ہے کہ کشتی ایک خاص قانون کے تابع پانی کے اوپر تیرتی ہوئی رہتی ہے بڑا اٹل قانون ہے خدا کا لیکن کشتیاں انہی کی سلامت رہتی ہیں جوان قوانین کو جانتے ہیں اوران کے مطابق اپنی کشتی اور جہازوں کو چلاتے ہیں (ولعلکم تشکرون) اس کے مطابق کروگے تو پھر تمھاری محنت بھرپور نتائج پیدا کرے گی شکر کے معنی یہ ہوتے ہیں کسی کی محنت بھرپور نتائج پیدا کرے (وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا منہ) بات ختم کردی کہا کہ یہ تو ہم نے مختلف تفاصیل بیان کی ہیں یہ تسخیر کیا وہ مسخر کیا اوراس کو آپ؟؟؟؟ یوں سمجھ لیجئے کہ تمھارے لئے اس نے مسخر کردیا جو کچھ ساوات میں ہے جو کچھ ارض میں ہے (جمیعًا) سارے کا سارا اور پھر منہ یہ اس کی طرف سے کردیا گیا کہ اس نے کیا ہی ایسا انتظام اس نظام کا یہ جمیعا ہے عزیزانِ من اس خارجی کائنات اورارض کی کوئی قوت ایسی نہیں پھر باقی رہ جاتی جو قابلِ تسخیر نہ ہو ابھی تو ہمارے ہاں کی بھی ہمارے زمانے کے سائنسدان بھی جو مغرب کے ہیں وہ تو یوں کہئے کہ کناروں کو چھورہے ہیں کائنات یہ تو انسان کے حیطہ فکر میں نہیں آتی اس کی وسعتیں جو ہیں ، جمیعًا اور منہ خدا نے تخلیق ہی ایسا کیا ہے اس کائنات کو کہ پوری کی پوری کائنات جو قوم بھی مسخر کرنا چاہے اس کی قوتوں کو وہ کرسکتی ہے تمام قوتوں کو مسخر کرسکتی ہے (جمیعًا منہ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون) یہاں یہ لفظ آ گیا دیکھتے ہیں وہ کس کس کا تھا للمؤمنین لقوم یوقنون لقوم یعقلون لقوم یتفکرون جو قوم عقل وفکر سے کام لے گی اس کے لئے ہمارے اس ارشاد میں بہت بڑی نشانی ہے حقیقت تک پہنچنے کی جو ہم نے کہدیا ہے کہ پوری کی پوری کائنات کی قوتیں جو ہیں وہ تمھارے تابع تسخیر ہوسکتی ہیں غور وفکر کرنے والی قوم کے لئے ، جس قوم کو ہزار برس سے یہ سکھایا جارہا ہو کہ مذہب کے معاملے میں عقل سے کام نہیں لیا جاسکتا ، مذہب تو یہ تھا فطرت کی قوتوں کو مسخر کرکے قوانینِ خداوندی کے تابع ان کو صرف کرنا اس میں اگر عقل وفکر سے کام نہیں

اور تابع فرمان اپنے بنائے، یہ ہے فرق یہ مؤمن ؟؟؟؟؟؟؟ کی ایک آیت کی رو سے یہ صرف خود تیر کے اگلے کنارے پہ نہیں جاتا ڈوبنے والے کو بھی بچاتا ہے ڈوبنے والے کو تو وہی بچائے گا نا خود تیرنا جانے گا جو، جو خود تیرنا نہیں جانتا وہ دوسرے کو کیا بچائے گا وہ تو خود بھی ڈوب جائے گا لیکن مؤمن کا فریضہ حیات یہ ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو نہ بچائے بلکہ جتنوں کو بچا سکتا ہے ان کو بچائے عزیزانِ من الفاظ سنئے جھوم جایئے (قل للذین امنوا) کیا بات ہے اے رسول اعلان کر دے اس جماعتِ مؤمنین سے جنہوں نے یہ بات سمجھ لی ہے جو ہم نے کہی ہے کہ فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنا ان کا فریضہ دینی ہے ان سے کہد و (قل)اعلان کرو سنئے عزیزانِ من کیا کہہ رہا ہے قرآن کہ ان سے کہد و کہ کائنات کی قوتوں کو مسخر کرنے کے بعد (یغفر واللذین لا یرجعون ایام اللہ) یہ لوگ جو اس انقلاب میں ایمان نہیں رکھتے جو اپنے ہاتھوں سے آیا کرتا ہے اس جماعتِ مؤمنین سے کہو کہ تمہارا فریضہ ہے کہ ان کو بھی بچاؤ اللہ اکبر اللہ اکبر، مؤمن کا فریضہ ہے اپنے بچاؤ کے لئے تو سوال ہی نہیں کہ یہ کسی اور کے دست نگر او رمحتاج ہوں مؤمن نے تو مسخر کیا ہے کائنات کی قوتوں کو فریضہ ہے مؤمنین کا عزیزانِ من پوچھے ہیں کہ اسلام کیا ہے اسلامی نظام کیا کرتا ہے دنیا کے اندر، یہ کرتا ہے (لا یرجون ایام اللہ) یہ اس انقلاب پہ ایمان نہیں رکھتے جو غلط روش کی وجہ سے تباہی لایا کرتا ہے یہ لوگ جو ہیں مؤمن سے اپنی جماعتِ مؤمنین سے کہد و اعلان کر کے کہ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ ان کے بچانے کی بھی فکر کرو کچھ، یہ ہے اسلامی نظام یہ ہے مؤمن کا فریضہ اس کے لئے یہ خیر امت دنیا میں بھیجی گئی تھی جیسا میں نے ابھی عرض کیا ہے اس مثال کی رو سے کہ خود ہی تیر کر اگلے کنارے پہ نہ جائیں ڈوبنے والوں کو بھی بچائیں (یغفر وا للذین لا یرجون ایام اللہ لیجزی قومًا بما کانوا یکسبون) اور وہ قوم جو ان چیزوں کو نہیں مانتی ظلم وتعدی کے اوپر ہی جو سر اٹھائے ہوئے ہے پھر ان کو تو یقیناً اس کا بدلہ مل کے رہے گا کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں ان کو بچا لو جن کو بچا سکتے ہو مؤمن کا فریضہ عزیزانِ بتایا اور اس کے بعد وہ اصول اور وہ معیار عدل کا جو بنیاد ہے دین کی جو اصلِ اصول ہے قرآن کے قانونِ مکافاتِ عمل کا ایک ہی فقرہ یہ اگر ذہن میں رہے ہمارے ذہن میں تو کیا رہے گا ہم تو ان الفاظ کو دہراتے ہیں سنتے ہیں پھر نکال دیتے ہیں کانوں سے وہ یہ ہے عزیزانِ من کہ (من عمل صالحًا فلنفسہ ومن اسآء فعلیھا) یاد رکھو جو بھی اچھے کام کرتا ہے ان کا فائدہ صرف اس کی اپنی ذات کو پہنچتا ہے کسی دوسرے کو وہ نہیں پہنچا سکتا فائدہ، یہاں ایصال ثواب کے لئے ہر روز پتہ نہیں کیا کچھ ہوتا رہتا ہے یعنی اپنے بخشنے کے متعلق وہ پتہ نہیں ہوتا کہ ہماری حالت کیا ہے ان کو بخشوانے کی فکر ہو رہی ہوتی ہے قرآن پڑھ پڑھ کے (من عمل صالحًا فلنفسہ ومن اسآء فعلیھا) اور جو غلط کام کرتا ہے اس کی سزا بھی اسی کو بھگتنی پڑے گی کسی دوسرے

اس قانونِ مکافاتِ عمل کی طرف جہاں سے اس کا نتیجہ ملتا ہے تو سوال ہی نہیں کہ سیر تم کر کے آؤ اور جو صحت اچھی ہوتی ہے وہ تمہارے اس بھائی کو مل جائے جو لیٹا رہتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا اس میں نہ سفارش کام آتی ہے نہ دوست کام آتا ہے نہ شفاعت کام آتی ہے، اور جو برائی کی ہے اس کا بھی بدلہ تمہیں ہی بھگتنا پڑے گا کوئی کفارہ نہیں اس کے اندر ادا کیا جاسکتا، اور اس کے بعد پھر قرآن کا جو انداز ہے اپنے دعوے کی صداقت کے ثبوت میں وہ اقوام سابقہ کی تاریخ کو لاتا ہے (ولقد اٰتینا بنی اسرآءیل الکتٰب و الحکمۃ والنبوۃ ورزقنٰھم من الطیبٰت و فضلنٰھم علی العٰلمین) جب انہوں نے صحیح روش اختیار کی قومِ بنی اسرائیل یہودیوں کے متعلق بیان کر رہا ہے یاد دلا رہے ان کو ان کی اپنی تاریخ ہی انہیں بھی یاد دلا رہا ہے کیا کچھ دیا تھا ان کو الکتٰب حکم نبوت یاد رکھئے نبوت تو خدا کی طرف سے وحی کا ملنا ہوتا ہے یہ ہر قلب کو نہیں ملتی یہ نبی کو ہی ملتی ہے لیکن وہ وحی جو ملتی ہے نبی کو وہ جب اسے اپنی امت کو دیدیتا ہے تو یہ امت صاحبِ کتاب ہو جاتی ہے یہ جو کہا ہے نا کہ بنی اسرائیل میں نبوت بھی تھی حکم بھی تھا اور کتاب بھی تھی تو نبوت بنی اسرائیل کا ہر فرد نبی نہیں تھا بلکہ ان میں انبیاء ہوئے انبیاء کو کتاب ملی وہ کتاب جب امت کو ملی تو وہ تھی اس امت کو کہا جائے گا کہ یہ امت اس کتاب کی وارث ہوئی الکتٰب ملی اور پھر اگلی چیز یہ کہ وعظ و نصیحت کے لئے ہی نہیں ملی والحکمۃ حکومت بھی ملی، یہ تھی بنیاد عزیزانِ من جسے ہم تحریک پاکستان کی بات کہتے ہیں مجھے بار بار کہنا پڑتا ہے کہ میں تو خود اس کے اندر رہا اس نکتے کے اوپر ہمارا وہاں ان سے جھگڑا تھا یہ مولوی صاحبان سے یہ نیشنلسٹ علماء کہ اسلام نام ہے الکتٰب خداوندی کے مطابق حکومت قائم کرنے کا آپ دیکھئے اس میں حکم ساتھ کہا ہے یہ کسی غیروں کی حکومت کے اندر قرآن کا نظام قائم ہی نہیں ہوسکتا تو دو باتیں تھیں اپنی حکومت اور اگلی بات کہ اس میں خدا کی کتاب کے مطابق نظام قائم کیا جائے تو اس دعوے کی بناء کے اوپر ایک خطہ زمین تو اس لے کے دینے والے نے دیدیا اور وہ چلا گیا اور اگلی بات جو تھی کہ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم ہو وہ اس پینتیس سال میں جو کچھ ہم نے کیا ہے خدا کی کتاب کے ساتھ وہ ہمارے سامنے ہے، بنی اسرائیل کو یہ کچھ دیا پھر (رزقنٰھم من الطیبٰت) سامانِ زندگی دیا ان کو نہایت خوشگوار دونوں ہی باتیں آتی ہیں جائز طریقے سے بھی خوشگوار بھی (فضلنٰھم علی العٰلمین) ان کی جو ہم عصر اقوام تھیں ان کے اوپر ان کو فضیلت اور برتری دی یہ ہوتی ہے خصوصیت اس قوم کی کہ جس کو جو خدا کی کتاب کے مطابق زندگی اور حکومت قائم کرتا ہے اقوامِ عالم پہ برتری حاصل ہوتی ہے اسے (واٰتینٰھم بینٰتٍ من الامر) کھلی کھلی دلیلیں اور دلائل ان کے لئے دئے کہ دوسروں سے بات اگر کرنی ہے تو دھاندلی سے نہ کریں قرآن نے جہاں بھی کہا ہے عزیزانِ من پہلی چیز بینٰت کہی ہے جو دیتے ہیں دلائل سے بات کرنی عقل وفکر کی رو

کوئی اختلافی بات نہیں تو کتاب اللہ کو ماننے والے تو مختلف فرقوں میں بٹ ہی نہیں سکتے اس میں اختلافی بات ہی نہیں ہوتی، کہا اس لئے نہیں کہ اس میں کوئی اختلافی بات تھی اس لئے وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے (بغیًا بینھم) اپنی اپنی چوہدراہٹ قائم کرنے کے لئے جو ان کے احبار ورہبان تھے نا انہوں نے فرقے پیدا کئے علماء نے پیدا کئے مشائخ نے پیدا کئے (بغیًا بینھم) پھر ایک دوسرے کے اوپر چڑھ دوڑنے کی بات روز دیکھئے صاحب سارے بحث مباحثے یہ ایک مسجد کے متعلق کہ اس کی تولیت کس کے حصے میں آئے گی دنگا فساد ہوتا ہے سر پھٹول ہوتا ہے تالے پڑتے ہیں پولیس آتی ہے مقدمے بازی ہوتی ہے مساجد کے متعلق جو خدا نے کہا تھا کہ مساجد صرف اللہ کے لئے ہونی چاہئیں یہ وہاں کیفیت یہ ہے ایک ایک فرقے کی بغیًا بینھم کہا یہ وجہ ہے فرقے جو پیدا ہوتے ہیں لیکن کوئی بات نہیں وہ انقلاب کی گھڑی جب یہ کتاب کے مطابق کہیں نظام ہوگا اس میں پھر فیصلہ ہوجائے گا اس بات کا، یہ آپس میں فیصلہ نہیں کرسکتے جب نیت ایک دوسرے کے اوپر چڑھ دوڑنے کی ہو تو پھر فیصلہ کیسے ہوسکتا ہے اس وقت یہ فیصلہ ہوتا ہے، جب بھی کہیں قرآن کا نظام قائم ہوا عزیزانِ من یہ اس وقت فرقے مٹیں گے ورنہ اگر آپ فقہ کے مطابق ہی قوانین بناتے چلے جائیں تو فقہ تو ہر فرقے کی الگ الگ ہوتی ہے وہ تو ان کی گرہوں کو اور مضبوط کرتے جانا ہے (فیما کانوا فیہ یختلفون) جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں یہ اس وقت بات طے ہوسکے گی اور یہ پیچھے بتایا کہ سابقہ اقوام کے ساتھ ہم نے یہ کیا تھا بنی اسرائیل کی بات کہ تخصیص بیان کی کہ کتاب دی حکومت دی نبوت ان کو دی اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ بتا دیا اختلاف پیدا ہوا تو وہ کتاب بھی اصلی شکل میں باقی نہ رہی وہ امت بھی اپنی اصلی شکل میں وحدت کی شکل میں باقی نہ رہی تو پھر کیا طریقہ کیا گیا ایک اور نبی بھیجا گیا (ثم جعلنک علی شریعۃ من الامر) نبی اکرم ﷺ سے پہلے یہ طریق تھا امتِ خداوندی تھی کہ جب یہاں تک نوبت پہنچ جاتی تھی کسی قوم کی کہ اس کی کتاب بھی اس کی اصلی شکل میں باقی نہیں رہتی تھی تفرقہ ہوتا تھا اختلافات ہوتے تھے تو ایک اور نبی آجاتا تھا جو خدا کی اصل دین کو پھر سے لا کے اس قوم کے سپرد کرتا تھا یہ طریقہ تھا اگلی آیت میں یہ یہی کہا گیا ہے (ثم جعلنک) اور میں عرض کرونگا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد یہ طریقہ ختم کردیا گیا کیونکہ دین کی تکمیل کردی گئی اسے ہم آئندہ درس میں لیں گے سورۃ الجاثیہ 45ویں سورۃ تھی آیت 17 تک ہم آگئے عزیزانِ من 18ویں آیت سے آئندہ لیں گے۔

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج نومبر 1981ء کی 13 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الجاثیہ کی آیت 27 سے ہو رہا ہے 45/27۔

آیت کا آغاز ہوتا ہے کہ (**وللہ ملک السمٰوٰت و الارض و یوم تقوم الساعۃ یومئذ یخسر المبطلون**) یوں تو قرآن کی ہر آیت اپنے اندر ایک خاص اہمیت رکھتی ہے لیکن بعض آیات ایسی آتی ہیں کم از کم اپنے متعلق عرض کرونگا کہ قرآنِ کریم میں یہ ہے جو لوگ اس کے غوامض پہ غور کرتے تھے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا احساس ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ وہ آیتیں تلاوت کرتے ہیں تو ان کی روحیں کپکپا اٹھتی ہیں دل کانپ اٹھتے ہیں لرزہ طاری ہوجاتا ہے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں بعض آیات ایسی ہوتی ہیں انہیں میں سے یہ ایک آیت ہے بظاہر نظر آتا ہے کہ اس میں تو کوئی بات خاص ہے ہی نہیں (**للہ ملک السمٰوٰت و الارض**) اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں اجرامِ فلکی میں اور خود ارض میں حکمرانی حکومت خدا کی ہے اور آگے ہے کہ جب انقلاب کا وقت آئے گا لفظ ہے مبطلون تو وہ دیکھیں گے کہ وہ کس قدر تباہی میں ہیں وہ ان کی تباہی اس وقت ہوگی مبطلون کی یہ کیا چیز ہے سینکڑوں مرتبہ یہ آیات ہم پڑھتے ہیں اور اس قسم کی آیات تو قرآنِ کریم میں بڑے بیشتر مقامات پر پھیلی ہوئی ہیں؟؟؟؟ کے لئے ہے یہ چیز یہ مبطلون کونسے لوگ ہیں مبطلون باطل سے ہے اور اس کی ایک خصوصیت ہے اس لفظ کی ایک تو کفر ہوتا ہے کہ انکار ہی کیا جائے ہم مانتے ہی نہیں ہیں ایک چیز ہے کہ ایک چیز کو حق کہہ کے پیش کیا جائے لیکن جب وہ کسوٹی پہ پرکھی جائے تو وہ باطل نکلے وہ کھوٹی نکلے ایک چیز کی شکل وصورت تو اسی قسم کی ہو لیکن اس کے اندر جو مقاصد اور مفاد پوشیدہ ہوتے تھے اس سے وہ خالی ہو جائے کھوکھلا ہو، کھرا کر کے پیش کیا جائے کسوٹی پہ پرکھا جائے تو کھوٹا نکلے شکل وصورت اس قسم کی ہو اور اندر سے وہ کھوکھلا ہو ایسا کرنے والوں کو مبطلون کہا جاتا ہے جن کی روش یہ ہو زندگی کی، کہا یہ گیا ہے کہ سمٰوٰت اور ارض میں حکمرانی خدا کی ہے سماوات کو تو چھوڑ دیجئے وہ تو سرِ دست ہمارے حیطہ تصور سے بھی ذرا باہر کی چیز ہے یا کم از کم ہماری دسترس وہاں نہیں ہے اس میں اس کی حکمرانی کس طرح سے چل رہی ہے یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ یہ ہر چیز قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور اس کی اطاعت کئے چلی جا

بھی کوئی وہ بستا ہے جو اس آیت کو پڑھتا ہے مسلمان کیا یہ واقعہ ہے کہ وہاں حکمرانی خدا کی ہے کیا اس کرہ ارض کے کسی ایک چپہ زمین پر بھی جہاں مثلاً مسلمانوں کی آبادیاں ہیں کسی جگہ بھی خدا کی حکمرانی ہے تو یہ آیات یہ آیت پڑھنے والے جو ہیں اس کا اعلان کرنے والے یہ کہنے والے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقع نہیں ہے وہاں جہاں میں یہ آیت پڑھتا ہوں جہاں کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ (**و للہ ملک السمٰوٰت و الارض**) ارض لے لیجئے کہ خدا کی حکمرانی ہے اس زمین پر، جب میں یہ اعلان کرتا ہوں اس کا اعتراف کرتا ہوں اس کو پیش کرتا ہوں تو کیا یہ واقع ہے یا ایک جھوٹی بات کو سچ کہہ کے میں پیش کر رہا ہوں کیا میرا یہ دعوٰی جب کسوٹی پہ پرکھا جائے گا تو سچا نکلے گا آپ نے غور فرمایا بات کیا ہوئی یہ مبطلون کون ہیں جو دعوی یہ کرتے ہیں کہ للہ ملک السمٰوٰت والارض ارض میں اور حکمرانی خدا کی ہے صبح سے شام تک سینکڑوں ہزاروں لاکھوں مسلمان سال میں پوچھو نہیں کہ کروڑوں عربوں بار یہ پڑھتے چلے جا رہے ہیں جہاں کہیں بھی کوئی اس کو پڑھتا ہے اس کو دہراتا ہے کیا یہ واقع یہ وہاں ہے کہ وہاں خدا کی حکمرانی ہے یہ کسی حقیقت کا اقرار کسی حقیقت کا اعلان کر رہا ہے یا ایک جھوٹ کو سچ کر کے بتا رہا ہے ایک واقعہ معلوم نہیں مجھے میں نے پہلے بھی کبھی درس میں یہ پیش کیا ہو یا نہ لیکن ہے وہ بڑا اہم اور وہ یہ بات بتاتا ہے کہ یہ مبطلون کیا ہوتے ہیں دیر کی بات ہے غالباً تقسیم سے بھی پہلے کی مسلمانوں کی ایک ریاست میں ایک پٹھان مولوی صاحب تھے بڑے دبنگ قسم کے قرآنی آدمی قرآنی مولوی تھے اور بڑے ہی دبنگ قسم کے آدمی تھے وہ، ریاستیں اور ریاستوں کے نظام آپ کو معلوم ہے اس زمانے میں بڑا دبدبہ اور بڑا طنطنہ اور بڑا؟؟؟؟؟ بڑا استبداد ہوتا تھا ایک بہت بڑی تقریب تھی ریاست کے اعیان و ارکان بڑے بڑے لوگ تمام شامل تھے خود ریاست کا والی صدارت کر رہا تھا تقریب ہی ایسی تھی اس قسم کے اجتماع کے اندر تلاوتِ قرآنِ کریم سے آغاز ہوا تقریب ہوا قاری نے اٹھتے ہی قرآن کی یہ آیت تلاوت کی (**و للہ ما فی السمٰوٰت و الارض جمیعًا**) سماوات اور ارض کی ساری کی ساری ملکیت خدا کی ہے اس نے وہاں تلاوت کی یہ پچھلی رو میں کہیں بیٹھے ہوئے تھے وہیں سے اٹھ کے کھڑا ہو کے وہ کہتا ہے کیوں جھوٹ بولتا ہے بند کر یہ بکواس، سناٹا چھا گیا آپ سوچ سکتے ہیں کیا گذری ہوگی وہاں اس چیز پہ والی نے بہرحال تلاوت کو تو بند کرایا کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں یہ آپ نے سوچا ہے کہ آپ نے یہ کیا کلمہ کہہ دیا کفر کا، کہا میں نے تو سوچ لیا تھا جو میں نے کہا ہے اس نے نہیں سوچا جس نے کہا ہے اور تم نے نہیں سوچا جو اعتراض کرنے کھڑے ہوگئے ہو کہا اس نے یہ ہے کہ سماوات اور ارض کی ساری ملکیت جو ہے وہ خدا کی ہے سماوات کو تو میں جانتا نہیں ہوں ساری ارض کا بھی مجھے پتہ نہیں ہے جہاں تک اس ریاست کا تعلق ہے میں محکمہ مال کے

تمہارا نام لکھا ہوا ہے اور جھوٹ نہیں بولتے تو اور کیا کرتے ہو اور وہ اعلان کر رہا ہے کہ پوری کی پوری زمین کی ملکیت جو ہے یہ خدا کی ملکیت ہے کہاں ہے وہ ریکارڈ جس میں ملکیت کے خانے میں خدا کا نام لکھا ہوا ہے، پھر اس کے بعد جو گذری ہوگی اس کو تو چھوڑ یئے لیکن آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کیا ہے اور قرآن کی آیات کا اعلان واعتراف کرنا یہ معنی کیا رکھتا ہے کتنا بڑا جھوٹ جو ہم بولتے ہیں روز (**لله ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا**) کیا یہ واقع ہے (**للـه ملک السمٰوٰت و الارض**) سماوات اور ارض میں حکمرانی صرف خدا کی ہے یہ اعلان کرتے ہیں ہم، قرآن ہے عزیزانِ من یہاں کافر کی بات نہیں کی وہ تو کھلی بات ہے وہ تو مانتا ہی نہیں ہے، ٹھیک ہے، یہ مبطلون کہا ہے یہاں ایک جھوٹ ہے جس کو سچا کر کے پیش کر رہے ہیں، می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الہ راہ، جب میں کہتا ہوں مسلمان ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں کیونکہ میں لا الہ کی مشکلات کو جانتا ہوں لا الہ یہ ہے کوئی صاحبِ اقتدار نہیں ہے سماوات تو چھوڑ دیجئے ارض کو ہی لیجئے الہ کے معنی صاحبِ اقتدار ہیں یہی ہے اس کا (**و للـــه مـلک السمٰوٰت و الارض**) ہم مبطلون میں کیسے شامل ہوئے یہ مملکت ہم نے خدا کے نام پہ اسلام کے نام حاصل کی ہے پہلے دن سے یہ بات ہوئی پہلے constitution کے پہلا تعارف یا مقدمہ جسے کہتے ہیں preface اس میں پہلا فقرہ یہ لکھا ہوا تھا ???? The Sovereingty in the belongs to Allah یہی چیز، اقتدارِاعلیٰ حکومتِ مطلقہ خدا کی ہے قرآن کی آیت ہی نہیں رکھی ہم نے تو constitution کی پہلی آیت اپنے یا preface کا پہلا فقرہ ہی یہ لکھا وہاں، کیا یہ حقیقت تھی جو ہم نے وہاں لکھا اور کیا یہ حقیقت ہوئی اس کے بعد جو ہم نے کہا اور پھر یہ جو ہم تلاوت کرتے ہیں متعدد مقامات پر یہ آتی ہیں آیات اور یہ آیات ان الفاظ میں نہ بھی آئیں تو دیگر الفاظ میں تو قرآن کی جو بنیاد ہے تعلیم کی وہ یعنی (**لا الـه الا الـله**) تو بہر حال ہم ہر سانس میں کہتے ہیں نا وہ یہی بات ہے الہ نہیں ہے کوئی بھی سوائے اللہ کے (**و لـلـه مـلک السمٰوٰت و الارض**) دونوں کے معنی ایک ہیں (**و یوم تقوم الساعة یومئذ یخسر المبطلون**) وہ ایک انقلاب کا انتظار کیسا کرنے کی بات ہے اس وقت پوچھا جائے گا کہ یہ جو کہا کرتے تھے اس مولوی صاحب کی طرح اس کو جرآت یہ ہوگئی تھی وہ کہنے کی کہ جھوٹ بولتے ہو بند کرو بکواس کیا ہم یہ سچ بولتے ہیں یہ بات جب کہتے ہیں کہ Soveriegnty belongs to Allah. (**لـلـه مـلک السمٰوٰت و الارض و یـوم تـقوم الساعة یومئذ یـخسـر المبطلون**) وہ ہے یوم ساعت وہ انقلاب کا زمانہ کہا آج تو یہ بہت اکڑے پھرتے ہیں بہت تکبر ہے اقتدار ہے حکومت ہے (**و تـرٰی کل امة جاثیة**) اس انقلاب کی گھڑی میں دیکھو کہ یہ بڑے

قوم انقلاب لاتی ہے ایک امت انقلاب لاتی ہے یہ ذمہ داری بھی قرآن نے امت کی کہی (**و کذلک جعلنکم امۃ وسطًا**) کہا ہر امت اس وقت تم دیکھو گے گھٹنوں پہ جھکی ہوئی وہ ایسے دھاندلی والی بات نہیں ہر امت اپنے اعمال نامے کی طرف بلائی جائے گی کٹّھا ایک ایک کا اعمالنامہ آئے گا فرد تو بعد کی بات ہے امت کا تم نے اس قسم کا نظام قائم کیا تھا (**الیوم تجزون ما کنتم تعملون**) جو کچھ تم کیا کرتے تھے آج اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آ رہے گا (**ھٰذا کتٰبنا ینطق علیکم بالحق**) یہ ہے وہ کتاب ہماری یہ ہے تمہارا اعمالنامہ یہ تمہارے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس کے اندر حق لکھا ہے صداقت لکھی ہے ایک لفظ جھوٹا نہیں ہے اس میں اور جو دوسری جگہ یہ کہا ہے کہ ہم کسی اور سے نہیں کہیں گے خود اس سے ہی کہیں گے انسان سے (**اقرا کتٰبک**) یہ اپنا اعمالنامہ آپ پڑھ اور اس کے بعد ہے کہ پھر خود اپنے متعلق فیصلہ کر کہ تمہیں کیا سزا دی جائے اس کا فیصلہ بھی خود ہی کر لے (**ھٰذا کتٰبنا ینطق علیکم بالحق انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون**) تم سمجھتے تھے کہ ہم نے کچھ کیا ہوا میں وہ اڑ گیا ایک ایک حرف لکھ لیا کرتے تھے ہم اور یہ لکھی ہوئی کتاب ہے وہ تمہارا اعمالنامہ جو تمہارے سامنے آ رہا ہے اس کو دیکھ لو اور پھر فیصلہ کرو کہ کہاں ٹھکانہ تمہارا ہوگا (**فاما الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت فیدخلھم ربھم فی رحمتہ**) اس کتاب کی رو سے اجتماعی اعمال جو اس قوم کے ہونگے یہاں آتا ہے وہ نظام جس کے تابع افراد زندگی بسر کرتے ہیں کہ وہ جو ان حقائق پر یقین رکھتے ہوئے ہمارے صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہوں کوئی قوم وہ تو اس کا ٹھکانہ اس کا مقام خدا کی رحمت میں ہوگا جہاں نشو ونما ملے گی ہر چیز (**ذٰلک ھو الفوز المبین**) یہ بہت بڑی achievement ہوگی میں پہلے بھی کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ قرآن میں اور مذاہب میں فرق یہ ہے مذہب کا منتہٰی نجات ہوتا ہے salvation ہوتی ہے نجات کے معنی ہوتا ہے پہلے کسی مصیبت میں کوئی گرفتار ہو اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے اسے نجات کہتے ہیں عذاب میں مبتلا ہو عذاب سے چھٹکارا مل جائے تو نجات ہے یعنی پہلے کسی مصیبت میں مبتلا ہے صبح کے وقت اٹھے اچھے بھلے تھے تندرست تھے ٹھیک تھا ٹمپریچر بھی درمیان میں بخار ہو گیا بیماری آ گئی اس بیماری کا کچھ علاج کیا شام کو ٹمپریچر نارمل ہو گیا تو ہوا کیا یہ سارے دن میں اتنی بڑی تگ ودو کے بعد شام کو آپ as you were ہو گئے جیسے صبح تھے کچھ حاصل نہیں ہوا انگریزی میں کہئے کہ achievement نہیں ہوئی کوئی. You have not achieved any thing. تمام مذاہب عالم جو ہیں یعنی مذہب کوئی بھی ہو ہم بھی مذہب پہ ہیں ہمارے ہاں بھی تو نجات ہی کہتے ہیں نا جی ہمارا تصور بھی نجات ہی کا ہے یعنی یہ سارا تگ و تاز جتنا بھی ہے یہ خدا کا انسانوں کو پیدا کرنا انبیاء کا بھیجنا سلسلہ رشد و ہدایت یہ تمام پروگرام

نہیں رکھتا، یہ تصور جو تھا یہ تو مذہب کا تصور تھا تھوڑے سے وقت میں میں عرض کردوں کیونکہ نجات کی بات آ گئی سب سے قدیم جو دعوٰی کرتے ہیں مذہب کا ہندومت جو ہے ان کے ہاں؟؟؟؟ ان کے ہاں تو یہ ہے کہ پچھلے جنم میں جو کچھ کیا تھا کسی نے کچھ غلط کام جو کرن اس کرن کا نتیجہ اس جون میں اس جنم میں بھگتتا ہے آدمی کی شکل میں ہو کتے کی شکل میں ہو وہ بندر کی شکل میں بن کے آ جائے کچھ وہ آ جائے وہ یہاں بھگتتا ہے یہاں پھر وہ کچھ کام کرتا ہے تو یہ اگلا جنم ہو جاتا ہے جون اس کو وہ کہتے ہیں Trans migration of sole جسے کہتے ہیں پھر وہ کچھ ایسا بن جاتا ہے اچھے کام کرتا ہے تو تیس بتیس کروڑ اس قسم کے چکر جو ہیں ان کے بعد وہ پھر ان بلاؤں سے نکلنے کے بعد ویسا ہو جاتا ہے جیسا پہلے دن آیا تھا دنیا میں، کام ہو گا نا یہ بتیس کروڑ گردشوں کے بعد کہ پھر ویسا ہو جاتا ہے، عیسائیت آئی انہوں نے کہا کہ خدا یہ جو ہر بچے کو پیدا کرتا ہے تو ہر بچہ اپنے اولیں ماں باپ کے گناہوں کا بوجھ لادھ کر اپنی پیٹھ پر تو دنیا میں آتا ہے پیدائشی گناہگار ہوتا ہے اور یہ گناہ کی آلائش جو ہے وہ کسی عمل سے دھل نہیں سکتی زندگی بھر وہ گناہگار موت کے بعد اس گناہ کا عذاب اس کو بھگتنا پڑے جہنم میں تو کیا کیا جائے پھر یعنی خود خدا پیدا کرتا ہے گناہگار بچے کو اور وہ گناہ دھلتا نہیں ہے پھر کیا کیا جائے بہر حال اس بات کو جانے دیجئے کس انداز میں وہ وعظ کرتے ہیں کہ خود خدا ہی ہم سے؟؟؟؟؟ بیٹھ گیا کیا ہو بھی گیا جتنے انسان پیدا کئے جا رہا ہوں وہ سارے گناہگار ہیں ان سب کو جہنم میں بھیجنا پڑے گا اعمال سے نجات ہو نہیں سکتی تو ان کے عقیدے کے مطابق بیٹے نے کہا کہ آپ افسوس نہ کیجئے میں اس کا حل بتاتا ہوں مجھے بھیج دیجئے دنیا میں اور وہ مجھے پھانسی دیدیں گے میرے خون کے کفارے کے بدلے میں ان گناہگاروں کو بخش دینا تو ان کی نجات ہو گئی ان گناہوں سے جو وہ لے کے ساتھ آئے تھے یہ ہو گیا salvation پتہ ہے یہ salvation army ہوتی ہے ان کی پادریوں کی salvation، یہودیوں نے تو پہلے ہی طے کیا تھا کہ وہ جنت تو ہماری چند دنوں کے لئے ہم نے یہاں کچھ گناہ کئے تھے اس کے لئے ہمیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا تو جب ہمارے بڑے بزرگ جو ہیں ان کو اطلاع ملے گی وہ آئیں گے آ کے بہر حال دو چار دن کی بات ہو گی اس جہنم سے ہم کو نکال کے نجات دلا دیں گے اس عذاب سے جس میں ہم مبتلا ہونگے، نجات پھر ویسے کا ویسا کوئی achievement نہیں، قرآنِ کریم نے یہ تصور ہی بدل دیا کہتا ہے انسان نہ کوئی گناہوں کا بوجھ اپنی پشت پہ لے کے آتا ہے نہ کسی عذاب میں مبتلا ہوتا ہے نہ مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے یہ آتا ہے اس کو کچھ صلاحیتیں دی ہوئی ہوتی ہیں تو صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے اور اس نشوونما کے بعد اتنا کچھ حاصل کر لیتا ہے کہ وہ اس زندگی سے بہتر اور اعلیٰ زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور آگے چلا جاتا ہے، یہ جو

تصور ہی یہ ہے کہ جیسا پہلے تھا انسان ویسا ہی ہوگیا یہ سارا پروگرام خدا کا اس لئے ہوگیا کہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہوگیا پھر یہ تو ویسا ہی اگر اس نے ہونا تھا رہنے دینا تھا تو اس کو یہ بھیجا ہی کیوں ہے بنایا ہی کیوں ہے یہ اتنا لمبا چوڑا پروگرام کا ہے کے لئے کیا جو ویسا ہی رکھنا تھا تو، کوئی نہیں سوچتا، قرآن نہیں یہ تصور یہ دیتا قرآن نجات کی بجائے فوز کا تصور دیتا ہے جس کے معنی achievement کے ہیں انسان حاصل کرتا ہے کچھ بنتا ہے کچھ as you were نہیں ہوتا پہلے سے کہیں آگے ہوتا ہے ہر قدم اس کا جو اس پروگرام کے مطابق اٹھتا ہے اس کے اندر نئی صلاحیتیں برومند ہو جاتی ہیں قدم آگے بڑھتا ہے یہ کچھ حاصل کرتا ہے achievement ہوتی ہے جب اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہے تو جیسے آیا تھا اس کے مقابلے میں کتنا کچھ متاعِ گراں اپنے ساتھ لے کے آگے جاتا ہے کسی عذاب سے چھٹکارا حاصل نہیں اس کا ہوتا ، بہت کمائی کی ہوئی ہوتی ہے جس کو ساتھ لے کے جاتا ہے یہ سلسلہ ارتقاء ہے یہ evolution ہے evolution کی اگلی منزل میں پہنچتا ہے اس لئے اس کے لئے قرآن فوز کا لفظ استعمال کرتا ہے (**ذٰلک ھو الفوز المبین**) achievement اور ایسی achievement جو نظر آ جائے کیا بات ہے صاحب کیا تھا اور کیا بن کے آ گیا دنیا میں آیا تھا تو وہ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ کمہار کی وہ مٹی کا تھوبا جسے ہم کہتے تھے تو داوہ تھا جب اس کے بعد آخر میں یہ آیا ہے تو کہیں بلوری آبخورہ بنا ہوا ہے کہیں طباق بنا ہوا ہے کہیں صراحی بنا ہوا ہے کچھ بنا ہوا ہے نا یہ، انسان یہاں سے کچھ بن کے آگے جاتا ہے achieve کرتا ہے(**ذٰلک ھو الفوز المبین و اما الذین کفروا**) اور جنہوں نے اس پروگرام کی صداقت سے انکار کیا تھا یا؟؟؟؟؟ جو تھے وہ تو ان سے بھی بدتر ہیں ان سے پوچھا جائے گا کہ (**افلم تکن ایٰتی تتلی علیکم**) کیا تمہارے سامنے یہ ہمارے قوانین ہماری آیات یہ پیش نہیں کی جاتی تھیں، قرآنِ کریم نے ہر مقام پہ یہ کہا ہے کہ ہم ویسے ہی کسی قوم کو تباہ نہیں کر دیتے پہلے اس قوم تک صحیح پیغام پہنچاتے ہیں ignorance of law والی بات وہاں نہیں ہے ان کے علم میں لایا جاتا ہے کہ یہ صحیح راستہ ہے یہ غلط راستہ ہے انہیں پہلے بتایا جاتا ہے اور اگلی بات یہ ہے کہ وہ قوم انسانیت کی اس سطح کے اوپر ہونی چاہئے کہ وہ سمجھ بھی سکے کہ ہم اسے کیا کہہ رہے ہیں جب ایسی قوم ہو کہ وہ سمجھنے کی صلاحیت ہو اس کے اندر سمجھنے کی صلاحیت ہو اور قرآن کا پیغام پہنچ چکا ہو اور اس کے بعد پھر وہ دیدہ دانستہ اس سے سرکشی برتے یہ ہے جرم اس کا نتیجہ ہوتا ہے تباہی کہا کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہارے سامنے ہمارے یہ قوانین آئے تھے یا نہیں آئے تھے، آئے تھے (**فاستکبرتم**) تم نے سرکشی برتی (**و کنتم قومًا مجرمین**) اس طرح سے تم جرائم پیشہ قوم ہوگئی تم نے جرائم کا ارتکاب کیا قانون تمہارے سامنے آ چکے

ہوگی، سوچئے کہ کس کیٹگریز میں ہم آتے ہیں **(و اذا قیل ان وعد اللہ حق و الساعۃ لاریب فیھا قلتم ما ندری ما الساعۃ ان نظن الا ظنًا وما نحن بمستیقنین)** کیا بات ہے کہا صورت یہ تھی آپ کو یاد ہے میں بار بار یہ کہتا ہوں کہ جس قدر بھی یہ جرائم ہوتے ہیں جس قدر بھی غلط راستے اختیار کئے جاتے ہیں انسان سمجھتا یہ ہے کہ زندگی اسی دنیا کی زندگی ہے میں کسی طرح کاریگری سے اس زندگی کو اچھی طرح گذارلوں کامیاب گذارلوں مرنے کے بعد پھر آگے کوئی سلسلہ نہیں بس اس لئے ہر وہ شخص جو یہاں انتظام کرسکتا ہے کہ میں قانون شکنی بھی کروں اور گرفت میں نہ آؤں یا آؤں تو کسی طرح سے دے دلا کے چھوٹ جاؤں یا چھوٹی موٹی سزا بھی مل جائے تو بھگت جاؤں اور وہ مفاد اپنے اکٹھا کرتا جائے جائز ناجائز غصب سلب نہب سے اور اس کے بعد یہ ہو کہ یہ سلسلہ بس یہیں تک ہی ہے مرنے کے بعد معاملہ ختم ہے کوئی صورت ہی نہیں کہ آپ جرائم کو روک سکیں یا انسداد جرائم کرسکیں، جیسا میں کہا کرتا ہوں یہ چکر پہ سے left کی طرف آپ جاتے ہی اس لئے ہیں کہ آپ کے ذہن میں ہوتا ہے کہ کوئی سپاہی کھڑا دیکھ لے گا تو چالان ہو جائے گا اور اگر یہ یقین ہو کہ سپاہی وپاہی والی بات کچھ نہیں ہے کچھ نہیں یہاں تو پرواہ ہی نہیں پھر کرے، مواخذے کا جو احساس ہے اس سے جرائم کا انسداد ہوتا ہے اور اگر بات یہ ہے کہ یہ زندگی اسی زندگی کی ہے تو پھر یہاں تو مواخذہ تو نظر آتا ہے خدا کی طرف سے وہ تو ہاتھ پکڑتا نہیں اور یہاں اگر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور اگر ہے تو ہم اس سے چھوٹ جاتے ہیں تو پھر آپ جرائم کا انسداد کسی صورت میں نہیں کرسکتے یہ صرف یہ آخرت کی زندگی کے مواخذے پر احساس ہی نہیں یقین ہے کہ جو انسان کو جرائم سے باز رکھ سکتا ہے، جرائم کے ارتکاب سے ہی نہیں قرآن کہتا ہے دل میں بھی پھر وہ خیال نہیں گذرنے دیتا مؤمن اس کا بھی اثر ہوتا ہے اس کی زندگی پر؟؟؟؟؟؟؟؟ دل کی گہرائیوں میں وہ بات گذرے یا ظاہر ہو جائے مواخذہ اس کا ہوگا یہ یقین اگر ہو جائے پھر انسان باز رہتا ہے کہا کہ تم سے کہا جاتا تھا کہ یہ زندگی ہے یہ مواخذہ ہوگا تو پہلے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے میاں یہ کیا تم کہہ رہے ہو یہ کہاں کی قیامت کہاں کا مواخذہ، اور اگر کبھی یہ بات تھی بھی اور جرآت ہم نہیں کرسکتے تھے اس سے انکار کرنے سے تو مسلمانوں کے معاشرے میں رہنا زبانی انکار کردینے سے تو بہرحال فتوٰی لگ جائے گا بہرحال دوسری دنیا دوسرے معاشرے والے بھی یہ کہیں گے کہ تم کس قسم کے مسلمان ہو تم تو مسلمان ہی نہیں رہے تو کہا کہ اس قسم کا کچھ خیال کبھی آتا بھی تھا تو لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ ہم یقین نہیں کرتے تھے اس بات پر، عزیزانِ من سوچئے اپنے اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے کیا ہمیں یقین ہے اس بات کا کہ ہمارے دل میں گذرنے والے خیالات کا بھی مواخذہ ہوگا یقین یہ جو ہے کہ ہاں ہم بھی مانتے ہیں ٹھیک

ہمارے ہاں یہ یقین جو ہے مواخذے کا اپنے ہر عمل اور خیال کے مواخذے کا یقین نہیں ہے زبان سے زیادہ سے زیادہ الفاظ دہرائے جاتے ہیں خیال والی بات جو ہے قرآن نے کہا یقین نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے تو ٹھیک ہے تمہیں یقین ہو یا نہ ہو یہ تو واقع ہے ہو کے رہا (**و بدالھم سیاٰت ما عملوا و حاق بھم ما کانوا به یستھزء ون**) کیا لفظ ہیں قرآن کے صاحب (**بدالھم**) جسے آپ اعمال کی سزا کہتے ہیں وہ کہتا ہے وہ کوئی الگ عمل اور الگ اس کی سزا نہیں ہوتی وہ تو سزا اس عمل کے اندر ہوتی ہے ہلاکت سنکھیے کے اندر موجود ہوتی ہے آپ سنکھیا پھانک لیتے ہیں تو کوئی تارا مسیح آپ کو پھانسی پہ چڑھا نہیں دیتا وہ ہے خارج سے سزا ملی ہوئی یہ تو اس کے اندر پھانسی موجود تھی جو آپ نے پھانک لی، ہوا کیا جب پھانک رہے تھے تو تمہیں وہ پھانسی نظر نہیں آ رہی تھی کوئی آدھے گھنٹے کے بعد ابھر کے آ گئی تمہارے گلے میں وہ، نمایاں ہوگئی کیا بات ہے قرآن کی (**بدالھم سیاٰت ما عملوا**) تمہارے کاموں کے اندر جو تمہاری تباہیاں چھپی ہوئی تھیں نا وہ نمودار ہوگئیں نمایاں ہوگئیں بس یہ ہے جسے کہتے ہیں مواخذہ آخرت کا یہاں وہ نمایاں نہیں ہوتیں وہ وہاں جا کے نمایاں ہوگئیں (**و حاق بھم ما کانوا به یستھزء ون**) اور وہ جو تم مذاق اڑایا کرتے تھے نا اس تباہی نے گھیر لیا تمہیں (**و قیل الیوم ننسٰکم کما نسیتم لقآء یومکم ھٰذا**) اور پھر اس وقت تم سے یہ بات کہی جائے گی کہ جس طرح تم نے اس مواخذے کو اس اعمال کی اس جزا کو اس بدلے کو اس صلے کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اس خیال کو کہتے تھے ہمیں یقین نہیں ہے آج تمہیں بھی اسی طرح سے پسِ پشت ڈال دیا جائے گا خدا کے بندوں میں تم آگے نہیں بڑھ سکتے (**و ماوٰکم النار وما لکم من نٰصرین**) آج کوئی تمہارا حامی و ناصر نہیں ہے آج تمہارے پچھلے عمل کی ساری کھیتیاں جھلس کر راکھ کا ڈھیر ہو جائیں گی (**ذٰلکم بانکم اتخذتم اٰیٰت اللہ ھزوًا و غرتکم الحیٰوۃ الدنیا**) اس لئے کہ دنیاوی زندگی کی مفاد پرستیوں نے تمہیں دھوکے میں رکھا ہوا ہے تمہیں فریب دیا ہوا ہے دھوکے میں رکھا ہوا ہے، یہ وجہ تھی کہ تم اتنی بری صداقتوں کو کہ ایسا ہو کے رہے گا seriously نہیں لیا کرتے تھے lightly لیا کرتے تھے سنا کرتے تھے زبان سے کہا بھی کرتے تھے کہ ہمارا ایمان ہے آخرت پر، دل میں تمہارے اس کا یقین نہیں ہوتا تھا (**فالیوم لا یخرجون منھا ولا ھم یستعتبون**) اب نہ تو یہاں کسی طرح سے بھی ناک رگڑنے سے کچھ فائدہ ہوگا قرآن نے کہا ہے کہ جسے توبہ کہا کرتے ہیں کہا جاتا ہے اس کے معنی ہوتا ہے ایسے وقت میں اعتراف کرنا اپنی غلطی کا کہ جس کے ازالے کے لئے تمہیں اس کے بعد وقت اور مہلت اور کوشش میسر ہو اس کا ازالہ کر سکو تم اسے توبہ کہتے ہیں یا اللہ میری توبہ سے سے توبہ نہیں مراد ہوتی نہ ہی وہ غلطی معاف ہوتی ہے وہ

راستے پہ جا ہی نہیں سکیں گے اور وہاں اگر آپ آ بھی گئے تو پھر وہاں آ کر کھڑے رہنے سے تو آپ منزل پہ نہیں پہنچ جائیں گے پھر سیدھے راستے پہ چلنا بھتیو ہوگا(من تابه و اصلح) وہاں سے واپس لوٹا اور صحیح راستے پر چلا یہ معنی ہوئے اس کے، تو گویا یہ تو اس وقت کی بات ہے نا احساس اپنے جرم کا اپنی غلطی کا جب ابھی مہلت ہو اس بات کی کہ اس کا ازالہ کر لیا جائے اس کے نقصان کا اور اگر وقت وہ آ گیا ہے کہ جس میں ازالہ کرنے کے لئے اب وقت اور فرصت ہی نہیں ہے جو قرآن کہتا ہے کہ موت سامنے آ کے کھڑی ہو اور اس وقت پھر کہو کہ یا اللہ میری توبہ تو فائدہ کیا ہے اس کا تم تو اس کمی کو پورا نہیں کر سکو گے تو کہا کہ یہ وہ وقت ہو جاتا ہے پھر کہ وہاں جسے کہتے ہیں نا عام طور پہ ناک رگڑنا ایڑیاں وہ کچھ فائدہ نہیں دے سکیں گے یہاں سوال اس کا نہیں ہے کہ یونہی یا اللہ بخش دے اور یا میرے مالک یا پیچھے بیٹھے ہوئے جو ہیں وہ قلوں پہ دیگ پکا دیں اور چالیسویں کے اوپر کچھ کر دیں اور اس کے بعد وہ وہاں بخشا چلا جائے کہا یہ سوال ہی نہیں ہے کوئی کسی دوسرے کو بخشوا نہیں سکتا کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا اور جو اس کے ازالے کا وقت باقی نہ رہے تو اس کے توبہ اور اس کے معنی نہیں ہوتے وہ تو اسی زندگی میں جب ابھی وقت ہے اپنی اس سہو کا غلطی کا احساس کرے اس جرم کا پھر اس کا ازالہ کرے اس کے بعد پھر قدم ایسا اٹھائے کہ اور زیادہ بہتری کی چیزیں کمائے یہ ہے پروگرام جو قرآن کا ہے(ولا هم يستعتبون) اور وہاں پھر اس کا بھی وقت نہیں رہے گا کہ یہ گڑگڑانا کسی کام آ جائے، وہ جب ظہورِ نتائج جسے قرآن کہتا ہے جب اس غلط قدم اٹھانے کا نتیجہ برآمد ہو جائے سامنے آ جائے تو یہ ہے وہ وقت جس کو وہ کہتا ہے کہ اب گرفت ہو گئی مواخذہ ہوا اس غلط کام کا صلہ یا جزا یا سزا جو کچھ بھی ہے وہ آ گئی سامنے، یہ ہے وہ چیز جسے آپ آخرت کا عذاب کہتے ہیں وہاں اس کا موقع نہیں ہے یہ تصور نہیں ہے کہ وہاں جانے کے بعد کچھ عرصہ جہنم میں رکھا جائے گا اسے چھ مہینے کی قید ہے اسے سال بھر کی قید ہے اور اس کے بعد پھر وہ قید سے چھٹ کے واپس آ جاتا ہے یہ سوال ہی نہیں ہے یہ کچھ وقت کی بات نہیں ہے یہ تو ارتقاء کا سلسلہ ہے جس میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہو گی کہ وہ زندگی کی اگلی منزل میں جانے کے قابل ہو وہ زندگی بسر کرنے کا اہل ہو اتنی صلاحیت achieve کر لی ہو اس نے وہ اس منزل میں چلا جائے گا اور جس میں یہ چیز نہیں ہو گی وہ روک دیا جائے گا رکنے کے بعد وہاں عمل کی گنجائش نہیں ہو گی کہ وہاں پھر کچھ کام کر لئے ایسے اچھے اور پھر چلے گئے یہ بالکل تصور باطل ہے کہ جہنم میں کچھ عرصہ گذرنے کے بعد پھر انسان نکال نکال کے جنت کی طرف بھیجے جائیں گے(وماهم بخٰرجين من النار) جنت وہ مقام ہے کہ جس میں مزید کام کرنے کے مواقع اور گنجائش ہو گی وہاں سے آگے تو بڑھ سکے گا لیکن جس نے اس میں زندگی بسر کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں

سمجھو یہ وقت جب تمہیں اس کا احساس ہو جائے کہ ہم غلط راستے پہ تھے تو بدلو اپنے راستے کو صحیح راستے کے اوپر قدم اٹھاؤ تو منزل کیطرف پہنچ جاؤ گے اور موت کا تو پتہ ہی نہیں ہوتا انسان کے کہ کس وقت آ جاتی ہے اس لئے اگر یہ آدمی اس کو postpone کرتا چلا جائے کہ اچھا کوئی بات نہیں ابھی نہیں کچھ پھر اگلی دفعہ سہی اگلے مہینے یہ کر لیں گے اگلی دفعہ یہ کچھ کر لیں گے کیا پتہ ہے انسان کی موت کا، اس لئے یہ سوال ہی نہیں جب بھی احساس ہو انسان کو اپنے جرم کا اس کی اصلاح اسی وقت کر لینی چاہئے، اور آخری آیت آ گئی میں نے کہا ہے نا کہ قرآنِ کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ سورۃ کی آخری آیت میں؟؟؟ کر دیتا ہے نچوڑ کے وہ اپنا لے آتا ہے ساری تعلیم کا ماخذ کہا تھا اللہ ملک السمٰوٰت والارض ارض وسماوات میں حکمرانی جو ہے وہ خدا ہی کی حکمرانی ہے تم باطل کے دعوے کرتے ہو حکمرانیاں انسانوں کی ہوتی ہیں اور آیتیں خدا کی قرآن کی آیتیں پڑھتے ہو کہ (**لله ملک السمٰوٰت و الارض**) اس نے کہا یہ بات نہیں ہے یہ سارا پراسیس یہ سارا procedure جو ہو رہا ہے یہاں پروگرام جتنا ہو رہا وہ اس لئے ہے قرآن سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آہستہ آہستہ آخرالامر یہاں یہاں کی انسانیت یا کوئی ایک قوم تو نہیں بلکہ وہ تو قرآن انسانیت کو کہتا ہے کہ آہستہ آہستہ ان؟؟؟؟ کے بعد انسانیت خود اس قابل ہو جائے گی کہ وہ یہاں خدا کی حکومت کو قائم کریں اور اس حکومت کے معنی کیا ہونگے ہر فرد کی پرورش کا سامان مہیا کرنا، وہ حکومت حاکم کے احکام ماننے کی بات نہیں ہوگی اس کا جذبہ حکمرانی جو ہے اس کی تسکین سے مراد نہیں ہے خدا کو تو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے حکومت کے معنی ہونگے خدا کے اقتدارِ اعلیٰ کے معنی ہونگے کہ یہ جتنے ذرائع پیداوار ہیں اس کے اوپر اس کا کنٹرول ہو یعنی اس نظام کا کنٹرول ہو جو خدا کے نام پہ قائم کیا جائے اور کنٹرول اس لئے ہو کہ وہ ربوبیت کا سامان بہم پہنچائے تمام نوعِ انسانی کو ہر فرد کو یہ ہے جی ملخص قرآن کی تعلیم کا اور آخری آیت میں ہم اسی کے اوپر آ گئے (**فلله الحمد رب السمٰوٰت و رب الارض رب العٰلمين**) یہاں ایک اور لفظ بھی بڑھا دیا ورنہ رب السمٰوٰت اور رب الارض وہ یہی کافی تھا کہ اس وقت بے ساختہ زبانوں سے یہ بات نکل آئے گی کہ (**وله الكبرياء في السمٰوٰت و الارض**) خدا کی حکمرانی کبریائی وہ اقتدارِ اعلیٰ اس وقت اقتدارِ اعلیٰ آسمانوں میں تو آج بھی ہے ارض کے اوپر خدا کی کبریائی کا وہ دور آئیگا وہ دور ہوگا (**و هو العزيز الحكيم**) قوت بھی اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ دھاندلی کی اور استبداد کی ڈکٹیٹرشپ کی قوت نہیں ہے بڑی حکمت کی قوت ہے کاہے کے لئے ہے (**رب السمٰوٰت و رب الارض و رب العلمين**) آسمانوں میں بھی اس کی ربوبیت زمین پہ بھی اس کی ربوبیت اقوام عالم میں اس کی ربوبیت یہ دور کب آئے گا قرآن میں اس کی indications ہیں اس

ربوبیتِ عالمینی کو عملاً نافذ کرنے کے لئے پوری انسانیت اٹھ کے کھڑی ہو جائے گی یہ وہ دور ہوگا کہ جس میں کبریائی سماوات وارض میں خدا کی ہوگی یہ وہ دور ہوگا جہاں سماوات اورارض اور عالمین میں ربوبیت کبرٰی جو ہے خدا کی محسوس شکل میں دنیا کے سامنے آئے گی اور ہر ایک کی زبان پہ ہوگا کہ **(الحمدلله)** یہ ہے وہ یوم الدین جسے قرآن نے کہا ہے نا **(مٰلک یوم الدین)** یہ ہے خدا کی کبریائی یوم الدین کے متعلق بھی اسی سے پہلے میرا خیال ہے 82 میں ہے ہم روز نماز میں یہ سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں ویسے بھی پڑھتے ہیں مٰلک یوم الدین مٰلک یوم الدین وہ کہتا ہے **(وما ادرٰک ما یوم الدین)** خود قرآن کہتا ہے کہتے تو رہتے ہو روز کبھی کھڑے ہو کے تم نے سوچا بھی ہے کہ یہ یوم الدین جسے تم کہتے ہو کیا ہے، وہ دور جس میں دینِ خداوندی عملاً نافذ ہوگا کبھی سوچا ہے وہ کیا ہے کیا ہوگا اس میں **(ثم ما ادرٰک ما یوم الدین)** اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ پھر دوبارہ کہا اوٹھہرو کھڑے ہو جاؤ سوچو تو سہی کیا ہے اور تمہیں کون بتائے گا تمہیں صرف خدا بتائے گا آؤ ہم بتاتے ہیں جس کی دعائیں تم مانگا کرتے ہو یوم الدین کی وہ دور جس میں الدین کا نظام نافذ ہوگا عزیزانِ من سنئے کہ وہ دور اس کی خصوصیتِ کبرٰی **(یوم لا تملک النفس لنفسٍ شیئًا و الامر یومئذ لله)** اس دور میں کسی انسان کا کسی دوسرے انسان پہ کوئی دباؤ نہیں ہوگا حکم صرف خدا کا ہوگا اور یہ ہے جو **(فلله الحمد رب السمٰوٰت و رب الارض رب العٰلمین و له الکبریآء فی السمٰوٰت و الارض و هو العزیز الحکیم)** سورۃ الجاثیہ عزیزانِ من اس آیت پہ ختم ہو جاتی ہے آئندہ درس میں ہم سورۃ الاحقاف 46ویں سورۃ سے شروع کریں گے۔

(ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم)

پہلا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 1 تا 9)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الاحقاف سے ہو رہا ہے 46 ویں سورۃ اور پہلی آیت اس کی ہے۔

سورۃ کا آغاز ہوتا ہے ۔ حٰم تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم ۔ یہ وہی الفاظ ہیں جو سابقہ سورۃ کی پہلی آیت میں آئے تھے' وہاں تفصیلاً میں نے ان کے متعلق خاص طور پہ تنزیل کے متعلق عرض کیا تھا کہ یہ وحی کیلئے قرآنِ کریم نے یہ لفظ خاص طور پر استعمال کیا ہے اور یہ وحی کی خصوصیت کو نمایاں طور پر بیان کر دیتا ہے میں نے عرض کیا تھا کہ انسانی علم اس کی فکر کی تخلیق ہوتا ہے تو وہ subjective ہوتا ہے اس کے اندر سے باہر آتا ہے' انسان سوچتا ہے غور کرتا ہے پھر اسکے لئے الفاظ چنتا ہے پھر وہ بیان کرتا ہے تو یہ اندر سے باہر آتا ہے یہ انسانی علم ہوتا ہے اور ایک علم ہے خصوصیت سے کہ جو انسان کیلئے خارج سے انسان کو ملتا ہے یہ ہے جسے وحی کہا جاتا تھا اور یہ مخصوص تھا انبیائے کرامؑ کے ساتھ' غیر از نبی کو یہ علم نہیں مل سکتا کیونکہ نبوت ختم ہوگئی ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر' کوئی اگر اب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اسے خدا کی طرف سے براہِ راست کچھ علم ملتا ہے تو وہ الفاظ کا فرق ہی سمجھ لیجئے وہ وحی کا دعویٰ کرتا ہے وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور ختمِ نبوت کے بعد اس کا امکان ہی نہیں ہے یہ سلسلہ وحی کا بند ہو گیا ہے' اب دو ہی علم کے سرچشمے ہیں ایک تو خدا کی طرف سے دیا ہوا علم جو قرآنِ کریم کی دفتین میں محفوظ ہے یہ ہے جو خارج سے علم ملا اور اس کتاب کے اندر محفوظ ہے اس کے بعد اور علم کسی کو خارج سے خدا کی طرف سے مل نہیں سکتا' یہ علم اور دوسرا فکرِ انسانی کیونکہ قرآنِ کریم نے خود بار بار کہا ہے کہ اس میں غور کرو فکر کرو تدبر کرو شعور سے عقل سے بصیرت سے کام لو' تو وحی کا علم قرآنِ کریم کے اندر اور انسانی عقل و بصیرت کی رو سے اس کو سمجھنا اور سمجھانا یہ ہے اب علم ہمارے لئے' تو تنزیل میں یہ بات آتی تھی ۔ من اللہ العزیز الحکیم ۔ یہ وحی ملی تھی نبی اکرم کو اور آج قرآن میں ہے اور یہ ملی تھی وحی اللہ کی طرف سے جو عزیز اور حکیم ہے' پہلے بھی کئی بار یہ چیز آچکی ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان ہوئی ہیں یاد رکھئے ہم ذاتِ باری تعالیٰ کے متعلق تو کچھ تصور میں بھی نہیں لا سکتے کہ وہ کیا ہے کیسی ہے اس کی کنہ اور حقیقت کیا ہے ماہیت کیا ہے تصور میں بھی نہیں لا سکتے وہ انسانی فکر سے ماوراء ہے' انسانی فکر محدود ہے اور وہ لامحدود ہے' اور کوئی لا محدود شے محدود کے دائرے کے اندر آ ہی نہیں سکتی' وہ تو ذاتِ خداوندی ہے ہم تو اسکی یہ صفت کہ وہ ازلی ہے اس کو بھی ذہن میں نہیں لا سکتے' ذہنِ انسانی تو کسی وقت سے شروع ہوتا ہے اور ازل کے معنی یا ابد کے معنی تو ہوتا ہے جس میں وقت ہوتا ہی نہیں ہے ہم تصور ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کب سے خدا ہے تو ذاتِ خداوندی کے متعلق تو ہم کچھ تصور ہی نہیں کر سکتے اسی لئے اس نے اپنی صفات سے اپنا تعارف کرایا ہے یہ صفاتِ خداوندی ہیں اور وہ ال کے ساتھ ہیں جس کے معنی ہیں کہ یہ مخصوص ہیں خدا کیلئے لیکن ان کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہی نہیں کہ خدا کی ایسی صفات ہیں بلکہ یہ کہ وہ بندہ مولا صفات جس کو کہا اقبالؒ نے یہ اسلئے دی گئی ہیں کہ انسان علیٰ حدِ

بشریت جتنا بشریت کی حد کے اندر ممکن ہے اپنے اندر یہ صفات پیدا کرے تو گویا یہ بشریت کی حد کے اندر مؤمن کی صفات ہیں اور انفرادی حیثیت سے آگے بڑھئے تو یہ امتِ مسلمہ کی صفات ہیں کہ ایک مؤمن کو ایسا ہونا چاہئے اور انہی مؤمنین پر مشتمل جو امت متشکل ہوتی ہے اس امت کو ایسا ہونا چاہئے' تو قرآنِ کریم کے اندر صفات تو بہت سی ہیں تو اب ذہن میں رکھئے کہ یہ امتِ مسلمہ جو ہے اسے جتنا بشریت کی حد کے اندر ممکن ہے ان صفات کا حامل ہونا چاہئے' خدا کی یہ صفتیں لامنتہیٰ انسانوں کے اندر آ کر یہ محدود لیکن مؤمن یا امتِ مسلمہ وہ ہے جن کے اندر خدا کی یہ صفات منعکس ہوتی تھیں' قرآنِ کریم نے عزیز اور حکیم کو اکٹھا بیان کیا ہے بڑی اہم صفات ہیں عزیز کے معنی ہیں صاحبِ قوت غلبے کا مالک' تو قوت تو استبداد سے بھی ملتی ہے جبر سے ملتی ہے ظلم سے مل جاتی ہے قوت تو چنگیز اور ہلاکو کے پاس بھی تھی تو اگر صرف صاحبِ قوت ہی کہا جائے اس میں کوئی امتیازی بات نہیں آتی اس میں تو چنگیز اور ہلاکو اور ہٹلر وہ روما کے؟؟ آج کے دور کے بڑے بڑے مستبد جابر حکمران وہ سب آ جاتے ہیں لیکن اس نے العزیز کے ساتھ الحکیم بھی کہا ہے قوت اور قوت کے ساتھ عقل و بصیرت' قوت کا استعمال عقل و بصیرت کی رو سے حکم کی رو سے rationaly 'تو قوت اور عقل و فکر یہ دو چیزیں اکٹھی ہوں تو پھر یہ صفاتِ خداوندی جس قوم کے اندر جھلکتی ہوں اس قوم کو کہا جائے گا کہ یہ خدا کی صفات کو لئے ہوئے دنیا کے اندر ایک مملکت ایک نظام قائم کرتی ہے' قوت تو نظام قائم کرنے کا نام ہے تو نظام جو ہے وہ استبداد کا ڈکٹیٹر شپ کا نظام نہیں ہے قوت کے زور پہ نظام نہیں ہے شمشیر اور بندوق کا نظام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ الحکیم ہونا بھی بڑا ضروری ہے اس نظام کیلئے' عقل و بصیرت دلائل ان پر مبنی نظام' یہ اگر الگ الگ چیزیں رہیں تو نہ صرف یہ کہ یہ نظامِ خداوندی نہیں بن سکتا بلکہ وہ الگ دو چیزیں تو انسان کو انسان بھی نہیں بناتیں' اقبالؒ نے بڑی عمدگی سے یہ بات کہی ہے کہ

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں
قوتِ بے رائے جہل است و جنوں

محض عقل و فکر دانش اور قوت اس کے ساتھ نہیں تو وہ تو وعظ بن کے رہ جاتی ہے بلکہ اس سے بھی آگے وہ مکر و فسوں کہتا ہے عقلِ حیلہ کار اگر تنہا ہے اور اسکے ساتھ قوت نہیں ہے تو

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

تنہا عقل بغیر قوت کے دنیا میں کچھ نہیں کر سکتی' تاریخ میں ہمیں نظر آتا ہے حکمت یا فلسفہ جسے کہتے ہیں اس کا آغاز اس کے ابوالآباء جنہیں کہئے یونان کی سرزمین ہے آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے سقراط اور پلیٹو وغیرہ وہ اسی دور میں یونان میں ہوئے اور وہی ہیں حکمت یا فلسفہ کے آج تک ابتدائی بانی اسی لئے ابوالآباء کہا جاتا ہے سقراط کو' تو عقل و فکر و دانش اور فلسفہ کے اعتبار سے وہ اتنی بلندیوں پہ تھے لیکن یونان کبھی بڑی سلطنت نہیں بن سکی وہ اس دور میں بھی جب وہاں سقراط افلاطون موجود تھے سو یاں تک بھی وہ

ساتھ کی سلطنت سے مانگ کے لیا کرتے تھے' نہیں چل سکی' دوسری قومیں انہوں نے وہاں سے دانش اور فلسفہ تو لیا قوت اپنے ہاں سے لی تو یوں دو چیزیں جمع ہوئیں تو وہ زندہ قومیں بنیں ورنہ یونان زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا کے اندر متعارف نہیں ہوئی کیونکہ رائے تو تھی قوت نہیں تھی' اور قوتِ بے رائے جو ہے وہ تو ہلاکو اور چنگیز اور ہٹلر ٹھیک ہے تاریخ کے اندر وحشت اور بربریت کا ایک نقشہ سامنے آپ کے آتا ہے انسانیت ساز نظام قائم کرنے کا کوئی نقشہ وہاں نہیں ملتا وہ تو قوت اور رائے دونوں جمع ہونگی دونوں اکٹھے ہو کے جب نظام بنے گا تو اس کا نتیجہ انسانیت کی منفعت انسانیت سازی ہوگا' اب آپ غور کیجئے کہ قرآن نے دو صفتیں صرف بیان کی ہیں یوں تو ہم یوں پڑھتے ہوئے ۔ من اللہ العزیز الحکیم ۔ اللہ جو عزیز و حکیم ہے یہ کہہ کے آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن آپ نے غور کیا کہ یہ دو صفتوں کو اکٹھا لانے سے قرآن کتنی عظیم حقیقت بیان کر گیا وہ سارا فلسفہ آپ کے ہاں سلطنت کا سیاست کا پورا فلسفہ یہاں دے گیا ہے کہ حکمت اور اسکے ساتھ قوت' قوت اور اس کے ساتھ حکمت یہ دونوں اکٹھی ہونگی تو پھر یہ صفتِ خداوندی ہوگی' ہمارے ہاں بھی فلاسفر ہوئے ہمارے ہاں بھی یہ بادشاہتیں ہوئیں لیکن وہ دونوں الگ الگ رہی تھیں ملوکیت جو تھی وہ الگ تھی استعمال تو وہ کرتی تھی ان فلاسفروں کی دانش کو لیکن یہ دو چیزیں اکٹھی نہیں رہی تھیں یہ تو پھر بھی دانشور تھے فلاسفر تھے عقل و فکر تو تھی ملوکیت تھی تو بہر حال ان کے پاس قوت و شمشیر تو تھی طبعی سطح کے اوپر ہی سہی اپنی سلطنتوں کی حفاظت تو کر سکتے تھے یہ دانشور تھے عقل و فکر کی باتیں تو کہہ لیتے تھے ہمارے ساتھ سازش ہوئی آگے ہم بڑھے ہیں ایک چیز ایسی آئی کہ جس میں عقل کے پیچھے بھی ڈنڈے لے کے وہ پڑ گئے اور قوت کو تو انہوں نے بالکل حرام ہی قرار دیدیا اس کا نام تھا تصوف' دونوں ہی چیزیں اس میں ناجائز' عقل و فکر کے پیچھے پڑے ہوئے کہ ساری تباہیوں کا موجب دنیا کے اندر عقل و فکر ہے اور قوت تو وہ کہتے ہی ہیں فرعون کی ہوتی ہے' وہ ایک مشہور ہے وہ پٹھان تھے جو مرید ہوئے کسی کے

تھے ہم پور پٹھان کے دَل کے دیں موڑ
شرن لگے رگھو ناتھ کے جائے نہ تنکا توڑ

ہم تو پٹھان کے بیٹے تھے فوجوں کی فوجوں کا منہ موڑ دیتے تھے اور پیر کے پاؤں میں چرن میں لگ گئے اب تنکا بھی نہیں توڑ سکتے' ہمارے ہاں بھی انتہائی جو صفت بتائی جاتی ہے وہ یہ کہ ہوجا ککھ مسیت دا ۔ پہلاں دے ککھ ہوجا اووی مسیت دا ککھ ہوجا ۔ بڑی صفت ہے یہ صاحب اس نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے آپ کو' جتنے بڑے بڑے آپ کے ہاں یہ مقربین نظر آتے ہیں اور ان کے بیانات نظر آتے ہیں؟؟ ان کے ہاں تصوف کا بیان کیا جاتا ہے اس میں دو ہی چیزیں جن کے خلاف وہ چلتے ہیں عقل و فکر کے خلاف

علموں بس کریں اور یار اکو الف تینوں درکار

زور ہی سارا اسی پہ دیا جاتا ہے علم نہیں عقل نہیں دشمن ہیں یہ ساری چیزیں' اور وہ قوت کا تو سوال ہی وہاں نہیں پیدا ہوسکتا' حالانکہ یہ دو صفتیں جو ہیں العزیز اور الحکیم دو ہی اکٹھی ہوں تو ان سے مؤمن بنے وہاں وہ عزیزیت جو ہے اس سے بھی وہ بیزار اور حکمت جو ہے اس کے پیچھے تو وہ لٹھ لے کے پھرنے والے' اور ہمارے ہاں اسے کہیں گے مغزِ دین' ۔ العزیز الحکیم ۔ میں یہ عرض اس لئے کرتا ہوں عزیزانِ من کہ قرآنِ کریم کے سمجھنے کا یہ طریقہ ہے اس کے کسی ایک لفظ سے بھی یونہی آگے نہ بڑھ جایئے ایک ایک لفظ کے اندر آپ دیکھیں گے کہ وہ جو اس کا بنیادی زندگی کا فلسفہ ہے وہ اسے دیتا چلا جائے گا' اب یہ دو چیزیں دیں اکٹھی اب اگلی چیز کیا کہہ رہا ہے ۔ وماخلقنا السمٰوٰت والارض ومی بینھما الا بالحق واجلٍ مسمی ۔ اب وہ حکمت کی بات علم کی بات جو آ رہی ہے خارجی کائنات کے اوپر کہا غور وفکر کرو' اب سائنس کے سارے علوم اس میں آجاتے ہیں جس میں سماوات اور ارض دونوں آ گئے ارض سے متعلق یہ علوم کی انتہا نہیں کہ اتنے بے شمار علوم ہیں اور پھر جب اس میں یہ فضائیں اور اس کے کرے جو ہیں آسمانی وہ بھی آجائیں تو ان دونوں کے متعلق جمع کر کے یہ کہا اور کہا یہ کہ ان کو ہم نے بالحق پیدا کیا ہے سب سے بڑی چیز یہ ہے باطل نہیں ہیں یہ فریب نہیں یونان اسلئے تباہ ہوگیا کہ اس کی فکر یہ تھی پلیٹو کی کہ یہ جو کچھ نظر آتا ہے تمہیں یہ سب وہم ہے فریب ہے حقیقت میں یہ exist نہیں کرتا یہ انسان کا اپنا خیال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد

عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے

چل بھئی' وہ ساری ہستی سے ہی وہ منکر ہوگئے کہ یہ exist ہی نہیں کر رہی وہ کہہ رہا ہے کہ بالحق پیدا کی ہے پیدا کی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے جو ہم نے پیدا کی ہے' مقصد اس کا کیا ہے؟ یہ پہلے بھی آچکی ہیں یہ آیتیں شاید پچھلی دفعہ بھی آ گئی تھیں لیکن چونکہ بڑی اہم ہے اس لئے میں بار بار دہراتا ہوں معلوم نہیں آپ کہیں ان کے حوالے ریفرنسز نوٹس رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے نہیں رکھتے تو پھر تو آپ وقتی طور پر صرف اس سے لذت آشنا ہوسکتے ہیں قرآن سے فائدہ نہیں مل سکتا' فائدہ تو اس طرح سے ہوگا کہ یہ زندگی میں راہنمائی آپ کی ہو اور راہنمائی کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ چیزیں کچھ آپ یہاں سنتے ہیں اس کے معنی تو کہیں اس کو محفوظ رکھئے' یہاں میں نے تو ابدی طور پہ زندہ نہیں رہنا کہ آپ کے سامنے یہ پیش کرتا چلا جاؤں یہ تو ایک سلسلہ ہے منقطع ہونے والا' طریقہ اس کا یہی ہے علم کا کہ علم کی شمع کو روشن ہو کے آگے چلنا چاہئے اسی صورت میں آپ کو فائدہ ہوگا اگر جو چیزیں بھی آپ سمجھیں کہ آپ کے علم میں اضافہ ہو رہا ہے میری کسی بات سے یعنی قرآن کی کسی بات سے تو اس کو محفوظ رکھئے اپنے ہاں' یہ ایک اس قسم کا آپ کے پاس خود درس کے نوٹس بن جائیں گے جو قرآن کے سمجھنے میں بڑی مدد دیں گے آپ کو' میں نے عرض کیا ہے کہ یہ آیت جو تھی پہلے بھی آئی اور بڑی اہم آیت ہے اور میں نے عرض کیا تھا کہ ابھی تو ہم اس کو اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکے قرآن جہاں پہنچانا

چاہتا ہے وہ کیا ہے وہ کہا ہے ۔ وخلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق ۔ 45/22 یہ تو وہی الفاظ ہیں کہ فی الحقیقت یہ exist کرتی ہے یہ موجود ہے اس کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے یہ باطل نہیں ہے اور حق وہ ہے کہ جو ایک نتیجہ ایسا پیدا کرے جو منفعت خیز ہو انسانیت کیلئے' تو کا ہے کیلئے یہ پیدا کی ہے یہ ہے وہ چیز جو میں نے کہا کہ پچھلی دفعہ بھی میں نے گذارش کیا تھا اور پھر نوٹ کیجئے ۔ ولتجزیٰ کل نفسٍ بما کسبت وھم لایظلمون ۔ بالحق پیدا کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کے کام کا نتیجہ مل جائے اور کسی پر کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہونے پائے' اور جہاں تک تو انسان کی طبعی کوششوں کا تعلق ہے وہ تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ کائناتی قوتیں جو ہیں

ابر و باد و مہ خورشید ہمہ درکاراند

تا تو نانِ بغفلت نہ؟؟

سعدی نے کہا ہے کہ یہ زمین آسمان کے اندر کی فطرتی قوتیں ہوائیں بادل روشنی حرارت یہ سب کی سب اس لئے ہے کہ ایک دانہ تو زمین میں بوئے اور سات سات سو دانے اس سے ملیں' تمہارے لئے ذریعہ رزق ہے سامانِ نشوونما پیدا کرتی ہیں یہ خارج کی قوتیں لیکن کس کیلئے پیدا کرتی ہیں اس کسان کیلئے کہ جو محنت کرتا ہے تو پہلی چیز تو یہ ہوگئی کہ یہ بالحق پیدا کی تاکہ تم جو کوششیں کرو ان کے نتائج تمہارے سامنے آجائیں' تو میں نے عرض کیا تھا کہ ابھی تو ہم یہ محسوس دنیا میں جو ہماری کوششیں ہیں جو ہمارا عمل ہے طبعی دنیا میں فزیکل ورلڈ میں اس کے نتائج تو ہمارے سامنے آرہے ہیں کہ جو قومیں اس میں محنت کرتی ہیں اس کے نتائج سامنے آ رہے ہیں یہ بھی بالحق پیدا کرنے کا ایک نتیجہ ہے کہ کائنات انسان کے ان کاموں کا نتیجہ مرتب کرنے میں مدد دیتی ہے لیکن وہ کہ جسے اقدار یا values یا انسان کی اخلاقی دنیا کہتے ہیں اس کے اندر جو کچھ انسان کرتا ہے یا قومیں کرتی ہیں ان کے نتائج مرتب کرنے میں یہ کائنات کیسے مدد دیتی ہے ابھی یہ چیز انسان کے حیطہ علم میں نہیں آئی' آجائے گی' بڑی تندہی سے یہ مغرب کے دانشور کوشش کر رہے ہیں یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خارجی کائنات کے ان احوال وکوائف کا انسان کی داخلی زندگی کے ساتھ کیا تعلق ہے لیکن قرآن نے تو یہ چودہ سو سال پہلے بات کہدی جو ابھی تک بھی حیطہ علم میں نہیں انسان کے آئی کہ انسان کا ہر عمل تو عمل تو فزیکلی تو نہیں ہوتا کسان کی کھیتی باڑی یا ہمارا یہ جو فزیکل کام کرتے ہیں یہی تو عمل نہیں' انسان کی ذات سے یہ چیز کہ کسی کو دھوکہ نہ دے جھوٹ نہ بولے بددیانتی نہ کرے خیانت نہ کرے ظلم نہ کرے یہ بھی تو انسان کے اعمال ہیں دیانت امانت شرافت یہ انسان کے اعمال ہیں ان کے نتائج مرتب کرنے میں خارجی کائنات کیا پارٹ play کرتی ہے کیا کردار ادا کرتی ہے ابھی یہ چیز انسان کے علم میں نہیں آئی آجائے گی قرآن کے دعاوی کے متعلق تو قرآن نے خود کہا ہے کہ ہم انفس وآفاق میں اپنی نشانیاں تمہیں دکھاتے چلے جائیں گے تآنکہ یہ حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی کہ قرآن نے جو کہا ہے صداقت پر مبنی ہے تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ انفس اور آفاق میں نشانیاں خدا کی جو ہیں آیات جو اس کی ہیں وہ بے نقاب ہوتی ہیں بہت سی آیات بے نقاب ہوتی چلی گئی ہیں ہوتی چلی جا رہی ہیں

اسی طرح سے ہوتی چلی جائیں گی' یہ حقائق جو کائنات کے ہیں ان کے اوپر پردہ پڑا ہوا ہے ابھی جہالت کا ہر پردہ جو عقل وبصیرت کی رو سے اٹھے گا قرآن کہتا ہے اس کے اندر سے جو تمہیں ملے گا وہ اس بات کی شہادت ہوگا کہ قرآن نے جو کہا تھا وہ سچی بات ہے' قرآن کے ہر دعوے کی صداقت نظر آجائے گی جب بھی انفس وآفاق کی کوئی آیت جو ہے اس پہ سے پردہ اٹھے گا' تو یہ آہستہ آہستہ یہ چیز سامنے آجائے گی کہ یہ خارجی کائنات انسان کے اعمال حتیٰ کہ دل میں گذرنے والے خیالات کی نتیجہ خیزی میں کیا کردار ادا کرتی ہے خارجی کائنات' بہت بڑی چیز ہے جو قرآن بیان کر گیا ہے جس دن یہ چیزیں انسان کے علم میں آئیں معلوم نہیں یہ زمین کیا بن جانی ہے'

زمین از گردشِ تقدیر ما گردوں شود رو

۔ من اللہ العزیز الحکیم ماخلقنا السمٰوٰت والارض ومابینہما الا بالحق ۔ اور اس کے ساتھ ہی دو لفظ اور کہ یہ سلسلہ کائنات لامتناہی نہیں ہے' لامتناہیت کہ وہ ہمیشہ رہے یہ تو خدا کی صفت ہے کسی اور کی نہیں ہے جو کچھ پیدا کیا ہے اس نے ایک دن فنا ہونا ہے یہ تغیر پذیر ہیں؟؟ ہیں ہر شے جو کائنات کی ہے اور جو بھی تغیر پذیر ہے وہ ایک دن ختم ہو جاتا ہے تو کائنات کے متعلق یہ جو چیز ہے کہ یہ ہمیشہ کیلئے رہنے کیلئے ابدی ہے یہ فلسفہ تھا یہ ہندوؤں کے ہاں کا یہ فلسفہ تھا یہ کہ کائنات ابدی ہے مادہ جسے وہ کہتے ہیں بڑے مشہور ہے مناظرے ہوا کرتے تھے ہمارے ان کے ساتھ اس نکتے پہ کہ مادہ ازلی ہے' قرآنِ کریم نے پوری کائنات کے متعلق مقامات میں کہا ہے ۔ الا اجلٍ مسمی ۔ یہ محو گردش ہے ہم اس کو چلا رہے ہیں اس کارگہ کو لیکن ایک مدتِ معینہ کیلئے' ابدی طور پر یہ نہیں رہنے کی یہ ختم ہونے والی چیز ہے' ۔ الا اجلٍ مسمی والذین کفروا عما انذروا معرضون ۔ کہا یہ تو وہ حقائق ہیں کہ جو ان کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں وہ ان سے فائدہ اٹھائیں گے لیکن یہ جو ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ہم وارن کئے جاتے ہیں کہ اس کا نتیجہ تباہی ہوگا لیکن وہ منہ پھیر کے چل دیتے ہیں جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پہ کان نہیں دھرتے' لیکن جب یہ کہا گیا ہے کہ پوری کائنات انسانی اعمال کی نتیجہ خیزی میں کچھ کردار اپنا ادا کر رہی ہے تو یہ کیا سمجھ رہے ہیں کہ منہ پھیر کے چل دیں گے تو بچ جائیں گے اپنے تباہ کن اعمال کے نتائج سے' بچ ہی نہیں سکتے' ۔ قل ارءیتم ما تدعون من دون اللہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السمٰوٰت ۔ اب وہ آ گیا توحید پہ کہ العزیز تو صرف خدا ہے فطرت کی قوتیں جنہیں تم کہتے ہو کہ بڑی لامتناہی ہیں لامحدود ہیں یہ بھی اسی کی پیدا کردہ ہیں اسی کے قوانین اور نظام کے تابع سرگرمِ عمل ہیں' ذاتی طور پر ان کے اندر یہ چیز نہیں ہے اور پھر جو تم خدا کو چھوڑ کر یا اس سے ورے ہی اور انسانوں کے متعلق یہ سمجھتے ہو کہ انہیں بڑے اختیارات حاصل ہیں ان کے اندر بڑی قدرتیں ہیں وہ نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور پھر ڈرتے ہو کانپتے ہو کبھی تو کوئی بتوں کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے اور بیشتر انسانوں کو ہی اپنے معبود بنائے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان میں یہ بڑے صاحبِ قوت ہیں کہا کہ یہ جن کو تم بلاتے ہو خدا کے سوا معبود مانتے ہو یہ سمجھتے ہو کہ وہ نفع نقصان

پہنچانے کی قوت رکھتے ہیں پہلی چیز تو یہ بتاؤ کہ انہوں نے اس کائنات میں کچھ پیدا کیا ہے یہ جتنی چیزیں ہم inventions کہتے ہیں جو کچھ خدا نے پیدا کر رکھا ہے matter جسے کہتے ہیں خواہ وہ ایٹم کی شکل میں کیوں نہ ہو جو کچھ خدا نے پیدا کر رکھا ہے ان چیزوں کی مختلف ترکیب سے ان کو اکٹھا کرنے سے ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے نئی چیز وہ نہیں ہوتی جو موجود چیزیں ہیں انہی میں مختلف تراکیب سے وہ بنایا جاتا ہے اسے ہم تخلیق کہہ لیتے ہیں' ٹھیک ہے وہ invent کرتا ہے یا discover کرتا ہے پیدا نہیں کوئی کرسکتا گھاس کا تنکا نہیں مکھی کی ٹانگ نہیں پیدا نہیں کرسکتا پیدا شدہ چیزوں مختلف انداز سے آپس میں ملانے سے نئی نئی چیزیں وجود میں آجاتی ہیں یہ ساری ایجادات یہی اس کے معنی ہیں' تو کہا کہ یہ بتاؤ کہ جن کو تم صاحبِ قوت مانتے ہو انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے؟ یا یہ بتاؤ کہ زمین میں اگر کچھ پیدا نہیں انہوں نے کیا تو یہ جو ہمارا نظام ہے آسمانی خارجی کائنات کا کیا اس کے اندر بھی ان کو شرکت حاصل ہے یہ شریک ہیں اس میں کچھ نظم ونسق میں' انسان خارجی کائنات کے نظم ونسق کا علم حاصل کرسکتا ہے اور کر رہے ہیں مغرب کی قومیں جو ہیں روز ان کے ہاں کی نئی نئی چیزیں آرہی ہیں کل ہی ابھی کولمبیا کے متعلق آیا ہے اگرچہ وہ اپنا پروگرام پورا تو نہیں کر آیا پھر بھی وہ جو چوبیس گھنٹے میں اتنا کچھ لے آیا ہے وہ کہتے ہیں بہت بڑے علم کے ذخیرے ہیں' معلومات تو انسان کو حاصل ہو جاتی ہیں کرسکتا ہے کر رہے ہیں لیکن اس نظم ونسق کے اندر خدا کا کوئی شریک نہیں ہے کہ جو قوانین اس نے بنائے ہیں ان قوانین میں کوئی ردوبدل کرسکے کوئی اضافہ کرسکے ان کو منسوخ کرسکے' قطعاً نہیں' وہ اٹل ہیں اس کے بنائے ہوئے قوانین کہ وہ نہ تو خارجی کائنات کے نظم ونسق میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اس ارض کے اندر وہ کوئی چیز پیدا کرسکتا ہے کوئی انسان' کہا جب یہ کیفیت ہے تو پھر انہیں صاحبِ اقتدار ماننا اس کے معنی کیا ہیں ۔ ایتونی بکتٰبٍ من قبل ھٰذا او اثٰرۃٍ من علمٍ ان کنتم صٰدقین ۔ کہا دو ہی باتیں اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ ان کو بھی کچھ اقتدار اور قوتیں حاصل ہیں تو یا تو کوئی پہلی آسمانی کتاب جو اپنی شکل میں ہو یہ بتاؤ کہ اس کے اندر خدا نے یہ وحی کہیں کی ہوئی ہے کہیں کسی سابقہ وحی میں یہ جو اولیں مخاطب تھے قرآن کے نبی اکرمؐ کے قریش وغیرہ کو تو چھوڑیئے یہ ان کے ہاں تو پہلے کتاب کوئی نہیں تھی یہ یہودی یہ عیسائی یہ مجوسی یہ ایرانی یہ سارے اپنے آپ کو صاحبِ کتاب کہتے تھے مدعی تھے اس کے کہ ان کے پاس پہلے انبیاء کی کتابیں ہیں اگرچہ وہ بڑی محرف تھیں کتابیں ان میں تحریف ہو چکی ہوئی تھی اس پہ بھی قرآن نے کہا ہے کہ یہ بتاؤ کہ کسی جگہ یہ بھی ہے کہ انسانوں کو اس قدر اقتدار حاصل ہے کہ وہ کائنات میں کچھ تخلیق بھی کرسکتے ہیں یا خارجی کائنات کے نظم ونسق میں خدا کے شریک ہو سکتے ہیں کہیں خدا نے ایسا تمہیں علم دیا ہے؟ ایک تو یہ ذریعہ ہو گیا اپنے دعوے کی صداقت کے منانے کا کہ اتھارٹی خدا کی Divinve Authority کوئی کوٹ کرو کہا یا ۔ واثٰرۃ من علم ۔ یا علمی دلیل ہی کوئی لاؤ' غور فرمایئے قرآن کہاں تک جاتا ہے کتاب کی اتھارٹی تو ان سے ہی مانگی جاسکتی ہے جو کتاب کو وحی کو ان چیزوں کو مانتے ہوں جو انہیں نہیں مانتے قرآن انہیں بھی نہیں چھوڑتا وہ دہریے ہی ہوں خدا کو بھی نہ مانتے ہوں کتاب کو وحی کو رسولوں کو بھی نہ مانتے

ہوں کہا ٹھیک ہے ان کو تو نہیں مانتے تم' علم کی بارگاہ سے کوئی دلیل اس قسم کی لے کے آؤ بتاؤ کوئی سائنٹسٹ اس قسم کا جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں کوئی نئی چیز پیدا کرسکتا ہوں میں اس کائنات کے نظم و نسق کے اندر شریکِ خداوندی ہوں فطرت کی قوتوں کو میں کسی طرح سے بدل سکتا ہوں' کہا علم کی بارگاہ سے ہی کوئی دلیل لاؤ اس کے متعلق' آپ غور کیجئے قرآن کتنا جامع جاتا ہے' دونوں گروہ لے لئے اس نے مذہب پرست طبقہ بھی لے لیا اس سے کہا کہ اتھارٹی لاؤ کوئی خداوندی اتھارٹی اگر تمہارے پاس ہے اور جو ان چیزوں کو نہ ماننے والا ہے اس سے کہا کہ کوئی بات نہیں تم اس کو تو نہیں مانتے علم کی بارگاہ سے کوئی دلیل لا کے بتاؤ' یہ ہیں دعاوی قرآن کے جن کا کوئی جواب نہیں دے سکا آج تک' ۔ ان کنتم صٰدقین ۔ کہا جب صورت یہ ہے کہ نہ تو تم مذہب کی سطح پہ کوئی اتھارٹی کوٹ کرسکتے ہو نہ علم کی بارگاہ سے کوئی دلیل لا سکتے ہو اس کے باوجود یہ ان انسانوں کو اور انسانوں کی یہ ہڈیوں کو اور ان کے پتھروں اور چونے ؟؟ کی قبروں کو اور ان بتوں کو ان کو صاحبِ اقتدار اور صاحبِ اختیار ماننا اس سے زیادہ اور گمراہ کن بات کیا ہوسکتی ہے ۔ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الیٰ یوم القیٰمۃ وھم عن دعآئہم غٰفلون ۔ غور کیجئے عزیزانِ من ساری قوم ہماری مردہ پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے زندہ انسانوں کی طرف ایسا رخ نہیں کرتی جتنا یہ مردوں کے' اور پھر یہ بھی نہیں ہے کہ ان کی کہیں وہ مردوں کی لاشیں رکھی ہوئی ہیں ان کی قبروں کے اوپر ان کے کتبوں کے اوپر پتھر اور ؟؟ کی جو عمارتیں بنی ہوئی ہیں ان کے سنگِ آستاں کے اوپر جا کے سجدہ ریزی ہوتی ہے دعائیں مانگی جاتی ہیں مرادیں مانگی جاتی ہیں شریکِ خدائی سمجھا جاتا ہے' خدا سے براہِ راست نہیں دعا کی جاتی' تو کہا سوچو تو سہی زندہ انسانوں میں کسی میں یہ قوت نہیں ہے کہ کوئی تخلیق کرسکے یا نظامِ خداوندی میں شریک ہوسکے تو تمہاری جہالت کی یہ کیفیت ہے کہ یہ زندہ انسانوں میں نہیں ہے تم مردہ انسانوں کے آستانوں کے اوپر اور ان کی قبروں میں یہ قوتیں مان رہے ہو' اور سمجھتے ہو کہ ہر قسم کی مراد پوری کریں گے۔ کہا ایک تو یہ چیز تم جو کچھ کہتے ہو وہاں کبھی کسی نے سنا ہے کہ وہ جواب بھی دیتے ہوں سامنے سے' محسوس دنیا میں تو یہ بات ہمارے ہاں بتوں کیلئے ہے جسے کہتے ہیں مٹی کا مادھو بن کے بیٹھا ہے یعنی وہ بت بن کے بیٹھا ہوا ہوتا ہے اس کے سامنے اس کے حضور جو جی میں آئے آپ کہتے چلے جایئے وہ کچھ نہیں جواب دیتا اسے تو ہم کہتے ہیں یہ بت ہے اس سے مرادیں کیوں مانگتے ہیں یہ ہندو اسے معبود کیوں تصور کرتے ہیں' انہوں نے تو پھر بھی اس پتھر کو گھڑ گھڑا کے کوئی شکل ہی بنا رکھی ہوتی ہے یہاں کیفیت ہے کہ اس کی شکل بھی نہیں ہے وہ ایک قبر ہے وہاں جا کے ان کو مخاطب کرکے ان سے دعائیں مانگی جاتی ہیں مرادیں مانگی جاتی ہیں درخواستیں پیش کی جاتی ہیں گڑگڑایا جاتا ہے رویا جاتا ہے' تو کہا یہ ساری عمر تم کرتے رہتے ہو کبھی اس نے تمہیں کوئی جواب بھی دیا سامنے سے' تو جواب ہی نہیں جو دے سکتا وہ تمہاری مراد کیا پوری کرسکے گا' کہا جواب دینا تو ایک طرف رہا جو کچھ تم وہاں کہتے ہو ان کو تو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کون آیا ہے کون کیا کہہ رہا ہے' مردے کو کیا پتہ ہوتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن نے کہا ہے ۔ ان دعآئھم غٰفلون ۔ یہاں تو یہ کہا ہے کہ جو کچھ وہ وہاں پکارتے ہیں ان سے جو مانگتے

ہیں ان کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ کیا کرتے ہیں کون آیا ہے یہ تو مردہ ہیں' تو دوسری جگہ یہ ہے کہ ان کو تو اپنے متعلق بھی یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ہم کس حالت کے اندر ہیں وہ تو مردہ ہیں جب اٹھائے جائیں گے زندگی ملے گی وہ اور بات ہے ان کو تو اس کا بھی علم نہیں ہوتا کہ کب اٹھائے جائیں گے جنہیں اپنے متعلق یہ علم نہیں ہوتا ان کے متعلق یہ تصور کر لینا کہ وہ ہماری ہر دعا کو سنتے ہیں ہر مانگ ان تک پہنچتی ہے پھر ان کو اتنا اقتدار حاصل ہے کہ وہ اس کو پورا بھی کر سکتے ہیں' آپ سوچ لیجئے کہ اس جہالت کا کیا علاج' نہ وحی کی سند اس کیلئے نہ علم کی بارگاہ سے کوئی دلیل اس کیلئے' بت سامنے سے بولتا نہیں ہے تو اس کے خلاف تو ہم روز ان کو طعنے دیتے رہتے ہیں کہ کہاں جاتے ہو کیا مانگتے ہو' کبھی ذہن میں نہیں آتا کہ ان سے لاکھوں گنا زیادہ تعداد میں بھی آپ سمجھئے ایک ایک قبر کے اوپر جا کے صاحب یہ کچھ ہوتا ہے' اور قرآن کی دلیلیں دیکھئے کہ کبھی وہاں سے کوئی جواب بھی آیا تمہیں کہ ہاں ٹھیک ہے سن لیا ہم کر دیں گے' وہ تو تمہاری ان دعاؤں سے بھی باخبر نہیں ہوتے بلکہ بے خبر ہوتے ہیں' زندہ انسان ایک مردہ انسان سے اپنی مرادیں مانگ رہا ہے ۔ اللہ اکبر ۔ اور یہ وہی ہوتے ہیں جو اپنے دست و بازو سے کچھ کرنا نہیں چاہتے'

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا

ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

وہ تو اپنے ہاتھوں سے وہ کچھ کر دکھاتا ہے اس کو کرامت کہتے ہیں' ۔ عن دعآئھم غٰفلون واذا حشر الناس کانوا لھم اعدآء وکانوا بعبادتھم کٰفرین ۔ تو اس وقت تو وہ کچھ نہیں ان سے کہتے کہ کہہ سکنے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہیں وہ بیچارے لیکن جب یہ زندگی آئے گی سامنے ہونگے تو سب سے پہلے وہ انکار کریں گے کہ ہم نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں معبود سمجھو اور ہم سے آ کے مرادیں مانگا کرو' ہم نے کبھی نہیں ان سے کہا' کہا ان لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ ۔ واذا تتلٰی علیھم اٰیٰتنا بیّنٰتٍ قال الذین کفروا للحق لما جآءھم ھٰذا سحر مبین ۔ قرآن کے حقائق سامنے پیش کئے جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ علم و بصیرت کی رو سے ان کو سمجھنے کی کوشش کرو وہ اس پہ توجہ نہیں دیتے ہیں علم و بصیرت سے سمجھنا تو ایک طرف رہا جیسے ہی پیش کیا اور کہا کہ صاحب یہ وہی پرانا جھوٹ ہے بولتے چلے آ رہے ہیں وحی ہے صاحب خدا کی طرف سے یہ علم ملتا ہے یہ آسمانی کتاب ہے یہ چیز چلی جا رہی ہے اسی طرح سے وہی فریب پرانا فریب دیتے چلے آ رہے ہیں نہ ماننے والوں کی کیفیت یہ ہے' یہ نہیں ہے کہ علم و بصیرت کی رو سے یہ بتائیں کہ یوں غلط ہے جو کہا جا رہا ہے پیش کرنے والا ان سے زبردستی نہیں منواتا کہتا ہے ۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ۔ میں بھی بدلائل پیش کر رہا ہوں جو پیش کر رہا ہوں تم اس کے خلاف تردید کرتے ہو اس کی تو دلائل کی رو سے تردید کرو اپنے دلائل لاؤ علم کی رو سے اس کی تردید کرو' یہ تو قرآن عجیب سٹیج سے بولتا ہے بظاہر مذہب کی سٹیج سے بولتا ہے اور سارے دعاوی جو ہیں علم و حکمت اور فلسفہ کی رو سے پیش کرتا ہے ۔ ام یقولون افتٰرہ ۔ کہتے یہ ہیں کہ یہ خود ہی اپنے دماغ سے ایک چیز کو گھڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ خدا کی

طرف سے آئی ہوئی ہے مختلف مقامات پر اس کے مختلف جوابات دئے ہیں اور سب سے اہم جواب تو اسکا وہ چیلنج ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ انسانی فکر کی یہ پیدا کردہ چیز ہے جسے وحی میں کہتا ہوں انسانی فکر یہ چیز تخلیق کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے تم بھی تو انسان ہو تم اس کی مثل دس آیتیں بنا کے لے آؤ ساری دنیا کے دانشوروں کو اکٹھا کر کے کہ اپنے ساتھ ملا لو اور لاؤ بنا کر' چودہ سو سال سے عزیزانِ من یہ دعویٰ ساری دنیا کے دانشوروں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس زمانے میں تو حضورؐ نے تیئس سال پیش کیا اپنی زندگی میں اور ان عربوں کے سامنے پیش کیا کہ جن کو اپنی زبان دانی پہ بڑا دعویٰ تھا خود لفظ عرب کے معنی ہیں بڑا ہی زیادہ واضح زبان والے' عربی کے معنی ہی واضح زبان کے ہیں' وہ اپنے سوا باقی ساری دنیا کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے دعویٰ تھا جنہیں اتنا بڑا اپنی زبان دانی کے اوپر انہیں چیلنج دیا جا رہا تھا کہ سارا قرآن تو ایک طرف رہا دس آیتیں اس کی مثل بنا کے لے آؤ اگر یہ تم کہتے ہو کہ انسانی کلام ہے' انہوں نے اسی لڑائیاں تو لڑیں ان کے خلاف اتنی جانیں دیں اس تصادم کے اندر اس مقابلے کے اندر اس کو باطل ثابت کرنے کے اندر لیکن دس آیتیں نہ بنا کے لا سکے' ورنہ بڑا آسان تھا اس چیلنج کا؟؟ کرنا میدانِ جنگ میں جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی' وہ تو خود اس چیز کو مانگ رہا ہے کہتا ہے اس پہ فیصلہ ہو جائے گا کہ یہ میرے دماغ کی تخلیق ہے یا خدا کی طرف سے ہے بات صاف ہے ٹھیک ہے انسانی فکر کی تخلیق ہے تم اتنی فکر رکھتے ہو لاؤ بنا کے ۔ وادعوا شھدآءکم من دون اللہ ۔ اپنے ساتھ اور بھی جن جن کو چاہتے ہو دنیا کے دانشور جو ہیں بلاؤ ان کو اکٹھے اور لے آؤ میرے سامنے میں کھڑا ہوں یہاں' تیئس سال تک چیلنج رہا کسی نے نہیں مانا اور تیئس سال کے بعد آج تک چودہ سو سال سے یہ چیلنج چلا آ رہا ہے جہاں تک زبانِ عربی کا تعلق تو اس زمانے کے عرب تو وہ پوچھو ہی نہیں زبان کہاں تھی اس کے بعد بھی یہ ہمارے ہاں مغرب کے ہیں دانشور بھی عربی زبان کے اندر بڑے بڑے فاضل موجود ہیں عربی کے لغت ان کے لکھے ہوئے لیکن اس چیلنج کو کسی نے آج تک قبول نہیں کیا کہا جب ان کے سامنے یہ پیش کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اپنے ذہن سے ایک چیز کو یہ گھڑ لیتا ہے اور اسے وحی خداوندی کہتا ہے کہتا ہے اس کا جواب تو یہ ہے جو میں تمہیں دے رہا ہوں کہ لاؤ باقی رہا میں ۔ قل ان افتریتہٗ فلا تملکون لی من اللہ شیئًا ھو اعلم بما تفیضون فیہ کفٰی بہٖ شھیدًا بینی وبینکم وھو الغفور الرحیم ۔ کہا یہ جرم کہ اپنے ذہن سے میں ایک چیز تخلیق کروں پیدا کروں گھڑوں اسے اور اسے خدا کی طرف منسوب کر دوں وہ خدا بے بس انسان نہیں ہے اس کا نتیجہ جو کچھ ہو گا تم سوچ سکتے ہو اور یہ میں ایک دن دو دن نہیں یہ کر رہا تمہارے سامنے اگر بقول تمہارے یہ اتنا بڑا افترا کر رہا ہوں عمر پوری گذر گئی میری اس کے اندر کامیابیوں پہ کامیابیاں ہوتی چلی جا رہی ہیں پہلے دن آواز دی تھی تو ۔ انا اول المسلمون ۔ صرف کہا تھا کوئی سیکنڈ کرنے والا بھی میرے ساتھ نہیں تھا' اپنی زندگی کے اندر تم دیکھتے ہو کہ دس لاکھ مربع میل زمین کی مملکت ایک create کر لی ہے ایک یتیم نے بے کس نے ۔ بظاہر دنیاوی حساب کے اعتبار سے ۔ بے بس بے کس غریب یتیم اپنے عزیز رشتہ دار سارے مخالف ہیں وہ محض اپنے ان دعاوی کے زور پر اس نے یہ کچھ کیا ہے اتنی بڑی کامیابیاں حاصل

کر لی ہیں' فریب کار کہا کبھی اتنی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا وقتی طور پہ وہ کسی کو دھوکہ دے سکتا ہے ساری زندگی دھوکہ نہیں دے سکتا کسی کو' اور میری تو کیفیت یہ ہے کہ ہر نئے دن میرا قدم آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے ۔ قل ما کنت بدعًا من الرسل و ما ادری ما یفعل بی ولا بکم ۔ کہتا ہے پہلی چیز تو یہ ہے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں یہ نہیں ہے کہ دنیا میں پہلی دفعہ ایک انسان آیا ہے اور اس نے دعویٰ کیا ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے وحی ملتی ہے تم تو اہلِ کتاب ہو تم تو انبیاء کے اوپر ایمان رکھتے ہو تو اس لئے یہ بات کہ خدا کی طرف سے وحی ملا کرتی ہے اس کو تو تم بھی تسلیم کرتے ہو' اگر یہ کوئی نئی انوکھی نادر بات ہوتی تو پھر تو مجھے پہلے یہ ثابت کرنا پڑتا کہ خدا کی طرف سے بھی وحی ملا کرتی ہے تمہیں تو یہ ضرورت نہیں ہے کہ میں تمہارے سامنے اس کو ثابت کروں تم تو مانتے ہو ملا کرتی ہے بات صرف یہ ہے کہ جو میں پیش کر رہا ہوں یہ وحی ہے یا نہیں ہے دلائل سے ثابت کرو کہ اسمیں فلاں غلطی ہے اس لئے یہ وحی خداوندی نہیں ہو سکتی یا ہم اس کے مقابل میں اس کی مثل بنا کے لا سکتے ہیں اس لئے یہ نہیں ہو سکتی ان چیزوں کو تو تم جواب نہیں دیتے مقابلہ کئے چلے جاتے ہو دھاندلی سے' باقی رہا یہ جو تصادمات ہو رہے ہیں تمہارے ساتھ نت نئے دن یعنی میں نے عرض کیا لڑائیاں تو بڑی بڑی ان کو غزوات کہتے تھے وہ چھوٹی چھوٹی بھی جو جھڑپیں ہوتی تھیں ان کو بھی گنا جائے تو تاریخ قریباً اسی بیاسی کے قریب گناتی ہے حضورؐ کی زندگی میں ان کے ساتھ جو جھڑپیں ہوئی تھیں اور سات آٹھ تو غزوات ہیں بڑی بڑی جنگیں' اور پھر تو شروع ہو اہے یہ سلسلہ تو اس شکل میں کہ یہ مکے سے گھر بار مال و دولت عزیز رشتے دار حتیٰ کہ بیویاں بچے یہ کچھ چھوڑ کے وہاں سے جسے اب بھی ہم مہاجرین تو سمجھ سکتے ہیں کہ کسے کہتے ہیں پناہ گزینوں کی طرح مدینے میں آ کے بیٹھے چند نفوس یہاں بھی انہوں نے چین نہیں لینے دیا ان کو' ایک ہزار کا جید لشکر دوسرے ہی سال مدینے پہ حملہ کرنے کیلئے آ گئے' اس انداز سے تو یہ تصادمات ہوتے تھے مسلسل ہر دوسرے سال' ؟؟ کہہ رہے ہیں میں یہ نہیں کہہ سکتا مجھے غیب کا علم نہیں ہے یہ کہ جو تمہارے ساتھ تصادمات ہو رہے ہیں اس میں میرا حشر کیا ہو گا میں نہیں کہہ سکتا' بڑی چیز ہے یہ صاحب' اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی سطح کے اوپر یہ مقابلہ تمہارے ساتھ میرا ہو رہا ہے اسمیں غیب دانی کی بھی کوئی بات نہیں ہے کہ مجھے پہلے سے معلوم ہو کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہونا ہے یا ان تصادمات میں آخر الامر انجامِ کار مآل کار کیا نتیجہ ہونا ہے' ٹھیک ہے برابر کے مقابلے ہیں جتنا کچھ ہو سکتا ہے میں مقابلہ کرتا چلا جاؤ نگا میں نہیں کہہ سکتا کہ انجامِ کار ان کا کیا حشر ہو گا یہ مقابلے جو ہم کر رہے ہیں لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ میری زندگی میں یہ بات ہو یا اس کے بعد ہو یہ جو میں نظام پیش کر رہا ہوں اس کے اندر قوت اتنی موجود ہے کہ یہ قائم ہو کر رہے گا' یہ اعلان کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں میرے ساتھ کیا ہو گا بڑی چیز ہے اس میں وہ ساری چیزیں کہ صاحب حضورؐ اور صحابہ کبارؓ تو یہ کچھ کر گئے کہ وہ مافوق البشر ہستیاں تھیں ان کے ساتھ تو اس طرح سے ۔ ہمارے ذہن کے طور پر ۔ کہ نصرتِ خداوندی تھی فرشتے آ کے یہ کچھ کر جاتے تھے سب کچھ ختم ہو گیا' وہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے خود معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہو گا اس لئے اس میں فوق البشر قوتوں کا کوئی ؟؟؟ یہ ٹھیک ہے انسانی جو ہر جو ہیں

وہ موجود ہیں ہم میں ہماری جماعت میں اس امت کے اندر وہ خود بڑی قوت رکھتے ہیں لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے ساتھ بھی مآلِ کار کیا ہوگا' میرا کام تو اتنا ہے ۔ اتبع الا ما یوحٰی الی ۔ میں تو صرف جو کچھ میری طرف وحی ہوتی ہے خدا کیطرف سے جو حکم دیا جاتا ہے اس کا اتباع کئے چلا جا رہا ہوں مجھے تو یہی پتہ ہے مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ تم اس کے مطابق عمل کرتے چلے جاؤ اور یہ بات کہ حضورؐ نے جو یہ فرمایا ہے مجھے پتہ نہیں کیا ہوگا' تو آپ کو یاد ہے کئی دفعہ وہ بات آ گئی ہے وہ بڑی اہم چیز ہے غالباً آخری عمر میں نبی اکرمؐ کے سینہ مقدسہ میں ایک آرزو بیدار ہوئی بڑی معصوم سی آرزو کہ یا اللہ میری ساری عمر ان تصادمات میں مشقتیں اٹھاتے تکلیفیں برداشت کرتے ہی بسر ہو جائے گی یا جو کچھ چاہتا ہوں یہ نظام قائم کرنا چاہتا ہوں میں جو تو نے کہا ہے کیا میری زندگی میں اس کے نتائج میرے سامنے آ جائیں گے' بڑی معصوم آرزو ہے' اور یہ یقیناً پیدا ہوتی ہے اور پھر ایک ایسی ہستی جس کی ساری عمر گذر گئی ہو اسی تگ و تاز کے اندر اتنی مصیبتیں اٹھائیں اتنی مشقتیں اٹھائیں عمر کا آخری حصہ آ رہا ہے تو اس میں تو یہ دل میں آتا ہی ہے کہ یا اللہ کہ میری آنکھیں اس کا نتیجہ بھی دیکھیں گی اس درخت کو پھل لگتا ہوا بھی دیکھیں گی یا میری عمر اسی طرح سے گذر جائے گی ' غور فرمایئے وہی بات یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ بھی کیا ہوگا وہاں بھی یہ کہ خود علم نہیں ہے اس بات کا خدا سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا ایسا ہوگا' جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو جیسے میں کہا کرتا ہوں کوئی بھی اور ہو تو جتنا کچھ حضورؐ نے کیا تھا اس کا کچھ تقاضا تھا کہ کم از کم ان کی اس معصوم سی خواہش کو پورا کرنے کیلئے کہہ دیا جاتا کہ نہیں تمہاری زندگی میں یہ ہو جائے گا لیکن نہیں خدا کے قوانین تو اٹل ہیں صاف جواب ملتا ہے ۔ ؟؟ الیک البلٰغ والینا الحساب ۔ تمہارے ذمے اس پیغام کو پہنچاتے چلے جانا ہے اس تگ و دو کا نتیجہ کب مرتب ہوگا یہ ہمارے قوانین کے ماتحت مرتب ہوگا ہم کسی کی خواہشات کی رو سے اس میں تبدیلی نہیں کر سکتے' ہوسکتا ہے تمہاری زندگی میں ہو ہوسکتا ہے اس کے بعد ہو جتنی ذمہ داری تمہاری ہے تم اس کو پورا کرتے چلے جاؤ اور یہ مت سوچو کہ وہ کب نتیجہ برآمد ہوگا' یہ جواب مل رہا ہے' کیا بات ہے صاحب' تو یہ جو چیز کہی گئی ہے کہ مجھے معلوم نہیں خود میرے ساتھ بھی کیا ہوگا تو وہ یہ چیز تھی کہ آخری عمر تک نظر آ رہا تھا کہ پتہ نہیں یہ نتیجہ میری زندگی میں برآمد بھی ہوتا ہے نہیں ہوتا میرا کام تو اس وحی کا اتباع کئے چلے جانا ہے اور میں یہاں اتنی سی بات اور عرض کر دوں اور قرآن کی انہی آیات پہ وہ حقیقت کھلی ہے ہم پہ ہم بعض اوقات مایوس ہو جاتے ہیں اور میرے ساتھ تو جو اکثر رفقاء ہیں احباب ہیں دوسرے لوگ ہیں وہ اکثر آتے ہیں یہ گلہ کرنے کیلئے کہ ساری عمر گذر گئی یہی کچھ کہتے ہوئے قرآن پیش کرتے ہوئے نظام کی باتیں کرتے ہوئے وہ کوئی عملاً تو چیز نظر نہیں آتی سامنے پتہ نہیں وہ کب ہوگا پتہ نہیں ہوگا بھی یا نہیں ہوگا اس سے مایوسی طاری ہو جاتی ہے انسان پہ تو کیا فائدہ ہوا پھر یہ سارا کچھ کرنے سے جو ہم کر رہے ہیں ہمارے سامنے نہیں ہوا' قرآن نے وہی بات بتائی ہے یہ مایوسی اس لئے ہو جاتی ہے کہ تم اپنے ذمے وہ چیزیں لے لیتے ہو جو تمہاری ذمہ داری ہوتی نہیں ہے' رسولؐ سے کہا کہ تیری ذمہ داری ۔ الیک البلٰغ ۔ ہے بس پہنچائے چلے جاؤ نظام کا قائم کر کے رکھ دینا ان

سب کو صحیح راستے پہ لے آنا یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے' مایوس وہ اس وقت ہوتا ہے انسان جب وہ ایسے کام کو اپنی ذمہ داری سمجھ لیتا ہے جو اس کی ذمہ داری ہوتی نہیں ہے' معاف رکھئے گا اگر ذاتی طور پہ خود کو بیچ میں لے آؤں جو مجھے کہا جاتا ہے پچاس برس ہو گئے مجھے قرآن کی طرف دعوت دیتے ہوئے ٹھیک ہے عام حالات کے اندر انسان واقعی کچھ مایوس ہو جاتا ہے کہ صاحب اس پچاس سال کے اندر کچھ محسوس شکل میں سامنے بنا بنایا تو نظر آتا نہیں ہے نہ ہی کوئی نظر آتا ہے کہ صاحب کچھ چند دنوں کے بعد یہ کچھ ہو جائے گا تو فائدہ کیا ہوا یہ سب کچھ عام طور پہ اس نتیجے پہ پہنچے گا' یہاں وہ خدائے بزرگ و برتر وہ سنبھالا دیتا ہے سہارا دیتا ہے کہ تم نے اپنے ذہن میں سمجھ لیا تھا کہ میری زندگی میں یہ کچھ ہو جائے گا وہ ہوتا ہوا نظر نہیں آتا اس لئے مایوس ہو جاتے ہو تم سے کس نے یہ کہا تھا کہ تمہاری زندگی میں یہ ہو جائے گا خود ہی تم نے اپنے ذہن میں یہ طے کر لیا وہ نہیں ہوتا تو مایوس ہو رہے ہو' اس نے جو کہا تھا کہ مایوسی کفر ہے تو اس کے معنی یہ تھا کہ جو تمہاری ذمہ داری ہے وہاں تک رہو تمہاری زندگی اس پیغام کو پہنچاتے چلے جانا ہے' یہ ہمارا قانون ہے جس کی رو سے پھر یہ طے ہوتا ہے کہ یہ نظام کب قائم ہو گا اور کب نتائج مرتب ہونگے' تم اگر اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے چلے جاؤ گے تو مایوس ہونے کی بات ہی کوئی نہیں ہے پھر مایوسی کا ہے کی' میرا کام تو اتنا ہے کہ پہنچاتا چلا جاؤں یہ اس کا کام ہے وہ دیکھے کہ کب نتائج مرتب ہونگے' رسول اللہؐ سے یہ بات کہی گئی ۔ وما انا الا نذیر مبین ۔ میں تو صرف آگاہ کرنے والا ہوں تمہیں کہ جس راستے پہ تم چل رہے ہو تباہی کا راستہ ہے' حضورؐ سے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عزیز تریں بھی جو تمہارے آدمی ہیں یہ بھی ضروری نہیں کہ تم ان کو بھی زبردستی صحیح راستے پہ لے آؤ تمہارا کام بتاتے چلے جانا ہے کہ غلط ہے یہ راستہ جس پہ تم چل رہے ہو وہ راستہ صحیح ہے باز نہ آؤ گے تباہ ہو جاؤ گے بس یہ تمہاری ذمہ داری' اس سے انسان مایوس نہیں ہوتا۔ سورۃ الاحقاف کی آیت نو تک ہم آئے دسویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔

دوسرا باب: **سورۃ الاحقاف** (آیات 10 تا 14)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج نومبر 1981ء کی 27 تاریخ ہےاور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الاحقاف کی آیت 10 سے ہو رہا ہے۔ 46/10۔

آج کے اس اجتماع میں آپ کو کچھ اجنبی سے چہرے نظر آ رہے ہونگے یہاں بزم ہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کا ایک اجتماع کل برپا ہوا' ملک کے دور و دراز گوشوں کے نمائندے اس میں جمع ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر آج کے اس درس میں شریک ہیں ان کی شرکت ہمارے لئے موجبِ خیر و برکت ہے تو میں نے کہا بجائے اس کے کہ آپ کو اس میں حیرت ہو تو پہلے ہی میں ان کا تعارف کرادوں یہ ان بزموں کے نمائندگان ہیں۔ یہ بزمیں اپنی اپنی جگہ یہی قرآنِ کریم کا درس ٹیپ کے ذریعے سے نشر کرتی ہیں اور قرآنِ کریم کی فکر کی نشر و اشاعت کا واحد ذریعہ یہی بزمیں ہی ہیں جو ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلی ہوئی ہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی یورپ اور امریکہ اور کینیڈا تک افریقہ تک ان کی شاخیں ہیں تو جو فکر قرآنِ کریم کی یہاں سے؟؟ ہوتی ہے یہ ان کو آگے پھیلانے کا ان کا ذریعہ ہے ایک عمر گذر گئی ان احباب کی اسی فکر کی نشر و اشاعت میں اور پھر اس قسم کے اجتماعات میں یہ کشاں کشاں دور دراز کا سفر طے کر کے تشریف لاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہمتوں میں برکت اور توفیق عطا فرمائے۔

سلسلہ کلام درس میں یوں چلا آ رہا تھا جیسا کہ میں نے کئی دفعہ یہ عرض کیا ہے نبی اکرمؐ کی مخالفت ایک تو قریش کی طرف سے ہو رہی تھی اس مخالفت کی خاص وجہ تھی کہ جس نظام کی دعوت نبی اکرمؐ دیتے تھے' قریش کو نسلی تفاخر حاصل تھا پہلے تو وہ غیرِ عرب پر عرب کو اتنی ترجیح دیتے تھے کہ وہ ان کو برابر میں تسلیم ہی نہیں کرتے تھے پھر عربی قبائل میں قریش کو ایک خاص امتیازی درجہ حاصل تھا نسلی طور پر بھی وہ اپنے آپ کو باقی قبائل کے مقابلے میں بہت زیادہ برتر سمجھتے تھے پھر کعبے کے متولی ہونے کی جہت سے انہیں بڑا احترام حاصل تھا لمبی چوڑی تجارتیں ان کی ہوتی تھیں سرمایہ دار تھے اس زمانے کے' تو گویا برہمنیت اور اقتدار اور سرمایہ پرستی یہ تینوں چیزیں قریش کے اندر جمع تھیں اور یہ دعوت نبی اکرمؐ کی ان تینوں لعنتوں کی جڑ کاٹنے کیلئے تھی' قابلِ فہم ہے قریش کی مخالفت' تیرہ سال تک مکے کی زندگی میں پھر آپ بمعہ اپنے احباب کے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے تو انہوں نے وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا انہیں پتہ تھا کہ دنیا کے کسی ایک گوشے میں بھی اگر یہ نظام قائم ہو گیا تو اس کی کشش اتنی زیادہ تیز ہوگی کہ کسی دوسری جگہ اس کے خلاف کا جو نظام ہے وہ ٹک نہیں سکے گا وہ خوب جانتے تھے کہ یہ کیا نظام پیش کیا جا رہا ہے لیکن دوسری طرف اہلِ کتاب تھے عیسائی بھی تھے اور یہودی بھی تھے' عیسائیوں کے متعلق جیسا قرآن نے بھی کہا ہے اب ہم بھی دیکھتے ہیں یہ تاجر قسم کے لوگ منکسر المزاج کے ہوتے ہیں جبکہ یہودی مخالفت میں بڑے متشدد تھے اور بار بار انہی کو تنبیہ کی گئی تھی اس تنبیہ میں ایک سلسلہ یہ بھی تھا کہ وہ

آیت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ۔ قل ارءیتم ان کان من عنداللہ وکفرتم بہ ۔ کہا کہ یہ جو پیغام دیئے جا رہا ہے تمہیں یہ دعوت جو تمہارے سامنے پہنچائی جا رہی ہے تم خود اس کے گواہ ہو کہ اس کی شہادت تو تمہارے ہاں کے اس نبی نے جو سب سے بڑا نبی تم مانتے ہو حضرتِ موسیٰؑ اس کی شہادت تو انہوں نے دی تھی عجیب بات ہے کہ اگرچہ یہ تورات اور اس کے بعد انجیل محرف ہے اپنی اصلی شکل میں نہیں ہے بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں لیکن نبی اکرمؐ کے متعلق جو پیشن گوئیاں اس کے اندر تھیں ان میں پیشتر باقی رہ گئیں اور انجیل برنباس کے اندر تو حضورؐ کا نام لے کر پیشن گوئیاں کی گئی ہیں تو تورات میں خاص طور پہ یہ پیشن گوئی تھی تورات کی ایک کتاب کا نام ہے استنا اس میں یہ چیز موجود تھی کہ میں ان کیلئے حضرتِ موسیٰؑ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ جو تمہاری قوم بنی اسرائیل ہے میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل تھے اور انہی سے ان کو زیادہ کد تھی ۔ جنوں شریکا کیندے نیں پنجابی اچ' تے اے ایناں دا شریکا سی ۔ انہوں نے حضورؐ کی نبوت کے دعوے کی مخالفت اس بنا پر کی تھی کہ یہ بنی اسماعیل میں کیوں رسول آ گیا' تو کہا یہ تورات میں یہ موجود ہے حضرتِ موسیٰؑ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری قوم ان کے بھائیوں میں سے تجھ جیسا ایک نبی میں برپا کرونگا' بڑی اہم شہادت تھی' اور قرآنِ کریم نے بھی نبی اکرمؐ کو مثیلِ حضرتِ موسیٰؑ قرار دیا ہے ۔ کما ارسلنا الی فرعون رسول ۔ 73/50 یعنی تمہاری طرف ہم نے ایک رسول بھیجا جس طرح سے کہ فرعون کی طرف ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا تھا' تفصیل کا یہ موقع نہیں ورنہ میں یہ بتاتا کہ یہ بڑی مماثلت میں بہت سی اقداریں مشترک ہیں اس تحریک میں جو حضورؐ نے پیش کی اور وہ جو حضرتِ موسیٰؑ نے اپنے ہاں انقلاب برپا کیا تھا وہ بھی اصل میں وہی وہ تین بڑی بڑی لعنتیں انسانیت کی ہیں ۔ پیشوائیت' ہامانیت' ملوکیت ۔ ملوکیت کا استبداد فرعونیت میں اور سرمایہ داری کی لعنت سب سے بڑا سرمایہ دار تو ہامان موجود تھا تو یہ تین تھیں وہی تینوں میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ یہاں قریش کے ہاں یہ چیزیں موجود تھیں اور پھر یہودیوں کے ہاں موجود تھیں تو قرآنِ کریم نے نبی اکرمؐ کی دعوت کو؟؟ موسیٰؑ قرار دیا ہے بڑا عظیم انقلاب تھا جو انہوں نے برپا کیا تھا اور پھر یہ تو عظیم تر تھا یہ انقلاب قیامت تک رہنے والا' ۔ کما ارسلنا الی فرعون رسول ۔ اسی قسم کا یہ ایک رسول تمہاری طرف بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا' تو یہ جو شہادت ہے تورات کی قرآن نے یہودیوں سے کہا ہے ۔ وشھد شاہد من بنی اسرآءیل علیٰ مثلہ ۔ اس نے شہادت دی تھی اس آنے والی کی اور اس کو اپنا مثل قرار دیا تھا تم اسی رسول کے پیراؤ ہو اس تورات کو مانتے ہو اس میں یہ چیز ہو اس سے پھر تم انکار کرتے ہو' ۔ فامن ۔ وہ تو ایمان لے آیا تھا اپنے آنے والے کے اوپر ۔ واستکبرتم ۔ اور تمہاری کیفیت یہ ہے کہ اسے رسولؐ بھی مان رہے ہو اور جس کی اس نے شہادت دی ہے اور جس کی رسالت پر اس نے اس زمانے میں گواہی دی جب وہ ایمان لایا تھا اس کی مخالفت بھی تم کر رہے ہو ۔ ان اللہ لا یھدی القوم الظٰلمین ۔ جن لوگوں کا بھی شیوہ ہو کہ جو چیز جہاں ہونی چاہیئے اسے وہاں نہ رکھا جائے ان کو صحیح راستے کی طرف راہنمائی نہیں مل سکتی' میں ابھی عرض کرونگا کہ اس

دعوت کا صحیح مقام کیا تھا ۔ وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا لوکان خیرًا ما سبقونا الیہ ۔ یہ بڑے لوگ جو ہیں ان کی ذہنیت یہ ہے' ان سے کہا کہ تم یہ دعوت جو علم وبصیرت کی بنیادوں کے اوپر یہ مبنی ہے نوع انسانی کی منفعت اس کا مقصود ہے تم اس کی مخالفت کرتے ہو اور دیکھتے ہو کہ یہ دوسرے لوگ جو ہیں وہ کس طرح سے آگے بڑھ چڑھ کر اس کا استقبال کرتے ہیں اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں' تو وہ جو ذہنیت ہوتی ہے کہا کہ یہ لوگ جو ہیں یہ اگر وہ مان بھی گئے ہیں تو کیا بات ہے اگر واقعی یہ بات صحیح ہوتی اور خیر اس میں ہوتا اور ہم سمجھتے کہ یہ بلند نظریہ پیش کرتی ہے ہم سب سے پہلے اس کو قبول کرتے یہ چیز کہ ہم نے اسے قبول نہیں کیا اس کی دلالت کرتی ہے اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سچ پر مبنی نہیں ہے' یعنی جسے ہم سچا کہیں وہ سچی بات ہے جس سے ہم انکار کریں وہ جھوٹی بات ہے خواہ ساری دنیا اسے کیوں نہ قبول کرلے' یعنی عقل وفکر ان کے ذہن میں یہ کہ دولت کے ساتھ اکٹھی ہو کے آتی ہے حالانکہ تجربہ اور مشاہدہ دنیا کا یہ ہے کہ فطرت ایسی زیادہ بخشائش والی واقع نہیں ہوئی ہے وہ دونوں میں سے ایک ہی چیز دیتی ہے' دلیل یہ ہے کہ اگر واقعی یہ ایسی سچی بات ہوتی تو یہ لوگ اسے کیوں قبول کرتے ہم سب سے پہلے قبول کرتے' ہم نے کیونکہ اسے قبول نہیں کیا ہے اس لئے یہ سچی ہو ہی نہیں سکتی' ۔ فیر او پنجابی دی مثل اوندی اے' جیہدی کوٹھی اچ دانے اوہدے کملے وی سیانے ۔ جس گھر میں کھانے کو ہو اس کے پاگل بھی عقلمند اور سیانے ہوتے ہیں' عقل وفکر دانش یہ سارا کچھ تو یہ امارت اور دولت کے ساتھ؟؟ ہے صاحب غریب آدمی کہاں عقل وفکر کا مالک اور دانش مند ہوسکتا ہے' کہا یہ ہے چیز ہم نے اس کو قبول نہیں کیا انہوں نے اگر قبول کرلیا ہے تو یہ اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا' اگر یہ سچا ہوتا تو ہم سب سے پہلے قبول کرتے' عزیزانِ من بات کچھ یوں ہو رہی ہے جیسے چودہ سو سال پیشتر کی بلکہ اس سے بھی بہت پہلے کی' اطلاق اس کا آپ دیکھئے قیامت تک کیلئے ہوتا چلا آ رہا ہے وہ انسانی ذہنیت کی یاد کر رہا ہے کسی خاص قوم کی بات نہیں کر رہا' ۔ واذلم یھتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیر ۔ تو چونکہ خود نہیں قبول کیا ہے اس واسطے وہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کوئی سچائی نہیں ہے وہی ایک جھوٹی باتیں افسانے ہیں جو پہلے سے چلے آ رہے ہیں وہ یہ پیش کر رہا ہے' وہ تو یہ کہہ رہے ہیں اس کے متعلق اور قرآن کیا کہہ رہا ہے قرآن کی دعوت کی ایک عجیب خصوصیت ہے عزیزانِ من دنیا کے کسی مذہب کو آپ لیجئے وہ اپنے مذہب کے باہر نہ کہیں کسی دوسرے اہلِ مذہب کو سچا سمجھتے ہیں نہ ان کے بانی کو وہ خدا کا رسول سمجھتے ہیں نہ ان کی کتاب کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ واقع خدا کی طرف سے ہوگی' دنیا کے کسی مذہب کو آپ لیجئے وہ اپنے مذہب کے اندر محدود قرار دیں گے وحی اور رسالت کو اس کے باہر کسی کو تسلیم ہی نہیں کریں گے یہ ہندومت وہ تو بہرحال بھارت کے باہر کسی کو انسان ہی تسلیم نہیں کرتے تھے سب کو راکھشش کہتے تھے چہ جائیکہ وہ باقی مذاہب والوں کے انبیاء کو رسول یا نبی تسلیم کریں وہ تو اپنے ہاں کے جو انسان ہیں چوتھے درجے کے وہ شودر انہیں انسان تسلیم نہیں کرتے تھے' بدھ مت جین مت تاوازم چائنا کا' ادھر آ جائے؟؟ کے اندر یہودیوں کی کیفیت یہ کہ یہی نہیں کہ وہ انبیاء ہی اپنے ہاں بنی اسرائیل کی نسل میں محدود سمجھتے تھے یہ نسلی مذہب ہے بنی اسرائیل کے

باہر کا کوئی شخص یہودی مذہب قبول نہیں کر سکتا اس میں داخل ہی نہیں ہوسکتا یہ تبلیغی مذہب ہی نہیں مذہب نسل میں محدود ہے اور جنت ان کیلئے مختص ہے غیرِ بنی اسرائیل جنت میں بھی نہیں جا سکتا تو غیرِ بنی اسرائیل میں وہ رسول کیسے تسلیم کرلیں گے غیرِ بنی اسرائیل تو ایک طرف حضرت عیسیٰؑ تو بنی اسرائیل میں سے ہی تھے انہیں میں سے تھے نہ صرف یہ کہ انہیں نبی نہیں تسلیم کیا بلکہ دعویٰ کر رہے ہیں آج تک کہ انہوں نے ان کو لے کے پھانسی دیدی ہے اور صلیب پہ چڑھا دیا ہے تو وہ اپنے سے باہر کسی کو نبی یا کسی کو رسول کیسے مان لیں گے کسی مذہب کے متعلق یہ کیوں عقیدہ رکھیں گے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ عزیزانِ من یہ کشادِ قلب اور یہ نظر کی وسعت یہ قرآن نے ہی آ کے اپنی دعوت کے اندر پیش کی کہا یہ کہ حضرتِ نوحؑ سے لے کے آج تک دنیا کی ہر قوم کے اندر رسول آ تا رہا ہے ہر ملک کے اندر رسول آ تا رہا ہے ہر قوم کو خدا کی طرف سے وحی ملتی رہی ہے اور یہ لازم قرار دیدیا نبی اکرم محمد رسول اللہؐ پر ایمان لانے والوں کیلئے کہ ان سے پہلے تم پہلے تمام انبیاء کے اوپر ایمان لاؤ تو پھر یہ ایمان قابلِ تسلیم ہوگا' عزیزانِ من دنیا کے تمام مذاہب کو چیلنج کر کے آپ بتائیے کہ لائیے تو اپنے ہاں سے اس قسم کی کشادہ نگہی کی کوئی مثال' کہا کہ بعض کا تو ہم نے قرآن میں نام لے دیا ہے اور باقی وہ ہیں کہ ان کا نام نہیں ہم نے لیا لیکن ہم نے نام لیا ہو یا نہ نام لیا ہو یہ تمہیں ماننا ہوگا کہ دنیا کی ہر قوم میں رسول آئے دنیا کے ہر ملک میں رسول آئے اور اس طرح سے ان پہ ایمان لانا ہے کہ ۔ لانفرقوا بین احد من رسل ۔ رسول ہونے کی حیثیت سے ہم ان میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے محمد رسول اللہؐ اور خواہ وہ ہندومت بھی اپنے آپ میں سے کسی کو اگر اپنی کوئی وہ تو اب مذہب کا صرف بانی مانتے ہیں ان کے ہاں تصور ہی نہیں ہے نبی یا رسالت کا یا اوتار مانتے ہیں لیکن کوئی بھی ہو ۔ لانفرقوا بین احد من رسل ۔ ہم تفریق نہیں کرتے رسالت کی حیثیت سے ان میں سے کسی میں' محمدؐ کی رسالت پر ایمان لانے سے پیشتر ان سب کی رسالت پر ایمان لانا اور پھر اس میں تفریق نہ کرنا یہ ہے دعوت قرآن کی' ہے دنیا کا کوئی مذہب جو اس دعوت کی اس کشادہ نگہی کو اس طرح سے پیش کرے اور اسی لئے سب سے زیادہ دنیا میں پرامن اور امن کی دعوت دینے والی جماعت وہ یہی ہوسکتی ہے جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ دوسرے ان کے ہاں کے پیغمبروں کو ان کی رسالت میں نبی اکرمؐ کی شان میں گستاخیاں کریں ہم ان کے ہاں کے مرحومہ بھی جو جتنے بھی داعیانِ مذہب تھے ان کے ہاں کے خواہ وہ نبیوں کی صف میں آئے یا نہیں آئے قرآن کی رو سے ہم ان کی شان میں گستاخی کا ایک کلمہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم تو اس کے اوپر مکلّف ہیں کہ نام لیا گیا یا نہیں لیا گیا ہم تو مانیں گے کہ ہاں وہ خدا کے رسول ہوسکتے ہیں اور ہمیں ماننا ہوگا کہ ۔ لانفرقوا بین احد من رسل ۔ ہم ان میں اور نبی اکرمؐ میں رسالت کی حیثیت سے کوئی فرق ہی نہیں رکھتے صاحب تو ہم ان کی شان میں کوئی گستاخی کا کلمہ کیسے کہہ سکتے ہیں' مسلمان تو خدا کے ان احکام کی رو سے مجبور ہے کہ ان کی تعظیم کرے خواہ وہ کتنی؟؟ سے کام کیوں نہ لیں ہم ایک لفظ بھی گستاخی کا ان کے پیغمبروں کی یا ان کے بزرگوں کی شان میں نہیں کہہ سکتے' اور اسی اعتبار سے اگلی کتابیں ۔ ومن قبلہ کتٰب موسیٰ اماما ورحمۃً ۔ قرآن سے پیشتر جس طرح سے حضرتِ موسیٰؑ کے

متعلق کہا کہ خدا کا سچا رسول بڑی دعوت عظیم لے کے آیا اسی طرح سے کہا کہ اس سے پیشتر کتابیں بھی خدا کی طرف سے آئیں اور اس سے پہلے وہی تمہاری کتاب جسے تم کہتے ہو تورات اپنی کتاب کہتے ہو ہم شہادت دیتے ہیں کہ اپنے وقت میں وہ بھی اپنے وقت کی امامت کرتی تھی اور خدا کی رحمت اس کے اندر تھی' قرآنِ کریم نے انبیائے کرام کو پھر ان کی کتابوں کو اور ان کتابوں کی حامل امتوں کو بھی امام کہہ کے پکارا ہے جیسا میں نے عرض کیا ہے قرآن کے الفاظ کے انتخاب میں بھی اعجاز ہے یہی لفظ جو ہے ان کو امام کہہ کے پکارا ایمان کے اعتبار سے دیکھئے ایک تو یہ چیز کہ یہ نبی اس کی دعوت اپنے معاشرے کی پیداوار نہیں ہوتی اگر نبی وہ اسی معاشرے سے متصل ہو اس کی دعوت اسی معاشرے کے اعتقادات اور رسومات اور نظریات سے متاثر ہو تو وہ تو کوئی حق کی دعوت ہی نہیں کہلا سکتی' وہ ان سے آگے ہوتا ہے ان کی امامت کرتا ہے اپنے دور سے پہلے پیدا ہوتا ہے اس کے دور میں اس کے زمانے میں اس کے زمانے کی قوموں میں اس کی اتباع کرنی ہوتی ہے اس کے پیچھے چلنا ہوتا ہے وہ ان سے آگے ہوتا ہے ان میں کا نہیں ہوتا ان سے آگے ہوتا ہے' اسی لئے وہ امام ہوتا ہے' اور امام جیسا میں نے عرض کیا تھا پہلے بھی کئی دفعہ یہ جو دیوار چنتے ہیں یہ معمار وہ اوپر بیٹھے ہوئے آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک تاگہ ہوتا ہے اس میں ایک لٹو ہوتا ہے وہ انہوں نے لٹکایا ہوا ہوتا ہے وہ اس لٹو کے ذریعے سے یہ دیکھتے ہیں کہ یہ دیوار سیدھی اوپر اٹھ رہی ہے کہیں اس میں کجی تو نہیں آ رہی ٹیڑھ پہن تو نہیں اس کے اندر آ رہا تو وہ شے وہ جو لٹو ہوتا ہے اس کو سہل کہتے ہیں وہ ایک ایک ردا رکھتے ہیں اور لٹو کے ذریعے دیکھتے چلے جاتے ہیں کہ بالکل ٹھیک ہے دیوار کہیں کجی تو نہیں ہے' یہ چیز ماپنے کیلئے کہ انسانیت کی دیوار میں کہیں کوئی کجی تو نہیں ہے وہ جو لٹو سا ہوتا ہے معمار کا اس کو عربی میں امام کہتے ہیں' امام کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ دیکھے کہ انسانیت کی دیوار میں کہیں کجی تو نہیں آ رہی یا یہ کہ اگر ماپنا ہو انسانیت نے کہ ہمارے ہاں کوئی کجی تو نہیں پیدا ہو رہی تو وہ اس ماپنے کیلئے جو ذریعہ اس کا ہوگا وہ رسول کی امامت اس کی تعلیم کی امامت اس کی کتاب کی امامت اس کی امت کی امامت' یہاں پہنچنے کے بعد اگر آنسو میری آنکھوں میں آ جاتے ہیں تو میں مجبور ہوں عزیزانِ من' جو قوم اب دنیا میں ذلیل سے ذلیل قوم سے بھی پیچھے رہ گئی ہو وہ قوم امامت کا دعویٰ کر سکتی ہے؟ ہماری آنکھیں تو چکا چوند کر دیں دوسرے نظریات اور تصورات نے ہم تو ہر بات میں ان کی طرف نگاہ اٹھا کے دیکھتے ہیں' وارثِ کتاب بنایا تھا قیامت تک کیلئے اس امت کو قرآن نے' اس کو امام قرار دیا تھا انسانیت کیلئے کہ اس نے اقوامِ عالم سے آگے آگے چلنا ہے اور اقوامِ عالم کیلئے آئیڈیل یا یہ معیار پرکھنے کا کہ وہ صحیح راستے پہ جا رہے ہیں یا نہیں وہ اس قوم کے نقوشِ قدم تھے' آج اس قوم کی جو حالت ہماری ہے ہمارے سامنے ہے تو ۔ من قبلہ کتٰب موسٰی اماما ورحمۃ ۔ یعنی یہ بھی جو میں نے عرض کیا ہے کہ کشادہ نگہی قرآن پیش کرتا ہے اپنے آپ کو اور ان کی کتاب کے متعلق یہ گواہی دے رہا ہے کہ اپنے وقت میں وہی امام تھی اور رحمت تھی ۔ وھذا کتٰب مصدق لسانا عربیًا ۔ اور یہ کتاب یہ ایک لفظ مصدق آتا ہے اور اس کا ترجمہ عام طور پہ ہمارے کر دیا جاتا ہے تصدیق کرنے والا' بہت بڑا اعتراض اس پہ پڑتا ہے کہ قرآنِ

کریم یہ جو کتبِ سابقہ ہے انہیں تو محرف قرار دیتا ہے قدم قدم پہ یہ کہتا ہے تو قرآن کے بھیجنے کی تو ضرورت ہی اس لئے پیش آئی کہ وہ کتابیں اپنی اصلی حالت میں رہی نہیں تھیں انہوں نے اس میں تحریف کردی تھی انہیں بدل کے رکھ دیا تھا تو اب ایک طرف تو وہ ان کے محرف ہونے کے متعلق یہ کہتا ہے اور دوسری طرف اگر یہ کہے کہ قرآن کی ان تصدیق کرتا ہے تو یہ تو دونوں میں تضاد ہوا تصدیق کے تو معنی ہوتا ہے کہ اس کو سچا بیان کرنا میں اسے تصدیق کرتا ہے یعنی جو وہ کہتا ہے میں بھی یہ کہتا ہوں کہ وہ سچ کہتا ہے تو یہ تو باتوں میں تصدیق ہوئی یہ مصدق کا جو ترجمہ ہمارے ہاں ہوا ہے یہ اس کی وجہ سے ہے عربی زبان کی رو سے یہ لفظ جس بات میں یہ آیا ہے ان کتابوں کے اندر خدا کے دعوؤں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہوا ہے کہ خدا کی تعلیم کے مطابق چلنے سے یہ ہو جائے گا ایسا نظام قائم ہو سکے گا انسانیت کی یہ کیفیت ہو جائے گی یہاں جنتی معاشرہ قائم ہو جائے گا یہ ان کتابوں میں اب بھی موجود ہیں یہ چیزیں اور وہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ اس کی رو سے ایسا ہو جائے' قرآن کہتا ہے کہ اس کی رو سے تم نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا تو جو کچھ وہاں دعاوی کئے گئے تھے وہ سچے ثابت نہ ہوئے اب یہ قرآن اور یہ نظام ان دعاوی کو سچا ثابت کر دکھائے گا مصدق کے یہ معنی ہوتے ہیں' تمہارے ہاں کے دعاوی کو سچا ثابت کرنے کیلئے یہ قرآن آیا ہے' ۔ لساناً عربیاً ۔ نہایت واضح عربی زبان کے اندر ۔ لینذر الذین ظلموا وبشریٰ للمحسنین ۔ دو ہی اس کے فرائض بتائے یا نتائج بتائے ہر جگہ بشیر ونذیر غلط رو کو ڈرانے والا ابھی اس کا ترجمہ غلط ہے وارن کرنے والا آگاہ کرنے والا یہ کہنے والا کہ آگے نہ بڑھنا کنواں ہے اسے تنذیر کہتے ہیں غلط راستے سے چلنے والے سے کہنا کہ یہ راستہ تمہیں صحیح منزل پہ نہیں پہنچائے گا تباہ ہو جاؤ گے یہ تنذیر ہے' صحیح راستے پہ قدم اٹھانے والے سے کہنا کہ ٹھیک ہے تم منزل پہ پہنچ جاؤ گے یہ بشارت ہے یہ تبشیر ہے یہ بشیر ہے' کہا اس کتاب کا یہ مقصد ہے تم غلط راستے پہ چلتے ہو تو تمہیں یہ وارن کرتی ہے اس سے تمہیں غصہ تو آتا ہے لیکن وہ تو تمہارے حق کی بات ہے جو یہ کہہ رہی ہے اور جو اس کو قبول کر کے صحیح راستے پہ چلتا ہے انہیں وہ کہہ دیتی ہے کہ ٹھیک ہے تم منزل پہ پہنچ جاؤ گے بشیر ونذیر ہے لیکن یہ منزل پہ پہنچ جانا ایسے ہی نہیں ہے چوراہے پہ یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہ راستہ جو ہے وہ جا رہا ہے شہر کی طرف تو آپ وہاں چوراہے پہ کھڑے رہیں اور کہیں کہ یہ راستہ شہر کو جا رہا ہے یہ راستہ شہر کو جا رہا ہے اس کو دہراتے چلے جائیں آپ شہر پہنچ جائیں گے؟ راہنمائی یعنی راستے کو نمودار کر کے بتانا اس کی طرف اشارہ کرنا یہ راستہ جاتا ہے شہر کی طرف یہ ہے راہنمائی یہ ہے ہدایت وہ تو اتنا ہی کام کرتا ہے تمہیں یہ بتاتا ہے اس کے بعد چلنا تو تمہیں خود ہوگا تب جا کے وہاں پہنچو گے ورنہ یہ صرف راہنمائی جو ہے یہ تو کسی کام کی نہیں' یہ تو اسی کے کام آئے گی جو چلتا ہے تو جب یہ کہا کہ یہ راہنمائی ہے اور یہ تبشیر ہے بشارت ہے' راہنمائی کر دی راستہ تو بتا دیا لیکن اب راستے کی مشکلات اندازہ لگایئے لفظ ہیں ان کے اوپر کبھی کھڑے ہو کے غور ہم نہیں کرتے کہ کیا کہتا ہے' کہا کہ ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ زندگی میں چاہتے یہ ہو کہ تمہیں کوئی خوف نہ ہو حزن نہ ہو یہ دو لفظ بڑے جامع ہیں عربی زبان کے جو قرآن بار بار مؤمنین کیلئے وہ

یہی دو الفاظ استعمال کرتا ہے خوف خارجی خطرات کو کہتے ہیں ان سے اس قوم کا مامور ہونا تمہارے لئے باہر کا کوئی خطرہ نہیں کوئی ڈر والی بات نہیں اور حزن کہتے ہیں دل گرفتگی اندر سے دل کی افسردگی مایوسی ہے یہ چیز جو دل کے اندر سے اٹھتی ہے وہ حزن کہلاتی ہے اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے سے اس کے مطابق جو نظامِ معاشرہ قائم کرو گے باہر کا بھی کوئی خطرہ اس کو نہیں ہوگا اور اس میں بسنے والوں کے دل کے اندر کسی قسم کا حزن اور افسردگی اور مایوسی نہیں ہوگی' اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے عزیزانِ من' شرط اسکے لئے ہے ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ سیدھا سیدھا ترجمے کر کے یوں آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے؟؟؟ اب اس پر پھر استقامت سے جم کے کھڑے ہوگئے ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان کی زندگی جنت کی زندگی ہوگی اور خوف اور حزن نہیں ہوگا' شرط کیا تھی' ۔ قالوا ربنا اللہ ۔ تو ٹھیک ہے جو کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے تو یہ تو آساں ترین بات ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے اس کے بعد ہے ۔ ثم استقاموا ۔ اور پھر اس پر جم کر کھڑے ہوگئے تو نظر آیا کہ یہ تو کوئی بڑی سخت ترین مشکل ترین مراحل کا نام ہے کہ جہاں کہا گیا ہے کہ پھر اس پر جم کے کھڑے ہوگئے ورنہ اگر کہہ ہی دینا تھا ۔ ربنا اللہ ۔ تو اس میں کونسی ایسی مشکلات آ رہی تھیں ایسی مصیبتیں آ رہی تھیں کہ جس کیلئے ضرورت پیش آئی یہ کہنے کی کہ پھر اس پر وہ جم کر کھڑے ہوگئے استقامت سے اس کے اوپر کھڑے ہوگئے اس کے بعد ان کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی تو گویا نظر آیا کہ یہ ۔ ربنا اللہ ۔ کہنے کے بعد پھر وہ مقامات آتے ہیں جہاں قدم قدم پر پل صراط ہوتی ہے لغزشیں آتی ہیں تصادمات ہوتے ہیں تزاحمات ہوتے ہیں ٹکراؤ ہوتا ہے اور بڑا صبر آزما ٹکراؤ ہوتا ہے کہا یہ کہنے کے بعد ۔ ثم استقاموا ۔ استقامت شرط ہے اور پھر نظر آیا کہ ۔ ربنا اللہ ۔ لفظ کہنا ہی نہیں ہے کہ لفظ زبان سے کہہ دیا زبان سے اگر آپ کہتے رہیں گے تو کونسا ٹکراؤ ہوگا کونسی مشکلات آپ کے اوپر آجائیں گی کونسے تصادمات ہونگے اس میں کون مزاحم ہوگا کہتے رہئے سو دانے کی تسبیح نہیں ہے لاکھ دانے کی تسبیح بھی تو ہوتی ہے پڑھتے رہئے ربنا اللہ' ربنا اللہ' ربنا اللہ ارے کون ٹکراؤ تمہارے ساتھ کرتا ہے تو استقامت کی ضرورت کیا پیش آتی ہے استقامت کی ضرورت تو پیش آئے گی جہاں پھر کوئی لغزشوں والے مقامات آئیں گے' اس لئے استقامت کی ضرورت ہوتی ہے تو یہ نظر آیا کہ یہ ۔ قالوا ربنا اللہ ۔ کہنے کی بات نہیں ہے زندگی کا ایک نہج ہے یہ ایک دعوت ہے یہ ایک دعوی ہے یہ ایک نظام ہے جو قائم کیا جائے گا' کیا قائم کیا جائے گا نظام کیا دعوت ہے؟ طبعی زندگی کے اوپر انسان کا سب سے بڑا مسئلہ عزیزانِ من روٹی کا مسئلہ ہے رزق کا مسئلہ ہے معاش کا مسئلہ ہے دنیا کے بڑے بڑے صاحبِ اقتدار کرتے یہ ہیں اقتدار کسی طرح سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور اس کے بعد رزق کے سرچشمے جو ہیں ان پہ قبضہ کر لیتے ہیں روٹی کے سرچشموں کے اوپر آپ نے قبضہ کیا ہر شخص آپ کے سامنے جھک گیا یہ ہندوستان میں تو ان لوگوں نے ان کیلئے اپنے مہاراجوں کیلئے اور پھر مغلیہ بادشاہ بھی آئے تو انہوں نے بھی اپنے لئے ان داتا یہ لقب ہوتا تھا بادشاہ کا یا راجہ کا ان داتا' اور ہر صاحبِ استبداد اور قوت جو ہے اس کی قوت اور استبداد کام نہیں دے

سکتی جب تک کہ وہ رزق کو اپنے ہاتھ میں نہ لے کیوں اس کے سامنے دوسرا جھکے' احتیاج جھکا دیتی ہے بھوکا جھکتا ہے فرعون نے جب کہا تھا کہ ۔ انا ربکم الاعلیٰ ۔ تو یہ رب جس کا ترجمہ انگریزی میں کیا Lord ذرا سوچئے سہی کیا بات تھی اور کیا اس کے تراجم ہو رہے ہیں' عیسائیت میں تو یہ تصور ہی نہیں ہے کہ قرآن کا تصور ہے اس نظام کا' صاحبِ اقتدار کی اقتدار کی جڑیں کاٹ کے رکھ دیتا ہے جب اس کے ہاتھ سے چھین کے خدا کے ہاتھ میں دیدیتا ہے' جب کوئی شخص روٹی کیلئے اس کا محتاج نہیں ہوتا تو اس کے سامنے جھکے گا کیوں' جو رزق دیتا ہے اس کے سامنے جھکے گا' رزق کے سرچشمے وہ انسانوں کے ہاتھوں سے چھین کے خدا کے ہاتھ میں دیدیتا ہے یعنی خدا کے نظام کے تابع رزق کی تقسیم ہوتی ہے پھر بھی انسان کسی کے سامنے جھکتا نہیں ہے تو یہ ربوبیتِ عالمینی کا نظام قائم کرنے کیلئے یہ ہے جو انسان سے ٹکراؤ لیتا ہے یہ جماعت صاحبانِ اقتدار سے اس لئے کہ یہی لوگوں کے رزق کو اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں ان سے ٹکراؤ ہوتا ہے اور اس ٹکراؤ میں پھر استقامت کی ضرورت پڑتی ہے تو ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ یہ معنی ہوئے کہ وہ لوگ کہ جنھوں نے یہ نظام قائم کرنا ہے یا کیا کہ رزق کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں رہے گا رزق کے سرچشمے خدا کے قوانین کے تابع رہیں گے انہی کے تابع ان کی تقسیم ہوگی' جنھوں نے اس نظام کو قائم کرنے کا تہیہ کرلیا دعوت دی اعلان کردیا اپنا یہ عزم کرلیا پھر اس کے بعد تو دنیا کی ہر طاقت کے ساتھ ٹکراؤ ہوگا تو استقامت کی ضرورت پڑے گی' یہی الفاظ ایک دوسرے مقام پہ بھی آئے ہیں اس پہ بات آگئی ہے اور ہمارے تو درس کا انداز ہی یہ ہے تصریفِ آیات دوسرے مقام پہ' یہ ذرا اس مقام پہ اس کی تفصیل اور دی گئی ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس آیت کو بھی ساتھ لے آؤں ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ 41/30 کیا ہوتا ہے اس سے ۔ تتنزل علیھم الملٰئکۃ ۔ ان پر فرشتے نازل ہونے شروع ہوجاتے ہیں' کیا بات ہے' اس عمل کے نتیجے میں' لیکن کہہ جو دیتے ہیں ۔ ربنا اللہ ۔ کہتے رہئے تو آپ پھر دیکھئے تو صحیح فرشتے نازل ہوتے ہیں آپ پر؟ ۔ او موت والا فرشتہ تے نازل ہوجائے گا' او کلا ای کافی ہیگا اے ۔ ۔ تتنزل علیھم الملٰئکۃ ۔ کیا بات ہے یہ مقامِ مؤمن لیکن وہ مؤمن ہے کہ جو رزق کے سرچشموں کو انسانوں کے ہاتھوں سے چھین کے خدا کے ہاتھ میں دیتا ہے اس پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے' کیا کرتے ہیں ملائکہ آ کے اس کیلئے' یہ نہیں ہوتا کہ یہ بیٹھے رہتے ہیں اور ملائکہ تلواریں چلا کے دشمنوں کا قتل کرتے رہتے ہیں' بالکل نہیں' وہ کیا کہتے ہیں ۔ الا تخافوا ولا تحزنوا ۔ دیکھا وہی الفاظ ۔ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ وہاں تھا ملائکہ یہ کیفیت پیدا کرتے ہیں ان کے اندر ایک نفسیاتی تغیر پیدا کرتے ہیں جس سے ان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ کوئی بیرونی خطرہ بھی نہیں ہے کوئی اندرونی افسردگی بھی نہیں ہے حزن نہیں ہے اور عجیب بات ہے یہ الفاظ کی پھر میں عرض کرونگا عربوں کے ہاں حزن کے معنی یہ تھے دل گرفتگی افسردگی لیکن وہ استعمال کرتے تھے اس طرح سے کہ دن بھر باہر مزدور گیا ہو مزدوری کرنے کیلئے اسے معلوم ہو کہ گھر میں رات کے کھانے کیلئے بچوں کے پاس کچھ نہیں ہے مزدوری یہاں اسے ملے نہیں اور کوئی چیز کھانے کو ملے نہیں وہ جس

انداز سے واپس گھر میں آتا تھا عرب اس کیلئے حزن کا لفظ استعمال کرتے تھے وہی پھر ربوبیت کی بات آجاتی ہے اس کے اندر، وہی رزق کا سوال آجاتا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ حزن کی اس سے زیادہ بین اور تشبیہ دی نہیں جاسکتی، اس مزدور سے پوچھئے جو خالی ہاتھ گھر آرہا ہو اور پتہ ہو کہ بچے اس کا انتظار کررہے ہیں کہ ابو آئے گا اور کچھ کھانے کو لائے گا اور اس کے پاس کھانے کیلئے کچھ نہ یہ ہے حزن جسے کہتے ہیں، ملائکہ آن کے اسے کہتے ہیں ۔ لاتخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۔ بشارت دیتے ہیں ان کو اس جنتی معاشرے کی کہ جس کا وعدہ تمہارے خدا نے تمہارے ساتھ کیا تھا تم نے یہ کرکے دکھا دیا کہ رزق کے سرچشمے کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہیں اور اس نے وہ جنت تمہیں عطا کردی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، سنئے ملائکہ کیا کہتے ہیں ۔ نحن اولیٰؤکم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ ۔ ہم ہیں تمہارے دوست مددگار ساتھی تائید کرنے والے اس دنیا میں بھی آخرت میں بھی، وہ جو قرآن نے کہا تھا کہ ۔ لاتخافوا ولاتحزنوا ۔ تو گویا اس دنیا میں بھی کیفیت یہ ہوگی اس قوم کی جو ۔ قالوا ربنا اللہ ۔ پر مستقل مزاج رہے گی اس دنیا میں بھی ملائکہ اس کے مددگار ہونگے دوست ہونگے رفیق ہونگے معید ہونگے یہاں جنت ملے گی وہ آخرت کا لفظ میں نے چھوڑ ہی دیا کہ وہ تو ایمان ہے ہمارا جا کے دیکھیں گے یہاں ابھی اس کا کیا پتہ ہے بات تو قرآن نے ۔ فی الحیٰوۃ الدنیا ۔ کہی ہے دنیاوی زندگی میں یہ کیفیت ہوگی کہ خوف نہیں ہوگا حزن نہیں ہوگا تو یہ تو negative چیز ہے خوف نہیں ہے حزن نہیں ہے نہیں ہے ٹھیک ہے positively مثبت طور پر کیا ہوگا کچھ ملے گا بھی کہا جی وہ معاشرہ وہ جنت اس میں ہوگا کیا عزیزانِ من غور طلب چیز ہے کہ اس کے آگے کچھ اور بھی انسان مانگ سکتا ہے ۔ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون ۔ اس جنتی معاشرے کے اندر جو چاہو گے ہوگا جو مانگو گے ملے گا ۔ اللہ اکبر ۔ جامعیت کا کمال ہے عزیزانِ من دو لفظوں کے اندر، جو چاہو گے ہوگا جو مانگو گے ملے گا، اور وہ جو باطل کا معاشرہ ہوتا ہے جہنمی معاشرہ اس کے متعلق وہ اہلِ جہنم ہی ہے کوئی جس نے کہا کہ

بے نیازی سے تیری ناز اٹھائیں کیا کیا
جو نہ چاہا وہ ہوا اور جو چاہا نہ ہوا

مبداء فیض سے بس اتنا گلہ ہے مجھ کو
جو نہ مانگا وہ ملا اور جو مانگا نہ ملا

اور وہاں یہ ہے کہ جو چاہو گے ہوگا جو مانگو گے ملے گا ۔ فی الحیٰوۃ الدنیا ۔ عزیزانِ من یہ عقیدت مندی کے افسانے نہیں ہیں ۔ فی الحیٰوۃ الدنیا ۔ اس قوم کی کیفیت یہ ہوگی جو چاہو گے ہوگا جو مانگو گے ملے گا، عزیزانِ من کبھی کبھی اپنے جوشِ جنوں میں کہا کرتا ہوں کہ یہ وہ رب ہے ۔ جی چاہندا ہیگا اے ۔ کہ

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

کبھی لباس میں آئے تو ۔ جیھی پان نوں دل کردا ہیگا اے اپناں حسین رب ہے ۔ اوجو چاہو گے ہوگا جو مانگو ملے گا کہا اتنی ہی بات نہیں عزیزانِ من اور اس سے آگے بھی 50/35 سنئے اور جھوم جایئے ۔ لھم مایشآءون فیھا ۔ چیز تو وہی ہوگئی کہ جو تم چاہو گے وہاں ۔ مایشآءون ۔ ہماری دنیا میں ہماری مشیت چلتی ہے یشآءون کا لفظ ذرا غور طلب ہے قرآن میں خدا ہی کیلئے آیا ہے کہا کہ اس معاشرے کے اندر مشیت ان کی چلے گی ۔ لھم مایشآءون فیھا ۔ جو چاہیں گے ہوگا جو مانگیں گے ملے گا ۔ ولدینا مزید ۔ اور ہم اس سے بھی کچھ زیادہ دیں گے' محدود ذہنِ انسانی عزیزانِ من سمجھ ہی نہیں سکتا کہ جو چاہو گے ہو گیا جو مانگا مل گیا اس سے زیادہ کیا ہو اور' کہا عزیزانِ من برخوردارانِ من میرے بچو تم کیا اور تمہارا چاہنا کیا تم تو بچوں کی طرح کھلونے مانگتے ہو بچے کو کھلونا ملتا ہے کہتا ہے وہ اس ذہن کیلئے ہی ہوتا ہے جس میں وہ بچپن میں ہوتا ہے وہ باپ کے پاس اس سے بہت کچھ زیادہ ہوتا ہے بچے کیلئے' اسے پتہ ہوتا ہے آگے جا کے اور کیا ضرورتیں پڑنی ہیں' کہنے لگا تم جو چاہو گے تم جو مانگو گے اپنے محدود ذہن کے مطابق اسی سطح کے اوپر جہاں تم ہو وہاں تک مانگو گے اور تمہاری زندگی نے تو اس سے بہت آگے جانا ہے ابھی ہم یہ نہیں کہتے کہ بس وہیں کا وہیں معاملہ رہے گا ہمارے سٹور میں تمہارے لئے ارتقائی منازل کیلئے بھی بہت کچھ رکھا ہوا ہے وہ کچھ بھی دیں گے ۔ ولدینا مزید ۔ عزیزانِ من کیا کتاب ہے کیا خدا ہے ورنہ دنیا میں کسی اہلِ فکر سے پوچھ لیتے بڑے سے بڑے وہ جو؟؟ کرنے والے مبالغہ کرنے والے شاعروں سے بھی پوچھتے تو یہ انتہا تھی کہ جو چاہو گے وہ ہوگا جو مانگو گے ملے گا اگلی بات کہ ۔ ولدینا مزید ۔ اس سے زیادہ بھی ہمارے پاس تمہارے لئے رکھا ہے تمہاری موجودہ مانگ ہی کیا ہے بچو مٹی کے گھوڑے سے تم تو خوش ہو جاتے ہو ۔ ولدینا مزید ۔ بات یہاں ایک اور آ جاتی ہے سامنے' ولکم فیھا ما تشتہ انفسکم ۔ جو تم چاہو گے اس میں وہ ہوگا تو ایک صاحب نے یہ کہا کہ اگر کوئی چیز ناجائز ہو وہ چاہے گا تو وہ بھی اس کو مل جائے گی کیونکہ یہاں تو The Unconditional ہے جو چاہو گے انسان کے چاہنے کے اوپر تو پابندی یہاں نہیں ہے تو کیا یہ بھی صورت ہوگی میڈیکلی بات بڑی صحیح نظر آتی ہے اعتراض وزنی ہے کہ جب اس نے اس کے اوپر پابندی نہیں لگائی تو پھر جو وہ چاہے گا ہوگا جو مانگے گا وہ ملے گا یہ کہد یا اور جائز اور ناجائز کی تو شرط ہی نہیں ہے' لیکن قرآن ہے' کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ لوگ جن کے متعلق کہا گیا ہے ان کا چاہنا کیا ہوتا ہے 76/30 دوجگہ یہ آیا ہے 81/29 بھی ہے کہا ہے تمہیں ان کے متعلق پتہ ہی نہیں ہے یہ لوگ کیا ہوتے ہیں ۔ وما تشآءون الا ان یشآء اللہ ۔ وہ چاہیں گے ہی وہ جو خدا چاہے گا ۔ اللہ اکبر' اللہ اکبر ۔ مقام مؤمن' یہ تغیرِ نفس یعنی آپ دیکھتے ہیں کڑی سے کڑی کیسے ملتی چلی جا رہی ہے وہ اعتراض جو اس نوجوان کے ذہن میں آیا ہے اس کو anticipate کیا گیا ہے وہ تو مؤمن کا تصور ہی ایسا دیتا ہے یعنی کتنی عجیب چیز ہے کہ یہاں یہ کہا کہ جو چاہو گے وہ ہوگا اور یہ چیز کہ اس چاہنے میں ایسی بات تو نہ

ہوئی کہا ہے یہ کون لوگ ہیں جن کے متعلق کہہ رہے ہو یہ تو وہ چیز ہیں کہ وہ چاہیں گے ہی وہ جو ان کا خدا چاہتا ہے' ان کی مشیت مشیتِ خداوندی سے ہم آہنگ ہوگی' آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق جو پیدا ہوتا ہے مشیتوں کے ہم آہنگ ہونے سے وہ عجیب انداز میں اقبالؒ نے کہا ہے

عبس ہے شکوہ تقدیرِ یزداں

تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

جس کی مشیت مشیتِ خداوندی سے ہم آہنگ ہو جائے وہ خود تقدیرِ یزداں ہو گیا وہ چاہے گا ہی وہ جو خود مشیتِ خداوندی جو ہوگا قرآن یہ تغیر پیدا کرتا ہے کونسی چیز یہ پیدا کرتی ہے ۔ ربنااللہ ۔ یہ کہنا ۔ ثم استقاموا ۔ اور پھر اسمیں جم کر کھڑے ہو جانا۔ ہم نے یہ کچھ کیا ہوا ہے روٹی مانگ کے کھاتے تھے ربنااللہ کا ایک وظیفہ ہوتا ہے اگلی بات آئی ۔ ثم استقاموا ۔ اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ مسلسل اس تسبیح کے اوپر چلتا رہے درمیان میں intreption نہ ہو اس میں تسلسل ہوتا ہے اگر اس کے اندر کہیں ذرا سا وقفہ پڑ جائے تو پہلا جو کچھ کیا ہوا ہوتا ہے وہ؟؟ ہو جاتا ہے پھر نئے سرے سے تو استقامت کے معنی اس میں ہوتے ہیں کہ وہ جتنے کا کرنا ہے پہلے طے شدہ ہوتی ہے وہ بات وہ مرشد جو ہے وہ بتا دیتا ہے کہ ہزار کا دس ہزار کا لاکھ کا ۔ ربنااللہ' ربنااللہ ۔ تو اگر وہ طے کئے ہوئے سے پہلے کہیں ایک دانہ بھی چھوٹ گیا درمیان میں سے تو استقامت نہ رہی کہا شرط ہے ۔ قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ کیا بات ہے صاحب! بیٹھے ہوئے ہیں صاحب اور ہو رہا ہے ۔ ربنااللہ ثم استقاموا ۔ بھی ہو رہا ہے اور نگاہ لگی رہتی تھی دروازے کے اوپر کہ ۔ یا اللہ بھیج کسے سختی داتا نوں کوئی روٹی لیاوے' جی روٹی منگ کے کھاندے سی ربنااللہ دا وظیفہ ہوریا اے ۔ استقامت جو ہے وہ یہ شرط پوری ہوگئی' کیا کیا فریب نہیں دئے انہوں نے ۔ ان الذین قالوا ربنااللہ ثم استقاموا و لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ۔ یہاں اور بھی ایک لفظ ہے کہا یہ سب کچھ جو تمہیں دیں گے تو جو بھی کسی کو کچھ دیتا ہے وہ تو ہمارے ہاں ہے کہ اوپر کا ہاتھ ہمیشہ بالا ہوتا ہے نیچے کے ہاتھ سے تو وہ تو خیرات کا کچھ ہوتا ہے اسمیں کچھ تذلیل کا پہلو ہوتا ہے فقیر کو بھی آپ دیتے ہیں کچھ آپ کے ہاں دست آتا ہے کچھ مانگنے کیلئے اس کو بھی آپ دیتے ہیں اس میں بھی کچھ ذلت کا پہلو ہوتا ہے عزت کے ساتھ کس کو آپ دیتے ہیں' مہمان کو' یہ سب کچھ دینے کے بعد کہا کہ ۔ ؟؟ من غفور رحیم ۔ یہ تمہاری مہمان داری ہوگی تم ہمارے مہمان ہوگے کہ کہیں ذہن میں یہ بات نہ آجائے کہ مانگ کے کھا رہے ہیں وہ خیرات کے طور پہ دے رہا ہے خدا کے حضور بھی تذلیل نہیں ہو رہی انسان کی' خدا کا مہمان' ۔ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ اولئک اصحٰب الجنۃ خٰلدین فیھا ۔ یہ ہیں فی الحیٰوۃ الدنیا کو یاد رکھئے سامنے میں نے کہا تھا یہ ہیں جنہیں اس دنیا میں بھی اہلِ جنت کہا جائے گا ہم کیا سمجھ سکتے ہیں عزیزانِ من کہ کس کے متعلق بات ہو رہی ہے جہنم یہاں جہاں کہا ہے وہ تو ہم خود سمجھ لیتے ہیں وہ تو آپ بیتی ہے ہماری ایک ایک سانس جہنم میں

گذر رہا ہے' یہ ہیں وہ جو اصحابِ جنت ہیں ۔ خٰلدین فیھا ۔ یہ جنت جو ہے یہ یونہی بھک منگوں کی طرح خیرات کے طور کے اوپر عارضی طور پہ یوں نہیں دی گئی ۔ خٰلدین فیھا ۔ جب تک استقامت ہوگی ۔ ربنا اللہ ۔ کی یہ جنت تم سے چھینی نہیں جائے گی دوامی پتہ لکھ کے دیدیا شرط وہی ہے ۔ قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ اس میں استقامت میں فرق آیا جنت چھنی اور پھر چھنی اس طرح سے جیسا کہ ہمارے پہلے افسانے یہ ہیں کہ آدم کو دھکا دے کے وہاں سے جو نکالا ہے پھر وہ دوبارہ ۔ بہتر ااای توبہ ترلا کتنا اونے ۔ اتنی ہی وہاں توبہ ہے سب کچھ ہے اس جنت میں دوبارہ نہیں اس کو بھیجا گیا کہا اب اس راستے سے آنا ہوگا ۔ ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ کے راستے سے آؤ گے جب اس طرح سے آؤ گے تو پھر یہ نہیں چھینی جائے گی' کیا فرق ہے' جو بھی وہ واقعہ بیان کرتے ہیں یہ حضرت آدم والا اس میں وہ جنت جو ہے آدم کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں تھی خدا واسطے ملی ہوئی تھی جب جی چاہا پٹو کی ماری بس ختم ہوا معاملہ اس کے بعد تو پھر سوال ہی نہیں ہے کہ باقی رہے' یہ کیوں باقی رہی ہے کیوں اس کے متعلق یہ ضمانت دی جا رہی ہے ۔ خٰلدین فیھا ۔ عزیزانِ من غور سے سنئے اس لئے کہ ۔ جزآء بما کانوا یعملون ۔ ہم نے خیرات نہیں دی تھی انہو ں نے تو محنت کر کے اس کو حاصل کیا تھا نکال کون سکتا ہے' محنت کر کے اپنا مقام بنایا ہوا ہو کرائے کے مکان میں نہ رہ رہے ہوں خدا واسطے کے مکان میں نہ رہ رہے ہوں'

جنت تیری پنہاں ہے تیرے خونِ جگر میں

یہ جنت کوئی نہیں چھین سکتا عزیزانِ من ۔ وہ فی سبیل اللہ ملی ہوئی جو جنت ہے جس کیلئے ہمیشہ ساری عمر منتظر رہتے ہیں کہ بخشش ملے گی وہ بخشش تو آپ کو پتہ ہے کہ کیا ہوتی اس جنت کے متعلق یہی ہے کہ یا اللہ بخش دے یعنی ہم تو اب بخشش کی جنت کے طالب ہیں

بہشتِ فی سبیل اللہ ہم است

وہ کہتا ہے کہ اسلئے نہیں وہاں سے نکالے جاؤ گے کہ ۔ جزآء بما کانوا یعملون ۔ یہ تمہارے اپنی محنت کا نتیجہ ہے اس لئے اس میں سے نکالے نہیں جاؤ گے لیکن جب تک محنت کرتے رہو گے یہ شرطیں ہیں ساتھ تمہاری طرف سے یہ کچھ ہوتا چلا جائے گا ہم اپنے عہد کے اوپر پابند رہیں گے ہم وعدہ کو بہت پابند کرنے والے واقع ہوئے ہیں ۔ لا یخلف اللہ المعیاد ۔ یہ کرتے جاؤ وہ ہوتا چلا جائے گا' جب وہ چھوڑ دو گے ہمارا وعدہ بھی ختم ہو جائے گا پھر حاصل کرنا چاہو گے وہی پروگرام موجود ہے ۔ ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ عزیزانِ من سورۃ الاحقاف کی 13 تک ہم آ گئے 14 آیت سے آئندہ ہم لیں گے ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔

پہلا باب: سورۃ الاحقاف (آیات 15 تا 16)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج دسمبر 1981ء کی 4 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الاحقاف کی آیت 15 سے ہو رہا ہے 46/15۔

سابقہ آیات میں یہ بتایا جا رہا تھا کہ مؤمن کا مقام کیا ہے ان کی خصوصیات کیا ہیں' مقام تو یہ ہے کہ ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا ۔ جن کا زندگی کا مقصد اور دعویٰ یہ ہے کہ رب صرف اللہ ہے رزق کسی انسان کے ہاتھ سے نہیں مل سکتا اور پھر اس پر جم کر کھڑے ہو گئے اپنے اس دعویٰ پر تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور ان کو خوف اور حزن نہیں رہتا یہ مقام ہے مؤمن کا۔ پہلی چیز قرآنِ کریم حیوانی زندگی میں اور انسانی زندگی میں فرق کرتا ہے اور پھر انسانی زندگی میں مختلف مراتب کا ذکر کرتا ہے مؤمن کا درجہ اس میں سب سے بلند ہوتا ہے لیکن پہلا فرق جو ہے حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں اگلی آیت میں اس کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حیوانات کی زندگی میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک جبلی تقاضا ہوتا ہے instinct کا ؟؟ ہوتی ہے جس کی رو سے وہ بچے کی ماں بچے کی پرورش کرتی ہے بعض جنسوں میں ماں اور باپ دونوں ہوتے ہیں یہ چڑیا وغیرہ پرندوں میں اور مویشیوں میں عام طور پہ ہم دیکھتے ہیں کہ ماں ہی بچے کی پرورش کرتی ہے' وہ بچے کی پرورش جب وہ بچہ اپنی پرورش آپ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے بچے اور ماں کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بچہ پہچانتا ہی نہیں ہے کہ یہ میری ماں تھی اور یہ میرا باپ تھا' انسانی زندگی میں بھی بچے کی پیدائش ہوتی ہے تو ماں باپ اس کی پرورش کرتے ہیں' حیوانی سطح کا تو یہ تقاضا ہے کہ جب وہ خود اپنی پرورش کرنے کے قابل ہو جائے تو پھر ان کا کوئی تعلق نہ رہے لیکن انسانی زندگی یہاں سے مختلف ہو جاتی ہے یہاں پہنچنے پر یہ کہا گیا انسان کو یا اولاد کو کہ ۔ ووصینا الانسان بوالدیہ احسٰنا ۔ انسان سے ہم نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو فراموش نہ کرے بڑھاپے میں ان کی جو کمیاں ہو گئی ہیں ان میں deficiencies جو ہو گئی ہیں ان کو پورا کرے احسان کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ جس میں کمی کچھ ہو جائے اس کمی کو پورا کر دیا جائے' قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پہ والدین کے ساتھ احسان کا ذکر اور تاکید آئی ہے کہیں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرو درشت کلامی پہ نہ اتر آؤ یہ ساری تاکید آپ دیکھتے ہیں حیوانات میں اس کی ضرورت نہیں وہاں نہیں ہوتی یہ انسان کا درجہ ہے یہاں یہ چیز کہی گئی کہ وہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرے ان کی کمی کو پورا کرے نرمی سے ان کے ساتھ پیش آئے کیونکہ کہا کہ بڑھاپے میں پہنچ کر عقل اوندھی ہو جاتی ہے انسان کچھ چڑچڑا ہو جاتا ہے اس کا مزاج کچھ مختلف ہو جاتا ہے تو اس کو تنگ نہ کرو اس سے ان کو جھڑکو نہیں ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو نہ ہی یہ ہے کہ ان سے بے رخی برتو' ان کی کمی کو پورا اس کو احسان کہتے ہیں' نرمی سے برتاؤ کرو تو گویا یہ مقامِ انسانیت ہے ۔ وصینا الانسان ۔ یہاں ہے یہ صرف مؤمنین کیلئے ہی حکم نہیں ہے بلکہ کہا کہ

انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حیوانی سطح پہ نہ اترے کہ ماں باپ اس کی پرورش تو کرتے رہیں اور جب ماں باپ خود اس مقام پہ پہنچیں کہ ان کی پرورش کی ضرورت ہو تو یہ ان کی طرف سے رخ موڑ لے منہ موڑ لے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ پھر ان کی پرورش کرے ۔ ؟؟؟ ۔ قرآن نے کہا ہے کہ انہوں نے بچپن میں جس طرح سے تمہاری نگہ پرداخت کی تھی پرورش کی تھی تربیت کی تھی ربوبیت کی تھی اس عمر میں یہ خود اپنی ربوبیت کے قابل نہیں رہے ہیں تو انکی اس کمی کو پورا کرو تو گویا یہ انسانیت کا تقاضا بتایا آپ دیکھئے کہ یہاں ۔ وصینا الانسان ۔ ہے اس میں مؤمن اور کافر کی بھی تمیز نہیں ہے صرف حیوان اور انسان کی تمیز ہے اس سے کہا یہ گیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرے' ایک بات جو اکثر اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ آ چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو عام عقیدہ ہے کہ ماں باپ کی اطاعت فرغ ہے یہ غلط ہے' قرآن نے کہیں ان کی اطاعت کو فرض قرار نہیں دیا ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہی تاکید کی ہے' اور یہ بڑی اہم چیز ہے بظاہر یہ ایک چھوٹا سا نکتہ ہے لیکن یہ زندگی کے بڑے اہم اصولوں میں سے ایک بات ہے' میں نے جیسا کہا ہے کہ ہمارے ہاں بھی عام طور پہ یہ ہے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے' اور باقی مذاہب میں تو پوچھو نہیں کہ ماں باپ کی اطاعت کو کتنی اہمیت دی گئی ہے مہاراج رام چندر اسلئے اوتار خدا کے بن گئے کہ انہوں نے اپنے بوڑھے باپ کا ایک ایسا حکم مانا تھا جس کو باپ بھی ناجائز سمجھتا تھا اور بیٹا بھی نامناسب سمجھتا تھا لیکن چونکہ وہ باپ کا حکم تھا اس لئے انہوں نے باپ کے اس حکم کو مان لیا راج پاٹ کو تیاگ کے بنباس اختیار کر لیا اور ان کے دھرم کی رو سے یہ اتنا بڑا اہم ثواب کا کام تھا اتنا بڑا اہم نیکی کا کام تھا کہ وہ مہاراج رام چندر رام اوتار ہو گیا اس بنا پر کہ اس نے باپ کے ایک نامناسب حکم کی اطاعت کی تھی' اور دنیا کے ہر مذہب میں آپ دیکھیں گے کہ یہ جو obedience اطاعت ہے ماں باپ کی اس کو فرض قرار دیا گیا ہے' کسی سے بھی کہیئے کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرے گا وہ کہے گا کہ بالکل ٹھیک ہے جو ان لوگوں نے کہا ہے ماں باپ کی اطاعت فرض ہے یہ صرف جذباتی چیز ہے لیکن قرآن جذبات پہ نہیں اترتا وہ حقائق کے اوپر اترتا ہے وہ جہاں ایک طرف یہ کہتا ہے کہ اس عمر میں پہنچنے کے بعد انسان کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے جو پہلے معلوم ہوتا ہے وہ بھی بھول جاتا ہے کمزوریاں آ جاتی ہیں defeciency آ جاتی ہے دماغی کمزوریاں آتی ہیں تو وہ کیا ایک ایسے شخص کو کہ جو ابھرتی ہوئی جوانیوں میں پہنچ رہا ہے جس کی توانائیاں جس کی صلاحیتیں ابھر رہی ہیں پختہ ہو رہی ہیں اس کے زمانے کے حالات بدل گئے ہیں کیا اسے یہ حکم دے گا کہ یہ ان کی اطاعت کرے جن کے متعلق خود وہ کہہ رہا ہے کہ ان کی عقل اوندھی ہو چکی ہے' اگر یہ ان کی اطاعت فرض قرار دیدیا جائے تو دو قدم بھی دنیا کا نظام نہ چل سکے' آپ غور کرتے ہیں کہ قرآن کس قدر حقائق کو سامنے رکھتا ہے facts کا سامنا کرتا ہے جذبات پہ نہیں اترتا' کہیں اس نے نہیں کہا کہ اطاعت فرض ہے یہ جو بالغ ہو گیا ہے یہ لڑکا اگلی آیت میں آ جاتا ہے بلکہ اسی آیت کے اگلے حصے میں سنِ رشد کو پہنچتا ہے جوانی کو پہنچتا ہے پختگی کو پہنچتا ہے تو یہ تو اوپر کو ابھر رہا ہوتا ہے اور ماں باپ نیچے جا رہے ہوتے ہیں تو یہ کبھی بھی ایک ایسی جنس کو کہ جو ابھرنے والی ہو اسے کبھی یہ نہیں کہے

گا کہ تم ان کی اطاعت کرو جو نیچے جانے والی ہے' اور یہی چیز نسلوں کے اوپر بھی ہے آنے والی نسل اپنے دور کی جو ہے وہ کبھی نہیں کہتا کہ جو نسل چلی گئی جن کو اسلاف کہتے ہیں تم ان کی اطاعت اور ان کی پیروی کیا کرو' کہتا ہے اپنے حالات آپ خود سامنے رکھو عقل و فکر سے کام لو قرآن نے guidence کیلئے راہنمائی تمہیں دیدی ہے اس راہنمائی میں اپنے قدموں سے آپ چلو اپنی آنکھوں سے آپ دیکھو تو یہ چیز جو ہے یعنی قرآن کے تو ایک چھوٹے چھوٹے احکام بھی جو ہیں وہ انفرادیت پیدا کر دیتے ہیں منفرد بنا دیتے ہیں اس کی تعلیم کو دوسرے مذاہب کی تعلیم سے' یہ fact کو سامنے رکھتا ہے اس نے کہیں نہیں کہا کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے دوسری طرف اس نے یہ بھی نہیں چھوڑا کہ یہ حیوانات کی طرح کیفیت ہے کہ وہ تو تمہاری پرورش کریں اور جب پرورش پا چکو اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے کے قابل ہو جاؤ تو پھر ماں باپ کی طرف سے آنکھیں بند کرلو' یہ بھی نہیں' غور فرمایا آپ نے کہ قرآن کس قدر حقائق کو سامنے رکھتا ہے حیوانات سے اس کو منفرد کیا کہ نہیں ماں باپ ماں باپ ہیں جب وہ اپنی پرورش کے آپ قابل نہ رہیں بڑھاپے میں پہنچیں کمزوریاں ان میں آ جائیں ان کی کمزوریوں کو رفع کرو نرمی سے ان کے ساتھ پیش آؤ حسنِ سلوک سے ان کے ساتھ پیش آؤ اور ادھر یہ بھی نہیں کہا ہے کہ ان کی اطاعت تم پر فرض ہے' اپنے فیصلے آپ کرو تم بہتر پوزیشن میں ہو ان کے مقابلے میں اپنے فیصلے کرنے کیلئے' آپ ذرا ادھر ادھر نگاہ دوڑا کے دیکھئے کہ اس غلط مفروضے نے کہ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے یعنی جو کچھ وہ کہیں وہ کرنا خدا کے حکم کی رو سے فرض ہے معاشرے میں کتنی تباہیاں پیدا کرتا ہے' ماں حکم دیتی ہے کہ ابھی طلاق دیدو نکال دے اس کو اس نے میرے حق میں گستاخی کی ہے' اطاعت فرض ہے' بیسیوں معاملات کے اندر آپ دیکھیں گے اطاعت فرض کے غلط مفروضے کے ماتحت کتنی تباہیاں آتی ہیں گھروں کے اندر اور معاشرے کے اندر' حسنِ سلوک کی قرآن نے تاکید کی ہے تو کہا ذرا دیکھو ماں کی ایک چیز ہے جو سامنے وہ لایا ہے ۔ حملتہ امہ کرھا و وضعتہ کرھا وحملہ وفصلہ ثلثون شھرًا ۔ اتنی سی چیز کو دیکھو کہ وہ حمل میں کس قدر اس نے تمہارے لئے یہ تمہاری پرورش کیلئے جب تم ابھی جنین کی صورت میں رحمِ مادر میں تھے اس نے کتنی اذیت برداشت کی مشقت برداشت کی پھر اس کے بعد وضع حمل میں دیکھو پھر اس کے بعد تمہاری پرورش کیلئے کتنے عرصے تک وہ اپنے خونِ جگر کو دودھ کی شکل میں تبدیل کر کے تمہاری پرورش کرتی رہی اپنے بدن کے حصے کو تمہارے اندر منتقل کرتی چلی گئی یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے تمہارا تو وجود رہینِ کرم ہے تمہاری ماں کی ان منازل کا' تو اور نہیں تو کم از کم جیسے ہم کہتے ہیں احسان کا بدلا ہی چکاؤ اس معنی میں احسان کا بدلا احسان ہی سہی' یہاں ضمناً کہا یہ گیا ہے کہ حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس مہینے وہ ہے یہ دوسرے مقام پر ایک دو جگہ جہاں قانونی نکتہ آیا ہے وہ اس میں دودھ پلانے کیلئے دو سال مقرر کئے ہیں چوبیس مہینے وہ ہوئے اب اگر اس میں حمل کے مہینے ملاتے ہیں تو تیس نہیں بنتے وہ اگر نور کھے جائیں تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ بھی وہ جو تیس اور دو سال قرآن نے کہا ہے وہ لازمی بات نہیں ہے کہ یقینی طور پر دو سال کیلئے ہی ماں پلائے دودھ اس سے پہلے دودھ چھڑائے نہیں یا اس سے زیادہ عرصے کے دودھ پلائے

نہیں قانونی تقاضا اور ہوتا ہے وہاں وہ یہ ہے کہ اگر وہ طلاق ہو جائے تو کتنے عرصے تک ماں کی دودھ پلائی جو ہے وہ باپ پر لازم آتی ہے قانوناً تو قانونی حد وہاں مقرر کی گئی ہے یہ نہیں ہے کہ وہ دو ہی سال کا عرصہ ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ' وہ دو ہی سال اگر وہ لئے جائیں تو یہاں بھی تو ۔ کرھاً ۔ کی بات ہے قرآن نے دوسرے مقام پہ یہ کہا ہے 7/189 کہ پہلے حملِ خفیف ہوتا ہے پھر حملِ ثقیل ہوتا ہے خفیف وہ ہوتا ہے کہ وہ حمل تو ہوتا ہے لیکن ابھی وہ بوجھل نہیں ہوتا اس میں کچھ مشقت نہیں ہوتی عام کام کاج عورت کرتی رہتی ہے تو وہ قریباً تین مہینے تک ہوتا ہے وہ اس کے بعد پھر وہ ثقیل ہوتا ہے بوجھل ہو جاتا ہے وہاں کرھا کی بات آجاتی ہے عجیب چیز ہے قرآن کا ایک ایک لفظ جو ہے یہاں سے کرھاً شروع ہوتا ہے حمل اور وہاں سے اس نے مدت مقرر کی ہے وہ تو چھ مہینے کی مدت ہوتی ہے تو چھ مہینے اور دو سال ادھر لے لئے جائیں تو تیس مہینے یونہی پورے ہو جاتے ہیں ویسے میں نے عرض کیا ہے کہ یہ کوئی قرآن کی رو سے فریضہ نہیں ہے کہ دو ہی سال کیلئے دودھ پلایا جائے نہ اس سے کم یا اس زیادہ کیا جائے' بات اس نے کہی ہے کہ تم اور کچھ نہیں تو اپنی ماں کے ان مراحل کو ہی اپنے سامنے رکھو پہلے کس قدر مشقت اٹھائی اس نے اور اس کے بعد دو سال تک تمہاری پرورش اس طرح سے کرتی رہی اپنے خونِ جگر اور تم پھر بڑھ پھول کے ایسے ہو گئے اور اس کے بعد اس کی صورت آگئی جیسا میں نے عرض کیا ہے کہ اطاعت والی بات نہیں ہے ۔ حتیٰ اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ ۔ پھر وہ جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے اور آہستہ آہستہ اس نے تجربات کے بعد پختگی حاصل کر لی کوئی چالیس سال کی عمر تک اب وہ پختہ ہو گیا ہے اپنے معاملات کے حل کرنے کیلئے ۔ قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلیٰ والدی ۔ یہ وہ ہے جو سعادت مند بچہ ہے خدا پرست بچہ ہے وہ خدا سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ مجھے توفیق عطا فرما کہ میں وہ نعمتیں جو تو نے مجھ پر وارد کی ہیں میرے باپ کو جن سے نوازا تھا میں ان کا شکر ادا کر سکوں ۔ وان اعمل صالحًا ۔ اور وہ شکر یہ ہے کہ میں وہ کام کروں جو تیرے قوانین کے مطابق ہوں ۔ ترضٰہ ۔ ہم آہنگ ہوں جو تیری مشیت اور تیرے قانون سے میں وہ کام کروں اور اس سے صلاحیتیں پختہ ہوں میری بھی ۔ واصلح لی فی ذریتی ۔ اور وہ ایسی ہوں کہ میں اپنی اولاد کی بھی تربیت اسی طرح سے کر سکوں میری صلاحیتیں میری ذات تک ہی محدود نہ ہوں بلکہ وہ صلاحیتیں ایسی ہوں کہ میری اولاد کی تربیت و پرورش بھی ان کے مطابق ہو سکے ۔ انی تبت الیک وانی من المسلمین ۔ میں ہر معاملے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں تیرے قانون کی طرف تیری کتاب کی طرف کہ وہاں سے مجھے راہنمائی ملے وہاں سے مجھے حکم ملے تو میں اس کے مطابق عمل کروں اور زندگی گذاروں ۔ وانی من المسلمین ۔ اس کی طرف رجوع ہی نہیں کروں بلکہ اس کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں' یہ ہے ضروری چیز جو ہے' guidence لینے کے بعد اس guidence کی پرواہ نہ کرنا اور کرنا وہی جو اپنے جی میں آئے پھر اس کا فائدہ کیا ہے کسی سے راہنمائی لینے کا' راہنمائی لینے کے بعد اس کے اوپر عمل کرنے کی بات ہے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ضروری ہے یہی ہے جسے وہ مسلم کہتا ہے تو وہ یہ خدا سے پھر دعا مانگتا ہے ۔ اولئک الذین

نتقبل عنہم احسن ماعملوا ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حسنِ عمل کو ہم شرفِ قبولیت بخشتے ہیں ۔ ونتجاوز عن سیأتھم ۔ یہ ایک ٹکڑا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بڑا وضاحت طلب ہو جائے گا سیأت کہتے ہیں عام برائیوں کو لغزشوں کو ان سے تجاوز کے معنی ہوتا ہے آگے بڑھ جانا گرفت نہ کرنا مواخذہ نہ کرنا عام طور پہ جسے کہتے ہیں معاف کرنا جسے ہم کہتے ہیں' پہلے میں یہ کہوں کہ ۔ فی اصحٰب الجنۃ ۔ یہ لوگ ہیں اصحٰب الجنۃ میں' یہاں یہ ٹکڑا آیا کہ ان کے حسنِ عمل کو تو ہم قبولیت کا شرف بخشتے ہیں اور ان کی سیأت کو برائیوں کو لغزشوں کو عام الفاظ جو ہیں معاف کر دیتے ہیں ہمارے ذہنوں کے اندر یہ جو معافی کا تصور ہے یہ بڑا تباہ کن ہے بخشش خدا کی طرف سے معافی خدا کی طرف سے شفاعت اس کے رسول کی طرف سے تو پھر اس کے بعد جرائم اور گناہوں کا جو بوجھ ہے اس کا تو تصور ہی باقی نہیں رہتا جو جی میں آئے کرو اور یہ دیکھئے یہاں بھی خدا نے کہا ہے کہ ہم ان کو معاف کر دیتے ہیں ان کی سیأت کو' بہ ہیت مجموعی جب قرآن کا تصور سامنے لایا جائے اور وہ مکافاتِ عمل کا تصور ہے مکافاتِ عمل کے معنی ہیں انسان کا ہر کام ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اس میں معافی اور بخشش کا سوال نہیں یہ تو قانون کی چیز ہے ہر عمل انسان کا ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے نگاہ کی خیانت اور اس کے دل میں گذرنے والے خیالات بھی اپنا نتیجہ پیدا کرتے ہیں' تو جب یہ قانون ہے اس میں معافی کا کیا تصور' عزیزانِ من بڑے ہی غور سے سننے کی بات ہے یہ زندگی کا بڑا بنیادی اصول ہے ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے ۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یراہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یراہ ۔ عملِ خیر کا ایک ایک ذرہ وہ بھی اس کے سامنے آجائے گا عملِ شر کا ایک ایک ذرہ وہ بھی اس کے سامنے آجائے گا تو یہ تو سامنے آجائیں گے تو اس میں پھر بعض سے تجاوز کر جانا یا نظر انداز کر دینا اس کو بغیر مواخذے کے آگے بڑھ جانا یہ دو چیزیں تو آپس میں ملتی نہیں ہیں' کیا چیز ہے یہ' بڑی اہم چیز ہے' نظامِ کائنات قانونِ ارتقاء کی رو سے جاری اور ساری ہے ارتقاء کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز اپنے نقطۂ آغاز سے آگے بڑھتی ہے مختلف منازل میں سے گذرتی ہوئی آگے چلی جاتی ہے ہر منزل میں اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے تخریبی قوتوں کے ساتھ اگر اس شے کی تعمیری صلاحیت بڑھی ہوئی ہے اس کے معنی ہیں کہ اس میں power of resistent یا قوتِ مدافعت زیادہ ہے تو وہ تخریبی قوتوں کو شکست دیدیتی ہے اور وہاں زندہ بھی رہتی ہے اور صلاحیتیں زیادہ ہیں تو آگے بڑھ کے ارتقاء کی اگلی منزل میں جا پہنچتی ہے' اس طرح سے وہ شے جس کی صلاحیتیں اتنی زیادہ بڑھی ہوئی ہوں کہ وہ تخریبی عناصر کو شکست دیتی چلی جائے وہ آگے بڑھتی چلی جاتی ہے تا آنکہ وہ اپنے منتہا کو پہنچ جاتی ہے جو کچھ بننا ہوتا ہے بن جاتی ہے' یہ ہے قانونِ ارتقاء جو جاری و ساری ہے' انسان کی زندگی میں بھی یہی قانون جاری ہے انسان کی طبعی زندگی جو فزیکل لائف جسے آپ کہتے ہیں اس میں کیا ہوتا ہے اب یہ تجربات اور مشاہدات بتا رہے ہیں کہ ہر آن انسان کے اندر ایسے ہلاکت پیدا کرنے والے جراثیم کروڑوں کی تعداد میں ایک ایک سانس میں پہنچتے ہیں کہ اگر اسکی مدافعت کی قوت اندر نہ ہو تو ایک سانس میں موت واقع ہو جائے لیکن ہوتا کیا ہے اس کے اندر تعمیری قوتیں ایسی ہوتی ہیں جو ان کا مقابلہ کرتی ہیں اگر وہ تعمیری قوتیں بڑھی ہوئی ہیں تو یہ

تخریبی جراثیم یہ جواندر جاتے ہیں بیکٹیریا یا سیلز وغیرہ وہ ان کو ہلاک کر دیتی ہے انسان تندرست رہتا ہے' اور اگر وہ قوتِ مدافعت کم ہوگئی ہے تعمیری قوتیں اندر کی جو ہیں کم ہوگئی ہیں ان کے مقابلے میں تو یہ غالب آ جاتی ہیں انسان بیمار ہو جاتا ہے' اگر تو عارضی طور پر یہ واقع ہوا ہے جسے علاج کہتے ہیں وہ یہی ہوتا ہے کہ اندر کی مدافعت کی قوت جو ہے اس کو بڑھا دیا جاتا ہے باہر کی تدبیروں سے' یہ دوائی جا کے آپ نہیں کچھ کرتی یہ ٹھیک ہے کہ اب انہوں نے یہ بھی طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ ہلاکت آمیز جراثیم کو مار بھی دیتی ہے antibiotic جس کو کہتے ہیں اگرچہ وہ سب کو ہی مار دیتی ہے اندر پہنچ کر' لیکن اصل علاج یہ ہے کہ انسان کی مدافعت کی قوتیں جو ہیں ان میں تقویت پیدا کی جائے یہ صحیح طریقِ علاج ہے وہ خود مقابلہ کرے اور ان کو شکست دے یہ تندرستی ہوگئی' لیکن بیماری میں اگر یہ قوتیں کم ہیں عارضی طور پہ ہیں تو صرف بیمار رہوتا ہے اور اگر یہ قوتیں کمزور تر ہوتی چلی جائیں اور وہ غلبہ زیادہ حاصل کرتی چلی جائے تو اسکا نام موت ہوتا ہے' جب انسان بیمار ہوتا ہے تو یہ نہیں کہ اس کے اندر مدافعت کی صلاحیت یا تعمیری قوتیں بالکل ناپید ہوتی ہیں یہ نہیں ہوتا' ہوتی ہیں لیکن وہ کم ہوتی ہیں اور تخریبی قوتیں زیادہ ہوتی ہیں' موت بھی واقع ہوتی ہے تو اس وقت بھی یہ نہیں ہوتا کہ اندر کوئی تعمیری قوت ہوتی ہی نہیں ہے وہ اتنی کمزور ہوتی ہے کہ ان ہلاکت آفریں تخریبی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتی' اس وقت بھی وہ کچھ ہوتی ہیں' یہ کیا چیز ہے تعمیری اور تخریبی قوتوں کا ٹکراؤ ہر آن ہر سانس میں ہوتا ہے خارجی کائنات میں بھی انسان کی اپنی ذات میں انسان کی اپنی زندگی میں بھی' عزیزانِ من قرآنِ کریم نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا آج کے سائنسدان قانونِ ارتقاء کو جو لائے ہیں تو انہوں نے کہا ہے کہ یہ بہت بڑا انکشاف ہے جو ہم نے کیا ہے قرآن کہتا ہے کہ انسان یا کائنات میں ہر آن میزان کھڑی ہے ایک ترازو کھڑا ہے ۔ وضع المیزان ۔ اور ترازو کے جو دو پلڑے ہوتے ہیں وہ کہتا ہے کہ تخریبی قوتوں کا بھی پلڑا ہوتا ہے اور تعمیری قوتوں کا بھی پلڑا ہوتا ہے ۔ من ثقلت موازینہ فھو عیشۃ راضیہ من ثقلت موازینہ فامہ ھاویہ ۔ جس کا تعمیری قوتوں کا پلڑا جھکا ہوا ہوتا ہے وہ تندرست و توانا ہوتا ہے وہ ہوتا ہے جو آگے بڑھنے کے قابل ہوتا ہے وہ ہے جو جنت میں پہنچتا ہے' اور جس کا تعمیری قوتوں کا پلڑا اٹھا ہوا ہوتا ہے یعنی ہلکا ہوتا ہے وہ ہے جو جہنم میں جاتا ہے بیمار ہو جاتا ہے موت آ جاتی ہے' یہ جو ہے ثقلت موازینہ اور خفت موازینہ یہ ہے قانونِ ارتقاء یہ نہیں کہ جس کا تعمیری قوتوں کا پلڑا جھکا ہوا ہوتا ہے تخریبی قوتوں کی یا برائیوں کی کوئی ایک رمق بھی اسمیں نہیں ہوتی' وہ ہوتی ہے' لیکن یہ جو ہے یہ زیادہ ہوتی ہیں قوت والی ہوتی ہیں وہ ان کو شکست دیتی ہیں' یہ جو ہے موازین کی بات قرآن نے کہی عزیزانِ من میں ذرا ایک قدم آگے بڑھ جاؤں جس طرح انسان کے جسم کی کیفیت ہے انسان تو صرف اس کے جسم سے عبارت نہیں ہے جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے انسان کی ذات یا اس کا نفس کہا جاتا ہے' یہ جسم تو اسی زندگی تک ہے اصل مقصود انسان کا اسی قانونِ ارتقاء میں اس کی ذات کی نشوونما اور پرورش بھی ہے تو ہر عمل جو انسان کا ہے طبعی زندگی سے متعلق نہیں بلکہ اس زندگی سے متعلق جسے ہم اس کی ذات کی زندگی یا اس کے نفس کی زندگی کہتے ہیں اس کا ہر عمل اس پہ بھی اثر

انداز ہوتا ہے اس کے بھی پلڑے ہوتے ہیں جسے آپ نیک کام یا اعمالِ صالح کہتے ہیں وہ وہ کام ہیں جن سے انسانی ذات میں پختگی پیدا ہوتی ہے نشو ونما اس کی ہوتی ہے اور جسے آپ عملِ شر کہتے ہیں برائی کہتے ہیں وہ وہ ہیں جس سے اس کی ذات میں ضعف واقع ہوتا ہے تخریب اور انتشار واقع ہوتا ہے آگے بڑھنے والی مرنے کے بعد یہ آگے بڑھتی ہے اگر اس کا تعمیری قوتوں کا پلڑا جو ہے وہ بھاری ہے تو یہ وہ ہے جو ارتقاء کی اگلی منزل میں پہنچنے کے قابل ہو جاتی ہے اسے جنت کہتے ہیں اور جس کا تخریبی قوتوں کا پلڑا بھاری ہوتا ہے ذات او خودی جس کی کمزور ہوتی ہے ضعف ہوتا ہے اس کا ارتقاء رک جاتا ہے وہ جمود میں آ جاتی ہے اسے جہنم کہتا ہے جہنم کیلئے جحیم کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں جہاں کوئی چیز روک دی جائے تو سلسلہ ارتقاء میں یہ آگے نہیں بڑھتی یہ جو فزیکل یا کائناتی زندگی ہے اس میں یہ جو سائنس کے انکشافات بڑے محیر القعول ہیں یہ دس دس ہزار سال کے لاکھوں سالوں کے کروڑوں سالوں کے پہلے کے ڈھانچے جو ملتے ہیں ان کو مختلف قسم کی مختلف انواع کے مختلف جانداروں کے عجیب و غریب قسم کے وہ ہیں تو ان میں صورت یہ ہوتی ہے کہ بہت سی specious جن کو کہتے ہیں ڈارون نے یہ نکتہ ایجاد کیا تھا انکشاف کیا تھا انواع مختلف قسم کے مخلوق کی جانداروں کی ایسی ہے کہ جو ایک مقام کے اوپر وہ فنا ہی ہو گئی وہاں ان کے ڈھانچے تو ملتے ہیں دنیا میں ان کا وجود نہیں ملتا وہ وہ تھیں جن میں قوتِ مدافعت قطعاً نہیں رہی تھی یا بہت کم ہو گئی تھی تو مقابلہ نہیں کر سکی وہ فنا ہو گئیں' کچھ ایسی ہیں کہ جو زندہ تو ہیں لیکن اسی شکل کے اندر زندہ ہیں آگے نہیں بڑھ سکیں یہ جتنے آپ کو پرندے مویشی وغیرہ نظر آتے ہیں بھیڑ انہوں نے دیکھا ہے دس ہزار سال یا لاکھ سال پہلے بھی بھیڑ ہی تھی آج بھی وہ بھیڑ ہی ہے آگے نہیں بڑھ رہی زندہ ہے اسی مقام پہ زندہ ہے جس کا ارتقاء کا سلسلہ رک گیا ہے یہ یوں کہئے کہ یہ جحیم میں ہے' انسان کی بھی یہ کیفیت ہے کہ اگر اس کی ذات کی نشو ونما دینے والی قوتیں زیادہ ہیں غالب آئی ہوئی ہیں تو وہ ان قوتوں کو شکست دیدیں گی جو اس میں تخریب پیدا کرتی ہیں یہ جو قوتیں ہیں جو اس کو نشو ونما دیتی ہیں ان کو قرآن حسنات کہتا ہے اور تخریبی قوتیں جو ہیں ان کو وہ سیأت کہتا ہے' اب پلڑوں کی بات آ گئی جس کا یہ تعمیری قوتوں کا پلڑا بھاری ہوتا ہے وہ آگے بڑھنے کے قابل ہوتی ہے وہ آگے چلی جاتی ہے وہ جنت میں جا پہنچتی ہے جنت میں پہنچنے والوں کا جو دوسرا پلڑا ہے وہ بالکل خالی نہیں ہوتا اس میں لغزشیں ہوتی ہیں عجیب چیز ہے قرآن نے جو کہی ہے دنیا کے باقی مذاہب میں نجات کا تصور یہ ہے کہ وہ بہشت میں یا جس میں بھی وہ اپنے ہاں نجات کہتے ہیں اسے حاصل ہوتی ہے جس شخص میں کوئی گناہ نہ ہو وہ معصوم ہو' ہندو دھرم تو اس کو پھر جون کا چکر دیتا ہے کروڑوں جونوں میں وہ بدل بدل کے وہ کہتا ہے وہ آتا ہے دھوبی کی بھٹی چڑھتا ہے ہر بار دیکھا جاتا ہے کہ اس کی آلائشیں جو ہیں لغزشوں کی کتنی کم ہوئیں کروڑوں چکر دینے کے بعد جب دیکھا جائے کہ اس میں کوئی آلائش باقی نہیں رہی پھر اس کو نروان حاصل ہو جاتا ہے نجات حاصل ہو جاتی ہے یعنی شرط یہ ہے کہ کوئی آلائش نہ ہو' عیسائیت نے تو مصیبت مول لے لی اس نے کہا ہے کہ ہر انسانی بچہ پیدائش کے ساتھ ہی آلائشوں کا گناہوں ایک بوجھ اپنے ساتھ لاتا ہے اپنے اولیں ماں باپ نے آدم

اور حوا نے جو معصیت کی تھی وہ اس گناہوں کا بوجھ ہر انسانی بچہ اپنے ساتھ لاتا ہے اور وہ کسی طرح سے صاف ہو ہی نہیں سکتا جب وہ صاف نہیں ہو سکتی وہ آلائش تو وہ جہنم میں جاتا ہے کیونکہ جنت میں تو اس نے جانا ہے جس میں یہ آلائش کا ذرا سا دھبہ بھی نہ ہو تو اب کیا کیا جائے تو انہوں نے اس کے بعد یہ عقیدہ وضع کیا کہ حضرتِ عیسیٰ نے خدا کے اکلوتے بیٹے نے ۔ بقول ان کے ۔ اپنی جان دیکر اپنا خون بہا خدا سے یہ لیا کہ یہ جتنے لوگ میرے اس کفارے پہ ایمان رکھیں گے ان کی وہ آلائشیں تم معاف کر دینا دھو دینا اور انہیں جنت میں بھیج دینا' انہوں نے یہ آلائشیں دھونے کیلئے یہ ایک طریق ایجاد کیا' تصور یہی تھا کہ نجات اسی کی ہوگی جنت میں وہی پہنچ سکے گا جو معصوم ہوگا جس سے کوئی لغزش سرزد نہ ہوئی ہوگی جس میں ذرا سا دھبہ بھی ایسا نہیں ہوگا جبکہ قرآن کہتا ہے کہ یہ انسانی فطرت کے خلاف ہے' انسان ہے لغزشیں بھی اس سے ہو جاتی ہیں دیکھئے عزیزانِ من جذبات میں نہیں یہ آتا وہ سارے مذاہب کا تصور خالص جذباتی ہے جبکہ قرآن حقائق کا سامنا کرتا ہے ٹھیک ہے انسان ہے بہرحال بشر ہی تو ہے اس سے لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں تو قانون کیا ہے قانون یہ ہے کہ اگر تعمیری قوتوں کا پلڑا بھاری ہے اس کا تو اس کی یہ جو چھوٹی موٹی لغزشیں ہیں وہ ان تعمیری قوتیں جو ہیں وہ ان کا ازالہ کر دیتی ہیں وہ تخریب نہیں پیدا کرنے دیتیں' تو اصول کیا قرآن نے بیان کیا عزیزانِ من چار لفظوں میں اتنی عظیم حقیقت جو ہے اس کو بیان کر گیا ہے کہ ۔ ان الحسنٰت یذھبن السیاٰت ۔ 11/114 سائنس کا سارا یہ جو قانون ارتقاء ان کی discoveries ان کے انکشافات وہ اسی نکتے کے اوپر گھومتے ہیں حسنات تعمیری پہلو جو ہیں تعمیری قوتیں جو ہیں وہ ازالہ کر دیتی ہیں تخریبی قوتوں کا بشرطیکہ تخریبی قوتیں کم ہوں اور وہ پلڑا ان کا جو ہے وہ بھاری ہو' ازالہ کر دیتی ہیں' ایک عظیم انسانیت ساز کام کسی سے سرزد ہوتا ہے چھوٹی موٹی لغزشیں جتنی بھی ہیں وہ اس کا ازالہ کر دیتی ہیں یہ تخریب نہیں پیدا کرنے دیتی ان کو وہ تعمیر اتنی بڑی وزنی ہوتی ہے کہ وہ ہلکی سی تخریب جو ہے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے یہ معافی نہیں ہے یہ بخشش نہیں ہے یہ ایک قانون کا تقاضا ہے بشرطیکہ تعمیری قوتیں یا جس کو آپ نیکی کہتے ہیں اس کا پلڑا بھاری ہو یہ جسے کہا گیا ہے کہ ۔ نتقبل عنھم احسن ماعملوا و نتجاوز عن سیاٰتھم ۔ کہ ان کے حسنِ عمل بہترین حسنِ عمل جو ہے اسے قبول کیا جاتا ہے اور وہ اس کا پلڑا بھاری ہوتا ہے تو یہ جو اس کے ہاں سیاٰت ہوتی ہیں یہ چھوٹی موٹی لغزشیں جو سرزد اس سے ہو گئی ہوتی ہیں یہ ان کا ازالہ کر دیتی ہیں' تو آپ نے غور فرمایا کہ اس میں معافی کا پہلو نہیں ہے بخشش نہیں ہے کسی قسم کی سفارش نہیں ہے بلکہ خالص قانون کی بات ہے' اب یہاں سے ایک بات اور ہے جو سامنے آتی ہے ممکن ہے جب آپ بھی اس پہ غور کریں وہ چیز آپ کے دل میں بھی شبہ ڈالے سورۃ کہف میں ہے 18/105 ۔ قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالاً ۔ کہا آؤ تمہیں ان کی بات بھی بتائیں کہ جو بے حد گھاٹے میں رہتے ہیں یہ نہیں کہ وہ کوئی اچھا کام کرتے ہی نہیں ہیں ایک تو وہ ہے کہ جو کچھ کرے ہی نہیں ایک وہ ہیں کہ جو کرے کرنے کے باوجود بے حد نقصان میں رہے تباہی ہو جائے ۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا ۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ یہی دنیاوی مفادات کی

باتیں جو ہیں ان میں کام کرتے ہیں اور جن کو وہ اچھا کام سمجھتے ہیں اپنے ذہن میں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہوتے ہیں وہ ایسا اچھا کام نہیں ہوتا بات اگلی ہے ۔ اولٰئک الذین کفروا بایٰت ربھم ولقاۂ ۔ وہ قانونِ مکافاتِ عمل سے انکار کرتے ہیں اس زندگی کے بعد کی زندگی جو ہے اس پہ ایمان نہیں رکھتے وہ یہاں کی زندگی کو ہی منتہا سمجھتے ہیں کہا ۔ فحبطت اعمالھم ۔ اعمال ان کے رائیگاں چلے جاتے ہیں ۔ فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنًا ۔ ان کا عمل تولنے کیلئے میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی' یہاں ذہن میں آیا ایک شک پیدا ہوا کہ یہ تو تضاد ہے ۔ من یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یراہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یراہ ۔ وہ تو کہتا ہے میزان کھڑی ہوگی ذرہ ذرہ اس کے اندر تلے گا یہاں کہا ہے کہ ان کیلئے میزان کھڑی کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی یہ کون ہیں ۔ حبطت اعمالھم ۔ ان کے کام رائیگاں چلے جائیں ایک تو رائیگاں جانا یہ ہے کہ تخریبی پلڑا جو ہے وہ اتنا بھاری ہو جائے کہ وہ تعمیری کام جو کچھ تھوڑے بہت کئے ہوئے ہیں وہ کچھ وزن ہی نہ رکھیں لیکن یہ چیز کہ ان کیلئے میزان ہی کھڑی نہیں کی جائے گی بڑا غور طلب ہے تو پھر ذرہ ذرہ سامنے کیسے آئے گا' نہیں کھڑی کی جاتی میزان دو مثالوں سے بات سمجھ میں آئے گی ایک تو سکولوں اور کالجوں کے لڑکوں کا امتحان اس میں ایک تو compulsory subject ہوتا ہے لازمی مضمون ہوتا ہے اور کچھ اختیاری مضمون ہوتے ہیں جس طالبعلم کا پرچہ لازمی مضمون کا ایسا ہو کہ وہ اس میں فیل ہو جائیں تو اس کے باقی پرچے دیکھے ہی نہیں جاتے پاس ہونے کیلئے پاس مارکس ہوتے ہیں اور وہ ہوتے ہیں اسی قانونِ ارتقاء یا قرآن کے اس ثقلت موازینہ اور خفت موازینہ 60% پاس مارکس جس نے 60% لئے ہیں 40% غلطیاں بھی تو ہیں اس کی اس کو اگلی کلاس میں پروموشن دیدی جاتی ہے اگلی کلاس میں اس کو بٹھا دیا جاتا ہے کیونکہ اس کا جو اعمالِ صالح کا پلڑا تھا 60% اس نے ازالہ کر دیا ہے اس کی 40% غلطیوں کا' وہ اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ آگے اس کو چڑھا دیا جائے کلاس میں لیکن اگر وہ compulsory subject میں فیل ہو گیا ہے تو اس کے باقی پرچے دیکھے ہی نہیں جاتے ۔ اولٰئک حبطت اعمالھم ۔ رائیگاں گئی اس کی ساری محنت ۔ فلا نقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنا ۔ اس کیلئے میزان ہی کھڑی نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ compulsory subject میں فیل ہو گیا ہے' اور دوسری مثال ہے آپ کے ہاں معاشرے کی حکومت کی اگر کسی شخص کے خلاف بغاوت کا جرم ثابت ہو جائے تو اس نے کتنے ہی امن پسندی کے کام کئے ہوں رفاعِ عامہ کیلئے کتنے ہی چندے دئے ہوں کتنے ہی اچھے کام کئے ہوں کوئی وزن نہیں رکھتی کوئی اس کا معاوضہ اور صلہ نہیں ہوتا ایک جرم بغاوت کا سارے باقی اس کے کام جو ہیں اس کو بہا کے لے جاتا ہے ۔ حبطت اعمالھم ۔ اس کیلئے پھر میزان بھی کھڑی نہیں کی جاتی کہ ایک ہی کام اس کا یہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے باقی جتنے بھی کام اچھے جنہیں آپ کہتے ہیں وہ ان کو بہا کے لے جاتا ہے بغاوت کا جرم ہے' یہ ہے جن کیلئے پھر کہا کہ باقی کاموں کیلئے ان کے میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی' اب قرآن کی رو سے بھی اس نے بعض کاموں کو اس نے بغاوت قرار دیا ہے' compulsory subject کونسے ہیں جسے توحید کہتے ہیں یہ زندگی کا یہ ایمان اور اس

کے مطابق یہ مسلک کہ حقِ حکومت خدا کے سوا کسی انسا کو حاصل نہیں ہے compulsory subject ہے اس کو توحید کہتے ہیں اور خدا کی حکومت کے معنی ہوتے ہیں اس کی کتاب کی حکومت اگر اس کے ساتھ کسی انسان کی کسی حکومت کو قانون کو بھی شامل کیا جائے اسے شرک کہتے ہیں قرآن اسے بغاوت کہتا ہے وہ جو ہے کہ اور سب کچھ بخشا جاسکتا ہے ۔ لفظ میں بخشا کہہ رہا ہوں ۔ لیکن شرک جو ہے جب وہ ہو جائے تو پھر باقی جتنے پرچے ہیں وہ نہیں دیکھے جاتے' یہ شرک کیا ہے' یہ بغاوت ہے خدا کے خلاف' ایمان یا توحید یہ ہے کہ خالصتاً کتابِ خداوندی کی حکومت قائم ہو اس میں کسی انسان کے قانون کا کوئی ذرہ شامل نہ ہو شامل ہوا تو شرک ہوا شرک ہوا بغاوت کا جرم ثابت ہو گیا بغاوت کا جرم ثابت ہوا تو پھر میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی سارے اعمال اس کے غارت چلے جائیں گے' آپ نے غور فرمایا کہ یہ کیا اصول قرآن نے بیان کیا ہے' ایسا اصول بیان کیا ہے عزیزانِ من قانون ہے اٹل حقائقِ کائنات اس کی تائید کرتے ہیں وہ لوگ جو مغرب کے محققین سائنٹسٹ قرآن کو خدا کو بھی نہیں مانتے ان کے انکشافات اس کی تائید کرتے ہیں کہ زندگی کا نظام اسی سے قائم ہے جس کا تعمیری قوتوں کا پلڑا بھاری ہے یہ ضروری نہیں کہ اس کے ہاں کوئی ایک گناہ یا ایک لغزش بھی نہ ہو قرآن نے اسی لئے کہا ہے مومنین کے متعلق کہ وہ ۔ کبآئرالاثم ۔ سے اجتناب کرتے ہیں ۔ الاالمم ۔ کچھ ایسی چھوٹی موٹی لغزشیں جس کو آپ ملامت والی بات کہتے ہیں یہ ان سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں لیکن حسنات کا ان کا پلڑا اتنا بھاری ہوتا ہے انہوں نے 60% مارکس حاصل کر لئے ہوتے ہیں کہ وہ جو ان کا تخریبی قوتوں کا پلڑا ہے وہ اس کا ازالہ کر دیتی ہیں ۔ ان الحسنٰت یذھبن السیاٰت ۔ حسنات کی بہتات جو ہے وہ ان لغزشوں کا ازالہ کر دیتی ہے مدافعت کی قوت انسان کے اندر یہ جتنے بھی اتنے بیکٹیریا جاتے ہیں ہلاکت والے وہ ان کو تلف کر دیتی ہے اس کا ازالہ کر دیتی ہے انہوں نے یہ جذباتی طور پر اصول بیان کیا تھا کہ نجات و سعادت اور جنت جس کو آپ کہتے ہیں وہ اس کیلئے ہے جس نے ایک ذرا سا بھی گناہ کا ذرا سا دھبہ نہ ہو وہ معصوم ہو ان چیزوں سے یہ ناممکن ہے' کائنات کے اندر بھی جو ان لوگوں نے تحقیقات کی ہے کہ جو انواع ارتقاء کی منزل کے اندر آگے بڑھی ہیں ان میں یہ نہیں تھا کہ کوئی تخریبی قوتیں ان کے ساتھ نہیں تھیں آگے وہی بڑھی ہیں جن کی تعمیری قوتیں غالب آئی ہوئی تھیں تخریبی قوتوں کے اوپر' کوئی نوع بھی ایسی نہیں مل سکی کہ جس میں کوئی بھی تخریبی قوت نہ ہو اور وہ آگے بڑھ گئی ہو یہ شرط ہی ایسی ہے جو پوری نہیں کی جاسکتی' قرآن نے حقائق کو سامنے رکھ کے نجات و سعادت کا قانون مہیا کیا ہے عزیزانِ من جس کا ۔ من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ ۔ اور اس میزان نے یہ دیکھ لیا کہ سب سے پہلے دیکھا یہ جائے گا کہ بغاوت تو نہیں ہے شرک تو نہیں ہے اور اگر یہ ہے تو پھر وہ جو قرآن نے یہ کہا تھا کہ ۔ وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا ۔ یہ لوگ بزعمِ خویش یہ سمجھیں گے کہ ہم تو بڑے نیک کام کرتے ہیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے تو کہا خدا سے تو بغاوت کریں گے او ر اپنے ذہن میں یہ سمجھیں گے کہ ہم بڑا نیک کام کر رہے ہیں بڑا غور طلب ہے یہ مسئلہ عزیزانِ من کہ بغاوت ہو خدا سے اور حقِ

حکومت انسانوں کو دیدیا ہو شرک کا ارتکاب ہو رہا ہو اور یہ سمجھ رہے ہوں کہ ہم نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ جو ہیں یہ بڑے بڑے بھاری نیک کام ہم کر رہے ہیں اور وہ ایک ایک نیکی ایک ایک قرآن کے لفظ کی تلاوت کا ثواب تین تین سونیکیاں یا اتنی نیکیاں اپنے ذہن میں سمجھ لیں کہ انبار کھڑا ہو رہا ہے ہمارا وہ پلڑا جو ہے اسمیں اتنا کچھ ہو رہا ہے وہ کہتا ہے کہ ۔ ویحسب انھم یحسنون صنعًا ۔ اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں رکھیں گے کہ ہم تو بڑے نیک کام کر رہے ہیں حالانکہ خدا کی بغاوت کے سامنے یہ نیک کام کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو پہلی شرط یہ ہے کہ compulsory paper جو ہے اسمیں پاس مارکس لئے ہوں پھر وہ اختیاری مضامین کے پرچے جو ہیں ان کے نمبر جو ہیں وہ ایڈیشن اس میں کر دیتے ہیں پھر اس کی division مرتب کرتا ہے ۔ لکل درجٰت مما عملوا ۔ یہ مارکس اس میں add ہو جاتے ہیں تو division تو بڑھ جاتی ہے اس کی لیکن اگر compulsory subject میں فیل ہوا ہوتا ہے تو نہ compulsory کے نمبر ملتے ہیں نہ یہ optional کے نمبر ملتے ہیں ۔ لانقیم لھم یوم القیٰمۃ ۔ ورنہ ان کیلئے میزان ہی کھڑی نہیں کی جائے گی' عزیزانِ من قرآن ہے افسانے نہیں' ذہنِ انسانی کے جذبات نہیں ہیں یہاں بخشش اور معافی کا کوئی سوال نہیں ہے ایک ایک عمل اپنا نتیجہ پیدا کرتا ہے اب اس نتائج کیلئے جو قانون ہے آپ دیکھتے ہیں یہ قانون چودہ سو سال پیشتر مذاہب کی دنیا تو اس سے پہلے ہزار ہا سال سے یہ چیز مانتی چلی آ رہی تھی کہ وہ جب تک اس کی بخشش نہ ہو معافی نہ ہو سفارش نہ ہو کفارہ نہ ہو وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔قرآن نے یہ بات بتائی کہ نہیں یہ قانونِ فطرت کے خلاف ہے یہ چیز' قانون یہ ہے کہ مدافعت کا پلڑا بھاری ہونا چاہئے حسنات کا پلڑا بھاری ہونا چاہئے اور وہ اس صورت میں ہی مارکس ملتے ہیں جب شرک کا ارتکاب نہ کیا جائے بغاوتِ خداوندی نہ ہو' ایمان ہو اس بات پہ کہ میرا ایک ایک عمل نتیجہ خیز ہوگا اس دنیا میں نہیں ہوتا زندگی یہیں ختم نہیں ہو جاتی آگے چلے گی اور میں اپنے ان اعمال کے نتائج کو اپنے ساتھ لے کر آگے چلوں گا' اور فیصلہ کس چیز سے ہوگا' وہ اس بات پہ ہوگا کہ میرا لتعمیری قوتوں کا پلڑا بھاری ہے یا تخریبی قوتوں کا بھاری ہے اس کے مطابق فیصلہ ہو جائے گا اس میں معافی کی گنجائش نہیں بخشش کا سوال نہیں سفارش کا سوال نہیں لیکن یہاں جو یہ جو بدنظمی ہے ہمارے ہاں کی باطل کا نظام جو ہے آپ کے ہاں کا یہ چیزیں تو اس میں ہوتی ہیں جس طرح سے ہمارے ہاں پھر لڑکے یہاں پاس ہوتے ہیں وہ تو ہمارے سامنے ہے تو ہم نے اپنے ہاں کے باطل کے نظام کے جو اصول تھے وہ ہم نے اپنے ہاں کے دین کے اوپر بھی منطبق کر لئے کہ معافی بھی ہو سکتی ہے ہاں ٹھیک ہے جانے دو صاحب بخشش بھی ہو سکتی ہے سفارشیں بھی ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد تو اب رشوتیں بھی چلتی ہیں یہ جو نذرانے ہوتے ہیں اور نیازیں آپ جا کے ۔ سکھ دیو جنوں کیندے ہیگے نیں ۔ یہ کیا چیزیں ہیں یہ آپ اپنے گناہوں کی معافی کیلئے رشوتیں دیتے ہیں' قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور خدا بننا تو جچتا ہی اس کو ہے کہ جس میں جذبات نہ ہوں صرف قانون کی رو سے وہ سارے فیصلے کرتا ہو قرآن کا خدا یہ خدا ہے عزیزانِ من تو جسے کہا ۔ ونتجاوز عن سیاٰتھم ۔ جس کے عام معانی کر لئے جائیں کہ ہم

ان کی برائیوں سے درگذر کرتے ہوئے آگے بڑھ جائیں گے کہ چلو ٹھیک ہے ۔ اینوں مارو پنج ست؟؟ ۔ بالکل نہیں ۔ نتجاوز عن سیاٰتھم ۔ کے یہ معنی نہیں ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے حسنات کا پلڑا اتنا بھاری ہے کہ اس پلڑے نے ازالہ کردیا ہے تخریبی پلڑے کا جو خفت موازین کی صورت جو تھی ۔ فی اصحٰب الجنۃ ۔ یہ ہیں کہ جو جنت میں جانے والے ہیں ۔ وعد الصدق الذی کانوایوعدون ۔ یہ تھا جو ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور اس کو وہ سچا پائیں گے اپنے سامنے کہ واقعی سچا وعدہ تھا جو خدا نے کیا تھا compulsory میں پاس ہوں overall 60% مارکس بھی لے لے یہ قانون ہے اس میں کوئی سفارش نہیں' وہ کہا ہے کہ یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اس کا پرچہ گم ہوجائے اس کے مارکس دوسرے کو دیدئے جائیں یہ نہیں ہوگا ہمارے ہاں' ۔ صدق ۔ ہمارے قانونِ عدل جو ہے اس کو یہ سچا اپنے سامنے پائیں گے یہ ہے قرآنِ کریم عزیزانِ من ایک ٹکڑا آ گیا تھا میں نے سمجھا یہ بڑا ضروری ہے یہ بتا دینا کہ قرآن کی رو سے نظامِ عدل کیا ہے اور جسے آپ بخشش اور نجات کہتے ہیں اس کے معنی کیا ہیں' یہ ثقلت اور خفت موازینہ کا مطلب کیا ہے ۔ لانقیم لھم یوم القیٰمۃ وزنًا ۔ میں نے کہا تھا کہ بظاہر تضاد نظر آتا ہے کہ ذرہ ذرہ جو تلے گا اور یہاں کہا گیا ہے کہ ان کیلئے یہ میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی یہ کیا چیز ہے' تو یہ چیزیں ہیں عزیزانِ من قرآن کے ان مقامات کی چار لفظ ہوتے ہیں ہم پڑھ کے آگے بڑھ جاتے ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر کتنے کتنے بڑے حقائق پوشیدہ ہیں' میں نے کہا ہے ایں کتاب نیست چیزے دیگر است' یہ کتاب نہیں ہے یہ تو کچھ اور ہی ہے آیتیں تو ہم نے دو ہی لیں لیکن میرا خیال ہے اللہ کا شکر ہے کہ ایک بڑا اہم مقام تھا جو سامنے آ گیا سورۃ الاحقاف کی آیت 16 تک ہم آ گئے 17 سے ہم آئندہ لیں گے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔ شکریہ

چوتھاباب: سورۃ الاحقاف (آیات 17 تا 23)

اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم الله الرحمن الرحیم

یہ کہا گیا تھا کہ سعادت منداولا دہوتی ہے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتی ہے سنِ رشد کو پہنچتی ہے تو خدا سے دعا کرتی ہے کہ اسے اعمالِ صالح کی توفیق نصیب ہواور وہ اسی کے مطابق اپنی اولاد کی بھی تربیت کرے' تو کہا کہ ایک تو اس قسم کی اولاد ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں ایک اولاد وہ ہوتی ہے کہ ۔ والذی قال لوالدیہ اف لکما اتعدٰننی ان اخرج وقد خلت القرون من قبلی ۔ وہ ان سے کہتا ہے کہ کیا روز تم مجھے ڈراتے رہتے ہو عذاب ہوگا ثواب ہوگا آخرت کی زندگی ہوگی جہنم ہوگا اس سے پہلے دیکھو تو سہی قبرستانوں میں جا کے کتنے مردے ہیں کون ان میں سے اٹھا ہے اور کس کو زندگی ملی ہوئی ہے یہ سب ۔ وھما یستغیثٰن اللہ ویلک اٰمن ۔ ایک طرف تو وہ خدا سے فریاد کرتے تھے کہ یا اللہ اس کو نیک توفیق دے کہ یہ تیرے صحیح راستے پہ چلے اور دوسری طرف اس سے کہتے تھے کہ ۔ ویلک اٰمن ۔ تو تباہ ہو تیرا بیڑا غرق جسے ہم کہتے ہیں' یہ ایک حقیقت ہے جس کی طرف ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں اس پہ ایمان لاؤ اس کو تسلیم کرو ۔ ان وعداللہ حق ۔ یہ خدا کا قانون ہے یہ اس کا وعدہ ہے یہ حق ہے یہ صحیح ہے یہ صداقت پر مبنی ہے ۔ فیقول ماھٰذا الا اساطیر الاولین ۔ تو جواب میں وہ یہ کہتا تھا کہ یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ مرنے کے بعد کی زندگی اور خدا اور جہنم اور یہ سارے پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے افسانے ہیں جو چلے آ رہے ہیں' عجیب بات ہے قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر ان لوگوں کے یہ الفاظ کہے ہیں ۔ اساطیر الاولین ۔ وہ یہی کہتے تھے کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آج بھی ان چیزوں کے جو منکر ہیں بلکہ مذہب کے منکر خدا کے منکر متشدد طور پر یہ کمیونسٹ ہیں تو کمیونسٹ لٹریچر میں میں نے دیکھا یہ ہے وہ بعین ہی یہی کہتے ہیں کہ یہ جن چیزوں کو تم حیاتِ آخرت کہتے ہو مرنے کے بعد کی زندگی کہتے ہو جہنم کہتے ہو عذاب ثواب کہتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ کچھ سمجھدار لوگ تھے انہوں نے لوگوں کو غلط کاموں سے منع کرنے کیلئے اس قسم کے یہ افسانے وضع کئے یہ ڈراوے کی خاطر ہے جیسے بچوں کو ہم کہتے ہیں وہ دیکھو نیکی آئی اور وہ بھاگ آیا وہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں یہ ان کے ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ان لوگوں نے یہ محض ڈرانے کی خاطر اس قسم کے افسانے وضع کر رکھے ہیں ورنہ خدا کا بھی کوئی وجود نہیں ہے نہ حیاتِ آخرت کوئی چیز ہے یہ سب اس لئے لوگوں کے وضع کردے ہیں تو میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ چیز کچھ آج کی نہیں ہے انہی کی یہ دلیل نہیں بلکہ یہ چیز تو شروع سے چلی آ رہی ہے کہ جو بھی اس کے منکر تھے وہ کہتے یہ تھے کہ یہ اگلے لوگوں کی وضع کردہ کہانیاں اور افسانے ہیں یوں کہئے اسے یہ جو آج کل ہمارے ہاں کمیونسٹ لٹریچر میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ جو کہتے ہیں یہ کہ ان لوگوں نے مصلحتاً اس قسم کے یہ تصورات پیش کر دئے تھے کہ لوگ اس ڈر کی وجہ سے غلط کاموں سے باز رہیں' تو گویا دروغِ مصلحت آمیز اسے کہتے ہیں کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ ایک جھوٹ ہے جو مصلحتاً وضع کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں خدا نے یہ کہا ہے کہ ۔ ان وعداللہ

حق ۔ یہ مصلحتاً دروغ نہیں بلکہ یہ؟؟؟؟ کہا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو ان حقیقتوں کو افسانہ سمجھنے والے اور کہنے والے کہ جن پر بھی وہی قانون لاگو ہو جائے جو اس سے پیشتر اس قسم کے کہنے والے لوگوں کے اوپر منطبق ہوا تھا یعنی تباہی اور بربادی' یہ کئی دفعہ پہلے بھی آ چکا ہے جن اور انس میں اس کے متعلق تفصیل سے پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ جو ہمارے ذہنوں میں جن کا تصور ہے وہ قرآنی تصور نہیں ہے یہ عربوں کے ہاں جن کہتے ہیں ہر وہ چیز جو نگاہوں سے پوشیدہ ہو' عربوں کے ہاں کی زندگی شہری زندگی بہت کم تھی' وہ بستیوں سے دور قبائل کی صورت میں رہتے تھے نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے اب تو یہ کچھ قریب آ گئے ہیں اور ویرانے بھی اتنے زیادہ ہمارے ہاں نہیں رہے ورنہ یہ جو جنہیں پنجابی میں ٹپری باز کہتے تھے اور خانہ بدوش یہ اب بھی شہروں سے دور رہتے تھے نگاہوں سے اوجھل رہتے تھے کم لوگوں نے ان کو ان کی بستیوں میں جا کے کبھی دیکھا ہوگا دور رہتے تھے یہ تو یہ جتنے اس زمانے میں صحرانورد تھے خانہ بدوش تھے بستیوں سے دور رہنے والے لوگ تھے عربی لٹریچر میں ان کی زبان میں ان کو جن کہتے تھے نگاہوں سے پوشیدہ رہنے والے اور انس کہتے ہیں متمدن طور پر آپس میں ممانست رکھنے والے تو شہری آبادیاں کیونکہ متمدن آبادیاں تھیں وہ انہیں انس کہتے تھے اور وہ جو صحرائی آبادیاں تھیں خانہ بدوشوں کی ان کو وہ جن کہتے تھے جن اور انس جہاں دونوں اکٹھے آئیں گے وہاں ان کے معنی ہونگے متمدن آبادیاں اور صحرانشینوں کی آبادیاں' جیسے ہمارے ہاں شہری اور دیہاتی کہا جاتا تھا اب تو آبادیاں مل گئی ہیں ان میں کچھ زیادہ فرق نہیں رہا ورنہ اس سے پیشتر یہ خانہ بدوش تو ایک طرف رہے شہری اور دیہاتی زندگی میں بڑا فرق ہوا کرتا تھا تو یہ جہاں قرآن میں جن اور انس آئے گا تو وہاں ان سے مراد وہ دو آبادیاں ہونگی اور اس زمانے میں تو ان کو بڑی اہمیت حاصل تھی اس فرق کو جو شہری زندگی میں اور ان خانہ بدوشوں کی زندگی میں ہوا کرتا تھا بالکل الگ الگ معاشرت تھی ان کی الگ الگ نہج زندگی تھی ان دونوں کی' لہذا وہ جن والی بات یوں نہیں ہے آگے یہیں میرا خیال ہے اسی سورۃ میں بھی آگے آتا ہے جن آئے تھے رسول اللہؐ کے پاس اور آپؐ نے ان کو قرآن سنایا تھا اور پھر اس کے اوپر جب سوچ لیجئے کہ ایسی بات کہیں آ جائے اور جن کا تصور ہمارے ہاں ہو اور پھر وہ جو روایات کے جو پھر افسانے اس کے اوپر وضع ہوتے ہیں تو پوچھئے ہی نہیں کہ ان کی یہ جو ہے اس قسم کی آیتیں جو آئی ہوئی ہیں کہ جن آئے تھے اور انہوں نے قرآن سنا تھا اس کے اوپر آپ ہمارے ہاں کی روایتی تفاسیر میں دیکھئے کہ پھر کیا کیا عجیب وغریب چیزیں ان کے متعلق کہی گئی ہیں یہ جس قدر بھی ہمارے ہاں تصوراتی جن ہے نا وہ جو چمٹ جاتا ہے آ کے پھر اس کو نکالا جاتا ہے یہ سارے ہمارے ذہن کے تراشیدہ افسانے ہیں' اب انس ہی انس ہیں دنیا کے اندر جتنے بھی لوگ ہیں انسان ہی بستے ہیں ان کی مختلف ہیت معاشرت وغیرہ الگ ہوسکتی ہے لیکن نوع کے اعتبار سے وہ انسان ہی ہیں انسان کے علاوہ کوئی اس قسم کی جسے invisible یا غیر مرئی مخلوق کہا جاتا ہے یہ کوئی نہیں ہے دنیا کے اندر' تو اس لئے اب جہاں یہ آئے گا تو یہ انسان ہی کی طرف ہے اور اس کے بعد قرآن نے یہ ایک اصول بیان کر دیا ہے ۔ ولکل درجٰت مما عملوا ولیوفیھم اعمالھم وھم لایظلمون ۔ وہ دیہاتی

آبادیاں صحرائی آبادیاں ہوں شہری آبادیاں ہوں یہ جو ان کی معاشرتی زندگی کا فرق ہے یہ نظامِ خداوندی میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ کام کیسے کوئی کرتا ہے تو یہ ہر ایک کے درجات جو ہیں مراتب جو ہیں وہ اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوتے ہیں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں جنہیں کہتے ہیں بنیادی حقوقِ انسانیت یا جنہیں ہم اقدار یا values کہتے ہیں یہ اس میں دو چیزیں بڑی اہم ہیں ایک چیز تو قرآن نے کہا ہے کہ ۔ ولقد کرمنا بنی ادم ۔ ہر انسان ہر آدمی انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم ہے احترامِ آدمیت اس کا صرف انسان ہونا احترام چاہتا ہے تکریم چاہتا ہے تو پہلی قدر یہ ہے اسلام کے نظام کی یا اسلام کے تصور کی کہ کوئی حرکت کوئی قانون کوئی چیز جو کسی انسان کیلئے وجہ تذلیل ہو وہ غیر قرآنی ہے وہ غیر اسلامی ہے اور بہت بڑا جرم ہے جنہیں خدا نے کہا ہے کہ ۔ کرمنا ۔ ہم نے انہیں واجب التکریم بنایا ہے تو ہم اگر اس کی تذلیل کرتے ہیں تو یہ تو خدا نے جو کہا ہے اس کے خلاف چیلنج ہے وہ کہتا ہے کہ ہم نے انہیں واجب التکریم بنایا ہے' اور ہم ہیں کہ انسان کی تذلیل کرتے ہیں' کسی انسان کی تذلیل کسی نہج سے بھی جو کی جائے گی تو وہ خدا کے خلاف ایک چیلنج ہوگا وہ ۔ کرمنا ۔ کہتا ہے تو یہ تو ہوا بحیثیت انسان ہونے کے تکریم یا احترامِ انسانیت جسے آپ کہتے ہیں اگلی چیز یہ ہے کہ پھر وہ انسان کام کس قسم کے کرتے ہیں ان میں اختلاف ہو جاتا ہے تو یہ جو مدارج مقرر ہونگے یہ اگلی قدر آ گئی بنیادی حق جسے کہتے ہیں کہ ہر ایک کے مدارج خواہ وہ اس دنیا میں معاشرے کے اندر مدارج ہوں یا خدا کے ہاں مدارج ہوں وہ اعمال کے مطابق متعین ہونگے اس میں اب کوئی چیز کسی اور قسم کی نسبت جو ہے یہ پیدائش کی نسبت کسی سے رشتے کی نسبت یہاں کے بارگاہوں کے مقرب ہونے کی نسبت کوئی حیثیت اس میں نہیں ہے' یہاں نہ کسی کی سفارش ہے نہ کسی کی نسبت اضافی جو ہے وہ کوئی کام نہیں دے سکتی انسان ہونے کی جہت سے تمام انسان یکساں واجب التکریم اور مدارج جو ہیں وہ متعین ہونگے صرف اعمال کی رو سے اس میں کوئی اور confederation نہیں ہوگا یہ دوسری قدر ہے value ہے اسلامی نظام کی اور یہ دوسرا حق ہے ہر انسان کا' جیسے محض انسان ہونے کی جہت سے اس کا حق ہے as of right وہ demand کر سکتا ہے تکریم اور احترام' کہیں اگر تذلیل اس کی ہوئی ہے اور وہ واقعی اسلامی نظام ہے تو وہ عدالت کی طرف رجوع کر کے اس کے خلاف وہاں چیلنج کر سکتا ہے اور یہ جرم ہوگا اور مدارج کا جہاں تعین ہے وہ اعمال کی رو سے ہوگا اگر کوئی اور confederation درمیان میں آ جائے اور اس کی رو سے مدارج کا اور مناصب کا تعین کیا گیا تو یہ بھی قرآن کے خلاف ہوگا' یہ بڑی بڑی باتیں تو جانے دیجئے یہی دو بنیادی چیزیں لے لیجئے کہ جس معاشرے میں یہ دو بنیادی چیزیں ہوں کہ ہر انسان کی عزت اور احترام انسان ہونے کی جہت سے ہوتی ہو اور پھر مدارج اور مناصب کا تعین اعمال کی رو سے ہوتا ہو کہ کام وہ کیسے کرتا ہے آپ غور کیجئے کہ وہ معاشرہ کس قدر جنتی معاشرہ ہوگا' تو کہا کہ ۔ ولکل درجٰت مما عملوا ولیوفیھم اعمالھم وھم لا یظلمون ۔ ہر ایک کے کام کا پورا پورا بدلا اسے دیا جائے گا اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی میں نے عرض کیا تھا کہ بنیادی طور پہ ظلم کے معنی ہوتے

ہیں کہ جس مقام پر کسی چیز کو ہونا چاہئے اسے اس مقام پہ نہ رکھا جائے حسنِ عمل یا اعمالِ صالح یا اچھے کاموں کی رو سے اگر کسی کو بلند درجے پہ ہونا چاہئے تو وہاں اگر نہیں رکھا جاتا تو یہ بھی اس پہ ظلم ہے کم درجے والے کو اگر اوپر رکھا جاتا ہے تو یہ بھی ظلم ہے کیونکہ ہر چیز اپنے مقام پہ نہیں ہے تو اب یہ تیسری چیز اگر آپ لے لیں گے تو پھر تو اس معاشرے کا نقشہ ہی کچھ اور ہوگا کہ ہر شے اس مقام پر جہاں اسے رہنا چاہئے یہ جتنا بھی معاشرے میں فساد ہوتا ہے ہم روتے ہیں چیختے ہیں بے انصافیاں جسے کہتے ہیں وہ ہوتا کیا ہے کہ جو شے جہاں ہونی چاہئے وہ وہاں نہیں ہوتی یا بلا استحقاق وہ اوپر ہوتی ہے یا اس کے حقوق کو غصب کر کے اسے نیچے لایا جاتا ہے یہی ہے رونا جو ہم روتے ہیں کہ صاحب یہ جتنے حق دار وہاں سے مستحق تھے ان کو تو ignore کر دیا گیا اور وہ ایک سفارش آ گئی اور فلاں کا وہ رشتہ دار تھا اور اس کو پروموشن مل گئی پورا نظام بگڑ جاتا ہے اس ایک حرکت سے اور جہاں یہ ہو کہ ہر ایک کا کام جو ہے اس کا پورا پورا اس کو نتیجہ ملے گا اسی کے مطابق یہ ساری چیزیں جسے ہم نے پروموشن کہی ہے مدارج ہے کا تعین ہوگا اور انسان ہونے کی جہت سے اس کی تکریم اور احترام ہوگا یہ ابتدائی دو تین چیزیں ہیں انہی پہ غور کیجئے گا کہ کس قسم کا معاشرہ قرآن قائم کرتا ہے۔ ویوم یعرض الذین کفروا علی النار اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا ۔ آخرت کی زندگی میں جسے قرآن اس تمثیل سے بیان کرتا ہے کہ وہ جہنم کے کنارے جب کھڑے ہونگے' پچھلے درس میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ قرآنِ کریم نے کس طرح قانونِ ارتقاء یعنی میزان کا تصور دیا ہے اعمال کے تلنے کا تصور دیا ہے ذرہ ذرہ عمل کا سامنے آئے گا اور اسکے نتائج سامنے ہونگے' جس کا اچھائیوں کا پلڑا جھک رہا ہوگا وہ مدارج کے اعتبار سے آگے اونچا چلا جائے گا اور جس کا وہ پلڑا اٹھا ہوا ہوگا خفت ہوگی اس میں وہ ہے جسے آپ کہیں گے کہ عذاب آتا ہے' یہ تھا جو بنیادی تصور قرآن نے دیا ہے مکافاتِ عمل کا' اور اسی میں یہ آیا تھا کہ پھر جو اس نے کہا ہے ۔ اولئک حبطت اعمالھم ۔ کہ ان کے اعمال رائیگاں جائیں گے تو یہ کون لوگ ہیں پھر جب ذرہ ذرہ سامنے آنا ہے عمل کا تو رائیگاں کیوں جائیں گے یہ پچھلے درس میں سب کچھ ہو چکا تھا' عام طور پر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ صاحب آپ کہہ رہے ہیں کہ جنت میں جانے کیلئے ایمان بڑا ضروری ہے اور ایمان کے بعد پھر اعمال کی بات ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے غیر مسلم بڑے بڑے اچھے نیک کام کرتے ہیں خیراتی ہسپتال کھولتے ہیں یتیم خانے بناتے ہیں بیواؤں کے گھر بناتے ہیں سرائے بناتے ہیں کنوئیں لگوا دیتے ہیں یہی یہاں جو گئے تھے ہندو وہ تو گھوڑوں کو پانی پلانے کے لئے پیاؤ تک بھی بنایا کرتے تھے' تو یہ اتنے اچھے کام اور یہ نیک کام ہیں تو کیا ان کی رو سے یہ جنت میں نہیں جائیں گے یہ عام طور پہ کہا جاتا تھا تو جنت میں جانے والی بات جو تھی ذہن میں رکھئے کہ جسے ایمان کہتے ہیں وہ چیز کیا ہوتی ہے ایمان یہ ہے کہ انسانی زندگی اسی دنیا کی زندگی نہیں ہے زندگی آگے بھی چلتی ہے جسمِ انسانی تو یہاں رہ جاتا ہے اور وہ شے کہ کہنے کیلئے جسے ہم انسانی ذات اس کا نفس یا اس کی خودی سیلف یہ کہتے ہیں یہ آگے جائے گا اور وہ جو یہاں اعمال کئے ہیں ان اعمال کے نتائج دیتے ہوئے آگے چلا جائے گا' یہ ہے تصور قرآن کا جسے ہم ایمان کہتے ہیں جو اس حقیقت

پہ ایمان نہیں رکھتا یقین نہیں رکھتا اور وہ کہتا یہ ہے کہ زندگی اسی دنیا کی زندگی ہے مرنے کے ساتھ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ جتنے یہ اچھے کام ہم نے گنائے ہیں واقعی وہ کرتے ہیں جو اس کو تسلیم نہیں کرتا یہ کام کرتا ہے پوچھا جائے کہ وہ یہ کیوں کرتا ہے جو اس چیز پہ ایمان رکھتا ہے وہ تو اس لئے کرتا ہے کہ ان کاموں کے نتیجے میں میری ذات کی نشوونما ہو گی پختگی ہو گی وہ اس قابل ہو گی کہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل میں پہنچ جائے اور وہ مرنے کے بعد پہنچے گی وہ یہ ایمان رکھتا ہے تو اس کیلئے تو جواز صحیح ہے کہ اسلئے ایسا کرتا ہوں کہ اس سے میری ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اور اسکی نشوونما ہوتی ہوتی ہے میں اگلی زندگی کے ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہوں اس کو The Why of it کا پتہ ہوتا ہے وہ اس کا جواب دے سکتا ہے لیکن جو اسے تسلیم نہیں کرتا اور وہ یہ جسے آپ کہتے ہیں نیک کام کرتا ہے بڑا غور طلب ہے یہ معاملہ' پوچھئے کہ وہ یہ کیوں کرتا ہے' آپ بھی سوچئے گا کبھی کیوں کرتا ہے' یہ عمل الاخلاق کا بڑا ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ جسے ہم یہ اچھا کام کہتے ہیں دوسروں کیلئے یہ جو کچھ کرتے ہیں یہ کیوں کرتا ہے انسان' یہ کیوں کرتے ہیں ایسا' یہی کہیں گے کہ صاحب ہم اسے اچھا سمجھتے ہیں اس لئے ہم کرتے ہیں اس کے کرنے سے ان کا اپنا اطمینان ہو گیا کہ ہم نے اچھا کام کر دیا یہی ہو گا نا کہ اطمینان ہو گیا' یا معاشرے میں شہرت اور عزت حاصل ہونے کی بات ہے سب سے بڑا جذبہ محرکہ تو یہ ہوتا ہے شعوری یا غیر شعوری طور پر معاشرے میں یہ جو اس کی عزت اور تکریم ہوتی ہے ان کاموں کی وجہ سے یہ جذبہ محرکہ بھی ہوتا ہے اور غور کیجئے گا کوئی اور بات سمجھ میں ہی نہیں آ سکتی اس issue کے اوپر اس problem کے اوپر یہ جو علم الافلاک والے ہیں انہوں نے بڑی لمبی چوڑی بحثیں کی ہیں کہ انسان اخلاق کا پابند کیوں ہوتا ہے اسے کس طرح سے اس کی طرف لایا جائے کہ وہ اس کا پابند ہو کیوں کرے ایک شخص کہتا ہے کہ صاحب یہ غریب آدمی ہے تم اس کی مدد کرو وہ کہتا ہے میں کیوں مدد کروں اس کی' یہ کیوں کے جواب میں اگر اطمینان دلایا جائے تو پھر تو بات ہوتی ہے آپ کہیں گے کہ یہ غریب ہے مستحق ہے وہ کہتا ہے ٹھیک ہے یہ ہوا کرے میں نے تو اس کو غریب نہیں کیا ہے میں کیوں اس کی مدد کروں تو زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ بھئی کل کو اگر تم غریب ہو جاؤ گے تو پھر تم بھی تو چاہو گے کہ تمہاری مدد کوئی کرے وہ کہتا ہے کوئی بات نہیں ہے میں نے انتظام کر رکھا ہے کہ میں غریب ہونگا ہی نہیں اور اب ہونگا تو میں نہیں مانگنے جاؤنگا تمہارے گھر یہ عام جواب ہوتا ہے' یہ بات تو بڑی پیش پا افتادہ سی نظر آتی ہے کہ اچھے کام کرنے والے جو ہیں وہ اچھے کام کرتے ہیں کبھی کسی نے کھڑے ہو کے سوچا نہیں ہے کہ وہ کیوں یہ کام کرتے ہیں کیا جذبہ محرکہ ہے اچھے کام کرنے کا کیوں کرتے ہیں میں نے عرض کیا ہے کہ جو یہ مانتا ہے حیاتِ آخرت کو قانونِ مکافاتِ عمل اور انسانی ذات کو وہ تو کیوں کا جواب دیتا ہے دے سکتا ہے جو اسے نہیں مانتا وہ اس کیوں کا جواب دے نہیں سکتا جواب دے گا تو میں نے عرض کیا ہے یا تو یہ چیز ہے کہ صاحب مجھے اچھا لگتا ہے مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے مجھے اس سے اطمینان ہوتا ہے تو اپنی خوشی اور اطمینان کی خاطر کرتا ہے یا معاشرے میں عزت حاصل ہوتی ہے بیشتر تو اس لئے ہوتا ہے' دوسرے پھر عزت حاصل کرنے کیلئے وہ بھی اس کی تقلید

کرتے ہیں وہ یہاں ایک تھا اور سئیر یہ سر گنگا رام جسے کہتے ہیں صاحب مر مرا بھی گئے آج تک سر گنگا رام ہسپتال چلا آ رہا ہے اور لوگوں کے ذہن میں ہے کہ صاحب دیکھو نا ایسا کرنے سے زندگی میں بھی بڑی عزت ملی وہ سر کا خطاب بھی مل گیا اور مرنے کے بعد بھی گنگا رام ہسپتال چلا جاتا ہے تو یہ جذبہ محرکہ ہو جاتا ہے معاشرے میں عزت کا مقام حاصل ہونا اور یہ بڑا جذبہ ہے' یہی چیزیں ہیں یا مادی مفادات بھی حاصل ہو جاتے ہیں پھر یہ جو حکومتوں کی طرف سے کہیں چندے کی اپیل ہوتی ہے اسمیں بھی بڑھ چڑھ کے چندہ دیتے ہیں بشرطیکہ وہ تختی وہاں لگ جائے اور اس پہ ان کا نام آ جائے یہ ہوتا ہے بڑے بڑے خیراتی کاموں کے وہ سنگ مرمر کی تختیاں لگی ہوئیں اور ان پہ نام آ جائے' سمجھ لیا کہ جذبہ محرکہ کیا ہوتا ہے' اپنا اطمینان اپنی خوشی فخر امتیازی بات معاشرے میں عزت اونچا مقام کرسی نشینی یہ ہیں نا وہ جذبات جو ہیں اگر یہ ایمان نہ ہو حیاتِ آخرت کا تو یہی ہیں وہ محرکات قرآن نے بڑے ہی لطیف پیرائے میں بات کی ہے کہا وہاں یہ کہیں گے کہ صاحب جہنم میں ہمیں دھکیلا جاتا ہے ہم نے وہاں ایسے ایسے نیک کام کئے سر گنگا رام وہاں کھڑا ہو کے کہدے گا کہ صاحب اب بھی دیکھئے وہ موجود ہے میرے نام کا ہسپتال اتنا بڑا لاکھوں آدمی اس سے شفایاب ہو کے مستفید ہو رہے ہیں میں نے تو اس میں سے کوئی کمائی نہیں کی' تو یہ جو میں نے کیا ہے اتنا بڑا نیک کام اس کا تو کوئی صلہ ملنا چاہئے' غالب تو کچھ اور بھی صلہ مانگتا تھا بڑا عجیب شخص تھا

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

لیکن اس کو چھوڑ دیجئے شاعری کو سر گنگا رام تو کہہ سکتا ہے وہاں کھڑا ہو کے کہ صاحب بتایئے یہ نیک کام تھا یا نہیں' میں نے یہ کیا تو اس کا کوئی صلہ کوئی معاوضہ کوئی اجر آپ نے تو ابھی کہا ہے کہ ہر ایک کے عمل کا پورا پورا بدلا ملے گا تو مجھے یہ بدلا کیوں نہیں مل رہا تو جواب وہ ہے جو میں نے پہلے کہا ہے کہ تم نے یہ کام کیا کیوں تھا تم تو نہ آخرت کو مانتے تھے نہ جہنم کو مانتے تھے نہ خدا کو مانتے تھے یہ ان کی بات ہو رہی ہے پھر کیوں کیا تھا تو کیوں کا جب تجزیہ کیا جائے گا عزیزانِ من تو بات یہی آئے گی کہ مجھے اچھا لگا تو مجھے اس سے اطمینان ہو گیا یا معاشرے کے اندر میری اتنی بڑی عزت ہو گئی تو کہا کہ تم نے جس مقصد کیلئے کام کیا تھا وہ تو پورا ہو گیا وہاں حاصل ہر کر لیا صلہ تو وہی تھا تمہارے کام کا اب اور کیا مانگتے ہو یہاں' ۔ اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا ۔ تم نے اچھے کام کئے اچھے کام کا جو جذبہ محرکہ اور جو تم صلہ چاہتے تھے وہ صلہ وہاں تمہیں مل گیا' مرنے کے بعد تم بھی تمہارے عقیدے کے مطابق ختم ہو گئے تمہارے وہ اعمال بھی ختم ہو گئے اب یہاں ہم سے کیا مانگتے ہو' کیا لائے ہو ساتھ' کیا بات ہے صاحب ۔ اذھبتم ۔ زندگی محض اسی دنیا کی زندگی کو سمجھنا پھر دوسری زندگی وہ ہے کہ آخرت کو بھی ساتھ سمجھنا یہ زندگی کہ جس کا تعلق اعمال سے ہے بڑا ایک لطیف فرق ہے شعر تو وہ غزل کا ہے لیکن اس میں فرق بڑا لطیف بیان کیا گیا ہے میں اپنے الفاظ میں بھی بیان کر سکتا ہوں

کرونگا لیکن وہ بڑا برجستہ ہے جلدی بات سمجھ میں آ جائے گی دو چیزوں میں فرق

جی لیا چار دن جوانی میں
زندگی عمر بھی نہیں ہوتی

اس نے زندگی اور عمر میں فرق کیا ہے اور یہ بڑا فرق ہے عزیزانِ من' عمر دنوں سے ہفتوں سے مہینوں سے سالوں کے پیمانے سے ماپی جاتی ہے پچاس سال کی عمر ہوگئی ساٹھ سال کی عمر ہوگئی بڑی لمبی عمر پائی ہم بھی اپنے ہاں یہ نہیں کہتے کہ بڑی لمبی زندگی پائی اب میری زندگی ساٹھ سال کی ہوگئی ہے دیکھئے روز ہم بولتے ہیں کبھی ہم غور نہیں کرتے اس پہ کہ ساٹھ سال کی عمر ہوگئی ہے تو ہم کہتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ ساٹھ سال کی زندگی ہوگئی ہے اور جب ہم کہتے ہیں کہ زندگی بڑی خوشحال گذری تو زندگی خوشحال گذری کہتے ہیں یہ کبھی نہیں کہتے کہ میری عمر بڑی خوشحال گذری ہے' ہم بھی فرق کرتے ہیں یہ فرق قرآن نے کیا تھا وہ زندگی اور عمر میں فرق کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ یہ اس طبعی زندگی جو پوری کی پوری عمر تمہاری اس دنیا میں گذری جو طبعی زندگی کی ہے کتنی ہی بڑی ہو یہ تمہاری عمر ہے زندگی نہیں ہے ہمارے ہاں تمہاری زندگی پہچانی جائے گی عمر سے ہمیں کوئی دخل نہیں ہے' پچاس سال جئے یا ساٹھ سال یا سو سال جئے کہتا یہ ہے کہ یہ جو چیز تھی عمر جسے تم کہتے ہو یہ تو جس دن تمہارا آخری سانس ختم ہوا عمر ختم ہوگئی تمہاری زندگی ختم نہیں ہوئی اس سے' زندہ انسانوں سے وہ یہ کہتا ہے ۔ استجیبوا الی اللہ والا الرسول اذا دآ ءکم لما یحکیم ۔ اے چلتے پھرتے انسانو لبیک کہو رسول کی اس دعوت پہ جو اس لئے دعوت دیتا ہے کہ تمہیں زندگی مل جائے' وہ تو زندہ انسان ہیں لیکن وہ عمر والے انسان ہیں زندگی جو ہے وہ حسنِ عمل سے ملتی ہے وہاں خدا کے ہاں جو زندگی کا پیمانہ ہے وہ انسانی اعمال کا پیمانہ ہے وہ جو میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ہم بھی اپنے ہاں یہ بولتے ہیں کہ بڑی خوشحال زندگی گذری زندگی بڑی تنگی میں گذری عمر نہیں ہم کہتے کہ بڑی خوشحال گذری میری عمر بڑی تنگی میں گذری' فرق کرتے ہیں ہم عمر بڑی لمبی پائی لیکن زندگی بڑی تنگی میں گذری دونوں میں فرق ہے یہ جو چیز ہے کہ زندگی یہ ہے اصل حیات ۔ ان الا خرۃ ؟؟؟ ۔ کہتا ہے زندگی کا تو لفظ ہی اس کیلئے بولنا چاہئے جو عمل سے مرتب ہو کے آتی ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
اچھی خوراک کھانے سے اچھی طرح رہنےسہنے سے تو عمر بڑھتی ہے زندگی نہیں بڑھتی
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے میں فرق کررہا تھا عمر میں اور زندگی میں یہ فرق قرآن نے کیا ہے زندہ چلتے پھرتے انسانوں کو وہ

کہتا ہے کہ آ ؤ تمہیں میں زندگی عطا کروں' زندہ انسانوں سے کہنا تمہیں زندگی عطا کروں عمر اور زندگی میں فرق کر رہا ہے انسان مرتا ہے تو اس کی عمر ختم ہوتی ہے اس کی زندگی ختم نہیں ہوتی ' عمر طبعی اسباب سے مرتب ہوتی ہے اور اسی سے ختم ہوتی ہے زندگی حسنِ عمل سے ترتیب پاتی ہے اور حسنِ عمل ساتھ جاتے ہیں انسان کے' تو زندگی جو ساتھ جانے والی ہے جو اسے نہیں مانتا اس کے سارے اعمال جتنے ہیں وہ عمر سے متعلق ہوتے ہیں عمر ختم ہوتی ہے تو وہ اعمال بھی ختم ہوتے ہیں اور ان کے نتائج بھی ختم ہو جاتے ہیں' ابھی جو میں نے عرض کیا ہے کہ اچھے کام کرنے سے اپنا اطمینان ہوا اپنی خوشی حاصل ہوگئی معاشرے میں عزت حاصل ہوگئی نام ہوا دنیا کے اندر ڈنکا بجا آسمان تک سب کچھ ہوا یہ زندگی نہیں ہے' کس حسین انداز میں قرآن نے کہا ہے کہ وہ وہاں کھڑا ہو کے کہے گا کہ میں نے اتنے اتنے اچھے کام کئے ہیں دنیا اس کی شہادت دے رہی ہے تو مجھے ان کا بھی کچھ صلہ ملنا چاہئے' کہا کہ وہ تمہاری طبعی زندگی یا طبعی عمر جسے آپ کہتے ہیں اس کے وہ کام تھے تم نے اپنی طبعی عمر کے اعتبار سے اس کا جو صلہ اسکی جو جزا اس کے جو نتائج تھے وہ لے لئے وہاں تمہاری عمر ختم ہوگئی اور وہ اعمال ختم ہوگئے وہ سب کچھ تم وہاں لے چکے ہوئے ہو بلکہ ۔ اذھبتم ۔ ہے اس کے معنی ہوتے ہیں کہ تم ضائع کر چکے ہوئے ہو' خود ہی ضائع کر چکے ہو' تو اب یہاں سے ایک بڑا بنیادی نکتہ آیا عزیزانِ من حسنِ عمل کا اگر جذبہ محرکہ اپنا اطمینان اپنی خوشی یا شہرت ہے معاشرے کی تو یہ پھر زندگی اس سے نہیں بنتی اس کا تو جذبہ محرکہ اس سے بہت اونچا ہونا چاہئے وہ زندگی جو عمل سے بنتی ہے تو وہ کیا بن جاتی ہے جنت بھی اور جہنم بھی' اسے زندگی کہتے ہیں اور یہ جو طبعی سانس لینے والی چیز ہے وہ عمر کہلاتی ہے'

تیرا دیں نفس شماری میرا دیں نفس گدازی

بڑی باریک اصطلاحیں ہیں اس شخص کے ہاں بھی صاحب' ۔ طیبٰتکم فی الحیٰوۃ الدنیا واستمتعم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق و بما کنتم تفسقون ۔ کہا وہاں تم اس زندگی میں بڑائی چاہتے تھے اقتدار چاہتے تھے استکبار چاہتے تھے بغیر تعمیری نتائج پیدا کئے ہوئے الحق کو چھوڑ کر تم چاہتے تھے کہ تمہیں بڑائی مل جائے یہاں یہ نظر آیا کہ دنیا میں بڑائی حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں ہے یعنی تکبر اور چیز ہوتی ہے وہ تو یہ کہتے ہیں تکبر؟؟؟ لیکن ہمارے ہاں تو جب پھر یہ تصوف آ گیا تو وہاں تو پھر ہر قسم کی بڑائی ہر قسم کی کبریائی ہر قسم کا استکبار وہ تو سارے کا سارا ہی ان کے ہاں ناجائز قرار پا گیا ۔ ہو جا ککھ مسیت دا جیہڑا میں کینا ہونا ہیگاں' رڑکیں نہ کسے دے پیراں وچ ۔ ان کی زندگی قرآن استکبار کو معیوب قرار نہیں دیتا ہے وہ تو مؤمن کو کہتا ہے مؤمنین کو تو وہ اعلون کہتا ہے تمام اقوامِ عالم سے بلند' وہ جب اعلان کرتا ہے مینار پہ کھڑا ہو کے پانچ دفعہ دن میں کہ اللہ اکبر تو درحقیقت وہ خدا کے قوانین ماننے والی قوم کی کبریائی کا اعلان کرتا ہے اللہ تو اکبر ہے ہی تم کہو یا نہ کہو' یہ کس چیز کا اعلان ہو رہا ہے' خدا کے نظام کو قائم کرنے والی جماعت کی صفت بتائی جا رہی ہے وہ کہ جو یہ اعلان کرتی ہے کہ ۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ ۔ کہ

ہماری زندگی اس امر کی شہادت ہے کہ ہم کسی انسان کو صاحبِ اقتدار نہیں مانتے صرف خدا کو مانتے ہیں جو یہ مانے گا وہ تو خود کبریائی کے مقام پہ پہنچ جائے گا جس نے کسی انسان کو حقِ حکومت نہیں دیا ہے سوچئے وہ خود کتنا بڑا انسان ہوگیا' یہ جو خدا کی کبریائی ہے یہ خدا کے بندوں کی کبریائی ہے تو استکبار جو ہے یہ تو حق ہے مؤمن کا بلکہ شناخت ہے مؤمن کی خصوصیت ہے مؤمن کی' کونسا استکبار برا ہے ۔ تستکبرون فی الارض بغیر الحق ۔ الحق کے بغیر استکبار جو ہے بڑائی حاصل کرنا اقتدار حاصل کرنا الحق کے بغیر کہا یہ ہے تم جو کرتے تھے عزیزانِ من تقابل جسے کہتے ہیں ۔ تجزون عذاب الھون ۔ آج پھر ذلت کا عذاب تم استکبار چاہتے تھے بہت بڑا بننا چاہتے تھے بغیر الحق اس کا نتیجہ جو ہے زندگی تمہاری جو ہے نہایت ذلت آمیز ہوگی اور یہ تو تاریخ شاہد ہے انسانیت کی کہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ کبریائی کا مدعی ہو ۔ انا ربکم الاعلیٰ ۔ کہنے والا بھی کیوں نہ ہو بغیر الحق اگر اس نے کہا ہے تو تاریخ بتاتی ہے کہ انجام ہمیشہ اس کا ذلت آمیز ہوتا ہے ۔ عذاب الھون ۔ قرآن نے جسے کہا ہے ذلت آمیز عذاب ہوتا ہے ۔ بما کنتم تفسقون ۔ تم نے وہ راستہ چھوڑ دیا جو صحیح منزلِ انسانیت تک پہنچتا تھا اور اب ہم سے آ کے کہہ رہے ہو کہ ہمیں ہمارے ان اچھے کاموں کا کچھ صلہ ملنا چاہئے وہ تم لے چکے ہوئے ہوا نہیں تم ضائع کر چکے ہوئے ہو' اور اس کے بعد قرآن اپنے انداز کے مطابق جوا سکا ہے جب بھی بیان کرتا ہے وہ ایسی قوموں کا حال تو تاریخی شہادتیں پیش کرتا ہے یہاں تاریخی شہادت فوراً سامنے لے آیا استکبار بغیر الحق اور اس کا نتیجہ عذاب الھون یہ ہیں دو چیزیں جو کہی گئی ہیں تاریخی شہادت پیش کر دی ۔ واذکر اخا عادٍ ۔ قومِ عاد کے بھائی حضرتِ ہودؑ ان کی طرف آئے تھے کہا ان کا ذکر ان کے سامنے کرو کہ یہ جو قرآنِ کریم میں جن گذشتہ سابقہ قوموں کا یا انبیاء کا ذکر آیا ہے یہ وہ تھے جن سے حضورؐ کے مخاطب عرب اچھی طرح سے متعارف تھے وہ ان کو جانتے تھے ان کی کہانیاں ان کی داستانیں ان کے ہاں ازبر تھیں ان کے ہاں زمانہ قبل اس اسلام کا جو لٹریچر ہے وہ شاعری کا ہی لٹریچر ہے ان کے شعروں کے اندر ان تمام کی داستانیں تھیں' یہ جن راہگذروں کے اوپر سفر کیا کرتے تھے وہاں راستے میں ان کی بستیوں کے کھنڈرات ملتے تھے تو ظاہر ہے کہ جہاں وہ سفر کریں اور کھنڈر راستے میں آئیں تو پھر تو اس سفر میں باتیں ہی ان کی ہونگی جن کے وہ کھنڈر تھے اس لئے ان اقوام اور ان انبیاء کی کہانیاں کوائف حیات اس زمانے کے عربوں کو ازبر تھیں قرآن میں ان ہی کا ذکر بار بار آتا ہے اگر وہ یہ کہتے کہ تم دیکھو تو سہی کنفیوشس نے اپنی قوم سے کیا کہا اور اس چینی قوم کا کیا حشر ہوا تو عرب تو پہلے یہ پوچھیں گے کہ حضورؐ یہ کنفیوشس ہے کیا بلا تو پہلے یہ سمجھانا پڑے گا اور پھر یہ اثر انگیز ہی نہیں ہوگی جو اس طرح کی داستان آپ سنائیں گے جن بستیوں کے کھنڈرات کو وہ روز اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے وہ تو عبرت کا ایک جیتا جاگتا محسوس مرقعہ ہوتا ہے جو انسان کے سامنے آتا ہے اسی لئے قرآن نے صرف ان انبیاء اور ان اقوام کا ذکر کیا ہے جن سے یہ مخاطب جو تھے اولیں حضورؐ کے وہ متعارف تھے' قومِ عاد ۔ وقد خلت النذر منبین یدیہ ۔ وہ پہلا ہی پیغمبر نہیں ہے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گذرے تھے ان کے بعد بھی بہت سے آئے

تھے ہر رسول کی دعوت کا آغاز جس بنیادی کلمہ یا حقیقت سے ہوتا ہے جہاں قرآن نے کسی رسول کا ذکر کیا ہے وہاں اس کو دہرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ۔ الاتعبدوا الا اللہ ۔ اور وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کو حقِ حکومت حاصل نہیں ہے اور پھر آپ نے وہ پھر دیکھ لیا کہ ہم کھڑے ہیں اور پھر ترجمے میں آ کے دی کہاں پہنچ جاتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے' الہ جو ہے معبود بن گیا عبادت پرستش ہوگئی پوجا ہوگئی' بس پرستش جو ہے یہ صرف خدا کی کرتے رہو تو بس مقصد حاصل ہوگیا پرستش کیا ہوتی ہے اپنے اپنے طور پر اپنے ذہن کے اندر ایک چیز لے آنا کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں اس کا نام لیتے ہیں اس کی بڑائی بیان کرتے ہیں یہ سارا کچھ قصیدے پڑھتے ہیں دنیا کی ہر قوم پرستش کرتی ہے خدا کی' یہاں بھی پرستش ہوتی ہے۔ اتنا عظیم انقلابی نعرہ عزیزانِ من اتنا عظیم کلمہ جسے قرآن نے کہا ہے کہ جس کی جڑیں پاتال میں ہیں جس کی شاخیں فضائے آسمای میں ہیں یہ کلمہ ہے وہ ۔ لا الہ الا اللہ ۔ حقِ حکومت خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے کتنا بڑا انقلابی نعرہ ہے' دین میں اس کا مطلب یہ تھا جب مذہب آیا تو خدا کے متعلق اس کو بنایا معبود عبادت کے معنی ہوئے پرستش اور اس کے بعد ہوئی کہ پرستش خدا کے سوا کسی کی جائز نہیں ہے اور مسلمان مطمئن ہوگئے' ذلیل سے ذلیل قوموں کی بھی ذلت آمیز اطاعت قبول کی محکومیت قبول کی نماز روزے کی اجازت اگر مل گئی تو اسلام کا حق ادا ہوگیا کیونکہ پرستش تو خدا کی ہوئی صرف۔ دنیا کی بڑی بڑی جابر حکومتیں جو تھیں وہ اہلِ مذہب کو پرستش کی اجازت دیدیتی تھیں انگریز نے بھی یہ اجازت دی تھی حتیٰ کہ یہ جو جنگ تھی ہماری تحریکِ پاکستان کی ہندوستان میں وہاں بھی یہی سوال آرہا تھا یہ علماء حضرات مخالفت کرتے تھے اور آخری دم تک انہوں نے مخالفت کی وہ کہتے یہ تھے کہ تم جو کہتے ہو کہ اسلام کے احیاء کیلئے ایک جداگانہ آزاد مملکت کی ضرورت ہے یہ تصور تم کہاں سے لے آئے' ہندوستان کی حکومت میں جس قسم کی جمہوری حکومت یہ کہتے ہیں ہم یہاں قائم کریں گے وہ ہمیں ضمانت دیتے ہیں کہ تمہیں مذہب کی آزادی ہوگی پرستش کی آزادی ہوگی' مقابل میں وہ یہ دعویٰ پیش کرتے تھے کہ اسلام کی تو یہاں آزادی ہوگی تو پھر اسلام کی آزادی کی خاطر ایک آزاد مملکت پاکستان کا مطالبہ کیوں' گاندھی بھی یہی کہتا تھا مولانا حسین احمد مدنی بھی یہی کہتے تھے کہ یہ ڈھونگ رچایا ہوا ہے جناح نے اور یہ وکیلانہ حربہ ہے جو پیش کر رہا ہے مطلب اس کا اپنا گورنر جنرل بننا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اسلام کا تقاضا ہے اسلام کا تقاضا کیا ہے وہ تو یہاں پورا ہوتا ہے۔ یہ چیز ان کے ہاں موجود ہے وہ یہ کہتے تھے کہ کانگریس اس کی ضمانت دیتی ہے کہ تمہیں مذہب کی آزادی حاصل ہوگی پرستش کی آزادی حاصل ہوگی' وہی چیز جسے اقبالؒ نے رد کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ کا جو بیان ہے مولانا حسین احمد مدنی کے اس دعوے کے خلاف وہ تو ایک تاریخ کی؟؟ لیکن ہمیں وہ کیا یاد رہ سکتا ہے نہ پاکستان کی تحریک کی کوئی تاریخ مرتب ہوئی نہ یہ واقعات سامنے آئے جنہوں نے دیکھا ہے بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں وہ اگلے دنوں وہ پیر علی محمد ہاشمی نے آپ نے پڑھا ہوگا جنگ میں اس نے لکھا ہے کہ ۔ میں اپنی ذات کے متعلق نہیں کہہ رہا میں کہہ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ بھی ختم ہو رہا ہے ۔ سنٹرل گورنمنٹ سرونٹ جو تھے ان میں سے صرف دو

تھے جنہوں نے کھل کر تحریکِ پاکستان کا ساتھ دیا تھا ایک سر شاہ سلیمان جج تھے اور دوسرے طلوعِ اسلام والا پرویز' وہ انہوں نے لکھا ہے یہ جنگ کے اندر میرا خیال ہے دس بارہ نومبر کا ہی ہے' تو وہ میں کہہ یہ رہا تھا کہ وہ سر شاہ سلیمان وفات پا چکے یہ نابسارا ابھی زندہ ہے اس کی نوحہ خوانی کیلئے اس کے بعد کوئی بتانے والا بھی نہیں ہوگا کہ یہ جنگ کیا تھی یہ کس چیز کے اوپر لڑائی وہاں ہو رہی تھی' ذہن میں یہی ہے کہ لڑائی ہو رہی تھی انگریز کے خلاف اور ہندو کے خلاف جبکہ اصل لڑائی علماء کے خلاف تھی اور اصل لڑائی اسلام اور اسلام میں جو فرق ہے اس کی جنگ تھی وہ کہتے تھے کہ لا الہ کا تو یہاں ہمارے ہاں موجود ہے اقبالؒ نے کہا یہ تھا کہ

ملاں کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت

نادان سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

تو انہوں نے آ کے بھی اپنی قوم سے وہی کہا جو ہر رسول کہتا تھا کہ ۔ الا تعبدوا الا اللہ ۔ خدا کے سوا کسی کی حکومت تسلیم نہ کرو تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قومیں کیوں ان کے پیچھے پڑ جاتی تھیں اور کیوں ان کو پکڑ کے صلیب تک پہ چڑھا دیتی تھیں' کونسی قوم اس کو گوارا کرلے گی کہ اس کا یہ سب کچھ چھین لیا جائے یہ تو نعرہ ہی بغاوت کا ہوگا بڑے بڑے باغیانہ انقلاب کے دعوے تھے جو رسول کیا کرتے تھے اور ان کی قومیں کیا کرتی تھیں ۔ الا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم ۔ انسانوں کی حکومت جو تم تسلیم کرتے ہو تو میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے ہاتھوں اتنا بڑا عذاب ہوگا جو خدا کی طرف سے تم پہ آئے گا خدا تو کسی کو خود عذاب نہیں دیتا اس کا کیا بگڑتا ہے تم اس کی حکومت کو مانو نہ مانو کسی اور کی حکومت کو مانو خدا تو اس وقت بھی حاکمِ اعلیٰ تھا پوری کائنات کا جب انسان پیدا ہی نہیں ہوا تھا اس وقت بھی وہ اسی طرح سے قادرِ مطلق رہے گا جب کوئی انسان باقی نہیں رہے گا' انسان اس کو نہیں مانتے تو کیا بگڑتا ہے ساری دنیا کہدے کہ سورج نہیں چڑھا ہوا تو سورج کا کیا بگڑتا ہے' یہ عذاب تو یہ جو انسان ذہنیت پیدا کرتا ہے جو نظام اپنا قائم کرتا ہے اس کے ہاتھوں یہ عذاب آتا ہے انسانوں کی حکومتوں سے کس قوم پہ عذاب نہیں آیا؟ ۔ قالوا اجئتنا لتا فکنا عن الھتنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین ۔ جواب میں وہ یہ کہتے تھے کہ ہاں یہ آ گیا ہے تو جس مذہب پہ ہم چلے آ رہے ہیں ہمارے آباؤ اجداد اور اس کی تقلید ہم کرتے چلے آ رہے ہیں یہ آ گیا ہے یہ کہنے کیلئے کہ اس سے ہٹ جاؤ الگ ہو جاؤ یہی جواب وہاں دیا جاتا تھا تحریکِ پاکستان کے دوران میرا خیال ہے کہ وقت تو ہے نہیں اور یہ بات بڑی لمبی ہے میرے ذہن میں آیا ہے پچیس دسمبر آ رہا ہے قائداعظمؒ کی پیدائش کے دن ہم ایک خصوصی درس رکھا کرتے ہیں تو اس دفعہ کا درس جو ہے وہ اسی نکتے کے اوپر ہوگا کہ یہ جنگ تھی کیا' یہی بات وہ کہہ رہے تھے کہ یہ اسلام جو ہزار سال سے چلا آ رہا ہے متواتر اور متوارث ہمارے ہاں آباؤ اجداد کا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ یہ آ گئے ہیں اسلام سے اکھیڑنے کیلئے ایک نیا اسلام ایجاد کر رہے ہیں' ۔ فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصدقین ۔ یہ جو تم کہتے ہو کہ بڑی تباہی آئے گی بڑا عذاب آئے گا اگر سچے ہو آسمیں تو لاؤ وہی بات جو وہ کہتے تھے کہ میں یہ

تو بتا سکتا ہوں کہ اس کے ذریعے سے تم پہ تباہی آئے گی میں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کب آئے گی کب کا علم غیب کا ہے اور مجھے حاصل نہیں ہے ۔ قال الا العلم عند اللہ وابلغکم ما ارسلت بہ ولٰکنی ارٰکم قومًا تجھلون ۔ میرا کام تو پیغاماتِ خداوندی کا تم تک پہنچا دینا ہے تمہیں وارن کر دینا ہے کہ تباہی آ رہی ہے تم مان لو گے تو اس سے بچنے کا پہلے ہی انتظام کر لو گے اسے نہ مانو گے وہ آ کر چھا جائے گی' میرا تو یہ کام ہے تبلیغ رسالت ہی کام ہوتا تھا رسول کا لیکن کہنے لگے کہ میں دیکھ یہ رہا ہوں کہ تم بڑی ہی ایک بیوقوف اور جاہل قوم ہو میں تمہیں یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہاری روشِ زندگی جو ہے اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے بجائے اس کے کہ تم مجھ سے یہ پوچھو کہ ذرا بیان کیجئے کیسے اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے تا کہ ہم اس کی اصلاح کریں' تم کہتے ہو وہ تباہی لا کے بتاؤ پھر لاتے کیوں نہیں ہو' تو کہا کس قدر بیوقوفی کی بات ہے کہ بات یہ پوچھتے کہ کب آئے گی یہ نہیں سوچتے کہ وہ کیا تباہی ہے اور اس سے کیونکر بچا جا سکتا ہے اگر گفتگو کرنی ہے تو اس پہ کرو' کوئی برسرِ اقتدار یہ نہیں کہتا کہ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ کیوں غلط ہے جو میں کر رہا ہوں غیر شعوری طور پر اپنے ذہن میں سمجھتا ہے کہ نہیں اس کا نتیجہ کچھ نہیں ہوگا یہ غلط کہہ رہا ہے یہ چیز میں نے سب انتظام کر رکھے ہوئے ہیں اور وہ قرآن کہتا ہے کہ وہ ان راستوں سے آتی ہے تباہی ۔ من حیث لاتشعرون ۔ جو تمہارے شعور میں بھی نہیں ہوتا کہ کہاں سے آ گئی' سارے رخنے تو بند کئے ہوتے ہیں لیکن کئی رخنے ایسے ہوتے ہیں جو تمہارے شعور میں بھی نہیں ہوا کرتے وہ وہاں سے آتی ہے اور اس کی آگے وہ مثال دیتا ہے قرآن کہ جس چیز کو یہ اپنے لئے بڑی خوش آئند سمجھتے ہیں وہی چیز ان کیلئے زندگی کا عذاب بن جاتی ہے' کیا بات ہے'

پانچواں باب: سورۃ الاحقاف (آیات 24 تا 26)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج دسمبر 1981ء کی 18 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الاحقاف کی آیت 24 سے ہو رہا ہے 46/24۔

قرآنِ کریم میں حق و باطل کی کشمکش جو شروع سے چلی آ رہی ہے نبی اکرمؐ کے زمانے میں اس کی جو کیفیت تھی بیان کرتے ہوئے حسب معمول پھر امم سابقہ کی شہادات کو وہ پیش کرتا ہے اور اس سلسلے میں اس نے قومِ عاد کی مثال پیش کی تھی اور دوسرے مقامات میں وہ بتاتا ہے کہ ان قوموں کے جرائم کیا تھے جن کے عواقب میں یہ تباہیاں آئیں یعنی ان کے consequences تھے جو یہ تباہیاں گنی جاتی ہیں وہ سزا کا یا عذاب کا تصور ہمارے ذہنوں میں کچھ اور آتا ہے وہ یوں آتا ہے کہ جیسے خارج سے کوئی اتھارٹی کسی کو ہنٹر مار رہی ہو اور قرآن کی رو سے جزا اور سزا یہ ہے کہ انسان کے اعمال کے جو فطری نتائج ہیں یہ ان کا نام ہوتا ہے، قوموں کی تباہی کی بھی وہ صورت یہی بتاتا ہے کہ جب قوموں کا نظام باطل پہ ہوتا ہے وہ اقدارِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال دیتی ہیں اور قومِ عاد کے متعلق یہ ہے کہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کی ہڈیاں توڑ دیا کرتے تھے اتنی سخت گرفت ان کی ہوتی تھی کمزوروں پہ تو یہ تو بہت بڑا جرم ہے انسانیت کی بارگاہ میں تو اس کی وجہ سے پھر وہ اس قدر اپنے ہی مقاصد کے بروئے کار لانے میں منہمک ہوتے تھے کہ وہ معاشرے کے حالات کو سدھارنے کیلیے جو چیزیں چاہئیں نظام کو مستحکم کرنے کیلیے جو کچھ چاہئے ان کی طرف سے توجہ ہی ان کی ہٹ جاتی تھی تو یہ چھوٹی بڑی تباہیاں جو عام حالات میں اگر نظام درست ہو تو ان کا مداوا کر لیا جا سکتا ہے وہ ان کے پاس اتنی بھی طاقت اسکی نہیں رہا کرتی تھی یہ چیزیں آتی تو تھیں یہی جس طرح فطرت کے قاعدے کے مطابق آتی ہیں سیلاب آتے ہیں آندھیاں آتی ہیں زلزلے آتے ہیں لیکن ان قوموں میں جن میں پھر اس کی یا تو صلاحیت نہیں رہتی تھی یا وہ ادھر توجہ نہیں دیتے تھے تو یہ چیزیں تباہی ان کو لے آتی تھی لیکن قرآنِ کریم جس مقصد کیلیے ان واقعات کو بیان کرتا ہے وہ ان کے نتائج ہیں نہ کہ یہ تاریخی واقعات خود، کہا یہ ہے قومِ عاد کے متعلق ۔ فلما راوہ عارضا مستقبل اودیتہم قالوا ھذا عارض ممطرنا بل ھو ما استعجلتم بہ ریح فیھا عذاب الیم تدمر کل شیء بامر ربھا فاصبحوا لا یرٰی الا مسٰکنھم کذٰلک نجزی القوم المجرمین ۔ اب قومِ مجرمین آخر میں کہہ کے بات بتا دی کہ وہ کس مقام پہ قوم تھی وہ جرائم کی فہرست دوسرے مقامات میں دی گئی ہے واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ خشک سالی کا زمانہ تھا بارش کا انہیں بڑا شدت سے انتظار تھا دور سے انہوں نے دیکھا کہ کوئی کالی گھٹائیں بڑھتی چلی آ رہی ہیں چھا رہی ہیں تو وہ خوش ہوئے اپنے قیاس کے مطابق کہ یہ بارش برسانے والی ہوائیں یا بادل آ رہے ہیں لیکن جب وہ آگے بڑھی تو وہ بارش برسانے والی نہیں تھی وہ تو ایک آندھی کا جھکڑ تھا کہ جس نے ان کی ہر چیز کو تباہ کر کے رکھ دیا اور کہ یہ ہے کہ جاؤ دیکھو ان کی بستیوں کے

کھنڈرات کو کہ پھر اس کے بعد ان میں بسنے والا کوئی نہ رہا صرف مکان باقی رہ گئے' مکانوں کے بھی نشانات باقی رہ گئے' وہ یہ ہمارے ہاں ریونیو والوں کے ہاں ایک اصطلاح ہوتی ہے وہ دیہہ بے چراغ تو اس کے معنی ہوتا ہے ویران گاؤں کہ جس میں آبادی نہ ہو وہاں کاشت نہ ہوتی ہو بے چراغ بہت اچھی اصطلاح ہے کہ جس میں دیا نہ جلتا ہو تو دیا تو جلتا ہے جہاں انسانوں کی آبادی ہوتی ہے تو یہ قرآن کہتا ہے کہ پھر یوں تم دیکھو کہ ان کے مکانوں کے کھنڈرات تو رہ گئے لیکن ان میں بسنے والا کوئی نہ رہا پھر اس کے بعد' کہا کہ یہ ہوتا ہے نتیجہ اس قوم کا کہ جو جرائم پر اتر آتی ہے' اگلا ٹکڑا ابھی اس کے ساتھ ہے لیکن میں بعد میں لونگا' یہ جو آیات ہیں اسمیں ہمارے لیے بہت بڑا سبق ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے انہوں نے قیاس یہ کیا اندازہ یہ لگایا کہ یہ جو بادل اٹھ رہا ہے یہ ان کیلیے بڑا ہی سرسبزی اور شادابی کا باعث ہوگا بڑی خوشی ہوئی انہیں یہ دیکھ کے کہ وہ مینہ برسانے والا بادل آ رہا ہے لیکن درحقیقت وہ مینہ برسانے والا نہیں تھا وہ تو ان کو تباہ کرنے والا ایک جھکڑ تھا جو چلا آ رہا ہے اب یہ چیز جو اس کے اندر جو ایک بڑا گہرا سا نکتہ چھپا ہوا ہے یا ہمارے لیے جو حکمت اس کے اندر ہے وہ یہ واقعہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ انسان اپنی نگاہ بھی اپنے اندازے کے مطابق اپنے قیاس کے مطابق ایک چیز کو اپنے لیے بڑا ہی منفعت بخش سمجھتا ہے فائدے مند سمجھتا ہے لیکن درحقیقت وہ اس کیلیے تباہ کن ہوتی ہے افراد میں بھی یہ چیز آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص سمجھدار ہر طرح سے عقل و فکر کو کام میں لا کے کسی ایک کاروبار میں ہاتھ ڈالتا ہے کوئی ایک سکیم اختیار کرتا ہے لیکن آخر الامر جا کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو بڑی نقصان رساں تھی بڑا ہی نقصان اس کے اندر ہوا یہ روزمرہ کا ہمارا تجربہ ہے کہ ایسا ہوتا ہے قوموں کی زندگی میں تو پھر یہ تباہیاں بڑی ہی لامحدود پیمانے پہ ہوتی ہیں ایک قوم اپنے ہاں ایک نظام وضع کرتی ہے یہ سوچ کر یہ سمجھ کر کہ یہ اس قوم کیلیے بڑی ہی منفعت بخش ہوگی لیکن وہی نظام جو ہے ذرا آگے چل کے نظر آ جاتا ہے کہ وہ تو بڑا ہی تباہ کن تھا یہ جتنی قومیں تباہ ہوئی ہیں اگلی آیت میں یہ کہا ہے کہ وہ اس قدر جاہل اور بے وقوف نہیں تھیں اندھی نہیں تھیں بہری نہیں تھیں سب کچھ دیکھتی تھی تو سب کچھ دیکھنے بھالنے کے باوجود وہ جو کچھ فیصلے کرتی تھیں اپنے لئے جو نظام جس قسم کا انہوں نے قائم کر رکھا تھا دیکھتے بھالتے ہوئے دیدہ دانستہ اپنے علم و بصیرت کی رو سے وہ سمجھتے یہ تھے کہ یہ بڑا ہی خوش آئند بڑا ہی منفعت بخش نظام ہے بڑا مستحکم نظام ہے لیکن اس کی بنیادوں کے اندر تباہی کے آثار مضمر تھے اور وہی تباہ کن ثابت ہوا ان کیلیے' یہ انسانیت کی تاریخ ہی نہیں بلکہ انسانی زندگی کے لیے اس کے اندر بہت بڑا ایک فلسفہ مضمر ہے' پھر کیا کیا جائے' عقل و فکر کو کام میں لا کے علم و بصیرت کی رو سے اندازے کے مطابق انسان ایک فیصلہ کرتا ہے ایک فرد اپنے لیے ایک قوم پوری قوم کیلیے ایک مملکت پوری مملکت کیلیے اور فیصلہ کے بعد وہ نظر آتا ہے کہ جس چیز کو بڑا ہی منفعت بخش سمجھا تھا وہ بڑی ہی تباہ کن ثابت ہوئی آخر میں جا کر' پھر کیا کیا جائے' میں سمجھتا ہوں کہ اگلی آیت بھی سامنے لے آیئے تو پھر اس کے مفہوم کو سمجھنے میں زیادہ آسانی رہے گی ۔ ولقد مکّنّٰھم فیما ان مکّنّٰکم فیہ ۔ ان کو اتنا تمکن حاصل تھا اتنی بڑی مملکت تھی ان کی established مملکت تھی ان کی بڑی بنیادیں ان کی مضبوط تھیں کہا کہ ایسی وہ مضبوط

محکم مملکت کی مالک وہ قوم تھی قومِ مخاطب یا قومِ قریش یا حضورؐ کے زمانے کے جو لوگ تھے کہا تمہیں بھی وہ تمکن حاصل نہیں جو تمکن انہیں حاصل تھا تو پہلی چیز تو یہ ہوئی کہ کوئی کمزور سی قوم یا مملکت نہیں تھی بڑی مستحکم بڑی ہی مضبوط مملکت تھی ان کی تمکن حاصل تھا ان کو اور اس کے بعد یہ کہ کوئی بیوقوفوں کی قوم نہیں تھی ۔ جعلنا لھم سمعًا وابصارًا وافدۃ ۔ عقل وفکر علم وبصیرت سمجھنے سوچنے کی ساری صلاحیتیں حاصل تھیں تو بڑی متمکن مملکت علم وبصیرت بھی سب حاصل ہے لیکن اس کے باوجود تباہی آ گئی یہ کیوں ہوا ۔ فما اغنٰی عنھم سمعھم ولا ابصارھم ولا افدتھم من شیء ۔ لیکن ان کے علم وبصیرت نے ان کے فہم وتدبر نے کچھ کام نہ دیا انہیں' کیوں' ۔ اذ کانوا یجحدون باٰیٰت اللہ وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءون ۔ جب انہوں نے اقدارِ خداوندی کی طرف سے چشم پوشی کی انکار کیا ضد کی کہ ہم اس کے مطابق نہیں نظام قائم کریں گے اس کی خلاف ورزی یہ جب انہوں نے کیا تو نہ تو علم وبصیرت کسی کام آیا نہ مملکت کا اقتدار اور تمکن جو تھا وہ ان کے کسی کام آیا مستحکم سے مستحکم مملکت بھی اڑ کے پرے؟؟ کی طرح اڑ گئی اور ان کی عقل وبصیرت تھی ایسا نظر آیا کہ اس پہ پردے پڑ گئے ہوئے تھے بات یہ کہی کہ جب ۔ یجحدون باٰیٰت اللہ ۔ جب وہ اقدارِ خداوندی سے انہوں نے انکار کیا اور اس کے خلاف اپنی مملکت کی بنیادیں قائم کیں تو اس کی وجہ سے نہ تو مملکت کا استحکام کسی کام آیا اور نہ ان کی علم و بصیرت نے ہی ان کو کچھ فائدہ پہنچایا تو بہت بڑی چیز ہمارے سامنے آئی' پہلی چیز تو یہ کہ انسان اگر صرف اپنے عقل وبصیرت کی بنیاد کے اوپر کوئی فیصلہ کرتا ہے میں آگے چل کے ابھی عرض کرونگا کہ یہ عقل وبصیرت اور علم تو بہت بڑی چیز ہے قرآن بھی اس کی بڑی قدر ومنزلت بتاتا ہے لیکن تنہا اگر اسی کی رو سے فیصلہ کیا جاتا ہے تو انسان کی نگاہ جس طرح سے یہ طبعی نگاہ انسان کی آنکھ ایک حد تک جاسکتی ہے اس سے آگے نہیں جاسکتی انسان کا اپنا ذاتی علم وبصیرت یا قوم کا اپنا خیال اور قیاس ایک حد تک جاسکتا ہے اس سے آگے نہیں جاسکتا' یہ علمِ خداوندی ہے جو لامنتہا حد تک جاسکتا ہے' وہ کہتا یہ ہے کہ علم وبصیرت سے کام لو لیکن وحی خداوندی کی روشنی میں کام لو سورج ہو تاریکی ہو تو انسان کی آنکھ دو قدم تک بھی نہیں کچھ دیکھ سکتی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا جسے کہتے ہیں اور جب روشنی ہوتی ہے تو اب یہی نگاہ انسان کی کتنی دور تک چلی جاتی ہے تمام خطرات کو بھانپ لیتی ہے جب روشنی سامنے آجائے' وہ کہتا ہے کہ اسی طرح جیسے Physical Laws یہ ہیں طبعی قوانین یہ ہیں کہ روشنی میں انسان کی آنکھ کام کرتی ہے اسی طرح سے یہ جو values کی دنیا ہے اقدار کی دنیا ہے اس میں بھی یہ صورت ہے کہ تنہا علم وبصیرت انسان کو دور تک نگاہ نہیں جانے دیتی اس کی' اس علم و بصیرت سے اگر وحی کی روشنی میں کام لیا جائے تو پھر وہ دور تک دیکھ سکتی ہے پھر وہ اپنے نفع نقصان کو اچھی طرح سے بھانپ سکتی ہے' کہا یہ ہے قرآن' میں سمجھتا ہوں قرآنِ کریم نے پہلے اسی آیت کو لیں پھر تشریح میں دیکھیں اقبالؒ نے بڑی عمدگی سے تشریح کی ہے 2/216 ۔ وعسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم ۔ صرف تنہا اپنی عقل سے فیصلہ کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں بظاہر بڑی ہی قابلِ نفرت نظر آئے ایسی نظر آئے جس سے تمہاری طبیعت ہی نہ کرے لیکن درحقیقت وہ تمہارے لئے

بڑی منفعت بخش ہو اور ایک شے جس کے اوپر تم فریفتہ ہوتے چلے جاتے ہو مرتے جاتے ہو جس کیلئے ہو سکتا ہے کہ وہی تمہاری موت کا باعث ہو' تمہاری آنکھ دور تک نہیں دیکھ سکتی کہا کہ وحی کی روشنی میں دیکھو ان چیزوں کو پھر ہر شے کی حقیقت تمہارے سامنے آ جائے گی' ایک ظواہر ہوتا ہے بظاہر ایک چیز آپ کو نظر آتی ہے بڑی خوشنما نظر آتی ہے اور درحقیقت آپ کیلئے تباہی کا موجب ہوتی ہے' وہ مصری نہیں ہوتی سنکھیا پسا ہوا ہوتا ہے تو کہا کہ یہ اس لئے تنہا اس چیز کے اوپر انحصار نہ کرو کہ تمہاری علم و بصیرت نے کیا فیصلہ کیا ہے' یہاں اب آ یئے اہم سوال آ گیا ایک نظام ہے جو اس وقت ساری دنیا میں چلا جا رہا ہے وہ نظام ہے جس کو سیکولرازم کہتے ہیں لفظ بڑا عام ہے جیسا کہ میں اکثر کہا کرتا ہوں ان اصطلاحات کے معنی کو جب تک سمجھ نہ لیا جائے یا متعین نہ کر لیا جائے define نہ کر لیا جائے بات سمجھ میں نہیں آتی' بڑی بحثیں چل رہی ہیں جھگڑے چل رہے ہیں سیکولرازم صاحب اسلام بھی سیکولر ہے جی اور سیکولرازم میں کیا خرابی ہے جی سیکولرازم ہوتا کیا ہے یہ کوئی نہیں بتاتا' قرآن یہ بتاتا ہے کہ صرف انسان کی اپنی عقل و بصیرت اور علم کو فیصلہ کن چیز سمجھ لینا اسی کے مطابق فیصلے کرنا اور کوئی ایسی حد نہ باندھنا کہ جس کے اندر رہتے ہوئے وہ فیصلے کئے جائیں یعنی Ultimated Authority آخری اتھارٹی انسان کو اپنے فیصلے کو لینا ہے اور قرآن یہ ہے کہ خدا کی طرف سے جو حدود متعین کی گئی ہیں ان حدود کے اندر رہتے ہوئے علم و عقل و بصیرت سے کام لو یہ ہو گیا اسلام یعنی حدودِ خداوندی کے اندر رہتے ہوئے عقل اور علم و بصیرت سے کام لینا اسلام ہے اور حدود سے نا آشنا ہو کے صرف علم و عقلِ انسانی کے مطابق کام لے کے فیصلے کرنا سیکولرازم ہے' عقل و علم و بصیرت تو ساری اسلام کے اندر بھی ہے ابھی یہ قرآن نے جو کہا ہے میں ابھی عرض کرونگا وہ تو صاحب دو لفظوں میں بات ساری کہہ جاتا ہے' علم و عقل و بصیرت وہ اس کے خلاف ڈنڈا لے کے نہیں چل رہا وہ اس کو بڑی اہمیت دیتا ہے لیکن شرط ایک لگاتا ہے کہ ان حدود کے اندر رہتے ہوئے ان سے کام لیا جائے جو خدا کی متعین کردہ ہیں اور غیر متبدل ہیں ان کو تم بدل نہیں سکتے وہ جو میں مثال دیا کرتا ہوں آج کل وہ بہت ہاکی کے میچ سامنے آ رہے ہیں کیا ہوتے ہیں یہ میچ صرف وہ Boundry Lines جو ہیں ان کے اندر رہتے ہوئے ٹیم کو اجازت ہوتی ہے کہ گیند کو گول کے پاس لے جائے ذرا ان لائنز کی خلاف ورزی کی تو سیٹی بج جاتی ہے اور اگر کوئی اس قسم کا میچ ہو جس میں یہ لائنز ہوں ہی نہ' تو سیکولرازم وہ میچ ہے جس میں یہ حدود کی باؤنڈری لائنز نہیں ہوتیں اور دو ٹیمیں ہوتی ہیں اس کے اندر Hockey Stick لئے ہوئے تو پھر ہوتا کیا ہے وہی جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے' یہ تو وہ چار لائنیں ہیں جو حقیقت میں ان کو ڈسپلن کے اندر رکھتی ہیں اور پھر وہ ریفری وہ سیٹی بجاتا ہے یہ ہے اسلامی نظام' حدودِ خداوندی جو غیر متبدل ہیں ایک مرکزی اتھارٹی جو ریفری کا کام دیتی ہے اس کے اندر ٹیمیں' اور سیکولرازم ہے یہ باؤنڈری لائنز اٹھائی ہوئیں اور ٹیمیں اندر اس کے Hockey Stick ہی نہیں پھر وہ ایٹم بھی ساتھ لئے ہوئے چلی آ رہی ہوتی ہیں' کتنی عظیم حقیقت ہے جو قرآن کہہ جاتا ہے کہ وہ تباہ اس لئے ہوئیں عقل اور بصیرت اور علم اور تدبر وہ سب کچھ رکھتی تھیں لیکن وہ باؤنڈری لائنز ان کے پاس نہیں تھیں حدود فراموش

تھیں حدود پہ beleive ہیں کرتی تھیں اور کہا کہ اس لئے وہ تباہ ہوئیں' قوم بچے گی وہ کہ علم وبصیرت سے وہ کام لے لیکن حدودِ خداوندی کے اندر رہتے ہوئے ان سے کام لے یہ ہے جو اسلام ہوگا اور یہ ہے جو کہ تمام نوعِ انسانی عالمگیر انسانیت کیلیے منفعت بخش ہوگا کیونکہ اس کی حدود جو ہیں وہ عالمِ انسانیت کی منفعت کو سامنے رکھ کے باندھی گئی ہیں حدود خدا نے' ۔ ینفعسوا فی الارض ماینفع الناس ۔ بقاء اسی عمل کیلیے ہے جو پوری نوعِ انسانی کی منفعت کیلیے کیا جائے یہ ہے جو لائن اسنے کھینچی ہے منفعت کیلیے تخریب کیلیے نہیں' اب آیئے اس طرف کہ انسان تنہا اپنے علم وعقل سے وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کو تم اچھا نہیں سمجھتے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہو وہ تمہارے لئے بڑی منفعت بخش ہوتی ہے وحی سے پوچھو کہ یہ میرے لیے فائدے مند ہے یا نہیں او رایک شے جسے تم بہت پسند کرتے ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بڑی تباہ کن ہو' خود نہ فیصلہ کرو دیکھ لو کہ وحی کی لائن کے اندر میں یہ کچھ کر رہا ہوں کہیں اس سے تجاوز تو نہیں کر رہا یہ حدود کا لفظ قرآن کا ہے باؤنڈری لائنز اس کا ترجمہ ہے' تو تنہا انسان ایک فرد اپنے فائدے کی سوچ سکتا ہے حیوانی فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شخص Preservation of Self کیلیے اپنی زندگی کے تحفظ کیلیے سوچے دوسرے کیلیے سوچ ہی نہیں سکتا حیوان نہیں سوچ سکتا کوئی حیوان کسی دوسرے حیوان کی حفاظت نہیں کرتا' قوت اگر حاصل ہوتی ہے شیر کو تو وہ اس لیے کہ وہ ہرن کو کھا جائے' حدود کے اندر قوت اس لیے حاصل ہوتی ہے کہ کمزور کی حفاظت کی جائے یہ ہے حدود سے مطلب' اس لئے کہا یہ کہ انسان یا قوم یا فرد اگر ان حدود کی طرف سے آنکھیں بند کر کے از خود فیصلے کرے گا تو وہ فرد کیلیے بھی تباہی کا موجب ہو سکتی ہے قوم کیلیے بھی اور نوعِ انسانی کیلیے بھی کیونکہ یہ سارے فیصلے فرد اپنے تحفظ کیلیے چاہتا ہے قوم اپنی منفعت کیلیے چاہتی ہے تو جہاں اپنی اپنی منفعت اور تحفظ کیلیے سب کچھ سوچا جائے اور حدود کوئی ہوں نہیں تو اس کا نتیجہ تو ظاہر ہے' کتنی عظیم چیز کہی قرآن نے کہ علم وعقل علم وبصیرت نہایت ضروری چیز ہے لیکن حدودِ خداوندی کے اندر رہتے ہوئے یہ میچ کھیلو' یہ اگر نہ کرو گے تو اس کا نتیجہ تباہی ہوگا ٹکراؤ ہوگا ایک دوسرے کے ساتھ ہر فرد ہر قوم اپنی اپنی منفعت اپنی اپنی بقاء اپنی اپنی زندگی اپنی اپنی قوت کیلیے نبرد آزما ہوگی اس میدان میں اور جب یہ ہوگا تو ٹکراؤ ہوگا اور جب ٹکراؤ ہوگا تو اس کا نتیجہ تباہی ہوگا اقبالؒ نے اس چیز کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے وہ تو جب آتا ہے تشریح کے اوپر تو' یہ ہے مثنوی ان کی پس چہ باید کرد اے اقوامِ؟؟ بات یہاں سے شروع کرتا ہے

آدمی اندر جہانِ خیر و شر
کم شناسد نفع خود را از ضرر

اس دنیا میں جہاں نقصان اور فائدے کی ساری چیزیں بکھری ہوئی ہیں تنہا اپنی عقل کی رو سے وہ فیصلہ کرتا ہے تو نہیں پہچان سکتا کہ اس کیلئے فی الحقیقت منفعت کا باعث کیا چیز ہے اور اس کیلیے تباہی کا باعث کیا چیز ہے از خود یہ نہیں کر سکتا یہ تو دیا اس نے اصول' میں آگے عرض کرونگا کہ پھر وہ کیا کہتا ہے' یہاں وہ لفظ حلال وحرام کو وہ لایا ہے اور میں پہلے ہی عرض کردوں جو بات اس نے کہی ہے کہ

نیست ایں کارے فقہیاں اے پسر

فقہ کی رو سے نہ پوچھو تم حلال اور حرام کیا ہوتا ہے ان کے ہاں تو یہی ہوتا ہے کہ کوا حلال ہے یا کوا حرام ہے' وہاں تو حلال وحرام یہ ہوتا ہے' اس نے کہا کہ حلال اور حرام تو یہ ہے رزقِ حلال اور رزقِ حرام اب یہ دیکھیے کیا کہتا ہے

تا نادانی نکتہ عقل حلال

بر جماعت زیستن گردن وبال

اگر یہ جو چیز کہ وحی خداوندی نے جائز قرار دی ہے وہ عقلِ حلال سمجھ لیجیے جن حدود کے اندر رہتے ہوئے تم کو بھاگنے دوڑنے گیند کے پیچھے جانے کی اجازت دی گئی ہے وہ عقلِ حلال ہے' کہتا ہے جب یہ تمیز اٹھ جائے تو پھر تو انسان کا معاشرہ کے اندر رہنا وبالِ جان ہو جاتا ہے معاشرے میں اگر یہ تمیز اٹھ جائے ان حدود کی اور sticks کی جگہ ایٹم بم پاس ہوں ان کے وہ کہتا ہے سوچو تو سہی پھر اس معاشرے میں تمہارا حشر کیا ہوگا' کیا بات ہے' عقلِ حلال کی اگر تمیز اٹھ جائے تو عزیزانِ من دور جا کے کہیں دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے

صورت بگیں حالت نہ پرس

ہم تو اس معاشرے میں رہ رہے ہیں ساری دنیا آج اس معاشرے میں رہ رہی ہے جہاں عقلِ حلال کی باونڈری لائن نہیں لگی ہوئی

تا نادانی نکتہ عقل حلال

بر جماعت زیستن گردن وبال

تباہ ہو جاتی ہیں'

آہ یورپ زی مقام آگاہ نیست

اس وقت ساری دنیا پر تہذیبِ مغرب چھائی ہوئی ہے وہ مخاطب تو مغرب کو کرتا ہے کہ یہ سرچشمہ ان تمام چیزوں کا لیکن درحقیقت وہ اس نظام کو لیتا ہے اس نظریے کو لیتا ہے جس کی رو سے باؤنڈری لائنز مٹا کے میچ کھیلے جا رہے ہیں اسی تمثیل میں میں بڑھتا جاؤں گا آ گئے'

آہ یورپ زی مقام آگاہ نیست

چشمِ او ینظر بنور اللہ نیست

یہ ایک حدیث شریف ہے ۔ ؟؟؟؟؟ ینظر بنور اللہ ۔ مؤمن کی فراصت سے محتاط رہو اس لیے کہ وہ خدا کی روشنی میں چیزوں کو دیکھتا ہے' دیکھا صحیح حدیث کس طرح سے ایک تابندہ گوہر کی طرح چمک کے سامنے آ جاتی ہے خدا کی دی ہوئی روشنی سے اس کی

نگاہ دیکھتی ہے جس سے محتاط رہو' تمہاری نگاہ کی حد یہاں تک ہوتی ہے اس کی حد بہت دور تک آگے جاتی ہے کیونکہ وہ نوراللہ کی روشنی میں دیکھ رہا ہوتا ہے' یورپ کو یہ مقام کہتا ہے حاصل نہیں ہے

او ندانند از حلال و از حرام
حکمت اش خام است و کارش ناتمام

وہ تمیز ہی نہیں جان رہا حلال اور حرام کی اس لئے اس کی سکیمیں جو تباہ کن ہوتی ہیں اس کا اپنا انجام بھی تباہ کن ہوتا ہے اب دیکھئے حلال اور حرام کس کو یہ کہتا ہے میں نے عرض کیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے یہ مسائل ہیں کہ یہ حلال ہے یہ حرام ہے لیکن قرآن کی رو سے جس کو یہ کہہ رہا ہے حلال اور حرام کے معنی کیا ہیں

امتِ بر امتِ دیگر چرد
دانہ ایں می کارد آں حاصل برد

یہ نظام کہ محنت کوئی کرے اور محنت کا ماحصل کوئی دوسرا لے جائے کہتا ہے یہ ہے حرام اور حلال حلال تو یہ تھا کہ جو محنت کرے وہ اس ماحصل کو لے جائے حرام یہ ہے کہ محنت کوئی کرے اور لے جائے دوسرا' جو وہ لے گیا ہو حرام ہے' کہتا ہے آج فرد کی بات نہیں قوموں کی بات بھی یہ ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کی کھیتی کے اوپر چرتی ہے' سیاست اور اقتصادیات؟؟ اس کے اوپر جن کی نگاہیں ہیں وہ جانتے ہیں کہ کس کس طریقے سے یہ بڑی استبداد والی قومیں سپر پاورز جن کو کہتے ہیں یہ دنیا کی دوسری جو کمزور قومیں ہیں ان کے خون کا آخری قطرہ تک کیسے نچوڑ کے لے جاتی ہیں

امتِ بر امتِ دیگر چرد

سپر پاورز کی قومیں غریبوں کی کھیتیوں کے اوپر چرتی ہیں

دانہ ایں می کارد آں حاصل برد

کاشت یہ کرتا ہے اور جو فصل ہے اس کو وہ لے جاتا ہے کہتا ہے یہ ہے حرام اور حلال' آپ نے دیکھا بات کہاں تک چلی گئی وہ جو اس نے کہا کہ

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر

میں ابھی عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں کی فقہ بھی کہاں جاتی ہے دو شعر اور سن لیجئے

از ضعیفاں نہ رگودن حکمت از

کاریگری کیا ہے علم وبصیرت کس کام آتا ہے کہ کمزوروں کے منہ سے روٹی چھین لینا کہ کس تدبیر سے ان کی روٹی چھینی جائے ساری

عقل ان کی اس کام میں صرف ہوتی ہے کام یہ بھی لیتے ہیں عقل سے لیکن اس کیلیے لیتے ہیں کہ کمزور کے ہاتھ سے روٹی کیسے چھینی جائے

از تنِ شاں جاں رگودن حکمت از

ان کے جسم سے جان کس طرح سے کھینچ لی جائے ان کا سارا علم وتدبر اس کام آتا ہے

شیوہ تہذیب نو آدم گری

یہ تہذیب نو کیا کرتی ہے پھاڑ کھاتی ہے انسانوں کو جنگل کے شیروں کی طرح درندوں کی طرح کمزوروں کو چیر پھاڑ کھاتی ہے

پردہ آدم گری سوداگری ایست

آگے دیکھیے یہ نظام اقتصادیات کا اکنامکس کا ان کا

ایں ؟؟ ایں فکرِ چالاک یہود

یہ بینک سسٹم جو انہوں نے ایجاد کر رکھا ہے یہودیوں کی چالاک فکر کی پیدا کردہ یہ چیز ہے ساری دنیا کی اقتصادیات جتنی بھی ہیں آپ حیران ہونگے یہ یہودیوں کے ہاتھ میں ہے یہ بڑی بڑی جن کو سپر پاورز کہتے ہیں ایٹم بم لئے پھرتے ہیں ان کی رگِ جان پنجہ یہود میں ہے یہ دنیا کی بڑی بڑی مملکتیں ان کے بل بوتے پہ چلتی ہیں سارے بڑے بڑے بنک جتنے بھی ہیں سارے بڑے بڑے اقتصادی نظام جتنے بھی ہیں Institutions , Organizations یہودیوں کے قبضے میں ہیں، یہ بنک فکرِ چالاک یہود بڑی تیز فکر ہے ان کی انسان کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کی محنت کا ماحصل کس طرح سے وہ لئے چلے جا رہے ہیں کس کس طریقے سے لئے جا رہے ہیں

نورِ حق از سینہ آدم؟؟

اور اس نے اس باطل کے معاشی نظام میں گرفتار کر کے اس کے سینے سے خدا کا نور بھی چھین کے وہ لے گئی

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام

دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

جب تک یہ نظام تباہ نہیں ہوتا کہ یہ محنت کر کے کاشت کرے اور وہ فصل لے جائے اس قسم کا اقتصادی نظام کہ جس میں یہ میں آپ کو سمجھاؤں کہ یہ بات کیا ہے جسے بنک یا ربوٰ جسے قرآن کہتا ہے قرآنِ کریم کی رو سے یہ محنت جو ہے اس کا جو حاصل اس سے ہوتا ہے وہ ہے جسے نفع کہا جاتا ہے معاوضہ محنت کا ہے صرف روپیہ انوسٹ کر کے اس کے اوپر کچھ لے لینا یہ ربوٰ ہے یہ حرام ہے قرآن کی رو سے اور اتنا بڑا یہ جرم عظیم ہے قرآن نے کسی اور جرم کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اگر تم اس نظام سے اس جرم سے باز نہ آؤ تو خدا اور رسول

کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے تمہارے خلاف کسی اور جرم کے متعلق یہ نہیں ہے آیا اس کے متعلق یہ آیا ہے' اور یہی ایک چیز ہے یعنی محنت ایک شخص کرتا ہے اس سے تو اس کو کچھ معاوضے کا حق حاصل ہے ایک شخص کسی طرح سے روپیہ اکٹھا کر لیتا ہے اور بیٹھا ہوا ہے اور اس کا روپیہ اس کو لئے چلا آ رہا ہے منفعت' تو یہ کہاں سے لیا یہ روپیہ جو ڈھیر لگا ہوا ہے یہ کہیں کدال تو مارتا نہیں محنت تو کرتا نہیں یہ ڈھیر روپے کا یہ کیسے شام کو یہ سو روپیہ اسکے اوپر بڑھ جاتا ہے یہ روپیہ بچے تو دیتا نہیں' یہ ہزار روپیہ کیا کرتا ہے جس سے یہ شام کو ایک سو اس کے اوپر آ جاتا ہے یہ کہاں سے آتا ہے وہ جو محنت کر رہا ہے یہ اس کی محنت کا ماحصل ہے جو اس میں آ کے مل جاتا ہے یہ صرف روپیہ invest کرتا ہے اور بیٹھا ہوا ہے وہ محنت کر رہا ہے اس بیچارے کی محنت میں سے شاید روپے میں سے اس کو چار آنے بھی نہیں ملتے بارہ آنے یہ ڈھیر لے جاتا ہے وہ جو آرام سے بیٹھا ہوا ہے گھر میں' اسے ربٰو کہتے ہیں' محض سرمایے کے اوپر منافع قرآن کی رو سے ربٰو ہے اب اس کیلیے جو بحثیں ہیں کہ یہ سادہ سود حرام ہے اور وہ سودِ مرکب حرام ہے اور یہ بنک کا سود اور ہے اور یہ منافع اس کو کہتے ہیں یہ اور ہے' یہ ساری بحثیں باطل ہیں قرآن نے ایک لفظ میں ساری بات کہدی ہے کہ یاد رکھو تم اگر کسی کو دیتے ہو کوئی چیز کسی کی مدد کرتے ہو روپے سے ۔ ولکم؟؟ من اعمالکم ۔ تو تم صرف اصل زر واپس لے سکتے ہو اس کے اوپر ایک پیسہ زائد نہیں لے سکتے' اصلِ زر کے اوپر ایک پائی بھی جو لینا ہے وہ ربٰو ہے وہ حرام ہے قرآن کی رو سے' اب آیئے آگے'

کس نہ داند زشت و خوبِ کار چیست

بادہ ہموار و ناہموار چیست

اگر وحی کی روشنی کے بغیر فیصلے کرتے ہو تو تمہیں پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ راستہ جو ہے وہ ہموار یا ناہموار ہے وہ تو سورج چڑھے گا تو تمہیں پتہ چلے گا کہ راستہ کیسا ہے اندھیرے میں تو ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے انسان'

گر جہاں داند حرام اش را حرام

جس چیز کو وحی نے حرام قرار کیا ہے اگر انسانیت اس کے حرام کو حرام سمجھ لے

تا قیامت پختہ مانند ایں نظام

تو یہ نظام قیامت تک مستحکم رہے گا اگر اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام سمجھ لے تو'

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر

یہ فقیہوں کی کام نہیں ہے فقہ کی رو سے یہ باتیں نہیں سمجھ میں آ سکتی

با نگاہِ دیگرے او را نگر

اس کو قرآن کی نگاہ سے سمجھو بات سمجھ میں آئے گی' آپ کو معلوم ہے آپ کی فقہ کا کیا فیصلہ ہے کہ مزارعت حلال ہے' مزارعت کیا

ہوتی ہے آپ کی زمین پہلی چیز تو یہی تھی کہ وہ آپ کی زمین کیسے وہ قرآن تو ارض اللہ کہتا ہے ساری زمین کو خدا کی زمین کہتا ہے وہ کہتا ہے اسمیں اگر ملکیت کا حق کسی کو دیتے ہو ۔ انداداً من دون اللہ ۔ خدا کے شریک بناتے ہو تم اس کو' تو پہلی بات ہی یہ یہیں سے بات شروع ہوئی یہیں آپ نے اس کی زمین اور اسکی زمین کہہ دیا یہ تو خدا کے ساتھ شرکت ہے اس نے یہ ساری زمین نوعِ انسانی کا سرچشمہ رزق قرار دیا ہے اس کو' اس سے انسانیت کی پرورش کا سامان پیدا ہوتا ہے یہ کسی کی ملکیت کی بات نہیں ہے اس میں' پہلی چیز تو قرآن کی رو سے یہ ہوئی' فقہ آپ کی صاحب لامنتہا درجے تک کیلئے جتنا بھی جس کا جی چاہے اس کو ملکیت میں اپنے لے لے سب جائز اور حلال ہے کوئی حد اور نہایت ہی نہیں ہے کہ کتنی ہو' تو یہ تو ہوگئی پھر ملکیت آگے اب وہ ساری زمین ۔ جنوں کیندے نے خود دے وہا نہیں سکدا کی کرے ۔ وہ دیدیتا ہے دوسروں کو کاشت کرنے کیلئے سارا سال یہ غریب کسان محنت کرتا ہے کاشت کرتا ہے اس زمین میں اس زمین کی آدھی فصل جو ہے وہ وہ لے جاتا ہے جس کو کہتے ہیں یہ اس کی زمین تھی اور اس کی محنت کا صرف اس کو آدھا ماحصل ملتا ہے اور اگر ٹھیکے پہ دی ہوئی ہے تو وہ تو اس سے بھی زیادہ ظلم ہے ٹھیکے کا روپیہ اس نے بہرحال اس کو دینا ہے خواہ اس کی فصل سے اتنے پیسے اس کو ملے ہیں یا نہیں ملے' میں تو شروع میں گاؤں کا ہی رہنے والا ہوں کاشتکار کے بچے بھوکے مرجاتے تھے سال کے بعد اگر فصل نہیں ہوتی تھی ٹھیکہ دینا ہوتا تھا اس نے زمیندار کو وہ پورا کرتا تھا قرضہ اٹھا کے پورا کرتا تھا' کیوں'

دانہ ایں می کارد آں حاصل برد

یہ ہے ناوہی چیز کاشت یہ کرتا ہے فصل وہ لے جاتا ہے آپ کی فقہ اس کو مزارعت کہتی ہے اور یہ اس کی رو سے حلال ہے' کاروبار کوئی کرتا ہے ایک شخص اسمیں صرف اپنا سرمایہ لگا دیتا ہے انوسٹ کرتا ہے سارا سال محنت وہ کرتا ہے تجارت میں بھاگ دوڑ سب مشقت کرتا ہے اور اس کے بعد یہ اس کے منافع میں سے جو طے شدہ ہے گھر بیٹھے ہوئے لے جاتا ہے سرمایے کے اوپر منافع لے لیتا ہے تو یہی تو ربوٰ ہے فقہ نے اس کا نام مزاربت رکھ لیا یہ نام صرف بدل دیا دیوداس کو عبدالرحمٰن کہہ دیا کہتا ہے نہیں یہ مزاربت ہے یعنی وہ پہلی چیز جو میں نے عرض کی کہ دانہ ایں می کارد آں حاصل برد مزارعت ہے' ایک انوسٹمنٹ سے Sleeping Partner جو ہے بیٹھا ہوا ہے گھر میں اصل اس کا محفوظ ہے جب بھی اس نے معاملہ ختم کرنا ہے وہ اصل اس کے ذمے ہے وہ تو لے لینا ہے ۔ گردن بھن کے لے لیناہیگا اے اوہدے کولوں ۔ اور اسکے اوپر آتا چلا جاتا ہے یہ منافع ' وہ کماتا ہے یہ اس میں سے کھاتا ہے یہ ربوٰ ہے انہوں نے اس کی اصطلاح رکھ دی مزاربت ہے صاحب' وہ جو اس نے کہا تھا کہ

نیست ایں کارِ فقیہاں اے پسر

بیٹا یہ فقہ کی بات نہیں ہے

با نگاہِ دیگرے اورا نگر

اسے کسی اور نگاہ سے دیکھو اور اور نگاہ تو بنور اللہ ہی ہے خدا کی روشنی میں ان معاملات کو سمجھو پھر بات سمجھ میں آئے گی کہ دانہ ما حصل اسی کا ہے جو کاشت کرتا ہے منافع اسی کا ہے جو محنت کر کے کماتا ہے یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو خدا کے نور ہیں وحی کی عائد کردہ حدود ہیں Boundry Lines ہیں جو کھینچی ہوئی ہیں ان کے اندر کرو جو کچھ کرنا ہے جتنی محنت جی چاہے کرو زمین کے اوپر جو محنت تم کرو گے اس محنت کا ما حصل تمہارا ہوگا کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا' محنت کرو اس میں پیسے بھی لگاؤ جو بھی اس میں سے منفعت ہوگی تمہاری ہوگی دوسرا شخص اس میں سے نہیں لے جا سکتا خدا کی حدود یہ تھیں' اب یہ دیکھئے یہ ہیں خدا کی حدود کے تابع نفع اور نقصان کی definitions آپ کہیئے اس کی حدود مقرر کی ہوئی یہ تو اس کی ہے اور جب پھر انسان ایک فرد یا قوم میں خود فیصلے کریں تو پھر خود فیصلے تو آپ جانتے ہیں جو کرتے ہیں انفرادی یہ مزارعت جسے آپ کہتے ہیں وہ تو ہمارے ہاں کی یہ زمینداری کا تو یہ معمول بن چکا ہوا ہے گاؤں کے اندر یہ بڑے بڑے زمیندار ان میں سے کوئی بھی خود جا کے محنت نہیں کرتا وہ سارا کچھ وہ مزارع جو کچھ وہاں کاشت کرتا ہے اس میں سے آدھی فصل اس کے گھر آ جاتی ہے اور جس کو بغیر محنت کئے ہوئے اتنا کچھ ملے پھر اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے پھر ان بڑے بڑے زمینداروں کے جاگیرداروں کے پھر آگے جو بیٹے ہوتے ہیں اور وہ پھر جو کچھ کرتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہے' اور ٹھیک ہے محنت نہ کی جائے اور مفت میں جو کچھ آ جائے تو پھر تو فکرِ انسانی تو یہی کچھ کرتا ہے جو کچھ ہوتا ہے' یہ تو محنت ہے کہ دوسری طرف اس کا دھیان ہی نہیں جانے دیتی خون پسینہ شام تک جب ایک ہو جاتا ہے تو پھر آ کے جو وہ لیٹتا ہے چارپائی بھی نہیں دیکھتا وہ تو وہ کسان جو ہوتا ہے وہ بیچارہ اس طرح سے سوتا ہے کیونکہ اس نے صبح چار بجے پھر اٹھنا ہے تو قرآن کی رو سے عزیزانِ من یہ ہیں حدود اب یہ جو کہا ہے قرآنِ کریم نے کہ وہ تباہ اس لئے ہوئی قومیں یہ نہیں تھا کہ ان کی مملکت کمزور تھی یہ نہیں تھا کہ علم و بصیرت ان کے پاس نہیں تھی ایک ہی چیز تھی کہ یہ جو حدود کھینچی ہوئی ہیں وحی خداوندی نے وہ ان کو مٹا دیتی تھیں اور اس کا نتیجہ تو کہا پھر یہ کہ جس چیز کو منفعت بخش سمجھتا ہے انسان اپنی نگاہ میں اپنے قیاس کی رو سے اپنے اندازے کی رو سے قوم جس چیز کو بڑی منفعت بخش سمجھتی ہے وہی اس کی تباہی کا موجب بن جاتی ہے اب اگلی بات قرآن نے یہاں یہ کہی عقل و فکر عزیزانِ من غور کیجئے جیسا میں عرض کیا کرتا ہوں

ایں کتابِ نیست چیزے دیگر است

عام کتابوں کے مقابلے میں اس کا انداز ہی مختلف ہے آپ کے ہاں دو الگ الگ مسلک چلے آ رہے ہیں ایک تو میں نے ابھی عرض کیا ہے جس کو سیکولرازم اس دور میں کہتے ہیں کہ صرف عقلِ انسانی ہے جو فیصلہ کن حقیقت تک پہنچتی ہے اسی کی رو سے جو فیصلے ہونگے وہی صحیح فیصلے ہونگے اس کے اوپر کوئی حدود نہیں ہے کوئی کنٹرول نہیں ہے کوئی حد بندی نہیں ہے اس کیلیے یہ میں نے عرض کیا ہے کہ

اس کو سیکولرازم کہتے ہیں ساری دنیا میں یہی نظام چل رہا ہے یہ جسے آپ جمہوریت کہتے ہیں اور اس کے اتنے گن گاتے ہیں وہ ہوتا کیا ہے انسانوں کی اکثریت اکیاون جو فیصلہ کرلے وہ حق کا فیصلہ ہوتا ہے صحیح فیصلہ ہوتا ہے قانون بنتا ہے عدل اس کے مطابق ہوتا ہے اس فیصلے کے اوپر کوئی کنٹرول نہیں ہے کوئی حد نہیں ہے آخری چیز یہ ہے انسانوں کی عقل وبصیرت کا فیصلہ کہ ایک تو یہ ہوا کہ عقل و بصیرت کو یہ مقام دیدیا جائے کہ اس کے اوپر کنٹرول ہی کوئی نہ ہو ایک فرق یہ انتہا عقل وفکر کی دوسری طرف ہمارے ہاں تصوف یا فقہ آئی عقل وفکر سے کام ہی نہ لیا جائے اس کو حرام قرار دیا لٹھ لے کے علم کے پیچھے پھرا جائے ۔ علموں بس کریں او یارا کو الف تینوں درکار ۔ چلے ہوئے ہیں اور یہ بات نہیں کہ یہ ہمارے ہاں کے کسی بھنگڑ خانے والے نے یہ چیزیں کہی ہوئی ہیں بلکہ بڑے بڑے آپ کے ہاں کے یہ مفکر اور عالم تصوف کی دنیا کے اندر جو پھر رہے ہیں پہلی چیز تصوف کی دنیا میں یہ چیز ہے کہ علم اور عقل کے خلاف لٹھ لئے پھر رہے ہیں یعنی دوسری طرف یہ انتہا پہ آ گئے extremism ادھر extremism یہ ہے کہ عقل ہی فیصلہ کن عقلِ کل ہے کوئی حد نہیں اس کے اوپر کوئی کنٹرول نہیں اس کے اوپر یعنی اس کا وہ مقام ایک طرف تو اور دوسری طرف یہ ہے کہ علم وعقل سے کام لینا جو ہے یہ حرام ہے' کارِ استدلالیاں ؟؟؟ کارِ چوبی سخت ؟؟؟ دلیل اور برہان سے کام لیا تم نے تو بس تباہ ہو گئے تم وہ یہ کہہ رہے ہیں مولانا روم صاحب' اور قرآن دلیل اور برہان کو پیش کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کہتا ہے کہ تم اگر اس کی مخالفت کرتے ہو تو لاؤ دلیل اس کے حق میں اور میں بھی دلیل دیتا ہوں یہ کہہ رہے ہیں کہ دلیل دینے والے کا تو کام ہی بیڑہ غرق ہوتا ہے' دوسری طرف یہ ہے تصوف' دوسری طرف آپ کے ہاں کے یہ فقہ کے قانون اس میں عقل کو دخل نہیں آپ دے سکتے یعنی یہ چیز جو ہے کہ اگر قتل کے جرم میں خون بہا کا فیصلہ ہو تو عدالت جو فیصلہ کرتی ہے جان کی قیمت کہتے ہیں خون بہا کہتے ہیں یہ دیدیا جائے تو فقہ کا آپ کے ہاں فیصلہ یہ ہے کہ مرد اگر قتل ہو جائے تو مثلاً اس کی قیمت دس ہزار دینی ہوگی تو عورت قتل ہو جائے تو آدھی دیت ہوگی اس کی' یعنی عورت کی زندگی کی قیمت بھی آدھی ہے ان کے مقابلے میں' کوئی علم وبصیرت اور دلیل اسکی تائید کرتی ہے؟ یہ قرآن کے تو یکسر خلاف ہے' اگر اس سے دلیل اور علم سے آپ بحث کریں گے تو وہ کہیں گے کہ نہیں یہ احکامِ شریعت ہیں اس کے اندر علم نہیں آ سکتا' غور کیجئے گا' یعنی دونوں ہی چیزیں آپ کے ہاں جو ہیں ایک طرف extremism اتنی ہے جو مغرب کی سیکولرازم ہے کہ اس میں کوئی حد نہیں ہے بندھی ہوئی لا انتہا درجے تک وہ عقل کو ہی دوڑاتے ہیں' دوسری طرف یہ چیز ہے کہ نہ تصوف میں آپ کے ہاں عقل ہے نہ ان قوانین کے متعلق یہ ہے کہ آپ عقل کی رو سے ان کو فیصلہ کر دیجئے' عقل کی رو سے فیصلہ نہیں کر سکتے آپ' وہ مقرر ہیں اور پھر ان کے متعلق یہ ہے کہ غیر متبدل ہیں قیامت تک ہیں یہ اسی طرح سے رہیں گے اس میں نہ تبدیلی کر سکتے ہو نہ غور وفکر کر سکتے ہو نہ اپنے زمانے کے تقاضوں کو لے سکتے ہو بالکل نہیں' دوسری طرف یہ کیفیت ہے کہ علم اور عقل کے پیچھے یہ لٹھ لئے ہوئے ہیں' یہ دونوں چیزیں آپ کے ہاں چلی آ رہی ہیں ایک طرف یہ قوانین جو ہیں فقہ کے وہ آپ کے ہاں کی شریعت ہے اور پھر اس کے بعد تو مغرِ

دین جسے کہتے ہیں وہ آپ کے ہاں کا تصوف ہے کہ جسمیں علم اور عقل جو ہے اس کو پاس نہیں آنے دیتے ان کی کھینچی ہوئی حدوں کے اندر وہ قدم نہیں رکھ سکتی نہ علم نہ عقل' یہ مغزِ دین ہے وہ شریعت ہے آپ کے ہاں کی اور اس میں آپ چلے آ رہے ہیں' اب قرآن کو دیکھئے دو لفظوں میں بات کتنی بڑی کہہ گیا ہے کہا وہ تباہ ہوئے اس لئے نہیں کہ وہ علم اور عقل اور بصیرت نہیں رکھتے تھے رکھتے تھے وہ تو اہمیت اس کی ہے لیکن یہاں تک تو ہوئی بات سیکولرازم کی کہ علم اور عقل اور بصیرت رکھتے تھے کیا بات تھی جس کی وجہ سے تباہ ہو گئے انہوں نے حدودِ خداوندی جو تھیں ان کو مٹا دیا ہوا تھا وہ ان کے اندر رہتے ہوئے عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے تھے یہ ہوا اسلام' تو آپ نے دیکھا کہ ایک لفظ سے کہ جب انہوں نے حدودِ خداوندی سے انکار کیا تو علم وعقل وبصیرت کسی کام نہ آئی تباہ اس نے کر دیا تو گویا علم وعقل وبصیرت اس کی اہمیت بھی بتا دی اور اس سے کام لینے کا طریقہ بھی بتا دیا یہ ہوا عزیزانِ من اسلام جسے آپ کہتے ہیں دونوں طرف کی extremism جو ہے انتہائی درجے کی افراط وتفریط جسے آپ کہتے ہیں نہ عقلِ بیباک جو ہے اس کیلئے چھٹی تھی نہ اس علم اور عقل کے خلاف جو لٹھ لئے پھرتے ہیں اس پہ بھی انتہا' کہا کہ علم وعقل و نہایت ضروری چیز ہے صرف اس سے حدودِ خداوندی کے اندر رہتے ہوئے کام لیا جائے' تو آپ نے دیکھا کہ قرآن دو لفظوں کے اندر اتنا بڑا جو اہم معاملہ چلا آ رہا ہے دنیا کے اندر کہ علم وعقل سے کام کیسے لیا جائے دونوں extremism جو آپ کے ہاں کی ہیں دو لفظوں میں وہ اس کو حل کرتا ہے یہ کہنے کہ وہ تباہ ہوئے کیوں ۔ اذ کانوا یجحدون باٰیٰت اللہ ۔ علم وعقل بالکل صحیح ہے کام لینا چاہئے تھا لیکن وہ اقدارِ خداوندی کی حدود کے اندر رہتے ہوئے انہوں نے کام نہ لیا اس سے تو اسی سے تباہی آ گئی تو کہا یہ کہ علم وعقل سے بالکل نہ لو گے جب بھی تباہی آئے گی' قرآن کہتا ہے کہ جہنم میں جانے والوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ علم وعقل سے کام نہیں لیتے ایک طرف تو یہ ہے' دوسری طرف یہ کہ جہنم میں جانے والوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ انتہا درجہ علم وعقل کو دیتے ہیں اس کے سامنے حدود نہیں باندھتے' اور اسلام یہ ہے کہ علم وعقل سے حدود خداوندی کے اندر رہتے ہوئے کام لیا جائے' عزیزانِ من کہا یہ نہ کرو گے ۔ وحاق بہم ما کانوا بہ یستھزءون ۔ کیا بات ہے' ہمیں پتہ ہے کہ ان کو جب خدا کی وحی کی طرف دعوت دو تو یہ مذاق کرتے ہیں کہتے ہیں ہم فوق البشر یا فوق الفطرت کسی چیز کو نہیں مانتے دنیا کے اندر انتہا درجہ جو ہے انسان کی اپنی عقل کا یہ مذاق کرتے ہیں اس چیز کو تو جس چیز کو وہ مذاق کرتے تھے انہوں نے آ کے کس طرح سے ان کو گھیر لیا ہے ۔ سورۃ احقاف کی دو ہی آیتیں ہم نے لی ہیں بات بڑی اہم تھی خدا کرے کہ بات میں وضاحت سے پیش کر سکا ہوں سورۃ الاحقاف کی 27 ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

چھٹا باب: سورۃ الاحقاف (آیات 27 تا اختتام)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج جنوری 1982ء کی 8 تاریخ ہے مسلسل درس 18 دسمبر 1981ء کو ہوا تھا پچیس دسمبر یومِ پیدائش قائداعظم علیہ الرحمۃ کے سلسلے میں خصوصی درس تھا اور اس کے بعد 27 دسمبر کو جواں سال شوکت بیٹے کی اچانک وفات کا ایسا صدمہ ہوا کہ یکم جنوری کے درس کی میں اپنے اندر ہمت نہیں پا تا تھا اس عمر میں اس قسم کا صدمہ نا قابلِ برداشت ہوتا ہے ۔ آج عید میلاد النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریب ہے جس کا انتظار میں سال بھر کیا کرتا تھا آپ احباب بھی، اس تقریب پر میں بارگاہِ رسالت مآب میں اپنا ہدیہ عقیدت خطابِ خصوصی کی شکل میں پیش کیا کرتا تھا امسال بھی آرزو تو یہی تھی لیکن جب میں نے اپنا جائزہ لیا تو دیکھا کہ میرے جذبات کی رقت اور شدت میں ابھی کچھ فرق نہیں آیا تو میں نے محسوس کیا کہ شاید ان حالات میں میں حضورؐ کے شایانِ شان ہدیہ احترام و عقیدت پیش نہ کرسکوں گا اس سے بہتر ہے کہ میں معذرت طلب کرلوں تو آج پھر وہی مسلسل درس کا اگلا ٹکڑا سامنے آتا ہے سورۃ الاحقاف کی آیت 27 ویں سے ہم آغازِ درس کرتے ہیں 46/27۔

جیسا کہ آپ احباب کو اب معلوم ہے قرآنِ کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ اپنے اصول واقدار پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد یہ بتاتا ہے کہ ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نتیجہ کس قدر خوشگوار اور شاداب ہوگا اور ان کی خلاف ورزیوں سے کیسی تباہی آئے گی اپنے اس دعوی کی شہادت میں پہلے وہ خارجی کائنات کے قوانین کو پیش کرتا ہے کہ تم وہاں دیکھو کہ قوانینِ فطرت یا قوانینِ خداوندی کے مطابق جو یہ سلسلہ چلتا ہے تو وہ اپنے اٹل نتائج کس طرح پیدا کئے چلا جاتا ہے اور اس کے بعد پھر وہ انسانوں کی دنیا کیطرف آتا ہے اور اس دعوی کی شہادت میں بہترین طریق یہ ہے کہ تاریخ کے شواہد پیش کئے جائیں کہ فلاں قوم نے ان قوانین کی خلاف ورزی کی تو اس کا نتیجہ کیا نکلا، بڑا ہی مؤثر اور بلیغ انداز ہے بات کے سمجھانے کا تو اسی لئے اس نے کہا تھا یہ کچھ بیان کرنے کے بعد . **فبای حدیث بعدہ یؤمنون** . کہ اس کے بعد بھی اگر تم حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر اور کونسی بات باقی ہے جس کے سامنے لانے سے تم اسے تسلیم کرو گے تو گویا یہ ایک ایسی حجتِ بالغہ ہے قوانینِ فطرت جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے تاریخی شواہد اگر وہ تاریخ کی کتابوں میں دیکھنا نہیں چاہتے اور وہ لوگ تو ابھی تاریخ کی کتابوں میں اسے نہیں دیکھتے تھے انہیں بتایا یہ جاتا تھا کہ تم صبح اور شام ان راستوں پر سفر کرتے ہو اور ان راہگذروں پر سابقہ اقوام کی بستیوں کے کھنڈرات ان کھنڈرات کی ایک ایک اینٹ پر ان کی داستانیں نقش ہیں تم اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہو کہ ان اقوام کا کیا حشر ہوا اور پھر تم ان کی داستانیں خود آپس میں بیان کرتے ہو یہ چیزیں تمہارے روزمرہ کی زندہ کے مشاہدات بھی ہیں اور پھر آپس میں جب انہیں بیان کرتے ہو تمہارا موضوعِ گفتگو بھی ہیں بات اتنی کہنے کی ہے کہ تم صرف ان واقعات تک رہتے ہو کہ یہ قوم اتنی بڑی تہذیب اور دولت کی مالک تھی اور اب ان کے کھنڈرات رہ

گئے ہم صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں جو تمہیں بتاتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی یہ چیز کہی دلیل یہ تھی کہ شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نہ استوار ہوگا تو قرآن یہ چیزیں تو وہی پیش کرتا ہے جو دنیا کے ہر انسان کے سامنے ہر قوم کے سامنے ہوتی ہیں وہ ان کی جو علت اور سبب بیان کرتا ہے یہ ہے اس کا اپنا منفرد انداز، دنیا کی قومیں مؤرخین محققین ریسرچ سکالر ان تباہیوں کیطرف جب آتے ہیں عام طور پر اس لئے کہ ان میں استثنٰی ہے عام طور پر وہ ان کے طبعی اسباب تک محدود ہو کے رہ جاتے ہیں ان میں ایسے ہیں مؤرخ کہ جو ان سے آگے چل کر یہ بھی کہتے ہیں کہ ان قوم کی اخلاقیات میں کردار میں معاملات میں اس میں کیا نقص پیدا ہو گیا تھا جن کی وجہ سے پھر ان کی تباہیاں آئیں تو قرآنِ کریم جب ان اقوام کی داستان پیش کرتا ہے تو طبعی اسباب کو وہ سامنے لاتا ہے جن کی رو سے تباہی ہوئی لیکن اس کی علت کیا تھی اس کا سبب کیا تھا اس کا بنیادی cause کیا تھا یہ ہے جسے وہ خصوصیت سے بیان کرتا ہے بات چلی آ رہی تھی اسی انداز میں، قوانینِ فطرت کے بعد قرآن نے قومِ عاد کی داستان سے آغاز کیا اور کہا یہ کہ تم دیکھتے ہو ان کی بستیوں کے کھنڈرات سے کہ وہ کتنی شاندار تہذیب کی مالک قوم تھی اور پھر یہ خاص طور پہ کہی کہ وہ کچھ یونہی جاہلوں کی قوم نہیں تھی ایسی قوم نہیں تھی کہ علم و حکمت کا انہیں پتہ ہی نہیں تھا اس طرح سے بھی تو قومیں تباہ ہوتی ہیں۔

و لقد مکنٰھم فیما ان مکنکم فیہ ۔ پہلی چیز تو یہ کہ جہاں تک ان کے تمکن فی الارض کا تعلق ہے کہ وہ کتنی قوت سے establish ہوئے ہوئے تھے دنیا کے اندر وہ تم بھی ایسی قوت اور استحکام کے مالک نہیں ہو جیسے وہ لوگ تھے تم سے بھی زیادہ، مخاطب قوم سے یہ کہنا کہ تم اپنی قوت پر اپنے استحکام پر نازاں ہو لیکن تم اس قوم کو دیکھو وہ تم سے زیادہ قوت اور ثروت کی مالک تھی اور پھر اگلی بات یہ کہ ۔ **و جعلنا لھم سمعًا و ابصارًا و افئدۃ** ۔ بیوقوف قوم نہیں تھی علم کے تمام ذرائع ان کے پاس تھے ان کے دروازے کھلے ہوئے تھے سماعت اور بصارت اور قلب یہ سب چیزیں یعنی سوچنے سمجھنے کی قوتیں اور صلاحیتیں اور ذرائع ان کے پاس موجود تھے آگے وہ بات آتی ہے وہ جو میں نے کہا کہ وہ علت و علل بیان کرتا ہے سبب بیان کرتا ہے بتاتا ہے کہ کیوں ایسا ہوا کہا ۔

فما اغنٰی عنھم سمعھم و لا ابصارھم و لا افئدتھم من شیء ۔ لیکن ان کے یہ ذرائع علم ان کا یہ فہم و ادراک ان کی یہ عقل و دانش ان کے کسی کام نہ آئی، کیوں ۔ **اذ کانوا یجحدون باٰیٰت اللہ** ۔ جب انہوں نے اقدارِ خداوندی کی صداقت سے انکار کیا اور اس کی خلاف ورزی کی تو علم اور دانش اور بصیرت اور سماعت ان کے کسی کام نہ آئی تمکن اتنا بڑھا قوت دولت ثروت اتنی زیادہ فہم و فراست علم و بصیرت دانش و بینش اس میں وہ اتنے زیادہ بڑھے ہوئے لیکن یہ تمام چیزیں ان کے کام نہ آئیں جب انہوں نے اقدارِ خداوندی سے انکار کیا اور اس کی خلاف ورزی کی تو اب یہ آ گئی وہ علت اس کی ۔ **و حاق بھم ما کانوا بہ یستھزئون** ۔ کیا بات ہے وہ اپنی قوت اور دولت کے نشے میں ان اقدار کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ دیکھ لیا ہے دیانتدار بن کے بھی میاں کچھ نہیں بنتا جاؤ جاؤ تم، جن باتوں کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے انہوں نے ان کا احاطہ کر لیا گھیر لیا چاروں طرف سے اور اس

طرح سے پھران کی صرف قرآن کے الفاظ میں داستانیں باقی رہ گئیں اور کچھ بھی باقی نہ رہا اب اس کے بعد وہ یہ کہتا ہے اگلی قوموں کے متعلق بھی ۔ **و لقد اھلکنا ماحولکم من القریٰ** ۔ وہ ایک قومِ عاد ہی نہیں تمہارے گردو پیش اور بھی قومیں ہیں اور قرآن نے ان کے تذکرے بھی ان سے کئے ہیں قومِ نوح تھی قومِ ثمود تھی قومِ عاد تھی قومِ لوط تھی ؟؟؟؟ کی مملکت تھی یہ ان تمام کی داستانیں قرآن نے بیان کی ہیں اور یہ انہی تک محدود وہ اس لئے رہا ہے کہ اولین مخاطب وہ عرب تھے جو روزمرہ ان چیزوں کے اوپر سے گذرتے تھے اس لئے انہیں معلوم تھا جب بھی کہا گیا کہ ثمود کا دیکھو کیا حال ہوا تو وہ جانتے تھے کہ ان کا کیا حشر ہوا، جیسا کہ میں نے کئی دفعہ کہا کہ اگر ان سے کہتے کہ صاحب دیکھئے کنفیوژش کی قوم کے ساتھ کیا ہوا تو وہ پوچھتے کہ صاحب یہ کنفیوژش کون تھا اس کی قوم کون تھی اس کے ساتھ ہوا کیا تھا تو اسی پہ بحث چل نکلتی اصل مقصد تھا وہ نگاہوں سے اوجھل ہی رہ جاتا، انہیں انہی اقوام کی مثالیں ان کے سامنے لائیں جن سے وہ پہلے سے بخوبی واقف تھے کہا تمہارے گردو پیش تم دیکھو اور کتنی قومیں تھیں جو اسی طرح سے ہلاک ہوگئیں ۔ **و صرفنا الاٰیٰت لعلھم یرجعون** ۔ اور ہم یہ جتنے بھی اب دیکھئے یہاں آیات صرف آیاتِ قرآنی کو ہی قرآن میں نہیں کہا آیت ہوتی ہے ہر وہ شے جس سے کسی بنیادی چیز کی دلیل مل جائے نشانی مل جائے سراغ مل جائے دور سے صحرا میں کہیں آپ کو اگر دھواں نظر آتا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نیچے آگ ہے اور آگ ہے تو پھر یہاں کوئی آبادی ہے کتا کہیں بھونکتا ہے صحراؤں میں تو معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پانی اردگرد ہے کوا اڑتا ہے تو اس سے بھی نظر آجاتا ہے کہ یہ جو زندگی ہے پانی کے سر پہ ہے اور عربوں کے نزدیک تو پانی بڑی ایک ایسی نایاب متاع تھی تو گویا یہ چیزیں دھواں اور کتے کا بھونکنا یا کوے کا اڑنا یہ علامت بنتا ہے اس چیز کی کہ نیچے زندگی ہے ان چیزوں کو آیات کہتے ہیں یہ قرآنِ کریم کی آیات یہ اصلِ مقصد تک پہنچنے کے ذرائع ہیں کہا یہ جو آیات ہم بیان کررہے ہیں اس سے مقصد یہ ہے ۔ **لعلھم یرجعون** ۔ تاکہ یہ اپنی بدروی سے باز آجائیں اور حقیقت کیطرف لوٹ آئیں اس لئے ہم بار بار بیان کرتے ہیں سامنے لاتے ہیں ان آیات کو، وہ قوم تو لوٹ آئی عرب کے مخاطب ہم تیرہ سو سال کے اندر نہ لوٹ پائے ان میں بھی جو لوگ ایسے تھے جو کہتے تھے کہ یہ تو پرانی قوموں کی داستانیں ہیں جو یونہی جیسے داستانِ امیر حمزہؓ بیان کرتا ہے کوئی تو اس طرح سے یہ کہانیاں ہیں اساتیر الاولین ہیں پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں تو جب انہوں نے انکو صرف کہانیاں سمجھا اور یہ نہ سمجھا کہ کس مقصد کے لئے یہ کہانی بیان ہورہی ہے تو قرآن نے کہا وہ تباہ ہوگئی وہ کہانیاں ہی سمجھتے ہیں ہم قرآن میں بیان کردہ ان داستانوں کو کہانیاں سمجھتے ہیں وعظ ان کو زیبِ داستان کے لئے صرف بیان کرتا ہے مقصد ان کا وہی ہے کہ جو رات کو نانی اماں بچے کو سنانے کے لئے وہ پریوں کی کہانیاں سنایا کرتی تھیں ہم انہیں کہانیاں سمجھتے ہیں اساتیر الاولین سمجھتے ہیں ہم انہیں آیات نہیں سمجھتے، دنیا کی باقی قومیں جنہوں نے تاریخ کی اہمیت سمجھی ہے آپ کو معلوم نہیں کہ کتنی تحقیق ہورہی ہے ان قوموں میں سابقہ قوموں کی تاریخ کے احوال و کوائف کو بیان کرنے میں نہیں اب وہ ان علتوں اور اسباب تک پہنچ رہے ہیں کہ وہ قوم تباہ کیوں ہوئی، رومن ایمپائر کی

داستان تو دیکھیئے سات آٹھ جلدوں کے اندر ہے لیکن آخر میں جا کے وہ جو اس کے اسباب بیان کرتا ہے ان کی تباہی کے؟؟؟؟ کو دیکھئے کہ تیرہ والیم کے اندر اس کی تاریخ ہے پورے عالمِ انسانیت کی لیکن آخر میں پہنچ کے جب وہ ان کے causes بیان کرتا ہے کہ کیوں ایسا ہوا یہ ہے قرآن کا انداز وہ تو ان سے اپنے ہاں سبق لے رہے ہیں لیکن ہم ان داستانوں کو اساتیرالاولین ہی سمجھتے چلے جا رہے ہیں اور اسی طرح سے بیان کرتے ہیں اور اسی طرح سے پڑھ کے آگے بڑھ جاتے ہیں ۔ **لعلھم یرجعون** ۔ تاکہ یہ اپنی غلط روش چھوڑ کر صحیح راستے کی طرف آ جائیں، یہ تھا مقصد ان کے بیان کرنے کا ہم تو اس مقصد کی طرف نہیں آ رہے ۔ **فلولا نصرھم الذین اتخذوا من دون اللہ قرباناً الھۃً** ۔ غلط روش کیا تھی قرآن کا بنیادی نکتہ تو یہ ہے کہ اقتدار صرف خدا کی ذات کو حاصل ہے کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے انسانوں کو نہیں ہے تو جہالت میں جو تم بتوں کو سمجھتے ہو کہ ان میں یہ طاقت ہے وہ تو اس کے ساتھ غلط روی بھی ہے غلط نگہی بھی ہے حماقت بھی ہے ساتھ اس کے، پھر یہ انسانوں میں سے حکمران ہی نہیں بلکہ یہ روحانیت کی مملکت کے جو بڑے بڑے حکمران آپ کے ہاں پائے جا رہے ہیں یہ مشائخِ عظام جو پائے جا رہے ہیں خود وہ ہی نہیں ان کی قبروں کے پتھروں تک کے لئے جو سجدے کئے جاتے ہیں کیا ہے دلوں پر ان کی حکمرانی ہے، آپ جاتے ہیں تو اس کے لئے دعا فاتح کے بعد؟؟؟؟؟ واپس لوٹتے ہیں تو اس طرف پشت نہیں کرتے اپنی یوں آتے ہیں یہ ہے دلوں کے اوپر حکمرانی ڈرتے ہیں کانپتے ہیں اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے اگر ان کے خلاف کوئی کسی قسم کا گستاخی کا خیال آ جائے تو یہ ہے حکمرانی، اسے کہتے ہیں الہ، کہا کہ وہ جو ان کے الہ تھے جن کے بھروسے پر انہوں نے خدا کی الوہیت جو تھی اس سے انکار کر رکھا تھا وہ الہ ان کے کسی کام نہ آئے جب یہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کے فطری نتیجے کے طور پر تباہی میں گرفتار ہوئے تو وہ ان کے الہ ان کے کسی کام نہ آئے، یہاں ایک بڑی چیز ہے ۔ **قرباناً الھۃ** ۔ ان میں ایک فریب انگیزی بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا تک پہنچنے کے لئے ان لوگوں کو اپنا وسیلہ بنائے ہوئے ہیں یہ بھی اپنے آپ کو ایک فریب دینے کی بات ہے کہ ہم ان کی معبودیت اختیار کئے ہوئے ہیں وہ مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ یہ ایک ذریعہ ہے خدا تک پہنچنے کا جو خدا تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ **عینما کنتم** ۔ جہاں تم ہو خدا ساتھ ہے یہ قرآن خدا کا کلام ہے جب آپ اسے پڑھتے ہیں تو خدا آپ سے باتیں کرتا ہے جب آپ کچھ پوچھتے ہیں کوئی چیز مانگتے ہیں تو یہ اس کا جواب دیتا ہے آپ کو خدا اتنا براہِ راست قریب ہے اس تک پہنچنے کے لئے دوسرے انسانوں کو راستے میں وسیلہ بنایا جاتا ہے یہ وہ خود فریبی یا فریب دہی تھی جو پرانے زمانے سے چلی آتی تھی جو کہتے تھے کہ ہم ان کو براہِ راست خدا نہیں مانتے خدا تک پہنچنے سے ہم سیڑھیاں اور یہ وسیلے مانتے ہیں، خدا تک اس کی کتاب کی رو سے براہِ راست پہنچا جا سکتا ہے عزیزانِ من کسی وسیلے کی ضرورت نہیں ہے ہر وقت وہ آپ کے ساتھ ہے بشرطیکہ اس کی کتاب آپ کے ساتھ ہے ۔ **بل ضلوا عنھم و ذلک افکھم و ما کانوا یفترون** ۔ یہ کہ یہ ہمارے بڑے بڑے معبود ہمارے کام

آ ئیں گے یہ وسیلہ بنیں گے افک تھا یہ، ایک جھوٹ تھا جو تراشا ہوا تھا ایک بہتان جو وضع کردہ تھا حقیقت اس کی کچھ نہیں تھی چنانچہ جب تباہی آئی تو ان میں سے کوئی بھی ان کے کام نہ آیا، اب اس کے بعد آپ کی یہ؟؟؟؟؟ کہ اب حافظے پہ زور دینا پڑتا ہے کہ یہ جنات کے متعلق پہلے بھی بات ہوئی تھی لیکن بہرحال جب بھی یہ بات آتی ہے تو پھر وضاحت کی ضرورت ہے اس لئے کہ یہ جنات اور بھوت اور پریت اور سایہ یہ ہمارے اعصاب پہ اس طرح سوار ہے اس قدر ہمارے خون کے ذروں میں حلول کر چکا ہوا ہے کہ ہزار کچھ سمجھنے کے باوجود وہ چیز اپنی جگہ گرفت میں لئے ہوئے رہتی ہے ہمیں یہ جہلا تک کی بات نہیں ہے اچھے اچھے ارباب دانش و بینش کو دیکھا کہ وہ بھی ان جنات کو مانتے ہیں وہ جو چمٹ جاتے ہیں قرآن کی رو سے کوئی اس قسم کی مخلوق نہیں ہے جو انسان کو چمٹ جائے یہ جنات انسان ہی ہیں حقیقت میں جو دوسروں کو چمٹتے ہیں قرآنِ کریم میں ذکر آتا ہے میں نے عرض کیا تھا پہلے بھی انس اور جن عربی زبان میں جن ہر اس شے کو کہتے ہیں جو نگاہوں سے پوشیدہ ہو تاریکی چھا جانے کے لئے یہ بطور مرگ کے بھی استعمال ہوتا ہے یہ لفظ جنۃ جو شے بھی نگاہوں سے اوجھل عام طور پہ رہے وہ اسے جن کہتے تھے، عربوں کے ہاں کی اس زمانے کی آبادی اور آج بھی بیشتر آبادی ایسی ہے شہر بہت تھوڑے سے اب بھی بہت تھوڑے سے شہر ہیں وہاں کوئی نیا شہر میرا خیال ہے بسا ہی نہیں ہے حجاز کے اندر وہی پرانے وہ طائف اور مکہ اور مدینہ بس یہ کچھ آبادیاں ہیں اب یہ وہ ریاض کا نام نیا آتا ہے لیکن وہ بھی اس زمانے میں بستی تھی تو شہر تو اس زمانے میں اتنے ہی تھے اور ان کی آبادیاں بھی بہت مختصر تھیں ساری آبادی صحرانشین بدوؤں پر مشتمل تھی جو دور رہتے تھے آبادیوں سے نگاہوں سے پوشیدہ رہتے تھے میں نے کہا ہے نا کہ ہمارے ہاں بھی یہ خانہ بدوش جو ہوا کرتے تھے اب تو گھل مل گئے ہیں وہ بھی ورنہ اس سے پیشتر وہ باہر ویرانوں میں رہا کرتے تھے شہروں میں وہ آیا کرتے تھے وہ گکھو گھوڑے وچھن والیاں چھنکنے وچھن والیاں قلندر بندروں والے ریچھ والے وہ دن میں آ کے یہاں سے یہ کچھ مانگتے تھے شام کو وہاں پھر غائب ہو جاتے تھے ان آبادیوں میں نہیں رہتے تھے وہ، عربوں کی اصطلاح میں اس قسم کی آبادیاں صحرانشینوں کی بدوؤں کی جو دور رہیں نگاہوں سے وہ انہیں جن کہتے تھے اور جو شہری آبادیاں ہوتی تھیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کے رہنے والی ان کو انس کہتے تھے یہ انس سے ہی؟؟؟؟؟؟ تو جن وانس وہ کہتے تھے ان دونوں آبادیوں کو یہ صرف دو آبادیاں نہیں تھیں ان کی نفسیاتی کیفیتیں مختلف تھیں ان کا تمدن ان کے شعائر زندگی رسوماتِ حیات رہنا سہنا معیشت معاشرت یہ سب ایک دوسرے سے مختلف تھیں ان کے ہاں بہت کم آپس میں ملتے جلتے تھے یہ، اتنے ہی ملتے جلتے تھے وہ قرآن میں وہ آیا ہے یہ کہ وہ کبھی ادھر آ جاتے تھے ان سے کچھ فائدہ اٹھانے کے لئے استعمال کی چیزیں لے آتے تھے یہ ان سے وہ خرید لیتے تھے یہ انہیں کچھ آٹا دانہ ستو یا گیہوں یا کھجوریں دیدیتے تھے اتنا سا تعلق ان کا آپس میں تھا یا یہ جب یہ شہروں والے باہر کہیں سفر میں جاتے تھے تو وہاں ان کے جو قبائل آتے تھے اس زمانے کا سفر تو بڑا ہی غیر محفوظ ہوتا تھا تو اس غیر محفوظ سفر میں رات اگر آتی تھی تو کسی قبیلے کی پناہ میں آنا پڑتا تھا قرآنِ کریم میں یہ چیزیں

موجود ہیں سورۃ الانعام میں یہ الفاظ آئے ہیں 6/129 . یٰمعشر الجن قد استکثرتم من الانس و قالاولیؤھم من الانس ربنا استمتع بعضنا ببعضٍ . یہ جسے آپ کہتے ہیں مکافاتِ عمل قیامت قرآن جن اور انس دونوں کے متعلق یہ کہتا ہے وہاں آپس کی یہ باتیں ہوتی ہیں اور آپس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان کے ساتھ تعلق اتنا ہی تھا کہ ہم کچھ فائدہ اٹھایا کرتے تھے ایک دوسرے سے یہ یہ چھوٹی موٹی چیزیں بنا کے لایا کرتے تھے کچھ ہمارے لئے کچھ ہمارے بچوں کے لئے اور ہم انہیں کچھ کھانے پینے کو دیدیتے تھے تو ہمارا تو آپس میں اتنا ہی تعلق تھا، اب یہ سوچئے کہ جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے شہری آبادیاں کہہ رہی ہیں کہ یہ آیا کرتے تھے کچھ چیزیں ہم ان سے خریدا کرتے تھے اس کے بدلے میں ہم ان کو کچھ دیا کرتے تھے تو یہ چمٹ جانے والے جن تو نہیں تھے ان سے تو یہ لین دین یہ کاروبار ہوتا ہی نہیں ہے یہ وہی آبادیاں تھیں جو آتے تھے دوسرے مقام پہ ایک سورۃ کا نام ہے سورۃ جن جسے ہم کہتے ہیں وہ نمبر ہے اس کا 72/6 . و انہ کان رجال من الانس یعوذون برجالٍ من الجن . تو یہ آتے جاتے تھے تو یہ شہری آبادیوں کے آدمی یہ جنگلی صحرانورد آبادیوں کے آدمیوں سے وہ پناہ لیا کرتے تھے ایک دوسرے کی قبائل کی پناہ لی جاتی تھی اس زمانے میں تو اب ظاہر ہے کہ اگر وہ جن وہی تھے کہ جو نہ نظر آئے نہ ان کا کہیں وجود ہو نہ وہ آبادیوں کیطرح سے ہوں وہ ان کی پناہ ڈھونڈنا یا وہ یہاں پناہ لینے کے لئے ایسے تھے یہ وہ تو جنات ہیں نہیں صاحب یہ ہے 72/6 اور سب سے بڑی بات تو یہ اب میں آتا ہوں اس آیت کی طرف اس تمہیدی وضاحت کے بعد اور یہ یاد رکھئے کہ یہ جو چمٹ جانے والی بات ہے نا قرآنِ کریم میں یہ کہیں نہیں ہے جن اور جنات وغیرہ کا ذکر تو قرآنِ کریم میں مختلف مقام پہ آیا ہے اور جن وانس تو مشترکہ طور کے اوپر تو عام طور پہ وہ استعمال کرتا ہے ان لفظوں کو دونوں آبادیوں کو اکٹھا کر کے لیکن یہ چمٹ جانے والے جو بھوت پریت اور جن ہیں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے اس کرہ ارض کے اوپر تو بہرحال انسان سے بالا کوئی قوت نہیں ہے ایسی کہ جو اس کو دبالے ویسے دبنے کو تو یہ اتنی اتنی سی چیزوں سے دب جاتا ہے اپنے توہمات سے دبا ہوا رہتا ہے خارج کی چیزیں تو ایک طرف رہیں اور یہ جو جن چمٹ جاتے ہیں آکر جن قوموں کے اندر علم وبصیرت نے ترقی کی انہوں نے تحقیقات کیں وہ سارے ان ملکوں سے جن کہیں نکل گئے یورپ کی تاریخ دیکھئے دو صدیاں پہلے سارے یورپ میں یہ جن ہی بستے تھے جو چمٹا کرتے تھے جن بھوت پریت جادوگرنیاں جادوگر سارے یورپ میں اب اس کے بعد جب وہ اس جہالت سے نکلے ہیں سائنس کے انکشافات ہوئے علم کی روشنی پھیلی وہ پتہ نہیں وہ بھوت کہاں چلے گئے، ہمارے ہاں آگئے، ؟؟؟؟؟ یہ صرف انہی ممالک انہی اقوام میں پائے جاتے ہیں جہاں جہالت ہے عزیزانِ من، قرآن کا اعجاز ہے آج کے دور میں تو میں نے کہا نا ابھی سترہویں اٹھارویں صدی میں یورپ جیسا مہذب ملک جو تھا وہ ان کے پنجے میں اتنا سخت گرفتار تھا چھٹی صدی عیسوی کے اندر قرآن آتا ہے جب ساری دنیا کے اوپر ان توہم پرستیوں کا غلبہ تھا اور وہاں آ کے وہ اعلان کرتا ہے کہ انسان سے اونچی کوئی قوت اس کرہ ارض کے اوپر نہیں ہے تو میں نے عرض کیا ہے کہ یہ ساری توہم پرستیاں ہیں جن کو

آپ یہ جن بھوت پریت کہتے ہیں ان کے ہاں تو یہ اعصابی بیماریاں آ گئیں اکثر اوقات ہمارے ہاں یہ نوجوان بالغ لڑکیوں میں خاص بیماریاں آتی ہیں رحم کی کسی بگاڑ کی وجہ سے اوران کا اثر اعصاب پر دماغ پر جا کر پڑتا ہے وہ اصل میں دیوانگی کی کچھ ابتداء سی ہوتی ہے اور جو دورے پڑتے ہیں اب وہاں تو اس کا علاج اعصابی امراض کی طرح کیا جاتا ہے یا نفسیاتی امراض کی طرح کیا جاتا ہے سائکیاٹرسٹ ان کا علاج کرتے ہیں یا ان کے ہاں کے جو Mantel diseases کے فزیشن ڈاکٹر ہیں وہ ان کا علاج کرتے ہیں اور آپ کے ہاں جو کچھ ہوتا ہے اس قسم کی بیچاری بچی جو اس طرح سے ان امراض میں بیمار ہو جاتی ہے وہ کچھ اس کے ساتھ ہوتا ہے اس غریب کے ساتھ آپ اخباروں میں پڑھتے ہونگے شہروں میں تو کم ہوتا ہے ابھی تک ہمارے ہاں وہ جو آبادیاں جن کو کہتے ہیں دیہات کی آبادیاں ہیں ان میں اب بھی وہی کچھ ہوتا ہے او جن کڈن والے جیہڑے نیں ناوہ آ جاتے ہیں وہ خود جن ہوتے ہیں یہ امراض ہیں عزیزانِ من بیماریاں ہیں یہ کچھ نروس اعصابی ہیں کچھ نفسیاتی ہیں سائیکلا جیکل کیسز ہوتے ہیں ان کا علاج ہوتا ہے یہ یہ ساری تواہم پرستیاں ہیں جن کو وہ کہتے ہیں جن چمٹ گئے اور پھر تواہم پرستیاں آتی کن راستوں سے ہیں بڑے بڑے علمائے کرام مشائخ عظام ان کی آپ داستانیں پڑھیۓ ہر ایک کے ہاں کوئی نہ کوئی جن ہوتا ہے صاحب، وہ ان کے ہاں پڑھتے بھی ہیں ان کے ہاں کام کاج بھی کرتے ہیں پھر بھید کھل جاتا ہے تو وہ دوسرے کو کہہ کے کہ یہ میرا ایڈریس ہے مصیبت پڑے تو پتہ دے جانا چلے بھی جاتے ہیں پتہ بھی دیدیتے ہیں تاکہ وہ ڈاکخانے والا جا کے چٹھی deleiver کرآئے یعنی یہ چیزیں جو ہیں ہمارے ہاں جہلا میں نہیں پھیلی ہوئیں ہمارے ہاں کے یہ بڑے بڑے علماء بڑے بڑے مشائخ خاص طور پہ جو ہیں ان میں سے ہر ایک کے ہاں یہ چیز ہوتی ہے جاوید کے صاحب ایک ایسا جن آیا کرتا تھا اور وہ اس قسم کا آیا کرتا تھا اور وہ یہ کیا کرتا تھا یہ گناہگار جس مسجد میں پڑھا ہے ابتداء وہاں بھی ایک جن ہوتا تھالکن مٹی کھیلدا ہوندا ہیگا سی نال اونوں پھڑن واسطے اک واری اونٹھا اک منڈا اوقابو اوندا سی پیا اونوں کوئی تھاں نہ لبی اولوٹے اچ جا وڑیا، یہ بات پھر نکل گئی تو پھر مولوی صاحب نے اسے کہا کہ بھئی اب بھید فاش ہو گیا ہے تم چلے ہی جاؤ، داستانیں ہیں عزیزانِ من کچھ حقیقت نہیں افسانے ہیں یہ تواہم پرستیوں کے کچھ حقیقت نہیں ہے یہ، یہ الگ بات ہے کہ تواہم پرستی جب شدت اختیار کر جائے تو سچ مچ نظر آنے لگ جاتا ہے کہ جن ہے لیکن وہ آپ کے دماغ کی تخلیاتی چیز ہوتی ہے خارج میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے اب اس کے بعد آیئے ۔ **و اذ صرفنا الیک نفرًا من الجن یستمعون القراٰن** ۔ یہ حضورؐ کی بستی میں پیدا ہوئے ام القرٰی بلکہ مرکزی بستی جسے کیپٹل سٹی آج کے الفاظ میں کہئے مکہ اور پھر مدینہ طیبہ یہ دو ہی بلند ترین شہری بستیاں تھیں ان کا اولیں تخاطب انہی بستیوں کے لوگوں سے تھا انس سے تھا انہی میں یہ رہتے تھے آپ تو وہ تو کبھی کبھی آتے تھے لیکن ان سے بھی جب یہ شدہ شدہ یہ باتیں پھیلی ہیں حضورؐ کی تبلیغ کی حضورؐ کی بعثت کی تو نظر آتا ہے کہ پھر ان کے ہاں کے لوگ بھی کچھ آتے تھے یہ دیکھنے کیلئے یہ سننے کے لئے کہ یہ کیا نئی چیز ہے لیکن عام طور پر وہ ان سے کچھ چھپ چھپا کر ہی آتے تھے کچھ خلوت

میں ہی آتے تھے کچھ ان کی مصلحتیں اپنی ابھی ہونگی تو وہ آتے تھے ان کا ذکر قرآن میں آیا ہے حضورؐ کے پاس وہ آتے تھے اس آیت میں یہی کہا گیا ہے کہ جنوں کا ایک گروہ تھا وہ آیا ۔ **یستمعون القرآن** ۔ قرآن سننے کے لئے اب ایک ہی قرآنِ کریم کی آیت ہے جس میں یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ انسانوں سے الگ مخلوق نہیں تھی حضورؐ کے متعلق قرآن میں ہے کہ ۔ **و ما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرًا و نذیرًا** ۔ ہم نے تمہیں صرف انسانوں کیطرف بھیجا ہے بشیر اور نذیر بنا کر تو جو بھی قرآن سننے کے لئے آتا تھا یا قرآن پر ایمان لاتا تھا یہ ذکر ہے یہاں کے قرآن پہ ایمان لائے تو حضورؐ تو الناس ہی کیطرف رسول تھے نا تو یہ الناس ہی کی ایک نوع تھی الناس سے الگ نہیں تھی سارے قرآن میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ کو جنات کیطرف بھی رسول بنا کر بھیجا تھا وہ جنات جو ہمارے ذہن میں الگ مخلوق ہے وہ الناس ہی تھے انسان ہی تھے وہ حضورؐ کی طرف آئے قرآن سنا سورۃ الجن میں انہوں نے یہ بات کہی ۔ **و انا لما سمعنا الھدی اٰمنابہ** ۔ انہوں نے جا کے پھر اپنے ہاں قوم میں کہا کہ ہم نے یہ جب سنا اس ہدایت والی کتاب کو یہ ہدایت اور راہنمائی جب ہم نے سنی تو ہم ایمان لائے اس کے اوپر قرآن سنا اسکی صداقتوں کو سمجھا اس کے اوپر ایمان لائے ۔ **و انا من المسلمون** ۔ ہم مسلمان ہوگئے ہم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے تو آپ سوچئے عزیزانِ من یہ کوئی چمٹنے والے جنات کی بات ہو رہی ہے یہ، قرآن کا سننا اس کو ہدایت سمجھنا ہدایت کو تسلیم کرنا اس پہ ایمان لانا اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا یہ تو انسانوں ہی کی بات ہے حضورؐ انسانوں ہی کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے اب حیرت یہ ہے کہ اب کہا یہ جاتا ہے کہ صاحب یہ سارے جتنے بڑے بڑے علمائے کرام بھی ہیں یہ سارے عربی بھی جانتے ہیں ان داستانوں سے بھی واقف ہیں تو پھر یہ وہ انس و جن کے یہ معنی کیوں نہیں کر دیتے اب میں اس کا کیا علاج کروں یا تو کوئی چیلنج کرے نہ کہ یہ معنی نہیں ہیں تو پھر ان کو تو میں بتاؤں بھی کہ یہ کیسے ہیں اس کی سندیں ہیں ہمارے پاس انہی کے لغات انہی کی ادب کی کتابیں جو ہیں ان میں یہ چیزیں موجود ہیں جو میں آپ سے عرض کرتا ہوں تو پھر یہ بات تو واقعی تعجب انگیز ہے اور ہمارا نوجوان طبقہ اس کو سمجھتا نہیں تو اس کے باوجود ان کو کیا ہوگیا ہو یہ گیا کہ قرآن کی تفسیر پہلی جو تیسری صدی ہجری میں حضورؐ کے دو اڑھائی سو سال بعد لکھی گئی جہاں یہ آیتیں آئیں اس کے ساتھ افسانے آگئے یہی آیت آپ لے لیجئے اور بڑی سے بڑی مستند تفسیر کوئی اٹھا کر دیکھئے تفسیر الگ ہی رہی یہ حدیثوں کے جو مجموعے ہیں ان کو اٹھا کے دیکھئے اب یہاں اس جن کے ساتھ جو داستانیں ان کے اندر لکھی ہوئیں کہ وہ اس طرح سے خلوت میں گئے حضورؐ اور پھر اس کے ساتھ یہ لیا کہ فلاں صحابی جو تھے وہ ساتھ چلے گئے حضورؐ نے ان کو ایک جگہ کھڑا کر دیا اور ان کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا حصار ایک ہوتی ہے چیز یہ جتنے بھی یہ تعویذ گنڈے دیتے ہیں نا ان میں ایک اس طرح سے لائن کھینچ دیتے ہیں تو اس کے اندر جو ہوتا ہے اسے جنات کچھ نہیں کہہ سکتے وہ قلعہ بند ہوجاتا ہے تو اس میں یہ چیز ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ جلیل القدر؟؟؟؟ تو وہ ساتھ گئے تھے اور آپؐ نے ان کو ایک جگہ کھڑا کر کے تو اس کے گرد لائن کھینچ دی کہ اس سے باہر نہ نکلنا اس کے اندر تم محفوظ رہو گے

یہ خالص ان ساحرین کا یہ تاویل کرنے والوں کا ایک یہ حصار باندھنا یہ ان کا ایک مسلک کی چیز ہے یہ اس میں سے اس کے اندر یہ چیز، ہوتا ہوگا اس زمانے کے اندر بھی یہ جو لوگ ٹونے ٹانکے کرنے والے جنات نکالنے والے حصار باندھتے ہونگے حضوؐر کے متعلق کہ حصار باندھ دیا صحابی سے کہہ دیا کہ کھڑے رہنا تم اب وہ اس کے بعد بتا رہے ہیں بادلوں کی طرح آئے گرجے چمکے پھر وہ نیچے ہم نے دیکھا اور وہ حضوؐر کے پاس آئے اور اس کے بعد پھر وہ چلے گئے تو حضورؐ سے پوچھا ہم نے کہ وہ آئے تھے تو انہوں نے کوئی بات کی انہوں نے کہا کہ انہوں نے کچھ کھانے کو مانگا تھا، تو پھر، آپ نے فرمایا کہ میں نے ہڈیاں اور گوبر اور لید ان کو دیدی تھی کھانے کے لئے کہ یہی جنات کی خوراک ہوتی ہے اور پھر وہ چلے گئے اور پھر آپ نے ان کی کہانیاں سنائیں یعنی یہ ساری داستانیں ،اب یہ داستانیں آ گئیں سب سے پہلی تفسیر میں اور آپ کے ہاں کی صحیح ترین حدیث کی کتابوں میں ان کتابوں کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے اہل حدیث کا کہ بخاری اور مسلم کی کسی ایک حدیث سے بھی انکار کفر ہے اب بعد میں آنے والے ان سے انکار کیسے کریں اس دن سے یہ جو تفسیر چلی ان آیات کی آج تک چلی آ رہی ہے جو سمجھتے بھی ہیں اس بات کو کہ یہ بات تو یوں نہیں ہے جرآت وہ بھی نہیں کرتے اس کو کہنے کی کہ اس کے پیچھے ڈگڈگی لگ جائے گی صاحب کہ یہ اسلاف کے مسلک کے خلاف کہتا ہے عزیز اِن من یہ بڑی جرآت طلب چیز ہے جو اس قسم کی چیز کہنا؟؟؟؟؟؟؟ اس طرح سے ہم لوگ تو گھرے ہوئے ہیں ان کے اندر اور عوام میں جب یہ کہیں گے صاحب امام بخاری کی صحیح میں یہ چیز آئی ہے تو اس کے بعد تو کوئی دلیل کام ہی نہیں دے سکتی آپ کو، کون جرآت کر سکتا ہے یہ کہنے کی اور وہ امام بخاری نے اپنی طرف سے تو لکھا نہیں وہ تو کہا ہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا ہے تو جب یہ کہا جائے کہ نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد ہے اور یہ اس سے انکار کرتا ہے آپ نے غور فرمایا کہ ان حالات میں ان توہم پرستیوں سے نکلنے کے لئے کن کن اسباب کی ضرورت ہے آپ کو، عقل و بصیرت کی بناء پہ جو شخص اس سے انکار کرے وہ ملحد اور بے دین مذہب زدہ سیکولرازم کا حامی وہ کافی ہے یہی کہ؟؟؟؟؟؟؟ کہہ دینا تو عقل و فکر تو یوں چلی گئی، قرآن سے قرآن کی تفسیر کرنے والا یہ انکار کر رہا ہے اس تفسیر سے جو نبی اکرمؐ نے فرمائی ہے معاذ اللہ، وہ نہ حضورؐ کی ارشاد فرمودہ تفسیر ہے نہ حضورؐ کے ارشاد فرمودہ ارشادات ہیں، وہ تو تین سو سال بعد دو اڑھائی سال بعد زبانی روایات کے ذریعے سے کوئی تحریری میٹریل پہلے نہیں تھا؟؟؟؟؟ جمع کرنے والوں کے بھی ذہن میں یہ نہیں تھا کہ یہ ابدی طور پر غیر متبدل سمجھ کے مسلمان کا اور اسلام کی بنیاد بن جائیں گی امام بخاری کہہ رہے ہیں کہ میں نے جب یہ روایات اکٹھی کرنی شروع کیں تو چھ لاکھ کے قریب روایات میرے پاس آئیں لوگوں سے سنی ہوئیں وہ کہتے ہیں میں نے اپنے قیاس اندازے کے مطابق ان میں سے پانچ لاکھ ستانوے ہزار کو مسترد کر دیا reject کر دیا خود تو تین ہزار کے قریب ہے ان کو اپنے ہاں داخل کیا ویسے تو وہ قریباً وہ پانچ چھ ہزار بنتی ہیں وہ مکررات کو نکال دیں تو تین ہزار کے قریب یہ تین ہزار کیا ہیں جو میٹریل امام بخاری علیہ الرحمۃ کے پاس آیا ان میں سے انہوں نے اپنے قیاس کے مطابق یہ سمجھا کہ یہ ہوسکتی ہیں رسول اللہؐ کی اور وہ انہوں

نے جمع کر دیں تو یہ تو قیاس ہے امام بخاری کا نہ کہ حضورؐ کے ارشادات یقینی طور پر تو ایمان بخاری کے قیاس پر ایمان لانے کے لئے تو مسلمان مکلّف نہیں، تو انہوں نے جس کو کہہ دیا کہ یہ صحیح ہے قیامت تک کے لئے ہم آنکھ بند کر کے کہیں کہ یہ صحیح ہے کیوں صحیح ہے امام بخاری نے لکھ دیا، انہیں کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ پانچ لاکھ ستانوے ہزار جو ہیں ان کو مسترد کر دیں اگر وہ رسول اللہؐ کے اقوال تھے اگر وہ اپنے قیاس اندازے کے کسی معیار کے مطابق اتنوں کو مسترد کر دیتے تھے تو اگر آج ایک شخص ان تین ہزار میں سے کسی ایک متعلق دیکھتا ہے کہ وہ قرآن کے خلاف ہے نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس کے خلاف ہے حضورؐ کی عظمت اور کردار کے خلاف ہے اور وہ اس سے انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، عزیزانِ من جب تک یہ آپ کے ہاں کی ذہنیت اور معیار اور عقیدہ نہیں بدلے گا آپ ان توہم پرستیوں سے نہیں نکل سکیں گے اور پھر ان میں یہ بھی ہیں کہ جب یہ نشاندہی کی حضرت مسعودؓ نے یا دوسرے صحابی جو ساتھ گئے تھے تو وہاں جا کے انہوں نے دیکھا کہ وہ آگ جلنے کے بعد جو کچھ باقی رہتا ہے کوئلے کچھ راکھ یا جو چیزیں یا ؟؟؟؟؟؟ یہ شامیانے کی کچھ قناتوں کی چیزیں کچھ کھانے کی چیزیں وہ وہاں پڑی ہوئی تھیں جہاں سے بھی کوئی کارواں جاتا ہے پیچھے اس قسم کی چیزیں جو ہیں وہ رہ جاتی ہیں تو وہ بھی وہاں پڑی رہی تھیں اب یہ بھی نہیں ان کی تعداد کے متعلق سات یا نو سے شروع ہوتی ہے بارہ ہزار تک پہنچتی ہے تو یہ عزیزانِ من یہ وہی آبادی تھی صحرانوردیوں کی عربوں کے ہاں ادب کے اندر ان کے لغات کے اندر ان کے ؟؟؟؟ کے اندر ان کی شاعری کے اندر انس و جن ان معنی کے اندر آتا ہے صحرانوردوں کے لئے وہ استعمال کرتے تھے ان چیزوں کو ان لفظوں کو تو آیئے اب اس آیت کی طرف کہ ان صحرانورد آبادیوں میں سے ایک گروہ حضورؐ کی طرف آیا اور اس نے آ کے قرآن کو سنا . **فلما حضروہ قالوا انصتوا** . تو جب وہ یہاں آئے اور وہ قرآن سن رہے تھے تو وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ خاموش رہو خاموش رہو نظر آتا ہے نا کہ وہ دیہاتی سے لوگ تھے باہر کے لوگ ان آدابِ محفل سے بھی واقف نہیں تھے تو قرآن یوں بتا رہا ہے وہ کہتے تھے اوئے چپ کر کے سنو کیا کہا جا رہا . **فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین** . جب وہ بات ختم ہوئی قرآن سننے کی تو سب واپس گئے وہ اپنی قوم کی طرف وہاں جا کے ان کو آگاہ کیا ۔ **قالوا یٰقومنا انا سمعنا کتٰبًا انزل من بعد موسیٰ مصدقًا لما بین یدیہ** ۔ جا کے انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے ایک ہدایت کی چیزیں سنی ہیں وہ کتاب ہے جو کتابِ موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے تو نظر آتا ہے کہ ابتداء یہ لوگ غالبًا یہودی تھے اور وہ ان دعاوی کو سچ کر دکھانے والی ہے جو کتابِ موسیٰؑ کے اندر درج ہیں . **یھدی الی الحق و الیٰ طریق مستقیم** . یہ کتاب ہے جو واقعی حق کی طرف اور سیدھے راستے کیطرف راہنمائی کرتی ہے وہ سن کے گئے جا کر اپنی قوم سے وہ یہ کچھ کہہ رہے ہیں . **یٰقومنا اجیبوا داعی اللہ** . اے میری قوم کے لوگو یہ جو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے اس کی دعوت پر لبیک کہو . **و اٰمنوا بہ** . ایمان لاؤ . **یغفرلکم من ذنوبکم و یجرکم من عذابٍ الیم** . وہ حفاظت دے گا provide کرے گا جو کچھ تمہاری کوتاہیوں کی وجہ سے نقصان والی چیزیں آ رہی ہیں ایک عظیم تباہی سے تم کو بچا

لے گا ۔ **و من لا یحب داعی اللہ فلیس بمعجزٍ فی الارض و لیس لہ من دونہ اولیاء** ۔ یہ اسی جن کی گفتگو ہے تلقین ہے وعظ ہے ان لوگوں سے جا کے وہ کہہ رہا ہے یہ یا کہہ رہے ہیں جو یہاں سے وہ گئے تھے یہ سن کے کہ جو بھی اس اللہ کیطرف دعوت کرنے والے کو کی دعوت کو قبول نہیں کرے گے تو وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ لے گا اپنا ہی کچھ نقصان کرے گا اور پھر جب اس کی خلاف ورزی کرنے سے جو تباہی آئے گی وہ اس سے مدافعت کے لئے کوئی حامی اور مددگار نہیں پائے گا ۔ **اولـئک فی ضـلٰلٍ مبین** ۔ خود ہی اس گمراہی کے اندر رہو یہ ہے جی وہ جو جن جنہوں نے آ کے قرآن کو سنا اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے وہاں جا کے انہوں نے یہ تبلیغ کی وہ ایمان لائے انہوں نے اس کو حق تسلیم کیا یہ ہے جو قرآن نے بتایا ہے ان کے متعلق اب آپ خود سوچ لیجئے کہ یہ باتیں یہ چمٹ جانے والے جنوں کے متعلق ہو سکتی ہیں کیونکہ قرآن میں بھی جن کا لفظ آیا اور ہمارے ہاں بھی جن کا لفظ بولا جاتا ہے اس لئے صاحب قرآن میں جن آ گیا ہے صاحب قرآن شہادت دیتا ہے کہ جن ہوتے ہیں، بہر حال ۔ **اولـم یـروا ان اللہ الذی خلق السمٰوٰت و الارض و لم یعی بخلقھن بقٰدرٍ علیٰ ین یحی الموتی بلیٰ انہ علیٰ کل شیء قدیر** ۔ اب قرآن پھر اپنی بات پہ آ گیا شروع سے وہ یہ کہتا آیا تھا کہ مکافاتِ عمل برحق ہے یاد رکھو جو بھی ان قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے فرد ہو یا قوم وہ تباہی سے نہیں بچ سکتی اور اگلی بات وہ جو قرآن کا ایمان ہے اگر اس دنیاوی زندگی کے اندر اس کی گرفت نہیں ہوتی اس کا نتیجہ سامنے نہیں آتا تو زندگی یہاں ختم نہیں ہو جاتی زندگی مسلسل آگے بھی چلتی ہے اور اسی پہ ان کو اعتراض تھا بار بار وہ یہ کہتے تھے کہ صاحب یہ پہلے کی باتیں ہیں اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اگر ایسا ہی ہے تو اس سے کہو کہ ہمارے باپ داداؤں کو زندہ کر کے واپس لائے وہ یہ اعتراض کرتے تھے یہی بات تھی شروع سے چلی آ رہی تھی تو یہاں پھر اس کو دہرایا یہ سب کچھ کہنے کے بعد وہ خدا کہ جس نے ارض و سماوات کو پیدا کیا اور اسے پیدا کرنے کے بعد پھر وہ تھک نہیں گیا کہ کچھ اور پیدا نہ کر سکے، کیا بات ہے، قرآن ایک ایک لفظ میں مذاہب باطلہ کے ایک ایک باطل عقیدہ کی تردید کرتا جاتا ہے تورات میں ہے یہ کہ خدا نے چھ دن میں اس کائنات کو پیدا کیا اور اس کے بعد تھک گیا ساتواں دن اس کا آرام کا دن ہے یہ جو آپ چھٹی مناتے ہیں ہفتے کے بعد وہ ان کے ہاں saturday تھا سبت جس کو وہ کہتے تھے سبت کے دن ان کے ہاں کاروبار بالکل ناجائز تھا کیونکہ وہ کہتے تھے جب خدا سو رہا ہے تو ہم کیسے کاروبار کر سکتے ہیں تو چھٹی اس لئے خدا کے سونے کی بنا پہ مل گئی تھی انسانوں کو حالانکہ یہ روز رات کو سوتے ہیں اور وہ کہتا ہے اسے اونگھ بھی نہیں آتی تو وہ جو چھٹی تھی ان کے ہاں کی یہ ان کے ہاں وہ چھٹی ہوئی عیسائیوں نے جب یہودیوں کے خلاف محاذ قائم کیا کہ انہوں نے ہمارے نبی کو خدا کے بیٹے کو صلیب پہ چڑھا دیا یہودیوں کے خلاف بے حد سخت نفرت تھی عیسائیت کی انہوں نے یہودیوں کے ہر شعائر کی خلاف ورزی کی جو ختنہ کراتے ہیں وہ ختنہ نہیں کرائیں گے وہ سور کو حرام سمجھتے ہیں ہم سور کھائیں گے وہ ہفتے کی چھٹی کرتے ہیں ہم اتوار کی چھٹی کریں گے ہم نے کہا ہم جمعہ کی چھٹی کریں گے جو اے جمعہ دی کرن لگ گئے تے فیر، کیا

تماشا ہے بات جمعہ کی آ گئی تو پھر یہ؟؟؟؟ قرآنِ کریم میں خود یہ موجود ہے جمعہ کے متعلق کہ جب اس اجتماع کے لئے آواز دی جائے تو کاروبار چھوڑ کے ادھر آ جایا کرو تو اس سے پہلے کاروبار کی سند تو قرآن نے خود دیدی تو وہ چھٹی نہیں اور پھر؟؟؟؟؟؟ جب نماز ختم ہوجایا کرے تو پھر جاؤ کاروبار کیا کرو علی الرغم قرآن کے خلاف ہے یہ کاروبار بند کرنا کاروبار بعد میں بھی بند کرنا قرآن کی اس آیت کے متعلق، بات میں یہ کہہ رہا تھا کہ تورات میں ہے کہ خدا ساتویں دن پھر تھک گیا سو گیا، قرآن جاتے جاتے ایک بات کہہ جاتا ہے کہ کائنات اس نے تخلیق کی انسان پیدا کئے تو تھک نہیں گیا اس کے بعد کہ پھر ان انسانوں کو دوبارہ پیدا نہ کر سکے کیا بات ہے اس کے انداز کی صاحب چلتے چلتے ایک ایسی بات کہہ جاتا ہے جو بڑے بڑے اہم عقائد باطل ہیں ان کی تردید کر دیتی ہے بات . **انہ علیٰ کل شیءٍ قدیر و یوم یعرض الذین کفروا علی النار** . میں دو چار منٹ زیادہ لے لونگا دو یا تین آ تیں باقی رہ گئی ہیں . **الیس ھٰذا بالحق** . تباہی جب سامنے آ جائے گی ان سے تو پوچھا جائے گا کہ بتاؤ جو تم سے کہا جائے گا کہ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی سچا ہے یا نہیں وہ ہمارا دعوٰی، پکاریں گے کہ ہاں سچ ہے صاحب . **قالوا بلیٰ و ربنا** . خدا شاہد ہے کہ وہ بات بالکل سچ ہو کر نکلی جو ہمارے سامنے آئی . **و قال فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون** . کہا کہ اب پھر اس کی معذرت سے کچھ فائدہ نہیں سیلاب آ گیا اب نہیں پہلے بند بنا لیتے تو بچ جاتے اس کے آ جانے کے بعد تو پھر کوئی نہیں بچ سکتا اس سے ادھر نبی اکرمؐ کو پھر یہی بات کہی اتنی مخالفت جو یہ کر رہے ہیں طعن و تشنیع کے نشتر ہیں جو چبھو رہے ہیں . **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل** . کوئی بات نہیں آپ ہی کے ساتھ یہ نہیں ہو رہا اے رسول پہلے انبیاء کرام کے ساتھ بھی یہ کچھ ہوتا رہا ہے جس نے بھی حق کی بات کی ہے دنیا میں اس کے ساتھ یہ ہوتا ہے استقامت سے جمے رہو صبر کے معنی یہ نہیں ہوتا کہ صبر کر بچڑا ہور کچھ ہو نہیں سکدا تے کی کرنا ہویا ہن؟؟؟؟ تے سزا اچ آیا ای کوئی نئیں ہیگا انتہائی بیچارگی کے لئے یہ لفظ ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے خدا تلقین رسول سے کر رہا ہے کہ اولوا العزم انبیاء نے بھی ایسے، صبر کے معنی ہوتا ہے استقامت سے جم کے کھڑے رہنا کسی بات پہ، پاؤں میں لغزش نہ آ جائے یہ ہوتا چلا آیا ہے تمہارے ساتھ نئی بات نہیں ہے انبیاء کرام نے انبیاء اولوا العزم ان کو کہا گیا ہے صاحبِ عزیمت تھے وہ انہوں نے بھی ایسے مقام میں استقامت دکھائی تھی . **و لا تستعجل لھم** . اس کے لئے جلدی نہ کرو کہ وہ جلدی سے عذاب کوئی نہیں آ جاتا وہ تو ہمارے قانون کے مطابق آتا ہے پھول بھی ایک وقت لیتے ہیں پھوٹنے کے لئے کانٹے بھی؟؟؟؟؟ ایک وقت لیتے ہیں جلدی نہیں اس میں ہوا کرتی . **و لا تستعجل لھم کانھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعةً من نھار** . اب تو نظر آتا ہے کہ بڑا لمبا وقفہ پڑ گیا آتا کیوں نہیں عذاب جب عذاب آ جائے گا تو ان کو نظر آئے گا کہ صاحب ہم پہ یونہی شاید ایک گھڑی آدھی گھڑی زندہ رہے؟؟؟؟؟؟؟؟ مصیبت کے وقت جب یہ آتا ہے تو نظر ہی نہیں آتا ہے . **بلٰغ** . کیا بات ہے آخری آیت کے آخری الفاظ ہیں پہنچا دیا گیا جو کچھ پہنچانا تھا . **فھل یھلک الا**

القوم الفٰسقون ۔ تباہ ہوتی ہیں قومیں لیکن وہ جو صرف صحیح راستہ چھوڑ کر غلط راستوں پہ پڑ جاتی ہیں۔ سورۃ الاحقاف آج ختم ہوگئی عزیزانِ من آئندہ ہم اگلی سورۃ سورۃ محمد 47ویں سورۃ اس سے درس کا آغاز کریں گے ۔ ربنا تقبل من انک انت السمیع العلیم ۔

اعوذ باللہ من الشطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

انکار کرتے ہیں . **صدوا عن سبیل اللہ.** خدا کی طرف لے جانے والے راستے میں روک بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں یہ کون لوگ ہیں ٹھیک ہے اس زمانے میں تو کم ہوتا ہے پہلے زمانے میں یہ تھا کہ قوت کے زور پر بھی مذہب کے خلاف بہت سے ایسے لوگ آتے تھے جو اپنے مذہب کے خلاف دوسرے اہلِ مذاہب سے قوت کے زور پر شدت کے زور پر تشدد کے زور پر بھی روکتے تھے یہ کم کیفیتیں ہوتی تھیں تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں یہ جو لوگ خدا کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوتے ہیں قرآن نے خود بتایا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں کہا کہ انبیاء کرام دین لاتے تھے خدا کی طرف سے اسی دین کو دے کر وہ چلے جاتے تھے یہ دین خدا کی کتاب کے اندر مندرج ہوتا تھا ان کے چلے جانے کے بعد مذہبی پیشوائیت وجود میں آتی تھی خود ساختہ مذہب رائج کرتے تھے اور دین کو پیشہ بنا لیتے تھے اب یہ دین نہیں رہتا تھا یہ مذہب بن جاتا تھا یعنی سمجھانے کی غرض سے میں شروع سے ہی یہ دو اصطلاحیں ان ہی معنی دین ہی کہتا ہے لیکن جب دین کو یہ بگاڑتے ہیں تو اسے سمجھنے کے لئے مذہب کا لفظ آئے گا اور آپ دیکھیں گے کہ یہ اب تو کچھ تھوڑا بہت دین کے لفظ کا ہوا ہے ورنہ مذہب ہی تھا مذہبِ اسلام Islam religion ہمارے مذہب نے یہ کہا ہے ہمارے مذہب میں یہ ہے دین کبھی وہ کہتا ہی نہیں تھا تو مذہب ہوتا ہے مذہبی پیشوائیت کا وضع کردہ طریق جسے وہ خدا کی شریعت کہہ کر دنیا میں منواتے ہیں اور یہ ان کا پیشہ ہوجاتا ہے قرآنِ کریم واضح انداز میں کہتا ہے کہ یہ جو خدا کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں یہ کون لوگ ہیں **یا یھا الذین اٰمنوا ان کثیر من الاحبار و الرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ.** 9/37 وہی الفاظ ہیں یہاں اے اہلِ ایمان متنبہ رہو کہ یہ مشائخ اور علماء کی اکثریت جو ہے جو لوگوں کے مال کو کھاتے ہیں باطل کے طریقے سے تو یہ تو یہاں پیشہ بن جاتا ہے مذہب لوگوں کے عوام کے مال کو کھاتے ہیں باطل طریقے سے اور خدا کیطرف لے جانے والے راستے میں روک بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں تو اس نے تو خود بتا دیا کہ یہ احبار و رہبان ہیں یہ روک بن کے کھڑے ہوتے ہیں یہ خدا کیطرف جانے والے راستے پہ چلنے ہی نہیں دیتے کاروانِ امت کو، اس سے ان کی دوکانداریاں ختم ہوجاتی ہیں دین میں مذہبی پیشوائیت کا وجود ہی نہیں ہوتا یہ جو قرآن نے کہا ہے کہ یہ دوسروں کے مال پہ جیتے ہیں اور دوسروں کے مال پہ دوسری جگہ تو یہ ہے کہ بڑی عیش پسندی کی زندگیاں بسر کرتے ہیں یہ خاص طور پہ قرآن نے کہا ہے اور اسی لئے وہ خدا کی طرف جانے والے راستے میں روک بن کے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ خدا کی طرف جانیوالے راستے میں تو ان کا پھر وجود ہی نہیں رہتا اور تاریخ یہ

بتا رہی ہے اور قرآن نے بھی جو بتایا ہے کہ جونہی کوئی نبی آیا اور اس نے آ کے یہ کہا کہ یہ جو جسے تم دین کہہ رہے ہو یہ دین نہیں یہ تمہارے مشائخ وعلماء کا وضع کردہ مذہب ہے جس نے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ ہے وہ دین جو میں لایا ہوں جو تمام انبیاء پیش کرتے چلے آ رہے تھے تو سب سے پہلے اس دعوت کی مخالفت ہمیشہ مذہبی پیشوائیت کیطرف سے ہوئی اور ان کی دلیل بیشتر مقامات پر قرآن میں یہ چیز دی ہوئی ہے ہر نبی کی دعوت کی مخالفت اس طبقے کی طرف سے ہوئی اور دلیل ان کی یہ تھی کہ ہم اپنے اسلاف کے راستے پہ چلتے آ رہے ہیں اور وہ ٹھیک جانتے تھے کہ دین کیا ہوتا ہے اس لئے ہم اس راستے کو چھوڑ کے کسی نئے راستے کو اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں سب سے بڑی مخالفت ان کی طرف سے ہوئی ہے خود نبی اکرمؐ کی دعوت ٹھیک ہے قریش نے مخالفت کی تھی وہ قابلِ فہم ہے ان کی مخالفت جو تھی اور وہ بات واضح کرتے تھے قریش نے جو مقام حاصل کیا ہوا تھا پہلی چیز یہ نسل پرستی کی بناء پر وہ تمام قبائل میں ان کا قبیلہ سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا دین نسل پرستی کی جڑ کاٹ دیتا ہے وہ کعبے کے متولی تھے اتنا بڑا ؟؟؟؟ جو ہے آپ سوچئے اس کی آمدنی کا وہ بڑی ہی مرفع الحالی کی عیش پرستی کی زندگی بسر کرتے تھے کعبے کے متولی ہونے کی وجہ سے دین میں یہ چیز بھی ختم ہو جاتی ہے کعبے کے متولی ہونے کی جہت سے قبائل اپنے ہی نہیں بلکہ گردوپیش کی سلطنتیں بھی ان کا بڑا احترام کرتی تھیں اور اس سے ان کو بڑے مفاد حاصل تھے قرآن نے یہ بتایا ہے کہ اس کعبے کی طرف جو تم نسبت اپنی کرتے ہو اس سے دوسرے لوگوں کے تو قافلے دن دیہاڑے لوٹے جاتے ہیں اور تم سردی گرمی اپنے قافلوں میں سفر کرتے رہتے ہو کوئی آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتا تمہاری طرف سوچو کہ جس کعبے کی طرف نسبت سے تمہیں یہ مقام حاصل ہے اس کعبے کے رب کی محکومیت کیوں نہیں اختیار کرتے تو گویا بات یہ تھی کہ ان کو تو یہ مفاد حاصل تھے اس لئے وہ مخالفت کرتے تھے مذہب کی سطح کے اوپر جو مخالفت کی ہے تو یہودیوں نے کی ہے قرآن میں جو ٹکراؤ ان اہلِ کتاب سے بتایا گیا ہے قریش کا ٹکراؤ تو دو چار مقام میں ہے میدانِ جنگ میں وہ کھل کے ؟؟؟؟ کر آ گئے شکست کھائی وہاں اس کے بعد مخالفت ختم ہو گئی لیکن یہ لوگ تھے کہ یہ انہوں نے جینے ہی نہیں دیا آرام سے بیٹھنے نہیں دیا تا آنکہ ان کو نکالنا پڑا پہلے مدینے سے پھر خیبر سے پھر پورے جزیرۃ العرب سے اور ہر نبی کے ساتھ یہ ہوتا رہا حضورؐ کے بعد کوئی اور نبی تو آنا نہیں تھا نہ وہ آیا ہے لیکن حضورؐ کا دیا ہوا جو دین ہے خدا کا وہ تو محفوظ شکل میں امت کے پاس چلا آ رہا ہے اس کے بعد یہ جو مذہبی پیشوائیت ہے وہ قرآن کے راستے میں حائل ہوتی ہے کہ اس طرف نہ کوئی آنے پائے اور وہی انسانوں کا وضع کردہ جو مذہب ہے اسی کو دین بنا کے شریعتِ خداوندی کہہ کے وہ نافذ کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص خدا کی طرف یعنی خدا کی کتاب کی طرف دعوت دیتا ہے تو سب سے بڑی مخالفت ان کی طرف سے ہوتی ہے یہ ہیں جو خدا کی طرف جانے والے راستے میں روک بن کر کھڑے ہوتے ہیں دوسرے مقام پہ ان کے متعلق یعنی ایک تو وہ ہیں نا جن کو کفر وا کہا ہے وہ تو انکار ہی کرتے ہیں اس سے انہی کے متعلق دوسرے مقام پہ ہے 43/37 .و انهم ليصدونهم عن السبيل و يحسبون انهم مهتدون. یہ ہے وہ فقرہ خدا

کی طرف جانے والے راستے میں تو روک بن کر کھڑے ہوتے ہیں اور بزعمِ خویش سمجھتے یہ ہیں کہ صحیح ہدایت والے راستے پہ ہم ہی ہیں کفار تو یہ نہیں سمجھتے نہ ان کا کبھی یہ دعوٰی ہوتا ہے نہ تسلیم ہی کیا جاتا ہے یہ لوگ ہیں جو مذہب کی سٹیج پہ ہوتے ہیں تحسبون ہوتے نہیں ہیں یہ مھتد ون صحیح راستے پہ چلنے والے یہ ہوتے نہیں ہیں بزعمِ خویش سمجھتے یہ ہیں کہ ہم بالکل صحیح راستے پہ چلتے ہیں اور یہ جو دین کی طرف خدا کی کتاب کی طرف دعوت دینے والے ہیں یہ ہمیں صحیح راہ سے بے راہ کرتے ہیں بھٹکاتے ہیں مھتد ون وہ کیوں نہیں ہے ان کا دعوٰی یہ صحیح کیوں نہیں ہے بات تو یہ ہے سوچنے کی بزعمِ خویش ہی سہی دعوٰی تو انکا ہے نا کہ ہم ہی ہدایت کے اوپر ہیں قرآن تو ہر بات کو نکھار کے رکھ دیتا ہے عزیزانِ من اس نے بتایا ہے کہ کونسی ہدایت ہے جسے صحیح ہدایت کہا جاسکتا ہے **ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ.** (2/120) خدا کی طرف سے دی ہوئی راہنمائی ہی صحیح ہدایت ہے تو اب معیار ہمارے سامنے آ گیا کہ وہ جو کہتے ہیں کہ ہم بزعمِ خویش ہدایت پر ہیں پرکھ کے یہ دیکھو کہ وہ خدا کی کتاب کے مطابق ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں اگر وہ ہے وہ تو پھر خدا کی ہدایت ہوگئی اور اگر اس کے خلاف ہے تو یہ تو ہدایت خدا کیطر ف سے دی ہوئی نہیں ہے تو یہ ان کا زعمِ باطل ہے جو اپنے آپ کو سمجھتے ہیں یا یہ فریب دیتے ہیں یا وہ فریب خوردہ ہوتے ہیں ہدایت وہی ہے ہدایت جو خدا کی طرف سے دی ہوئی ہو اور وہ نبی اکرمؐ کے بعد قرآن کی دفتین کے اندر محفوظ ہے قرآن سے باہر خدا کی راہنمائی نہیں ہے، یہی ہے؟؟؟؟؟ یہی ہے کسوٹی یہی ہے معیار اس ہدایت کے اوپر جو ہے وہ راستہ تو خدا کیطر ف چلا جائے گا اور جو بھی انسانوں کا وضع کردہ کوئی راستہ ہے وہ اس راستے میں روک بن کے کھڑا ہوگا تاکہ لوگ دوسرے راستوں کے اوپر نکل جائے **اضل اعمالھم و الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت و اٰمنوا بما نزل علیٰ محمدٍ و ھو الحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم و اصلح بالھم.** ان کے مقابل میں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں یہاں پھر ایک بڑی اہم بات آ گئی اور صلاحیت بخش ان کے اعمال ہوتے ہیں یعنی قرآن میں بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق وہ زندگی گذارتے ہیں اور قرآن کی صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں کس چیز پہ ایمان رکھتے ہیں میں نے کہا ہے نا کہ اور ایک اہم بات یہاں آ گئی **اٰمنوا بما نزل علیٰ محمدٍ.** ایمان قرآن کی رو سے ایمان وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جو نازل ہوا وہ تو قرآن نازل ہوا نا جو قرآن پہ ایمان لائے قرآن پر ایمان لانا جو ہے یہ شرط ہوگئی ایمان کی یا مؤمن ہونے کی یا مسلمان ہونے کی اہمیت اس میں یہ ہے آپ کہیں گے کہ یہ تو بالکل صاف بات ہے ہر مسلمان اسے مانتا ہے لیکن ایک تحریک ہمارے ہاں اٹھی تھی غنیمت ہے تقسیم ہند کے بعد وہ دب گئی، ؟؟؟ سماجی اسلام جسے میں نے کہا تھا جتنی اس قسم کی عزیزانِ من یہ فتنہ پرور تحریکیں اٹھی ہیں زندگی کے آخری حصے میں کسی فخر سے نہیں کہتا ایک حقیقت کا اظہار ہے میں نے ہمیشہ ان کی مخالفت کی ہے، ہندوستان میں مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کا نام تو آپ نے سنا ہوگا ان کا مقام علم کی دنیا کے اندر ایک مینار کی طرح تھا بلند کانگرسی میں وہ تھے پاکستان کی سخت مخالفت کرنے والے، پاکستان کا دعوٰی یہ تھا کہ دین جو ہے وہ اسلام ہی ہے اسلام کی بنیادوں کے اوپر ہم ایک الگ مملکت قائم کرنا

چاہتے ہیں ہندوستان میں رہتے ہوئے ہمارا دین محفوظ نہیں رہ سکتا ہندو نے تو جواب اس کا دیا گاندھی نے جواب دیا کہ دین جسے آپ کہتے ہیں یا مذہب یا religion اس کو سیاست کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے یہ پرائیویٹ عقیدہ ہوتا ہے آپ خوامخواہ وہ کہتے تھے مسٹر جناح خوامخواہ اس مذہب کو سیاست کے اندر گھسیٹ کر لا رہے ہیں، یہ تھی وہاں یہ تنازع کی بنا یہ سارے جتنے بھی نیشنلسٹ علماء جنہیں آپ کہتے ہیں وہ ان کے تائید کرنے والے تھے ہندوؤں کے کہ یہ ٹھیک ہے جو یہ کہتے ہیں مذہب کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمارا مذہب یہاں محفوظ رہے گا نماز روزے کی اجازت ہوگی، اس سے بھی بات نہیں بن رہی تھی گاندھی نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ تعلیم بچوں کو دینا مسلمان بچوں کو کہ اسلام باقی مذہبوں سے افضل ہے اور سچا یہی ہے یہ سب سے بڑی خرابی کی چیز ہے اس کو مٹانا چاہیئے ، کیسے مٹ سکتا تھا یہ کچھ، مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر لکھی موجود ہے اس میں انہوں نے یہ دعویٰ پیش کیا یا نظریہ پیش کیا کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں مذہب سچا ہے فلاں باطل ہے فلاں افضل ہے فلاں ؟؟؟؟ ہے عالمگیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں یہ ان کے الفاظ ہیں ہر مذہب کا پیراؤ اگر اپنے مذہب کے اوپر قائم ہوجاتا ہے تو اسلام کہتا ہے کہ میرا جو فریضہ تھا وہ ادا ہوگیا ہر اہلِ مذہب اپنے مذہب کے اوپر جو قائم ہوجائے اب اسلام کا افضل ہونا یا صرف واحد سچا دین ہونا جو ہمارا دعویٰ ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ باطل ہوگیا اس نظریے سے بڑا پرچار ہوا اس نظریے کا ان کی تفسیر عام ہوئی ہندوؤں نے ان کی تفسیر کے اس حصے کو اپنے ہاں کئی زبانوں میں ترجمہ کیا اور لاکھوں کی تعداد میں ہندوستان میں اس کو تقسیم کیا اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے یہ عاجز وگنہگار تھا ابوالکلام آزاد پہ ہاتھ ڈالنا کوئی آسان بات نہیں تھی عزیزانِ من لوگوں کے دلوں میں بڑا رعب تھا ان کا ایک آواز تھی جو میری طرف سے اٹھی اور بڑی ان کی جتنی بھی دلائل انہوں نے دی تھیں ایک ایک کا رد میں نے کر کے دکھایا کہ یہ بالکل باطل کا مذہب ہے اور یہ ہندوؤں کی تائید میں یہ کچھ کہا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کو بہکایا جا رہا ہے وہ میرا مضمون پھر بار بار چھپا اب بھی میری کتابوں میں وہ موجود ہے یہ ہے وہ جسے انہوں نے یہ کہا نا کہ ہر مذہب کا پیراؤ اپنے مذہب پہ کاربند ہوجائے تو اسلام کہتا ہے میرا کام بن گیا تو قرآن کے اوپر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہ اہم مقام ہے . و اٰمنوا بما نزل علیٰ محمد . مسلمان ہونے کے لئے یا ہدایت پر ہونے کے لئے جو رسول اللہؐ پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے جو اس پر ایمان نہیں لاتا وہ خدا کی ہدایت پر نہیں ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ ہر مذہب والا اپنے اپنے مذہب کے اوپر اگر کاربند ہوجائے تو اسلام کہتا ہے میرا کام ہوگیا بالکل باطل ہے وہ تو . بما نزل علیٰ محمد. کے اوپر ایمان لانا شرط قرار دیتا ہے ایمان کی، یہ اہلِ کتاب کے متعلق بھی ہے قرآن میں یہ ہے اہلِ کتاب کو بھی دعوت دی گئی ہے قرآن پہ ایمان لانے کے غیرِ اہلِ کتاب کو بھی یہ دعوت دی گئی ہے تمام دنیا کے انسانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے حتیٰ کہ جو ہمارے جیسے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں آپ کو معلوم ہے نا کئی دفعہ یہ بات درس میں آ گئی قرآن میں انہیں بھی کہا گیا ہے کہ تم بھی ایمان لاؤ اس قرآن کے اوپر، ہم سے بھی

مطالبہ ہےاوراسلام کے لئے قرآن پرایمان لانے کا ہی مطالبہ خارج ازقرآن کسی اور چیز کے اوپرایمان لانے کا مطالبہ نہیں ہے ؟؟؟؟؟کسی کے اندر یہ کیوں اس کےاوپرایمان لانا . و ھو الحق من ربھم. الحق The only truth صرف یہی صداقت ہے جوخدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے مھیمن ہے یہ ان صداقتوں کا جو پہلے انبیاء کی طرف آتی رہیں خدا کیطرف سے جو دین آیا ہے وہ یکساں تھا ہمیشہ وہ کہیں باقی رہا نہیں ہے اسی لئے قرآن نے کہا ہے کہ جوصداقتیں پہلے ہم انبیاء کودیا کرتے تھے ان کی کتابوں میں ہوتی تھیں لیکن اب نہیں ہیں وہ بھی ساری اس قرآن کے اندر آ گئیں اورنوعِ انسانی کو قیامت تک کے لئے جس راہنمائی کی ضرورت ہے اس کو بھی اس کے ساتھ شامل کر کے اب دین کو مکمل کر دیا قرآن کے اندر اب خدا کیطرف سے نازل کردہ دین صرف قرآن کے اندر ہے عزیزانِ من مسلمانوں کے لئے بھی غیر مسلمانوں کے لئے بھی .و ھو الحق من ربھم کفر عنھم سیاٰتھم و اصلح بالھم. جو بھی اس قرآن کے نظام کوقائم کر کے اس کے مطابق زندگی بسر کرے گا وہ ان کی چھوٹی موٹی تدبیری کوتاہیاں سہو؟؟؟اس قسم کی چیزیں یہ جوان کے صحیح کاموں کا وزن ہوگا اس سے ازالہ ہوجائے گا ان کا ،قرآن تو انسانوں سے خطاب کرتا ہے جس کی ابتداء ہی قصہ آدم میں یہ چیز ہوئی ہے انہوں نے کہا یہ بات کہ ہاں یا خدا ہم سے سہو ہوا مجھ سے خطا ہوگئی تو صاحب وہ خطا جو ہے وہ انسانوں سے امکان ہے اس کا ،؟؟؟؟؟ سے جونقصان ہوتا ہے اس کا ازالہ ہوجاتا ہے اگر انسان اس سے بہت بڑھ کر کوئی اچھا کام کرے کہا یہ چیز ان کی ہوگی .و اصلح بالھم. ان کی حالت نہایت صحیح ہوگی یہ دعویٰ ہے قرآن کو ماننے والوں کی حالت اوراس نے تو قرآن نے کہا ہے .انتم الاعلون. تم تو دنیا کی تمام اقوام کے مقابلے میں غالب اور بالا دست اور بلند ہو قرآن نے کہا ہے کہ یہ ہونہیں سکتا کہ مؤمنوں کے اوپر کوئی کافر غلبہ پالے اسلامی اسلامی تو سب ہو رہا ہے کوئی نہیں جو اس کسوٹی کے اوپر پرکھ کے دیکھے کہ حالت ہماری کیا ہے .اصلح بالھم ذٰلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل و ان الذین اٰمنوا اتبعوا الحق من ربھم. دوہی گروہ ہیں دنیا کے اندر رہ گئے اس نے یہ کہا ہے ایک تو یہ اس الحق کے اوپر ایمان لانے والے ہیں اور جس اس پہ ایمان نہیں لاتے وہ کسی اور چیز کے اوپر بھی ایمان لائیں وہ باطل ہے کیونکہ الحق اور قرآن سے باہر قرآن کے سوا اور کہیں نہیں ہے .کذٰلک یضرب اللہ للناس امثالھم. کہتا ہے اس طرح سے قرآن لوگوں کی کیفیات اور ان کے حالات کو بیان کرتا ہے بار بار بیان کرتا ہے کہ بات نکھر کر سامنے آجائے ،اب آگے بات آئی وہ جو میں نے عرض کیا ہے کہ قریش بزورِ شمشیر اس راستے میں رکاوٹ بن رہے تھے قوت کے زور پر وہ اس کو مٹانا چاہتے تھے کفروا میں وہ لوگ آتے تھے وہ اس سے انکار کرتے تھے اس کا مقابلہ کرتے تھے اس کی دشمنی کرتے تھے اور میدانِ جنگ میں آتے تھے میں اس وقت قرآن کے نظریہ جہاد کے متعلق تفصیل میں نہیں جانا چاہتا بہت دفعہ وہ چیزیں آچکی ہیں اس سے پیشتر کہ یاد رکھئے کہ اسلام نہ شمشیر کے زور سے کبھی پھیلا ہے نہ شمشیر کے زور پہ پھیل سکتا ہے اگر کوئی یہ چیز کہتا ہے تو وہ قرآن کی خدا کی دی ہوئی ہدایت کے خلاف جاتا ہے قرآن میں

یہ ہے کہ ایمان ہے انسان کا عقل وبصیرت علم وفراست کی بنا پر دلائل و براہین کی بنا پر اس کے دل اور دماغ کا مطمئن ہونا اس اطمینان کے بعد اگر وہ قرآن کی صداقتوں کو صحیح سمجھتا ہے تو یہ ایمان ہے تو شمشیر کے زور پہ تو اس طرح سے نہیں سمجھا جا سکتا اس میں تو دلیل و برہان کا سوال ہی نہیں ہوتا قوت کے زور پہ اگر آپ کوئی چیز منوائیں گے تو اس میں دل اور دماغ کا مطمئن ہونا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا دلیل و برہان نہیں علم وبصیرت نہیں، شمشیر تو ایک طرف رہی شمشیر کے علاوہ بھی اگر علم وبصیرت کی بناء پہ مطمئن ہو کے کوئی نہیں مانتا اس کو ویسے ہی آنکھیں بند کر کے مانتا ہے قرآن کہتا ہے یہ ایمان نہیں ہے تو یہ کہنا کہ یہ شمشیر کے زور پہ پھیلا تھا اسلام کے خلاف بہت بڑا اعتراض ہے لڑائیاں کیوں لڑیں؟؟؟ تیرہ برس نبی اکرمؐ مکے میں رہے وہاں ان لوگوں نے ان قریش نے جینے نہیں دیا ایک دن بھی ان میں سے کچھ لوگوں کو تو مکہ اور وطن چھوڑ کر حبشہ میں پناہ لینی پڑی کوئی کہیں اور چلا گیا کوئی کہیں چلا گیا جو رہے مکے کے اندر ان کو اتنی اذیتیں دی جاتی تھیں لیکن اس دوران میں یہ نہیں تھا کہ یہ بالکل کوئی پروگرام ہی ان کے سامنے نہیں تھا رسول اللہؐ ایک جماعت تیار کر رہے تھے نفوس کی اصلاح کر رہے تھے دلوں کا تزکیہ کر رہے تھے کریکٹر کی پاکیزگی ان کے پیشِ نظر تھی ایک جماعت تیار کر رہے تھے جو اپنے حسنِ کردار کی بناء کے اوپر دنیا کے اندر درخشندہ لوگ نظر آئیں جب یہ جماعت تیار ہوئی خواہ ان کی تعداد کتنی تھوڑی کیوں نہیں تھی یہ وہ جماعت تھی جو اسلامی نظام قائم کر سکتی تھی تو پھر سوال پیدا ہوا کہ کونسی سرزمین ایسی ہے جو اس نظام کے قائم کرنے کے لئے مساعد ہو سکتی ہے مدینے میں جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے اسلام لے آئے تھے انہوں نے آ کے کہا کہ ہمارے ہاں آ یئے ہم ضمانت دیتے ہیں کہ آپ بھی محفوظ رہیں گے اور آپ جو نظام قائم کرنا چاہتے ہیں ہم اس میں موعید اور معاون و مددگار ہونگے آپ کے وہ سرزمین تھی اس نظام کے قیام کے لئے اس طرح سے حضورؐ اپنی اس مختصر سی جماعت کو لے کر مدینے تشریف لے آئے کوئی تعرض نہیں کیا قریش کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کیا خاموشی سے نکل آئے بعض تو چوری چھپے نکل کے آ گئے مدینے میں آ گئے جناب لیکن قریش کو یہ پتہ تھا کہ کسی جگہ بھی اگر یہ نظام قائم ہو گیا جس کی دعوت نبی اکرمؐ دیتے ہیں تو پھر کسی مقام پہ بھی ان کے خلاف یہ قریش جیسا نظام جو تھا ملوکیت کا اور مذہبی پیشوائیت کا اور سرمایہ داری کا انہیں پتہ تھا کہ یہ باقی نہیں رہ سکتا مکے سے مدینے کا فاصلہ آپ احباب جانتے ہیں آج بھی وہ کتنا ہے تقریباً کہتے ہیں تین سو میل تک ہے اس زمانے میں آمد و رفت کا یہ انتظام نہیں تھا صحراؤں میں سے آنا پڑتا تھا پیدل یا اونٹوں پہ سوار ہو کے آنا پڑتا تھا اتنی دور اب قریش کی مخالفت کسی قسم کی نہیں ہو رہی یہ مدینے میں بیٹھے ہوئے انہیں کچھ نہیں کہہ رہے لیکن وہ یہ وہاں سے آئے ہیں 2ھ میں وہ ایک لشکرِ جرار لے کر مدینے پہ حملہ کرنے کے لئے آ گئے ان بیچاروں کی کل تعداد تین سو کے قریب تھی اور وہ جسے کہتے ہیں ناپناہ گزیں یا مہاجر کہا کرتے تھے اس حیثیت میں یہاں اس مدینے میں آ کے بیٹھے تھے مدینے کے مسلمان بھی کوئی مملکت نہیں رکھتے تھے کوئی بادشاہت نہیں تھی ان کے پاس انہوں نے تو اپنے آپ کو ہی پیش کیا تھا حفاظت کے لئے اور مدینے کے مسلمان مکے کے مقابلے میں کچھ جری سپاہ بھی نہیں تھی ان کے پاس یہ قریش دو

ہزار کی سپاہ لے کر اس زمانے کے دو ہزار بہت بڑی چیز ہے ہر قسم کے اسلحہ سے لیس مدینے پہ حملہ کرنے کے لئے آ گئے اب دو ہی شکلیں باقی تھیں یا تو خاموشی سے وہاں ان کے سامنے جھکتے سر قلم کرا دئے جاتے یا جو کچھ یہ کہتے وہ مان لیا جاتا؟؟؟ ختم ہو جاتا یا پھر میدانِ جنگ میں انکے مقابلے میں آیا جاتا اور پھر دیکھ کیا جاتا جو صورت بھی ہو ختم ہی اگر ہونا تھا تو انہوں نے کہا کہ اس طرح سے جان دے کے تو ختم ہوں کم از کم اس طرح سے یہ مدینے سے باہر نکل کے ان کے مقابلے کے لئے بدر کے میدان میں آئے اب سوچئے کہ اس سے اسلام شمشیر کے زور پہ پھیلا، یہ الگ بات ہے کہ بدر میں بھی ان کو کامیابی حاصل ہوئی اس کامیابی کے بعد بھی انہوں نے یہ نہیں کیا کہ اب ان قریش کے پیچھے مکے میں آئیں اور وہاں ان کے گھر میں جا کے لڑائی کریں بالکل نہیں وہ چلے گئے یہ واپس آ گئے اس کے بعد دو ہجری سے لے کے اور قریبا سات تک سمجھ لیجئے ہر سال سال میں ایک ایک دو دو تین تین بار پھر یہ جنگ کے لئے آتے تھے پھر لڑائیوں کے لئے آتے تھے کبھی کوئی قبیلہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا کبھی کوئی قبیلہ اب ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ میدانِ جنگ میں نکلیں سودا یہ ہوا کہ یا اسلام کی حفاظت ہو یا سر دے دیں اپنا وہاں یہ ہیں وہ جو جنگیں ہوئی ہیں تو سوال ہی نہیں ہے کہ اسلام شمشیر کے زور پہ پھیلا انہوں نے مدافعت اپنی کی ہے اور مدافعت کا تو حق حاصل ہے ہر ایک کو اور کرنی ضروری ہے تو یہ ساری چیزیں مدافعانہ تھیں یہ ہے وہ جو میدانِ جنگ کا جہاں نقشہ آتا ہے پہلی دفعہ اجازت جب ملی ہے سورۃ الحج میں ہے وہ 22 ویں سورۃ کے اندر اجازت جہاں ملی ہے اندازہ لگایئے 22/39 . اذن لـلـذین یقٰتلون بانھم ظلموا . جن لوگوں کے اوپر جنگ کو یوں ٹھونسا جا رہا ہے کہا کہ اب بالآخر ہم انہیں بھی اجازت دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے بھئی تم بھی میدان میں نکل آؤ .الـذیـن اخرجوا مـن دیـارھم بغیر حق. 22/40 یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ناحق نکال دیا گیا جرم کیا تھا .الا ان یـقـولوا ربـنا اللـہ. (22/40) جرم ان کا یہ تھا کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اس جرم کی پاداش میں ان لوگوں کو گھروں تک سے نکال دیا گیا آپ سوچئے کہ کہاں اجازت دی جا رہی ہے جنگ کرنے کی، جن کو گھروں سے نکال دیا گیا اور پھر اس کے مقابل کرنے کے لئے یہ لوگ چڑھائی کر کے مدینے کے اوپر آ گئے، پوری آیت جو ہے بہر حال وہ تو آپ دیکھ لیں گے میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ اجازت پہلی دفعہ جو مل رہی ہے میدانِ جنگ میں نکلنے کی وہ کس مقام پہ مل رہی ہے کیوں دی جا رہی ہے وہاں؟؟؟؟؟؟ اب وہاں آ کے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب جب مقابلہ ہے تو پھر پوری قوت سے مقابلہ کرنا ہو گا تو وہ ٹھیک ہے، بے دلی سے بددلی سے کمزوری سے تو مقابلہ ہی کچھ نہیں ہوتا اس سے تو بہتر ہے بغیر مقابلہ کے ہی صلح کر لو ان کی شرائط مان لو گ شرائط تو مانی جا نہیں سکتی اسلام چھوڑنا پڑتا تھا تو دین کو چھوڑ کر کسی شرط کے اوپر بھی صلح کرنا یہ تو موت سے بدتر تھا ان کے لئے، کہا کہ وہاں جاؤ اور یہ ہے جی وہ آیت جواب آئی ہے .فـاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب. اب جب ان کے سامنے آپ متحد ہوں ان کے مقابلے میں تو پھر ٹھیک ہے پوری قوت کے ساتھ پھر لڑائی کرو .حتٰـی اذا. یہ ہے وہ اہم مقام جس کے لئے میں نے کہا تھا کہ اس آیت

میں بڑا اہم مقام وہ آتا ہے اور بڑی وضاحت کی ضرورت ہے ۔ حتیٰ اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق۔ پوری قوت سے جنگ کرو جب یہ شکست کھا جائیں تو پھر جنگ کے قیدیوں کو؟؟؟؟ تو وہ جنگ کے قیدی رہ جائیں جو بھاگ گئے وہ تو بھاگ گئے جو جنگ کے قیدی وہاں رہ گئے ان کو باندھ لیجئے اور ہر جنگ میں یہی صورت ہوتی ہے اب یہ جو جنگ کے قیدی ہیں کیا کیا جائے ان سے، اس زمانے میں عربوں کے ہاں ہی نہیں ساری دنیا میں یہ رواج تھا اور عربوں کے ہاں تو خاص طور پہ یہ چیز موجود تھی جنگ کے قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا جاتا تھا ہر جگہ یہ نظام موجود تھا اب یہ جنگ میں یہ قیدی آرہے ہیں پہلی جنگ کے اندر قریش کے تو اس زمانے کے عام دستور کے مطابق بھی یہ قیدی جو تھے ان کو غلام اور لونڈیاں بنایا جا سکتا تھا ان پہ تو خود قریش بھی اعتراض نہیں کر سکتے تھے دنیا کی کوئی طاقت اعتراض نہیں کر سکتی تھی سب کے ہاں یہی ہوتا تھا لیکن یہ تو دین ہے جس نے کہا تھا .و لقد کرمنا بنی اٰدم۔ ہر انسان انسان ہونے کی جہت سے یکساں واجب التکریم ہے جو واجب التکریم ہے اسے غلام کیسے بنا لیں گے آپ، انہیں کیا کیا جائے گا یہ جو قیدی آگئے ہیں یہ ہے عزیزانِ من وہ نکتہ ماسکہ جو میں ابھی عرض کرنے لگا ہوں، یہی ایک source یا سرچشمہ تھا غلام اور لونڈیاں بنانے کا آگے جو ہے نا کہ یہ لونڈیاں فروخت ہوتی تھیں بیچی جاتی تھیں تقسیم کی جاتی تھیں تحائف میں دی جاتی تھیں یعنی ابتدأیوں یہ غلام اور لونڈیاں بنائے جاتے تھے پھر ان کی یہ کیفیت؟؟؟؟؟ ہوتی تھی پھر یہ پوچھو نہیں جیسے آپ؟؟؟؟ گھروں کے اندر بھی ڈالی جاتی تھیں لونڈیاں یہ چیز تھی اور یہ دنیا بھر میں جائز سمجھا جاتا تھا اسے، عزیزانِ من سنئے قرآن نے کیا کہا .فاما مناً بعد و اما فدآء ۔ دو ہی صورتیں ہیں یا تو ان دشمنوں سے کہو کہ کفارہ دے کر؟؟؟ دے کر ان کو لے جائیں ہمارے اگر وہاں کچھ قیدی ہیں تو ان کے بدلے میں ان کو چھڑا لو اور اگلی چیز عزیزانِ من قرآن ہے خدا کا دین ہے اگر ان میں یہ بات نہ ہو اور وہ نہ آئیں تیاری کے لئے تو احسان کر کے انکو چھوڑ دو ۔ اللہ اکبر۔ دیکھتے ہیں اسلام نے آکے کیا کیا رسول اللہؐ نے کیا انقلاب برپا کیا ایک دو لفظوں میں آپ دیکھ رہے ہیں کیا انقلاب برپا کیا ساری دنیا کے اندر معروف ایک طریقہ چلا آرہا تھا اس کے؟؟؟؟؟ دو فقروں نے ساری بات واضح کر دی یا تو کفارہ دے کر جنگ کے بدلے جو قیدی ہیں؟؟؟؟ اور اگلی چیز کہ اگر یہ چیز نہ ہو سکے وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو پھر کیا کرو احساناً ان کو رہا کر دو، غلامی کا خاتمہ قیامت تک کے لئے کر دیا یعنی source جو تھا غلامی کا جو ذریعہ تھا غلام بنانے کا وہ تو یہی تھے جنگ کے قیدی جب ان کے متعلق یہ حکم دے دیا تو ختم ہوگئی بات جناب اب آکے آپ کے ہاں دین کے بعد مذہب آیا جناب، ان خلفاء جو بعد میں آئے آپ کے ملوکیت والے ایک ایک خلیفہ کے محل میں تین تین ہزار لونڈیاں، اندازہ لگایئے پھر، پہلے تو وہ قیدی جو آتے تھے ان کے ہاں غلام بناتے تھے ان کو ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتے تھے پھر پکڑ کے لاتے تھے انسانوں کو اور لونڈیوں کی پریڈ تو پوچھو نہیں یعنی بغداد میں ایک پوری کی پوری مارکیٹ تھی جہاں لونڈیاں شام کے وقت نیلام ہوا کرتی تھیں تحفتاً بھیجی جاتی تھیں؟؟؟؟ میں بانٹی جاتی تھیں خرید و فروخت ہوتی تھی ان کی اور یہ

گھروں میں تھیں اور اس کے بعد آپ کے ہاں کی جو فقہ ہے اس کے اندر لونڈیوں اور غلاموں کے متعلق باب کے باب ہیں کہ یہ بالکل اسلام میں یہ جائز ہے ان کو کس طرح رکھا جائے کیا کیا شرطیں ہوں ساری کی ساری یہ دعویٰ کرنے والے کہ دنیا میں مساواتِ انسانیت سکھائی اسلام نے یعنی دنیا کا وہ جو چارٹر یو این او کا کفار نے مرتب کیا غیر مسلموں نے مرتب کیا اس میں بھی slavery کو انہوں نے abolish کر دیا تھا غلامی کو انہوں نے بالکل ختم کرنے کا چارٹر کے اندر منشور یو این او کے اندر لکھا اس میں بھی یہ بات تھی ہمارے ہاں کی یہ جو حجاز کی سلطنت ہمارے ہاں تھی انہوں نے اس پہ انکار کر دیا تھا دستخط کرنے کو کہ ہمارے ہاں تو یہ شریعت کا تقاضا ہے ہم تو رکھ سکتے ہیں ہم کیسے لونڈیوں کو غلاموں کو منسوخ کریں یہ بعد میں جا کے یہ جو اس سے پہلے یہ جو تھے حجاز کے سلطان ؟؟؟؟؟ انہوں نے آ کے پھر بعد میں یہ اعلان کر کے کیا تھا کہ نہیں صاحب ہم بھی اس کو منسوخ کرتے ہیں غلامی کو اور اب بھی آپ کے ہاں یہ باقی مملکتیں یہ؟؟؟؟؟؟؟؟ لوگ بھی ہیں وہاں موجود ہیں لیکن بہر حال فقہ کی رو سے اب بھی جائز تو وہ ہیں یہ اس سے پہلے جب یہ اسمبلی تھی میرا خیال ہے وہ بھٹو کے زمانے کی اس اسمبلی میں ایک مولوی صاحب نے یہ تحریک پیش کی تھی جہاں یہ تھا کہ یہ عائلی قوانین کی رو سے ایک سے زیادہ بیویاں یوں نہیں کی جا سکتیں اس پہ discussion کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اگر بیوی ایک سے زیادہ نہیں کی جا سکتی تو کم از کم ایک ایک لونڈی رکھنے کی تو اجازت دیدی جائے پارلیمنٹ میں یہ تحریک پیش کی تھی مولوی صاحب نے موجود ہے proceeding اس کی، آج پاکستان جسے کہتے ہیں کہ اسلامی مملکت اس کی پارلیمان میں انہوں نے تجویز اور اس لئے کہ یہ ان کے ہاں جائز ہے دلیل اس کے لئے کہ جی قرآنِ کریم میں .ما ملکت ایمانکم. آیا ہے ان کے معنی غلام اور لونڈیاں ان کے ساتھ یہ کرو انکے ساتھ کرو تو کہا کہ دیکھئے تو قرآن نے ان کے متعلق یہ احکامات دئے ہیں تو وہ ان کے وجود کو تسلیم کرتا ہے نا یہ دلیل ہے، اسلام جس وقت آیا معاشرہ اپنا یہ قائم ہوا تو عربوں کے ہاں بھرا ہوا تھا پورا معاشرہ غلاموں اور لونڈیوں سے پہلے کی آئی ہوئیں خود مدینے کی آبادی میں اگر متعین یا exact figure یہ ہیں تو قریباً 3/4 آبادی غلاموں اور لونڈیوں کی سارا کاروبار یہی کرتے تھے گھروں میں یہ عورتیں ہوتی تھیں اور باہر یہ کاروبار سارا کرتے تھے تو معاشرہ تو بھرا ہوا تھا قرآن میں یہ حکم تو دیا کہ اس کے بعد کسی شخص کو غلام نہیں بنایا جائے گا لونڈی نہیں بنایا جائے گا یہ تو ختم کیا انہوں نے قصہ اب جو وہاں تھے موجود ان کے لئے کیا کیا جائے قرآن میں جتنے احکامات ہیں .ما ملکت ایمانکم. ماضی کا صیغہ ہے past tense ہے وہ کہ جو اس سے پہلے بنائے جا چکے ہیں یہاں اگر overnight ان تمام کو نکال دیتے اپنے ہاں سے سارا معاشرہ upset ہو جاتا کام کاج ان کے سارے رک جاتے آج اگر ایک ملازم گھر میں نہیں ملتا پرائیویٹ گھروں کے اندر کام کرنے والا گھر کے کام کاج رک جاتے ہیں سارا معاشرہ بھرا پڑا ہو جب ان سے باہر غلام کام کرتے تھے سارے گھروں کے اندر یہ ساری لونڈیاں تھیں ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ یہ؟؟؟؟ تو کیا کریں ان کو ان کے متعلق قرآن نے احکام دئے یہ ہوا آزاد کرو وہ ہوا آزاد کرو یعنی

بتدریج آہستہ آہستہ اور قرآن میں یہ ہے کہ اگر کسی غلام میں تم یہ صلاحیت پاؤ کہ وہ خود اپنے ہاں آزادانہ کسبِ معاش کر سکے گا تو اس کو آزاد بھی کرو اور کچھ ساتھ پیسے دو جس سے وہ اپنے آپ کو establish کر سکے، اندازہ لگایئے، لونڈیاں جو تھیں ان کے متعلق جو انہوں نے گھروں کے اندر ڈال رکھی تھیں انہوں نے کہا کہ ان کا درجہ بیویوں جیسا ہوگا ان کی اولاد جو پہلے اپنی اولاد نہیں سمجھی جاتی تھی ان کی اولاد تمہاری اولاد کہلائے گی آزاد کیا جائے جو آزاد ہونے کے قابل ہیں کہیں اگر جا سکتے ہوں ان کو وہاں تک پہنچاؤ جو کچھ کام کاج کر سکتے ہوں ان کی help کرو انکی مدد کرو کہ وہ کام کاج کریں اور آہستہ آہستہ ان کو اس طرح سے یا تو اپنا جزو بنا لیا گیا خاندانوں کا معاشرے کا یا وہ آزاد ہو گئے کہیں اور چلے گئے یا انہوں نے اپنے آپ کو establish کر لیا اس طرح سے آہستہ آہستہ یہ جو تھے یہ جذب کر دئے گئے قرآن میں جتنے احکام **.ما ملکت ایمانکم** کے ہیں ماضی کے صیغے میں ہیں اور ان کے متعلق ہیں جو اس سے پیشتر عربوں کے معاشرے کے اندر غلام بنائے جا چکے تھے لونڈیاں رکھی گئی تھیں آئندہ کے لئے دروازہ بند کر دیا جو موجود تھے ان کے لئے احکام دیدئے دین تو یہ آیا تھا اب جو آگئے دین کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والے انہوں نے یہ پورے کے پورے پھاٹک کھول دئے تھے میں نے عرض کیا ہے نا کہ یہ جن کو آپ خلفاء کہتے ہیں سلاطین کہتے ہیں یہ عباسیوں کے ایک ایک کے گھر میں تین تین ہزار لونڈیاں تھیں اور فقہ کے باب بھرے پڑے ہوئے ہیں ان کے متعلق احکام دینے کے لئے کہ بناؤ ان کو، میں یہ بات یونہی نہیں کہہ رہا ہوں بحث چلی یہ پھر یہیں چل سکتی تھی کہ یہ جو کچھ بھی لونڈیوں کے متعلق احکام ہیں سارے قرآن کے خلاف ہیں بڑی شدت سے مخالفت ہوئی اور مجھے مجبوراً نام لینا پڑتا ہے کہ جب یہ چیزیں مخالفت کی آئیں گی چھپی ہوئی چیز ہے ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی بڑی شدت سے مخالفت کی تھی ان کی یہ میرے پاس یہ کتاب ہے چھوٹا سا پمفلٹ ہے یہ بعد میں یہ جو بحث ہوئی تھی ان کے ساتھ وہ اس کے اندر موجود ہے ان کی پوری عبارتیں اس کے اندر موجود ہیں دو ایک؟؟؟؟؟؟؟ انہوں نے اپنی تفسیر میں لکھا ہوا ہے تفہیم القرآن میں ان کو جنگ کے قیدیوں کو غلام بنانا اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا لکھا ہے اس میں تفہیم القرآن ان کی پہلی جلد ہے میرے سامنے جو ایڈیشن ہے 340 صفحہ ہے اس کے اندر لونڈیوں کے متعلق پوری تفصیل دی ہوئی ہے اور اس میں کہا یہ ہے کہ حکومت کو اختیار ہے کہ چاہے جنگ میں گرفتار شدہ عورتوں کو رہا کر دیں چاہے ان سے فدیہ لیں چاہے ان کا تبادلہ ان مسلمان قیدیوں سے کرے جو دشمن کے ہاتھ میں ہوں اور چاہے تو انہیں سپاہیوں میں تقسیم کر دیں اور سپاہی انہیں اپنے استعمال میں لائیں ۔استعمال میں لائیں۔ کہا یہ ہے اسلام کا حکم، بحث میں ہم نے یہ کہا کہ صاحب قرآن کے تو یہ احکام موجود ہیں واضح آیات ہیں ابھی میں نے یہ عرض کیا تھا نا کہ سب سے بڑی رکاوٹ قرآن کے راستے میں یہ لوگ ہیں سنئے کیا کہتے ہیں کہا کہ قرآن میں تو یہ کچھ لکھا ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جو آپ کہتے ہیں جواب آپ کو پتہ ہے کیا دیا کہا کہ ان کی غلطی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انہوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش فرمائی ہے

جرم ملاحظہ فرما ؤسن رہے ہیں آپ یہ کیا ہو رہا ہے کوئی جواب نہیں بن پڑا دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن نے تو یہ کہا ہے کہا ان کی غلطی یہ ہے سب سے بڑی بنیادی کہ یہ قرآن سے صرف قرآن سے اس کا قانون اخذ کرتے ہیں قرآن سے باہر کیوں نہیں جاتے فقہ سے کیوں نہیں کہتے، میں نے جو شروع میں کہا تھا کہ قرآن کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ جو ہیں یہ ان حضرات کا وجود ہے کسی غیر مسلم کو تو یہ جرآت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ یہ کہتا کہ اگر تمہارے قرآن میں یہ ہے تو نہیں صاحب یہ غلط ہے ہماری بات مانو وہ کہے گا کہ بھئی آپ کے قرآن میں ہے آپ مانئے، یہ لوگ ہیں جرآت سے کہتے ہیں کہتے ہیں سب سے بڑی غلطی ان کی یہ ہے کہ یہ قرآن سے اس کے متعلق احکام نافذ کرنا چاہتے ہیں، عزیزانِ من بہرحال میں بار بار کہا کرتا ہوں کہ میں؟؟؟؟ کرتا ہوں کہ عمر کا آخری حصہ ہے پتہ نہیں دوبارہ بات کرنے کا موقع آئے یا نہ آئے دین اسی صورت میں قائم ہو سکے گا یاد رکھئے جب خدا کی کتاب قرآنِ عظیم ہی کو؟؟؟؟؟ اور آخری سند تسلیم کیا جائے گا اس کے سوا کوئی شکل نہیں ہے جہاں آپ نے اس سے باہر کسی چیز کو بھی اور تسلیم کیا اتھارٹی وہ سب چیزیں قرآن کے خلاف جاتی ہیں ایک مسئلہ آپ کے سامنے ہے یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے یہ غلامی کا سوال بہت اہم سوال ہے دنیا میں ساری دنیا میں اقوامِ عالم میں اب یہ بات نہیں ہے ان کے ہاں یہ چیز نہیں رہی باقی انکے چارٹر میں یہ چیز باقی نہیں رہی آپ کے ہاں کا جب بھی ان کا اسلامی نظام آئے گا انکے قوانین رائج ہونگے تو جب میں نے عرض کیا ہے کہ کل انہوں نے پارلیمنٹ میں کہا تھا آج ان کے ہاں ان کی کتابوں میں یہ موجود ہیں ساری غلامی بالکل جائز ہے لونڈیاں بالکل جائز ہیں ،قرآن وہ کہتا ہے یہ غلطی ہے ان کی ،قرآن سے قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں، یاد رکھئے ایک آیت پانچ چار لفظ ہیں زیادہ سے زیادہ ختم کر کے رکھ دیا قرآن نے غلامی کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا .**فامامناً بعد و اما فدآءً.** اور یہ بڑی بات ہے صاحب .**حتیٰ تضع الحرب اوزارھا.** یہ جو ہم نے کہا ہے کہ پہلے ڈٹ کے مقابلہ کرو ان کا اور اس کے بعد اگر وہ شکست کھا جاتے ہیں تو ان کے قیدیوں کو یا تو اس طرح سے واپس کر دو یا احساناً ان کو چھوڑ دو یہ صورت کہا ایسی اختیار کرو ڈٹ کے مقابلہ کرنے کی اور اس کے بعد یہ حسنِ کردار کی .**حتیٰ تضع الحرب اوزارھا.** دشمن نہیں خود لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے گی آ ہاہاہا جنگ شکست کھا جائے گی تسلیم کرلے گی لڑائی اپنی شکست کو اور ہتھیار ڈال دے گی یہ اختیار کرو طریق، دنیا میں جنگ کے خاتمے کے لئے قرآن نے یہ بات بتائی کہ جو مقابلے میں آتا ہے اور کسی طرح سے باز نہیں آتا اس کا تو ڈٹ کے مقابلہ کرو اور جب وہ شکست کھا جائے تو اس کے بعد پھر یہ معاملہ اس کے ساتھ کرو حسنِ سلوک کا معاملہ انسانیت کی تکریم کا معاملہ اس کے ساتھ کرو کہا جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے گی کیا لفظ ہیں قرآن کے، دشمن نہیں کہ دشمن اپنے ہتھیار رکھ دے گا خود جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے گی .**ذٰلک.** تم کرو یہ جو کہا گیا ہے یہ ہو کر رہے گا یہ جو ہم کہہ رہے ہیں، دنیا میں کمیشن بیٹھتے ہیں سوچنے کے لئے کہ دنیا میں جنگ کا خاتمہ کیسے ہو جائے وہ یہ کہتا ہے اواس طرح سے ہو جائے گا .**ذٰلک.** ہوگا ایسا .**ولو یشآء اللہ لا نتصر منھم و لکن لیبلوا**

بعضکم لبعضٍ والذین قتلوا فی سبیل اللہ فلن یضل اعمالھم. ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ جو اس انداز سے اپنی جان تک دے کے دنیا سے جنگ کو ختم کر دیں گے خدا ان کے اعمال کو ضائع نہیں کر رہا، کس مقصد کے لئے یہ جان دے رہے ہیں کہ دنیا سے جنگ کا خاتمہ ہو جائے تکریمِ انسانیت برقرار رہے اور درمیان میں جو چیز آئی ہے وہ تو بڑی اہم ہے .**و لو یشآء اللہ لا نتصر منھم و لکن لیبلوا بعضکم ببعضٍ.** کہا یہ خیال تمہارے دل میں پیدا ہوگا کہ اتنا بڑا اہم مقصد جو ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے خدا خود ہی کچھ کیوں نہیں کر دیتا اس کو تو ہر قسم کی قدرت حاصل ہے بڑی بات ہے نا جی او اتنا بڑا اہم مقصد کہا یہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ تم خود اپنے آپ کو ٹیسٹ کر کے دیکھ لو کہ تمہارا کردار اور تمہاری سیرت اور تمہاری قوت کتنی بڑی ہے اگر یہ ٹکراؤ نہ ہوگا اگر ہم ہی اس طرح سے ان کو باندھ کے دشمنوں کو تمہارے سامنے رکھ دیں گے کہ جاؤ ان پہ قابو پالو اور گردنیں کاٹ دو تو کیا پتہ چلے گا تمہیں اپنے آپ کا کہ تمہارے اندر کتنی صلاحیتیں ہیں تمہارے اندر کتنے جوہر ہیں تمہاری قوت کتنی ہے تمہارا کردار کس قسم کا ہے یہ تو ٹکراؤ کے وقت پتہ ہوتا ہے تو یہ اس لئے ہم کرتے ہیں، قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پہ یہ کہا ہے کہ جو باتیں تم کہتے ہو نا کہ خدا نے خود کیوں نہ کر لیں وہ ہم انسانوں سے کراتے اسی لئے ہیں کہ انسانوں کو اپنے متعلق کچھ پتہ تو چلے انسانوں کے ہاتھوں سے ہم کراتے ہیں دو ایک آیتیں 9/14 میں نے اپنے مطالب الفرقان میں ایک باب میں یہ بات لکھی ہے کہ خدا اپنی ذمہ داریاں انسانوں کے ہاتھوں سے کس طرح پوری کراتا ہے یہی جنگ کا جو ذکر ہے اس کے اندر یہ ہے .**قاتلوھم** . جنگ کروان کے ساتھ .**یعذبھم اللہ بایدیکم.** خدا ان کو سرنگوں کرنا چاہتا ہے تمہارے ہاتھوں سے تو ان کو جبھی حق حاصل ہوگا نا دنیا کے اندر اعلون ہونے کا کہ جب مقابلے کی جو قوتیں آتیں ہیں ان کا مقابلہ کر کے یہ اپنے آپ کو اس قابل ثابت کر دیں اپنا ٹیسٹ یہ جو کہتے ہیں نا کہ خدا آزمائش کرتا ہے بڑا غلط ترجمہ ہے خدا آزمائش کرتا ہے تم کو آزماتا ہے کہ تم کیسے ہو، خدا وہ تمہارے سینے میں چھپے ہوئے ارادوں تک سے تو واقف ہے تو وہ آزماتا ہے آزمایا تو جاتا ہے اس دوست کو کہ جس کے متعلق پتہ نہ ہو کہ وقت کے اوپر یہ کیسا ہوگا او میں تے تینوں ازماندا ساں پیا، خدا آزماتا نہیں ہے صحیح تصور یہ ہے تا کہ تم خود اپنے آپ کو آزما کے دیکھو تو سہی کہ کس پانی میں کھڑے ہو آہاہاہا، خدا قرآن سارا مقامِ آدم کے تعین کے لئے عزیزانِ من، آدم کا مقام کیا ہے تسخیرِ فطرت، مؤمن کا مقام کیا ہے اقدارِ خداوندی کو قائم کرنا جو اس راستے میں آتا ہے اس کا مقابلہ کرنا مقابلہ کسی انتقام لینے کے لئے نہیں بلکہ اس کاروانِ انسانیت کے راستے میں جو کھڑا ہوتا ہے اس کو راستے سے ہٹا دینا تا کہ انسانیت اقدارِ خداوندی کی منزل تک پہنچ جائے اور اس کے لئے جان بھی دیدینا جو ہے وہ کہتا ہے یہ زندگی ہے اس کی تو یہ کہا کہ یہ اس لئے ہم نے کہا ہے تمہیں کہ جا کے جنگ کرو تا کہ تمہارے ہاتھوں سے یہ بات ہو اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ تم کہاں کھڑے ہو .**یخزھم و ینصر کم علیھم.** ٹھیک ہے اس طرح سے وہ سرنگوں ہونگے اور یہ ہے وہ چیز جس طرح سے خدا تمہیں غلبہ عطا کرے گا عطا وہ کرے گا تمہارے ہاتھوں سے یہ ہوگا سب کچھ وہ بیچ میں کیا کرے گا

دوسرے مقام کے اوپر ہے یہاں ریفرنس میرے پاس موجود نہیں ہے .یثبت اقدامکم . خدا تمہاری مدد کرے گا، کیسے، تمہارے پاؤں کو لغزش نہیں آنے دے گا ثابت قدم رہو گے تم اور یہ ایمان کی رو سے ہوتا ہے جب یہ مدد ہے جو خدا دیتا ہے وہ کہتا ہے ورنہ اگر ہم نے کچھ کرنا ہوتا تو دشمن کا اٹھا ہوا ہاتھ ہم پتھر بنا دیتے سوال ہی نہیں تھا یہاں تو مقابلہ ہوگا انسانوں کا انسانوں سے ٹکراؤ ان کے ساتھ دیکھو تم کہاں کھڑے ہو ہماری مدد یہ ہوگی کہ تمہارے پاؤں میں لغزش نہیں آئے گی اور کہا یہ تمہارے ایمان کی وجہ سے ہوگا یہ ہے نصرتِ خداوندی عزیزانِ من وہ خود نہیں آتا اس کے فرشتے آکے یہ کچھ نہیں کر جاتے وہ تو کہتا ہے تمہارے ہاتھوں سے ہم نے یہ کچھ کرانا ہے صاحب۔عزیزانِ من سورۃ محمد کی آیت چار تک ہم آئے ہیں پانچویں آیت سے ہم آئندہ درس میں لیں گے یہ چیزیں پھر اور بھی زیادہ آگے آئیں گی کہ خدا کیسے نصرت کرتا ہے وہ خود جماعتِ مؤمنین کے ہاتھوں سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے، اگلی بات بڑی عجیب آئے گی ذمہ داری وہ خود لیتا ہے وہاں یہ کہا گیا ہے کہ جی خدا نے کہا ہے ہم رزق پہنچائیں گے اس نے کہا ہوا ہے کہ ہم پہنچائیں گے کے معنی یہ ہیں کہ تم ہمارے احکام کے مطابق رزق کی تقسیم کرو تو ہم ہی پہنچا رہے ہیں نا لیکن پہنچے گا تمہارے ہاتھوں سے، بہرحال یہ بات اگلے درس میں آجائے گی۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم .**

شکریہ

دوسراباب: سورۃ محمد ۔ آیات 5 تا 7 ۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج جنوری 1982ء کی 22 تاریخ ہے درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ محمد کی آیت 5 سے ہورہا ہے 47/5۔ یہ پہلی دو آیتیں جو میں ابھی پیش کرونگا یہ تو سابقہ آیت کے تسلسل میں ہی ہے وہاں کہا گیا تھا کہ جولوگ یہ فی سبیل اللہ کا ایک لفظ آتا ہے قرآنِ کریم میں اللہ کے راستے میں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے تو اس سے تو بات سمجھ میں نہیں آتی اللہ کے راستے میں تو سمجھئے یہ کہ جو مقاصد خدا نے تجویز کئے ہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے تو بات صاف ہوجاتی ہے پھر وہ انگریزی میں cause جس کو کہتے ہیں in the cause of Allah وہ ایک بڑا جامع لفظ ہے تو ہمارے ہاں اس کے لئے یہی کہا جائے گا کہ وہ مقاصد جو متعین کئے ہیں خدا نے ان کے حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا یہ ہے فی سبیل اللہ کوشش ،تو جولوگ اس باب میں کہتے ہیں جدوجہد کرتے ہیں اور وہ انتہا تک پہنچ جاتی ہے بات کہ جان تک دیدیتے ہیں تو یہ لوگ وہ ہیں کہ جن کے اعمال رائیگاں نہیں جاتے یعنی ان کو خدا راہنمائی کر دیتا ہے اس منزل کی طرف جو کاروانِ انسانیت کے لئے متعین کی گئی ہے یہ ہوا ہدایت اور اس کا محسوس نشان یا علامت کیا ہے . **یصلح بالھم .** ان کی حالت سنور جاتی ہے بڑی جامع چیز ہے تو اس سے یہ نظر آ سکتا ہے کہ ہماری جدوجہد اس مقصد کے حصول کے لئے ہے یا نہیں جو خدا نے متعین کیا ہے،ہم اس راستے پہ چل رہے ہیں یا نہیں یہ جو اس منزل کیطرف ہمیں لے جائے گا جو خدا نے متعین کیا ہے ہماری حالت سنوری ہوئی ہے یا نہیں اور یہ تو ایسی چیز ہے کہ جسے ہروقت دیکھا جاسکتا ہے کہ ہماری حالت کس قسم کی ہے اگر ہم دو مسلمان آج کل ملتے ہیں تو ہمیشہ مرثیہ پڑھتے ہیں وہ روتے ہی روتے ہیں ساری دنیا کا مسلمان رورہا ہے یہ . **یصلح بالھم .** کی تو یہ کیفیت ہے؟؟؟؟؟؟اور اس کے بعد . **و یدخلھم الجنۃ عرفھا لھم .** وہ جنت میں بھی داخل کرے گا یہ ایک چیز ہے . **عرفھا لھم .** جس کا تعارف ان سے کرادیا گیا ہے اس کی پہچان کرادی گئی ہے جیسا میں نے عرض کیا ہے کہ قرآنِ کریم اخروی زندگی کی جنت اور جہنم تو برحق ہے اس پر ہمارا ایمان ہے لیکن وہ جنت اور جہنم کو اسی دنیا سے شروع کردیتا ہے وہ معاشرہ جو اس کے قوانین کے مطابق یہاں متشکل ہوتا ہے کارفرما ہوتا ہے اس کی یہاں کی زندگی وہ اس جنت کا ایک عکس ہوتی ہے جس کا اخروی جنت میں ذکر کیا گیا ہے اور جو اس کے خلاف جاتے ہیں وہ ایک جہنم کی زندگی بسر کرتے ہیں جیسا کہ صورت بہیں عالم نہ پرس ،ہماری حالت تو؟؟؟؟ ہے مستقل ایک جہنم کی زندگی ہے تو یہ جو عرفھا ہے اخروی جنت کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ اسے ہم صرف مثالوں کے ذریعے سے سمجھا رہے ہیں کیونکہ اصل حقیقت جو ہے اس جنت کی یا اخروی زندگی کی انسان کے شعور کی موجودہ سطح پر وہ

سمجھی جاسکتی نہیں ہے اس لئے اسے تو مثالوں کے ذریعے ہی واضح کیا جاسکتا ہے تو قرآن نے خود کہا ہے کہ ہم نے جو جنت کے متعلق ذکر کیا ہے اس قرآن میں وہ مثالوں کے ذریعے سے سمجھایا گیا ہے لیکن یہاں کی زندگی جو ہے جنت اور جہنم کی اسے تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اس کا تعارف بھی قرآنِ کریم نے کرایا ہے مؤمن کی زندگی اسلامی نظام کے ماتحت جو نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ وہ محسوس شکل میں ہیں ان کے لئے مثالوں کے ذریعے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو اس زندگی میں عملاً محسوس مرئی طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں اس لئے اسکا تعارف کرایا گیا ہے جنت عرفھا لھم یعنی یہ نہیں کہ تم اپنے ذہن میں جس طرح کی ایک جنت جو ہے اس کا نقشہ قائم کرلو اور سمجھ لو کہ ہم جنت میں رہتے ہیں یہ فریبِ نفس نہیں ہے یہ ایک حقیقت ہے جس کا بیان ہو رہا ہے تا کہ کوئی اپنے آپ کو مغالطے میں نہ رکھے کہ زندگی ہماری واقعی جنت کی زندگی ہے ۔ عرفھا اس کی پہچان کرادی گئی ہے اس زندگی ہے بڑی عجیب چیز ہے اس کے بعد ایک آیت آتی ہے جو احباب نوٹس لیا کرتے ہیں وہ ان سے میں یہ عرض کرونگا کہ یہ بہت اہم موضوع آرہا ہے ہمارے سامنے وہ آیتوں کو ہی نوٹ نہ کریں بلکہ یہ جو پوائنٹس ہیں نکات ہیں اس کے اندر انہیں بھی نوٹ کرلیں جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں ہم اس طرح سے آگے بڑھ رہے ہیں کہ معلوم نہیں کہ اس کے بعد پھر باری آئے گی یا نہیں ان سورتوں کی ان آیات کی اس لئے جو چیز بھی ایک دفعہ آجائے سامنے اسے ؟؟؟؟ میں سے سمجھئے اور کہیں اس کو نوٹ کر لیجئے یہ کام آئیں گی چیزیں آپ کے، بڑی اہم چیزیں ہیں اگلی آیت میں جو آئی ہیں، اگر دولفظوں میں پوچھا جائے کہ قرآنِ کریم کی تعلیم کا مقصد کیا ہے تو میں یہ کہونگا کہ قرآنِ کریم انسان کو اس کے صحیح مقام سے آشنا کراتا ہے پہلی چیز تو یہ ہے، دوسری چیز یہ ہے آپ کو یاد ہوگا اس سے پہلے بھی میں نے یہ عرض کیا تھا کہ وہ ایک مغرب کا فلاسفر ہے غالبا ؟؟؟ کیونکہ اس کا وہ exact اس کے ہاں کی ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ ہے وہ میرے ذہن میں نہیں ہے اس نے کہا یہ ہے کہ اگر آپ مجھے یہ بتادیں کہ فلاں قوم نے اپنے لئے خدا کس قسم کا تجویز کیا تھا تو میں اس قوم کے تمام حالات معاشرتی معاشی اقتصادی ذہنی نفسیاتی میں سب کچھ بتادونگا آپ کو یہ یونہی ہمارے ہاں تو ان چیزوں کی اہمیت ہی کچھ نہیں ہمیں پتہ ہی نہیں ہے کہ خدا پر ایمان کے کیا معنی ہیں خدا پر تصور کیا دیتا ہے وہ لوگ جانتے ہیں اس چیز کو کہ خدا کے تصور سے اس قوم کے پورے کوائف وحالات اور نفسیات وذہنیت کا علم ہو جاتا ہے تو دوسری چیز جو قرآن نے کہی ہے وہ خدا کا تصور بھی ہے اور یہ دونوں چیزیں وہ ہیں جنہیں میں مناظرے کی حیثیت سے نہیں کبھی تو مناظرہ میں ؟؟؟؟ کہا کرتا تھا اور آج علی وجہ البصیرت میں یہ عرض کرونگا میں نے دنیا کے باقی مذاہب کا بھی مطالعہ کیا ہوا ہے اچھی طرح سے مطالعہ کیا ہوا ہے یہ دونوں چیزیں جتنی یہ قرآن نے یہ جو مقصد بتایا ہے انسان کو اس کے مقام سے آشنا کرانا اور خدا کا تصور دینا جو کچھ اس میں کہا ہے اس کے معاملے میں دنیا کے کسی مذہب میں یہ چیز نہیں ہے منفرد ہے اس کی یہ تعلیم قرآن کی اور یہ جو بے مثل و بے مثال کہتا ہے اپنے آپ کو وہ یہی مقامات ہیں جہاں دوسری جگہ اس کی مثال ہی نہیں ملتی تو میں نے عرض کیا تھا نا کہ بڑی اہمیت اسے حاصل ہے نوٹ کر لیجئے پہلی چیز

ہے کہ انسان کو اس کے مقام سے آشنا کراتا ہے قرآنِ کریم خدا کی کتاب ہے ۔ لاریب ۔ لیکن اس کتاب میں ذکر کس کا ہے بیان کس کا ہے کس کے متعلق اس میں یہ سب کچھ آیا ہے؟ انسان کے متعلق 21/10 ۔ لقد انزلنا الیکم کتبًا فیه ذکرکم ۔ ؟؟؟؟ ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کی ہے جس میں خود تمہارا ذکر ہے ۔ افلا تعقلون ۔ لیکن عقل وفکر سے ذرا کام لینا ہوگا اس کے لئے اس میں تمہارا ذکر ہے عزیزانِ من مذاہبِ عالم کی جتنی مبینہ کتابیں ہیں جن کو وہ خود کہتے ہیں آسمانی کسی کتاب میں یہ ٹکڑا نہیں میں نے دیکھا ۔ فیه ذکرکم ۔ اس میں تمہارا ذکر ہے دوسرے مقام پہ ہے میں عرض کردوں کہ عربی زبان میں ذکر کے معنی ایک تو جو ذکر ہم کہتے ہیں کوائف بیان کرنا کسی چیز کا تذکرہ کرنا عربی زبان میں ذکر کے معنی شرف کے بھی ہیں عزت کے بھی ؟؟؟؟ کے بھی ہیں بلندی مقام کے بھی ہیں دوسری جگہ ہے 43/44 نبی اکرمؐ سے کہا گیا ہے ۔ و انه لذکر لک و لقومک ۔ اس میں اے رسول تیرا ذکر ہے اور تیری قوم کا ذکر ہے شرف اور؟؟؟؟ رفعتِ مقام کے متعلق اگر؟؟؟؟ جائے تو دوسرا مقام ہے 23/71 بڑی عجیب چیز ہے ۔ ولوا تبع الحق اهوآءهم لفسدت السمٰوٰت و الارض و من فیهن ۔ اگر حق لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرنے لگ جائے تو سارا سلسلہ کائنات درہم برہم ہوجائے قانون کے صحیح ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ وہ کسی کے جذبات خواہشات اور آرزو اور تمنا سے متاثر نہ ہو اور یہ چیز خدا ہی دے سکتا ہے کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز جو اس کے ذہن سے ابھرے وہ اس کے دل کی رنگینی اپنے ساتھ نہ لے کے آئے انسانی ذہن کی بات اس کے قلب کے راستے سے باہر آتی ہے شعوری طور پہ وہ کتنا ہی کوشش کرے کہ اس میں اس کے اپنے ذاتی خیالات یا آرزوؤں کا کوئی اثر رنگ نہ ہو غیر شعوری طور پر اس میں یہ آجاتا ہے خدا کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں جذبات نہیں ہیں تو صحیح قانون کا دینے والا وہی ہوسکتا ہے اسی لئے کہا کہ جو حق ہم دے رہے ہیں اگر اس میں تمہارے جذبات کی رنگینی کہیں آجائے تو سلسلہ کائنات درہم برہم ہوجائے اور جذبات تو ایک انسان کے دوسرے انسان سے نہیں ملتے ان میں تو کشمکش ہوتی ہے تصادم ہوتا ہے باہمی اور اگر پورے عالمگیر انسانیت اس کے کہیں جذبات یا خواہشات سے متاثر ہو رہا ہو قانون تو پوچھئے نا وہ قانون بنے گا کیا اسی لئے وہ قانون دینے کا مقام وہ ہے جہاں جذبات کا دخل نہیں ہے یہ تو یہ بات رہی اب یہ ہے کہ جو ہم نے دیا ہے تمہیں یہ قانون اس کا مقصد کیا ہے ۔ بل اتینٰهم بذکرهم ۔ ہم نے اس میں خود ان کے اپنے شرف اور عزت اور عزتِ مقام کا ذکر کیا گیا ہے یعنی قانون اس قسم کا ہے کہ اگر اس میں تمہارے اپنی خواہشات کا ذرا بھی رنگ آجائے تو کائنات کا سلسلہ درہم برہم ہوجائے اور اس قانون کا مقصد کیا ہے وہ مقصد یہ ہے کہ خود تمہارا ہی شرف ونجد اس کے اندر پنہاں ہے اور اگلی چیز بڑی عجیب ہے انسان کی ۔ فهم عن ذکرهم معرضون ۔ کہا دیکھئے ان کی حماقت ملاحظہ فرماؤ ستم ظریفی ہم ان کی عزت اور شرف کی بات کرتے ہیں اور یہ اپنے شرف سے اعراض برت کے دوسری طرف جا رہے ہیں سوچو تو سہی ہم اس کی عزت کرنا چاہتے ہیں یہ اپنی عزت نہیں کرانا چاہتا یعنی اپنے اهوا اپنی خواہشات اور جذبات کے تابع چلے گا تو

یہ اس شرف سے محروم رہ جائے گا ہم یہ چاہتے ہیں اس کے لئے اور اس کی کیفیت یہ ہے تو پہلی چیز اس میں یہ آ گئی کہ قرآنِ کریم میں خود تمہارا ذکر ہے قرآنِ کریم انسانوں کے تذکرے کی یہ خود انسانوں کی کیفیات ونفسیات بیان کرتا ہے اور مقصد ان کو شرف اور نجد سے آشنا کرانا ہے اس میں قرآن اس کے لئے اس میں انسانوں کے متعلق کہا گیا ہے جو کچھ کہا گیا ہے بڑی عمدگی سے اقبالؒ کہہ جاتا ہے بات کو شوخی بھی ہے اس میں

محمد بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

کیا بات ہے یہ سب ٹھیک ہے رسول بھی خدا کا کتاب بھی اس کی لانے والا بھی اس کا یہ سب تیرا لیکن بتاؤ یہ کہ یہ کچھ تم نے جو دیا ہے قرآن میں ترجماں تیرا ہے میرا او قرآن خود کہتا ہے وہ تو تمہارا ترجمان ہے عزیزانِ من پہلی چیز تو یہ دیکھئے کہ صرف اتنی سی چیز سے انسان کا مقام کتنا بلند ہو جاتا ہے کہ خدا ایک کتاب دیتا ہے مکمل غیر متبدل قیامت تک کے لئے باقی رہنے والی اور اس میں خود انسانوں کا ذکر اور ان کی کیفیت ان کے شرف ونجد کی باتیں آ جاتی ہیں تو انسان کا مقام تو اسی میں پتہ چلتا ہے کہ کتنا بلند ہو گیا، سارا یہ مقصد خدا کے قوانین کا جبریل کا رسالت کا کتاب کا قرآن کا اس کا نچوڑ اس کا مقصد انسان کا شرف ونجد انسان کو اس کے مقام سے آشنا کرانا، ساری دنیا کے مذاہب کو ہم چیلنج دے سکتے ہیں؟؟؟؟ یہ چیزیں دکھائیں اپنے ہاں اگر ان کے ہاں؟؟؟؟؟؟ اور میں نے عرض کیا ہے کہ علی وجہ البصیرت یہ چیزیں کہتا ہوں میرے سامنے ہیں وہ کتابیں کہیں یہ چیز نہیں ہے، اب اگلی چیز جو ہے وہ ہے خدا کا صحیح تصور اور بڑی اہم چیز ہے جس قسم کا خدا کا تصور کسی قوم میں ہوگا تو پوری قوم کی وہی کیفیت ہوگی تو خدا کا صحیح تصور جو ہے یہ بنیاد ہے انسان کی اور اس قوم کی اپنی حالت کے متعلق تصور وہ جو قرآن نے دیا کیونکہ خدا کے متعلق تو کوئی اور تصور دے ہی نہیں سکتا برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم ہمارا ذہن تو؟؟؟ محدود ہے وہ لامحدود ہے؟؟؟؟،؟؟؟؟ جو ہے؟؟؟ لامحدود کسی محدود کے اندر سما ہی نہیں سکتا اس کا تصور؟؟؟؟؟ لیکن تصور انسان کے ذہن کا خود پیدا کردہ نہیں پھر تو وہ بھی محدود سا ہو گیا اس نے اپنا تصور خود دیا ہے اپنا تعارف خود کرایا ہے اور یہی چیز ہے ہر مذہب کے اندر خدا کے متعلق یہ چیزیں ملیں گی، قرآن کس بات میں منفرد ہے جو کچھ قرآن نے تصور دیا ہے خدا کا جو تعارف کرایا ہے دنیا کے کسی مذہب میں وہ نہیں ملے گا کہا یہ ہے کہ . و کـــان . میں اس آیت کے بعد ؟؟؟ آ ونگا یہ ہے ساتویں آیت سورۃ محمد کی وہ میں ابھی آ ؤنگا جہاں سے یہ بات شروع ہوگی یہ سارا اس کی تمہید کے لئے جو میں عرض کرونگا . و كـان حـقـاً علينا نصر المؤمنين . (3047) مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے اوپر واجب ہے فرض ہے ہمارے اوپر قرآن کہہ رہا ہے اس پر یہ فرض ہے یہ واجب ہے اس کے لئے کہ وہ یہ کرے آپ اندازہ لگائیے کہ خدا اپنے متعلق بھی کتنی بڑی پابندی عائد کر رہا ہے کہ اس پہ واجب ہے یہ فرض ہے اس کے اوپر کہ وہ یہ کرے خدا قادرِ مطلق سوال ہی نہیں کہ وہ کوئی پابندی اس پہ

عائد کی جاسکے لیکن وہ خود اپنے اوپر پابندی عائد کر رہا ہے کہ ہم پہ فرض ہے مؤمنین کی مدد کرنا یہ تو کہیئے اس کا یہ ایک دعویٰ اس کا ایک وعدہ ہے اور یہ کتنا اہم ہے اور کتنا ایسا ہے جس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوسکتا . **لا یخلف اللہ وعدہ .** (30/6) یاد رکھو ہمارے وعدے میں کبھی خلافی نہیں ہوگی ہم جو کہیں گے یا وعدہ کریں گے وہ اسی طرح سے ہوگا کبھی اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا تو دو چیزیں بڑی اہم ہوگئیں تو وعدہ تو یہ کیا کہ ہم پر لازم ہے مؤمنین کی مدد کرنا اور کہا یہ کہ اس کی خلاف ورزی کبھی نہیں ہوگی سوال یہ ہے کہ یہ کچھ مدد جو ہے یہ خود بخود ہی ملتی رہتی ہے یا اس کے لئے کوئی شرط لگائی ہے اور یہ ہے وہ چیز جواب آئی ہمارے سامنے . **یا یھا الذین اٰمنوا ان تنصرو اللہ ینصرکم .** یہ ہے جی وہ چیز اے ایمان والو ۔ میں ابھی وہی لفظی ترجمہ کئے دیتا ہے مفہوم بعد میں عرض کرونگا۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، کیا بات ہوئی وہ جو انگریزی میں کہتے ہیں نا ????? یعنی ابتداء جو ہے وہ انسان کی طرف سے ہوگی اگر تم ہماری مدد کرو گے اگر تم یہ کرو گے تو پھر پھر ہم وہ ضرور کریں گے یعنی ابتداء یہاں آغازِ کار انسان کی طرف سے ہو رہا ہے اور اسی میں سے وہ نکتہ نکلا کہ انسان تو صاحبِ اختیار و ارادہ ہے اس کا جی چاہے اس کی مدد کرے جی چاہے نہ کرے اس پہ تو کوئی جبر نہیں لیکن اسے سمجھئے اچھی طرح جو میں لیکن کے بعد کہنے لگا ہوں انسان نے جب یہ شرط پوری کردی تو پھر یہ خدا کے لئے نہیں ہے کہ وہ کرے یا نہ کرے اتنے اختیاراتِ مطلق کا مالک وہ جو ہے اپنے اوپر پابندی ایسی عائد کرتا ہے کہ اس ؟؟؟؟ مفر ہی نہیں اس کو اس کو کرنا پڑے گا ۔ میرے اللہ ۔ اب وہ انسان کے initiative کا پابند ہوگیا پھر عرض کردوں کہ یہ انسان کے اوپر تو یہ اس کے اختیار میں ہے ارادے میں ہے کہ جی چاہے کرے اور جی چاہے نہ کرے لیکن جب اس نے یہ کر دیا تو پھر یہ بات نہیں ہے کہ خدا اس کے بعد وہ کچھ کرے یا نہ کرے اس کو تو وہ کرنا ہے پھر، یہ صاحبِ اختیار اور معاف رکھئے ان الفاظ میں وہ مجبور، یاد رکھئے مجبور کا لفظ ہے ہمارے لئے جبر اور اصول پرستی میں بڑا فرق ہوتا ہے اگر آپ کسی سے کہتے ہیں کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا اور آپ اس کے اوپر پابند ہیں تو آپ نے اپنے اوپر ایک پابندی عائد کی ہے سچ بولنے کی یہ جبر نہیں ہے یہ اصول پرستی ہے اور اگر آپ کو وہ تھانے والے جو ہیں بکواتے ہیں آپ سے سچ تو وہ جبر ہے دوسروں کے ہاں سے کوئی چیز جو عائد کی جاتی ہے کوئی پابندی عائد کی جاتی ہے اسے جبر کہتے ہیں اپنے اوپر خود کوئی اگر پابندی عائد کرتا ہے تو اسے اصول پرستی کہتے ہیں اور جبر اور اصول پرستی میں تو بڑا فرق ہے یہ خدا نے بھی یہ کہا ہے نا کہ اس کے بعد ہم پھر اس کے بعد ایسا ضرور کریں گے کبھی اختلاف نہیں ہوگا یہ اصول پرستی ہے جبر نہیں ہے لیکن انسان کے نکتہ نگاہ سے تو پھر یہ جبر ہو جاتا ہے کہ خدا کو مفر ہی نہیں ہے کہ یہ یہ کر دے اور وہ یہ نہ کرے نا زبرداری تو اس کی ہو رہی ہے کہ لیجئے سرکار ہم نے یہ کر دیا ہے اب آپ کو یہ کرنا پڑے گا وہ کہیں گے ہاں صاحب ہم نے تو کہا ہوا ہے ہم کریں گے، دیکھ رہے ہیں خدا کا تصور کیا آ رہا ہے دنیا کے کسی مذہب کے اندر پوچھ کے دیکھئے کہ یہ تصور خدا کا کہیں دیا گیا ہے اور یہاں بھی انسان کا مقام کس بلندی پہ جا پہنچتا ہے ابتدائے کار اس کے ہاتھ میں ہے صاحبِ اختیار یہ ہے . **حق علینا**

المؤمنين . اب آئی وہ بات مؤمنین کی مدد کرنا ہم پہ واجب ہو جاتا ہے، کس طرح . ان تنصروا الله . اگر یہ ہماری مدد کریں تو پھر ہم پہ واجب ہو جاتا ہے ان کی مدد کرنا اب اتنی سی بات اگر لیتے چلے جائیں ہم . حق علينا نصر المؤمنين . خدا کے اوپر واجب ہے ہماری مدد کرنا تو پھر تو یہ ہوا نا کہ ہم کچھ کریں نہ کریں ہمارے ہاں جو تصور ہے وہ یہی ہے کہ یہ سب کچھ وہی کرتا ہے ہمارے لئے کچھ کرنے کا نہیں ہے اس نے خود کہا ہے . حق علينا نصر المؤمنين . مؤمین کی مدد کرنا ہم پر واجب ہے تو وہ تو کرے گا اور وہ جو ٹکڑا ہے درمیان کا یہی تو چیز ہے جس سے قرآن سمجھ میں نہیں آتا یا سمجھنا چاہتے نہیں ہیں یہ لوگ، تصریفِ آیات ہے نا ان تنصروا اللہ کا فقرہ ساتھ ملا لیجئے ؟؟؟؟ بات سامنے آجاتی ہے کہ حق علینا نصر المؤمنین کے معنی کیا ہیں اگر تم یہ کرو گے تو ہم ایسا کرنے کے پابند ہو جائیں گے تم ہمیں ایسا کرنے پر پھر میں وہی coated لفظ جسے کہتے ہیں نا کہونگا تم ہم ایسا کرنے پر مجبور کر دو گے ہمارے لئے دوسرا راستہ ہی نہیں ہے ہمیں یہ کرنا پڑے گا اگر تم یہ کر دو گے تو، ضمناً یہیں سے ایک چیز اور آجاتی ہے آپ کو معلوم ہے قرآنِ کریم میں وہ من یشآ ء کا ایک لفظ آیا ہے من یشآ ء اور ہمارے ہاں اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ خدا جس کو چاہے یہ کر دیتا ہے من یشآ ء جسے خدا چاہتا ہے ایسا کر دیتا ہے اور اس ترجمے پہ پھر اس قدر الجھاؤ پیدا ہوتے ہیں کہ بعض مقامات کے اوپر تو کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ؟؟؟؟؟ جو کہا . يهدى من يشآء . کا تو ہوا کہ خدا جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یہ بھی بات ہوگئی کہ جسے وہ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اگر وہ ہدایت نہیں کسی کو ملی تو وہ تو کہے گا نا کہ مجھے اس نے دی نہیں ہدایت میں وہ یہ ذرا وضاحت چاہتا ہوں کہ من یشآ ء کا غلط ترجمہ جو ہمارے ہاں ہو رہا ہے اس نے کیا کچھ کر دیا ہے اور یضل من یشآ ء بھی ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے ۔معاذ اللہ۔ آپ کے ہر ترجمے میں یہ لکھا ہوگا آپ کی ہر تفسیر میں یہ لکھا ہوگا جسے چاہتا ہے وہ کر دیتا ہے ان دو لفظوں کا یہ ترجمہ غلط بنیادی طور پہ وہی جب انہوں نے تقدیر کا مسئلہ گھڑا ہے نا تو عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانا، جب یہ کہا کہ خدا یہ کر دیتا ہے تو بات ختم ہوگئی ہمارے لئے ہم نے تو کچھ کرنا ہی نہیں اور جب وہ یہ کر دیتا ہے تو ہم اس کے خلاف کیا کر سکتے ہیں جب وہ گمراہ کرتا ہے تو ہم ہدایت پہ آ کیسے سکتے ہیں آپ نے دیکھا کہ یہ من یشآ ء اور یہ بار بار آتا ہے جیسا میں نے عرض کیا ہے لیکن اس مقام کے اوپر تو ایسی جگہ یہ آیا ہے جہاں کچھ شبہ ہی نہیں رہتا کہ پھر اس کے معنی کیا ہیں 30/5 معلوم نہیں آپ حضرات کے پاس قرآن کا نسخہ بھی ہے یا نہیں سامنے الفاظ آئیں تو پھر نکھر کے مفہوم واضح ہو جاتا ہے . و يومئذٍ يفرح المؤمنون بنصر الله . جنگ کا ذکر ہے مؤمن خوش ہوتے ہیں خدا کی نصرت سے اور آگے ہے . ينصر من يشآء . وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے ابھی ابھی تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس نے کہا ہے کہ ان تنصر اللہ ینصر کم تم اگر یہ کرو گے خدا کی مدد تو ہم پھر تمہاری مدد کریں گے تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ تم یہ شرط پوری کرو گے تو ہم یہ کریں گے نا تو من یشآ ء کا یہ ترجمہ تو غلط ہوگیا کہ خدا جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے ترجمہ صحیح بات یہ ہوگی کہ خدا کی مدد جو لینا چاہتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی مدد لینے کا طریقہ اس نے بتا دیا تنصر اللہ، یوں

قرآن کوملایا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے اب یہاں من یشآء جو چاہتا ہے ہماری مدد لینا ہم مدد دیتے ہیں اوراس کا طریقہ ہم نے بتادیا تنصراللہ، پہلی چیز تو یہ ہے کہ وہ مدد جو ہے وہ پھر جو ملتی ہے وہ کیا اس میں ہوتا ہے اس مدد کے اندر وہ یہ ہوتا ہے کہ تم بیٹھے رہتے ہو اور ہمارے فرشتے آ کے سارا کچھ کر جاتے ہیں، ہوتا اتنا ہی ہے ینصر کم پھر خدا تمہاری مدد کرتا ہے، ہوتا کیا ہے . **و یثبــــــت اقــدامــکــم .** میدانِ جنگ میں تمہارے پاؤں جما دیتا ہے لغرش نہیں اس میں پیدا ہونے دیتا یہ ہے نصرت خداوندی، کرنا تو تمہی نے ہوتا ہے سب کچھ لیکن یہ بڑی چیز ہے کہ مقابلے میں انسان کے پاؤں میں لغزش نہ آئے اور اسی کے اوپر تو مدار ہوتا ہے فتح اور شکست کا، اب یہ جو چیز ہے کہ تم اگر ہماری مدد کرو گے تو پھر ہم تمہاری مدد کریں گے یہاں سے ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوا کہ خدا اتنے اقتدارِ مطلق کا مالک اور وہ انسانوں سے کہتا ہے کہ تم ہماری مدد کرو گے تو پھر ہم تمہاری مدد کریں گے، خدا مدد کا محتاج ہے بڑی اہم چیز ہے اور یہ اگلا نکتہ یاد رکھئے کہ خدا نے انسانوں کے بارے میں جو ذمہ داریاں اپنے اوپر لے رکھی ہیں وہ ذمہ داریاں انسانوں کے ہاتھوں سے پوری کراتا ہے یہ جو انسان وہ ذمہ داریاں پوری کرتا ہے یعنی یہ جماعتِ مؤمنین کرے گی اسلامی مملکت کرے گی جو ذمہ داریاں اس نے اپنے اوپر لے رکھی ہیں انہیں یہ پورا کرے گی تو یہ ہو جائے گی خدا کی مدد کرنا یعنی اس کا کوئی کام رکا ہوا نہیں ہے تمہارا ہی ایک کام تھا اس نے کہا یہ تھا کہ یہ ہم کریں گے تو کہا اس کے بعد یہ بات نہیں ہے کہ تم چپکے سے بیٹھے رہو گے اور ہم وہ کرتے چلے جائیں گے، وہ کام انسانوں کے ہاتھوں سے ہی ہوگا دو ایک مثالیں لے لیجئے 4/75 جماعتِ مؤمنین ہجرت کر کے مکے سے مدینے میں آ گئی مکے میں بھی مسلمان باقی تھے محصور ہو گئے محبوس ہو گئے دشمنوں کے ہاتھ میں آ گئے ان پہ بڑے مظالم ہوتے تھے وہ اپنے خدا سے فریاد کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں ان ظالموں کے پنجے سے چھڑاؤ خدا سے فریاد کرتے ہیں خدا قادر ہے اس کے اوپر کہ وہیں ان کی مدد کرے اور ان کو وہاں سے نکال کے لے جائے؟؟؟؟؟ پتہ ہے خدا کیا کہتا ہے 4/75 خدا مدینے کے مسلمانوں سے کہتا ہے جن کے پاس یہ توفیق تھی کو کچھ مدد کر سکیں مدینے کے مسلمانوں سے کہتا ہے کہ . **مـالـکـم لا تقاتلون فی سبیل اللہ .** تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اٹھتے نہیں ہو ان کی مدد کے لئے . **و الـمـسـتـضـعـفـیـن مـن الـرجـال و الـنـسآء و الولدان الذین یـقـولون ربنا اخرجنا من هٰذه القریة الظالم اهلها و اجعل لنا من لدنک ولیاً و اجعل لنا من لدنک نصیرًا .**

(4/75) کہا تم سنتے نہیں ہو کہ مکے کے رہنے والے مظلوم کس طرح سے فریاد کر رہے ہیں ہم سے کہ یا اللہ اس ظالم بستی سے ہمیں نکال ہماری مدد کر، ہم سے فریاد کر رہے ہیں وہ کہہ رہا ہے مدینے کے مسلمانوں سے کہ کیا تم سن نہیں رہے کہ وہ ہم سے فریاد کر رہے ہیں اور تم بیٹھے ہوئے ہو آرام ان کی مدد کے لئے اٹھتے کیوں نہیں ہو، کہا یہ تھا . **حـقًـا علینا نصر المؤمنین .** مومنون کی مدد کرنا ہمارے اوپر فرض ہے وہ مظلوم خدا سے فریاد کر رہے ہیں تو خدا پہ فرض ہوئی نا ان کی مؤمنوں کی مدد کرنا تو وہ کیا کہہ رہا ہے وہ جو اس قابل ہے مدد کرنے کے وہ ان سے کہہ رہا ہے کہ تم سنتے نہیں ہو کہ وہ ہم کو کس طرح سے پکار رہے ہیں اٹھ کے مدد کیوں نہیں

کرتے، آپ نے غور فرمایا عزیزانِ من کہ جسے آجکل کی اصطلاح میں یہ عام چرچا اسلامی نظام اور اسلامی اور اسلام کا وہ یہ کچھ ہو رہا ہے اس کا فریضہ کیا ہے اس کا فریضہ یہ ہے کہ جو ذمہ داری خدا نے اپنے اوپر لے رکھی ہے انسانوں کے متعلق وہ یہ اس کا نظام وہ ذمہ داری کو پورا کرتا ہے جہاں سے کسی مظلوم کی آواز آتی ہے مدد کیلئے کہ خدا کو وہ پکارتے ہیں یہ اس خدا کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے اٹھتے ہیں، بدر کے میدان میں میں نے عرض کیا ہے نا پہلا ٹکراؤ وہاں ہوا جن کی خدا نے مدد کرنی تھی ان کے لئے یہ جماعت اٹھی اور قریش سے پہلا ٹکراؤ بدر کے میدان میں ہوا بڑا گھمسان کا معرکہ قریش ایک بڑے جرار لشکر کے ساتھ آئے ہوئے ہیں مکے سے قریباً تین سو میل کے فاصلے پہ مدینہ ہے وہاں سے چل کے آئے تھے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ تعداد میں بھی وہ قریباً ایک ہزار تھے اس زمانے میں تو یہ تعداد بڑی تعداد تھی، مدینے والے سارے لے دے کے تین سو کے قریب مہاجر پناہ گزیں بیچارے اور لڑے وہ ان حالات میں یہ میدانِ جنگ میں گئے اور وہ جو تاریخ میں حضورؐ کی وہ دعا نظر آتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ صحیح ؟؟؟؟؟ ہوئی نظر آ رہی ہے کہ صفیں کھڑی ہو گئی تھیں تو حضورؐ ایک طرف کہتے ہیں جا کے نہایت ؟؟؟؟ و عجز سے خدا کے حضور یہ کہہ رہے تھے اور وہ ؟؟؟ کرنے والے نے کہا ہے کہ حضورؐ کی چادر مبارک جو تھی کندھے سے نیچے ڈھلک رہی تھی اتنی ؟؟؟؟؟ کا عالم تھا اور فقرہ ایک ہی تھا کہ یا اللہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت جو ہے جو تیار کی گئی ہے وہ آج تمہارے اس cause اور مقصد کے حصول کے لئے جو تم نے کہا تھا کہ نصرت کے لئے کیوں نہیں اٹھتے وہ آ گئی ہے میدان کے اندر بہت چھوٹی سی جماعت ہے وہ بہت جرار لشکر ہے مقابلے میں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ آج اگر یہ جماعت یہاں ختم ہو گئی تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا دنیا میں، بڑی صحیح بات تھی ، خاتم النبیینؐ نے ایک جماعت تیار کی ہوئی تھی یہ نہ رہتی، کیا بات ہے حضورؐ کی صاحب؟؟؟ پیغمبرانہ شان اپنے متعلق کچھ نہیں کہا کہ ہمیں کیا ہوگا کہا تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا اس لئے ہمارے لئے نہیں اپنے لئے تو کچھ کرنا؟؟؟؟؟ وہاں یہ اس طرح سے وہ لڑائی ہوئی ہے نظر آ رہا ہے ان کی تلواریں چل رہی ہیں ان کے تیر چل رہے ہیں لیکن پتہ ہے کہ خدا کیا کہہ رہا ہے، اس کا مقصد اس کا cause جو تھا اس کے حصول کے لئے یہ کر رہے تھے نا خدا کہہ رہا ہے . **فلن تقتلوھوا ولکن اللہ قتلھم** . تم نہیں انہیں قتل کر رہے ہیں تھے ہم خود قتل کر رہے تھے کہا ان سے جو ہے کہ جاؤ اٹھو ان کی مدد کرو اور میدانِ جنگ میں آؤ یہ میدانِ جنگ میں کفن بدوش اور شمشیر بکف آ گئے ہیں ان سے لڑائی ہو رہی ہے یہ انہیں قتل کر رہے ہیں ان کی تلواریں چل رہی ہیں خدا اپنی طرف منسوب کر رہا ہے تم نہیں چلا رہے تھے ہم خود چلا رہے تھے . **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ و ما** . (8/17) تم تیر نہیں چلا رہے تھے ہم تیر چلا رہے تھے، کتنا مقام ہے بلند مؤمن کا کہ اس کے ہر ایکشن کو خدا اپنا ایکشن بتا رہا ہے کہ تم نہیں کر رہے تھے ہم کر رہے تھے یہ کچھ، یوں ہو جاتا ہے عزیزانِ من خدا اور بندے کا رفاقت کا تعلق اس کے مقصد کے حصول کے لئے جب یہ کوئی بھی ایک عمل کرتا ہے خدا اسے اپنا عمل قرار دے رہا ہے تم نہیں چلا رہے تھے ہم چلا رہے تھے، تم نہیں چلا رہے تھے ہم چلا رہے تھے مقامِ مؤمن انسان

کا مقام ملاحظہ فرمایئے نصرت کس طرح سے ہو رہی ہے وہ دیکھئے پھر ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے خدا، ہم کر رہے تھے یہ ، کہاں سے کہاں بات آ گئی، تو یہاں تو یہ مقام ہے مؤمن کا اور ادھر کیفیت یہ ہے کہ یہ جو ماریت کہا ہے ۔ مجھ سے پوچھو کچھ پوچھنا ہے بیٹا دو بالاہ ó 8/17 اور ہم کس مقام کے اوپر آ جاتے ہیں، میں نے کہا کتنا بلند مقام ہے یہ مؤمنین کا نبی اکرمؐ کا لیکن ہم نے کہا اس تفسیر میں یہاں یہ تھا کہ تم تیر نہیں چلا رہے تھے ہم چلا رہے تھے اس کا ہمارے ہاں ترجمہ یہ ہے کہ وہ جب حضورؐ نے ایسا دیکھا کہ گھمسان کا معرکہ ہے اور مشکل ہے ان کو فتح اب کرنا تو آپؐ نے تھوڑی سی ایک مٹی یا کنکریاں لیں ہاتھ میں اور اس طرح سے ماریں اور وہ سارا لشکر اندھا ہو گیا، چل بھئی، پہلے تو یہ کیا اور اس کے بعد یہ آگے بڑھے تو یہیں بھی بس نہیں کی انتہا ہی سہی، خدا یہ کہہ رہا ہے کہ یہ تم نہیں تیر چلا رہے تھے تم قتل نہیں کر رہے تھے ہم قتل کر رہے تھے اور ہمارے مفسر کہہ رہے ہیں کہ یہ ابابیلیں آئی تھیں وہ انہوں نے چونچ میں اپنے کنکر لئے ہوئے تھے اور وہ کنکر مارتی تھیں تو وہ اس سے جناب ان کے سر پہ لگتا تھا اور ہاتھی کے پیٹے سے نکل جاتا تھا کچومر نکل گیا، یعنی خدا کہہ رہا ہے ہم کر رہے تھے یہ کہتے ہیں ابابیلیں کر رہی تھیں، کتنی پستی ہے اس قوم کے ذہن کی، کرنے والوں کی یہ کیفیت ہے کہ اگر آج یہ جماعت نہ رہی تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا میدانِ جنگ میں نکل آتے ہیں تین سو کے قریب سر بکف اور جو کچھ کر دکھایا انہوں نے دنیا کے مؤرخین سے پوچھو انہوں نے کہا ہے مغرب کے مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ بدر کے میدان کی جنگ نے تاریخ عالم کا نقشہ بدل دیا یہ تھا مقام ان تین سو مجاہدین کا یہ تھا مقام جہاں اللہ نے نصرت کی وہ جن کی تلواروں کو جن کے تیروں کو اپنی طرف منسوب کر رہا ہے کہ ہم کر رہے تھے یہ نہ صرف یہ کہ خدا کے متعلق کہتے ہیں وہ کر رہے تھے نہ اس کا کریڈٹ ان بیچاروں کو دے رہے ہیں جو اس طرح سے میدان میں آ گئے تھے، کریڈٹ کس کو دے رہے ہیں، یہ جی ابابیلیں اور چڑیاں آ گئی تھیں انہوں نے کنکر مارے تو پھر یہ مر گئے، واعظ تو خوش ہو جاتا ہے کہ اس نے زیبِ داستاں کے لئے یہ کچھ کر دیا لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس نے کر کیا دیا اس سے، کسی کا کوئی مقام ہی نہ رکھا، دیکھئے دو تین اور مثالیں لیجئے میں نے عرض کیا ہے نا کہ اس کو یاد رکھئے گا کہ خدا جو ذمہ داریاں اپنے اوپر لیتا ہے انہیں ان انسانوں کے ہاتھوں سے پوری کراتا ہے جسے وہ اپنی جماعت کہتا ہے حزب اللہ ہماری پارٹی کیا بات ہے صاحب ہماری پارٹی کہنے کا بھی، دنیا میں یہ چیز زبردست طاقتور مستبد ظالم جابر وہ اٹھتے ہیں اور کمزور نحیف انسانوں کو کچل دیتے ہیں اور سب سے بڑا نشانہ ان کا مذہب بنتا ہے اس دور میں تو چونکہ اب دورِ مہذب آ گیا ہے چارٹر وارٹر آ گئے ہیں حقوق جو ہیں ان کا تحفظ بھی کچھ کرتے ہیں تو یہ مذہبی عبادت گاہیں جو ہیں مندر مسجد گرجا یہودیوں کے سوما وغیرہ عام طور پہ ان کا احترام برتا جاتا ہے اگرچہ اب ہمارے سامنے یہ بھی آ گیا ہے کہ اسرائیل نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی وہ قوم جنہیں آپ ہزار برس سے کہہ رہے ہیں کہ خدا کے غضب میں پھنسی ہوئی وہ قوم ہے مغلوب علیہ قوم بڑے فخر سے آپ یہ کہتے ہیں نوے کروڑ مسلمانوں کے ایک جمِ غفیر کے اندر ایک بحرِ متلاطم کے اندر ایک اتنا سا جزیرہ انہوں نے وہ بھی کسی کی کرم اور فضل کے

اوپراس نے حاصل کیا ہے نوے کروڑ بے بس ہیں ان کے ہاتھوں آج، انہوں نے یہ کیا ہے وہ کہہ رہے ہیں مسجد اقصیٰ کے متعلق بھی یہ کیا ہے اب وہ مقامِ ابراہیمی کے متعلق کچھ کہتے ہیں یہ کرر ہے ہیں لیکن اس وقت بہر حال اس دور کے اندر عام طور پہ مذہبی عبادت گاہیں جو ہیں وہ محفوظ رہتی ہیں اس دور میں یہ چیز نہیں تھی سب سے پہلا حملہ اس پہ ہوتا تھا، قرآن کہتا ہے ۔ **و لو لا دفعه الناس بعضهم ببعضٍ لقدمت سوامع ؟؟؟؟ ؟؟ و مسٰجد ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟** ۔ اگر خدا یہ انتظام نہ کرتا کہ ظالم اور جابر مستبد قوموں اور حاکموں کا مقابلے میں دوسری جماعت کھڑی نہ کر دیتا جو ان کا مقابلہ کرتی تو دنیا میں آپ دیکھتے کسی مذہب کی کوئی عبادت گاہ محفوظ ہی نہ رہتی، یہاں سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان مذاہب کو وہ باطل کہتا ہے لیکن انسانی جذبات کا احترام اتنا ہے کہ باطل پرستوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت جماعتِ مؤمنین کے ہاتھوں کراتا ہے وہ، کہتے ہیں اسلام بزورِ شمشیر پھیلا یہ پھیلا بزورِ شمشیر یا انہوں نے شمشیر سے ان کی حفاظت کی ان مذاہب کی، کہتا ہے اگر خدا یہ نہ کرتا یعنی اب وہ براہِ راست خود نہیں آ رہا وہ کہہ یہ رہا ہے کہ ۔ **دفع الله الناس بعضهم ببعضٍ** ۔ انسانوں کی ایک جماعت کی مدافعت انسانوں کی دوسری جماعت کے ہاتھوں کراتے ہیں اور اس سے یہ عبادت گاہیں مختلف مذاہب کی جو ہیں وہ محفوظ رہتی ہیں، اگر ہم یہ نہ کرتے تو وہ کبھی محفوظ نہ رہتیں اور آگے ہے ۔ **و لینصرنا الله من ینصر کم** ۔ وہی الفاظ آ گئے اور یوں خدا ان کی مدد کرتا ہے جو خدا کی مدد کرتے ہیں، اب یہاں خدا کی مدد کیا ہوئی، ان معبد کو ان پرستش گاہوں کو بچانا اس ظالموں کے ہاتھ سے یہ خدا کی مدد کرنا ہو گیا، انسان کرتے ہیں اور کہتا ہے کہ ہم ان کی مدد کرتے ہیں جو خدا کی مدد کرتے ہیں، وہی الفاظ جو ابھی میرے سامنے آئے تھے ۔ **و لینصر الله من ینصره** ۔ اور اس کے بعد ہے ۔ **ان الله لقوی العزیز** ۔ (22/40) ہم بڑے غلبے کے مالک ہیں ہم بڑی قوتوں کے مالک ہیں، جی بہت اچھا ایسے ہی مالک پھر ۔ معاذ اللہ ۔ پھر خود کیوں نہ آ گئے، وہ اپنی قوت اور غلبے کا مظاہرہ انسانوں کے ہاتھوں سے کراتا ہے جو اس کا مقصد حاصل کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں آ جاتے ہیں ۔ ایک اور یہاں تو مساجد وغیرہ کے معبد وغیرہ کے متعلق ہی ہے نا ایک اور مقام ہے 2/251 ۔ **و لو لا دفع الله الناس بعضهم ببعضٍ لفسدت الارض** ۔ اگر اس قسم کی مدافعانہ بات نہ خدا کراتا بعض انسانوں کے جماعتوں کے ہاتھوں دوسری جماعتوں کا مقابلہ نہ کراتا تو زمین پر فساد ہی فساد برپا ہو جاتا تو اب وہ اس فساد کو مٹانے کے لئے خود نہیں آتا میدانِ جنگ میں یہ جماعت ہے جس کے ہاتھوں یہ کراتا ہے، پھر یہ فسادات کیوں ہوتے ہیں یہ ؟؟؟؟ یہ کچھ کرتا ہے مقابلے میں وہ خدا کی جماعت موجود نہیں ہے وہ مؤمنین کی جماعت جو اس کے cause کی حفاظت کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں آتی ہے یہ اس کے نہ ہونے سے سب کچھ ہو رہا ہے خدا تو وہی ہے اس کی قوتیں بھی وہی ہیں، اب کیوں نہیں یہ ہوتا، وہ جماعت جس کے ہاتھوں سے اس نے یہ کچھ کرانا تھا وہ موجود نہیں ہے اگر وہ موجود ہو تو جیسا یہاں کہا ہے کہ وہ ہماری مدد کے لئے اٹھے تو ہم اس کی مدد کرنے پہ وہی لفظ مجبور ہو جائیں گے آپ اگر چاہتے ہیں کہ خدا آپ کے کسی مقصد کو پورا کرے تو یہ

جو پہلی شرط ہے اس اتنی سی شرط پورا کردیجئے وہ تو مجبور ہو جائے گا پھر اس کے بعد یہ کرنے کے لئے یہ جو پھر میں بار بار لفظ کہتا ہوں نا میں نے وہ اصول پرستی کی بات کہی تھی تقدیر کے معنی ہم نے ایسے لئے ہوئے ہیں کہ جہاں آدمی مجبور ہوتا ہے کہ اس کو وہ وہ کچھ کرنا پڑتا ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے لیکن عام معنی یہی لئے جاتے ہیں یہاں آپ دیکھتے ہیں کہ انسان خدا کی اس مجبوری کا باعث بن رہا ہے اس نے اگر یہ چیز کر دی تو پھر خدا کے لئے دوسرا راستہ نہیں رہتا وہ خدا کی تقدیر ہو جاتی ہے کیا بات ہے اقبالؒ کی کس طرح سے یہ کہتا ہے

تیرے دریا میں طوفان کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

بہت اچھے مسلماں کیوں نہیں ہے

عبس ہے شکوہ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

کیا بات ہے صاحب اس کو بھی کوئی دور آئے گا جو سمجھے گا کہ یہ شخص کیا کہہ گیا ہے یہ تقدیرِ یزداں کیا معنی ہو گئے ایسی بات کہ جس پہ وہ خود مجبور ہو جائے یہ کرنے کے لئے جو تم چاہتے ہو، خدا کے مقدر میں لکھا ہے کہ اگر ہم مدد کریں گے تو وہ ضرور مدد کرے گا یوں آئیں ان الفاظ میں بات کرنی ہو تو، ایسا کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اب یہاں سے ایک اور اگلا نکتہ آ گیا تم اگر یہ کرو گے تو پھر تمہیں یہ ملے گا یہ تم کرو گے کیا بات ہے responsibility ہمارے ہاں آپ دیکھیں گے روز حقوق کا مطالبہ ہوگا ہے rights کا مطالبہ ہوتا ہے یہ ہمارا حق ہے ہم لیں گے روز یہ ہڑتالیں اور یہ قصے اور یہ؟؟؟؟؟؟ اور یہ فساد کا ہے کے لئے ہوتا ہے rights کے لئے responsibilities کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا ذمہ داری کے متعلق نہیں اپنی بات کرتا rights کی بات کرتا ہے، وہ کہتا یہ ہے کہ ہر ذمہ داری سے ایک approve right ہو جاتا ہے تم یہ کرو گے تم یہ کرو گے تو تمہارا حق ہوگا کہ ہم پھر یہ کریں ۔ **حقًا علینا نصر المؤمنین** ۔ اگر تم چاہتے ہو کسی right کو اپنے لئے لینا تو responsibility کو discharge کرو پہلے ذمہ داری کو discharge کرو پھر ایک right تمہارا approve ہو جائے گا اب یہ دیکھئے کہ دنیائے معاملات میں یا سیاست میں یہ دیکھئے کتنا اہم نکتہ آ گیا ہے حق لینا چاہتے ہو تو ذمہ داری پہلے پوری کرو اور اگلی بات پھر یہ آ گئی ۔ **حقاً علینا** ۔ کہ اگر کوئی ذمہ داری پوری کرتی ہے قوم تو پھر صاحبِ اقتدار جو ہے اس کے اوپر فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا حق دے، اگر وہ یہ نہیں کرتا تو منشاء خداوندی کے خلاف ہے اگر یہ ذمہ داری نہیں پوری کرتی تو حق کوئی نہیں ہے ذمہ داری یہ پوری کرتی ہے قوم اور صاحبِ اقتدار اس کو حق نہیں دیتا تو یہ خدا کے قانون کی خلاف ورزی ہے اب یہاں سے اگلی بات آ گئی ہمارے سامنے، حقوق یوں ملتے ہیں اور جیسا خدا

نے کہا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟اس کی خلاف ورزی ہو نہیں سکتی تو اس خدا کے نام پہ جو نظام یا حکومت قائم ہوگی تو اس میں ہوگا یہ کہ جونہی وہ ذمہ داری discharge کی قوم نے اور اس کے بعد یہ مفر نہیں ہے ان کے لئے جو صاحبِ اقتدار ہیں کہ وہ حقوق ان کو نہ دیں جن کے لئے وہ ذمہ داری انہوں نے پوری کی ہے، ہم کیا کرتے ہیں اور اگلا نکتہ یہ اور آ گیا ساری دنیا یہ کرتی ہے یا اللہ ہمیں یہ دیدے خدایا میرا یہ کام کردے خدایا یہ کچھ ہو جائے ہم اپنے خدا کے ساتھ تعلق ہی یہ سمجھتے ہیں اور ساری دنیا یہی تعلق سمجھتی ہے کہ اس سے مانگو اس سے کہو یہ کرو یعنی ایک تو ۔ معاذ اللہ ۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ وہ جیسا ہمارا؟؟؟ نوکر ہے وہ ہمارے ہی کام میں لگا ہوا ہے کہ یا اللہ میرا آ کردے تو میرا آ کردے، اوئے تیرے پیودا نوکر لگا ہویا اے، ہم تعلق ہی یہ سمجھتے ہیں خدا سے مانگو اس سے کہو یہ کردے، اس نے پہلے یہ کہہ دیا کہ یہ بخشش کے طور پر مانگنے سے تو ہم نہیں دیا کرتے، ہمیں تم مجبور کیوں نہیں کرتے کہ ہم وہ دیں تمہیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو ہم نے کہا ہے کہ یہ کرو ہم یہ کریں گے یہ کیوں نہیں کرتے تم، ؟؟؟؟؟ کے تے بخشش وانگوں کیوں منگدے ہو ساڈے کولو، آ ہا ہا ہا مقامِ آدم اور خدا کا تصور دونوں ہی باتیں میں آج کے درس میں کہہ رہا ہوں عزیزانِ من آپ نے غور کیا ہوگا کتنی اہم چیزیں قرآن بیان کر رہا ہے، یوں کیوں مانگ رہے ہو اور اسی لئے ملتا نہیں اس قوم کو یہ اپنے آپ کو ذلیل کرتی ہے، عزیزانِ من بخشش کے طور پر تو خدا کہتا ہے ہم سے بھی مانگو گے تو ذلت ہے تمہاری as of right کیوں نہیں مانگتے بطورِ حق کے کیوں نہیں مانگتے ہم سے، اور وہ کیا کہتا ہے انسان کو 7/176 ہمیں کہتا ہے وہ اور انسانوں کا تو کچھ پتہ نہیں ۔ **و لو شیئنا لرفعنٰہ بھا** ۔ ہم تو چاہتے تھے کہ اس قرآن کی وجہ سے اس کے مدارج کو بلند تر مقام کے اوپر لے جائے رفعتیں اور بلندیاں اس کو عطا ہو جائیں ہم چاہتے یہ تھے بھا کیا بات ہے بھا کی کہ اس قرآن کی رو سے اس کے مقامات اتنے بلند کردیں ۔ **ولکنہ اخلد الی الارض** ۔ لیکن یہ کمبخت زمین کی پستیوں کے ساتھ چمٹ کے رہ گیا ہے ہم اتنی بلندیوں میں لے جانا چاہتے تھے یہ اتنی پستیوں کے اوپر آ گیا ہے، کس طرح آ گیا ہے ۔ **و اتبع ھوٰہ** ۔ یہ اپنے ہی خواہشات کے پیچھے لگ کے آیا ہے ہماری بات نہ مانی انسان کا مقام کہ ہم تو اسے کتنی بلندیوں پر لے جانا چاہتے تھے اور یہ زمین کی پستیوں کے ساتھ چمٹ کے رہ گیا ہے یہ عزیزانِ من بطورِ حق کے کسی چیز کو مانگنے کی بجائے بخشش کے طور پر کسی سے کچھ مانگنا خواہ خدا سے ہی کیوں نہ ہو یہ انسانیت کی ذلت ہے وہ کہتا ہے کہ ہم سے مانگو بطورِ حق کے وہ ذمہ داری پوری کرو اور اس کے بعد سوال ہی نہیں ہے کہ ہم یہ کچھ نہ کریں ۔ **و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا** ۔ تم اس میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے، انسانوں کی دنیا کے اندر یہ ایک دوسری اہم؟؟؟؟ کہ ذمہ داری کو پورا کرے تو بخشش کے طور پر وہ اپنے نظامِ اسلامی سے نہیں کچھ مانگتا، اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اس کو وصول کرے، یہ ہے جو تعلق خدا اور انسان کا بتایا ہے عزیزانِ من اور وہ میں نے پہلے عرض کیا ہے ۔ **ثبت اقدامکم** ۔ نصرت اس کی آتی ہے تمہارے پاؤں میں پھر لغزش باقی نہیں رہتی ۔ ایک آیت کے یہ چار لفظ ہی آج آئے لیکن میں عرض کرونگا جیسا میں نے شروع میں کہا ہے کہ اگر آپ

احباب نے اس کو نوٹ کر لیا ہے اور یہ بات ذہن میں آ گئی ہے تو یہ ایک ایسی اہم چیز ہے جو دنیا میں کسی اور جگہ آپ کو نہیں ملے گی یہ صرف قرآن کے اندر ہے اور یہ ہے منفرد مقام قرآن کا جہاں یہ بے مثل و بے نظیر اس کی تعلیم ہو جاتی ہے، انسان کا مقام متعین کرتا ہے خدا کا تصور یہ صحیح دیتا ہے اور دو ہی چیزیں ہیں اگر یہ مل جائیں تو کسی اور چیز کی ضرورت ہی انسان کو نہیں رہتی۔ سورۃ محمد کی 7 ویں آیت جو ہے وہی ہم نے آج لی۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم .**

تیسراباب: سورة محمد (آیات 8 تا 13)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من!

آج جنوری 1982ء کی 29 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورة محمد کی آیت 8 سے ہو رہا ہے 47/8 ۔درس سے پہلے سابقہ درس میں ایک سہو ہو گیا تھا اس کی تصریح ضروری ہے یعنی 22 جنوری کے درس میں جنگِ بدر کے ضمن میں بات یہ آ گئی تھی کہ ان جانثاروں نے ہتھیلی پہ سر رکھتے ہوئے اس معرکے کو سر کیا لیکن ہمارے ہاں کے عجوبہ پرستوں نے اس کو دوسری طرف منعطف کرادیا کہا کہ نبی اکرمؐ نے مٹھی بھر کر کنکریاں ماری تھیں اور اس سے وہ کفار کا لشکر جو تھا قریش کا وہ سب اندھے ہو گئے تھے اس لئے وہ میدان سے بھاگ گئے تھے تو اسی ضمن میں میں نے کہا کہ یہ تو پھر بھی انہوں نے رسول اللہؐ کا ہی معجزہ بتایا ہے یہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ چڑیاں آتی تھیں اور وہ کنکریاں چونچ میں اور پنجوں میں لئے ہوتی تھیں اور انہوں نے ماریں اور وہ ہاتھیوں کا بھرکس نکال دیا تو خیال آیا کہ اس سے کچھ تاثر ایسا ہوتا ہے گویا یہ بھی جنگِ بدر کا ہی کوئی واقعہ تھا یا حضورؐ کے زمانے کا یہ اصحابِ فیل کا جو واقعہ ہے یہ تو نبی اکرمؐ کے سنِ پیدائش کا ہے جس سال حضورؐ پیدا ہوئے تھے چالیس سال نبوت سے بھی پہلے تو گویا یہ قریش کے ساتھ واقعہ ہوا تھا حضورؐ کی زندگی میں یہ بات بعد میں نہیں آئی تھی تو یہ تصریح ضروری ہے خاص طور پہ اس لئے کہ یہ سب چیزیں ریکارڈ بھی ہو جاتی ہیں اور ریکارڈ میں تو پھر پتہ نہیں کب تک رہیں گی تو میں نے اس کی تصریح ضروری سمجھی بعض اوقات ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ بات واضح نہیں ہوتی سابقہ درس میں بات ایک ہی آیت پہ آئی تھی اور وہ یہ تھی کہ اگر تم ہماری مدد کرو گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے یہ بات بڑی واضح طور پہ سامنے آ گئی تھی اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں اگلی آیت یہ ہے کہ . **والذین کفروا فتعسًا لھم و اضل اعمالھم** . اور اس کے برعکس جو یہ لوگ اس سے انکار کریں گے سرکشی برتیں گے انجامِ کار ان کی تباہی ہوگی شکست ہوگی بربادی ہوگی سرنگوں ہونا کہتے ہیں اس کو اصل میں ان کی کیفیت یہ ہوگی وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور وہ سارا ان کا کرتا دھرتا ضائع جائے گا یعنی جس مقصد کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہے ہیں کہ شکست دیدیں اس نظام کو اس تحریک کو وہ اس میں ناکام رہیں گے اس لئے ان کا سب کرتا دھرتا ضائع چلا جائے گا یہ جو چیز ہے ضائع چلے جانی والی بات بھی اس سے پہلے کے درسوں میں آ گئی ہوئی ہے کہ اعمال کا رائیگاں جانا معنی کیا رکھتا ہے اور وہ کس طرح سے رائیگاں جاتے ہیں ویسے ہی جیسے ہمارے بظاہر اعمال جو ہم کر رہے ہیں رائیگاں چلے جا رہے ہیں یعنی مذہب کے نام پہ جو کچھ کر رہے ہیں آگے بات ہے اور وہ اب جوں جوں درس ہم آگے چلتے جائیں گے آپ دیکھیں گے ایک ایک آیت جو ہے وہ ایسی consentrated آتی ہے ارتکاز اس میں ہوتا ہے ایک

آیت کے اندر معنی کا ایک سمندر بند ہو گیا ہوتا ہے ۔ **ذٰلک** ۔ اب دیکھئے کہا یہ ہے کہ یہ سب رائیگاں جائیں گےان کے اعمال تباہی ہوگی ذلت ہوگی خواری ہوگی بربادی ہوگی ۔ **ذٰلک** ۔ یہ کیوں ہوگا ۔ **بانھم کرھوا ما انزل اللہ** ۔ یہ اس لئے ہوگا کہ وہ خدا کی کتاب یہ کرھوا کا لفظ ہے یہ پنجابی اچ کیندے نیں؟؟؟ کسے گل نوں منا کہ وہ مجبوراً نام تو لیتے رہیں گے اس کا لیکن دل سے وہ اس کو نہیں تسلیم کریں گے نفرت کے بھی معنی آتے ہیں کراہت جسے آپ کہتے ہیں ۔ **ما انزل اللہ** ۔ قرآن سے ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ ماننا تو زبان سے وہ پڑے گا ان کو مجبوراً لیکن دل سے وہ نہیں اس کو مانیں گے پسند نہیں اس کو کریں گے یہ وجہ بتائی ہے ۔ **فاحبط اعمالھم** ۔ اس وجہ سے ان کے وہ کام جن کو وہ سمجھیں گے کہ بڑے نیک کام ہم کر رہے ہیں وہ ضائع چلے جائیں گے ۔ **ذٰلک** ۔ عام طور پہ ہمارے ہاں کہتے ہیں اسبابِ زوال امت میں نے بھی ایک کتاب لکھی ہے اس میں اسباب یعنی بہت سے causes جو ہیں ہمارے ہاں کی تباہی کے زوال کے ان سے بحث کی گئی ہے تو قرآن تو اس کا ایک ہی سبب بتاتا ہے اور باقی اسباب تو اس کے نیچے آ جاتے ہیں قرآن کا جو صحیح مقام ہے وہ نہ دینا مجبوراً اس کو ماننا عمل اس کے خلاف ہونا یہ ہے جو قرآن نے وجہ بتائی ہے اب کرھوا جو ہے یہ تو غیر مسلموں کے لئے تو آ نہیں سکتا کہ وہ تو اسے مانتے ہی نہیں ہیں تو ۔ **ما انزل اللہ** ۔ کے متعلق دل میں یہ چیز پیدا ہونا کہ جو وہ مقصد جو مقام اس کا ہے وہ نہ دیا جائے مجبوراً اس کو مانا تو جائے کافر نہ توانی شد ناچار مسلماں؟؟؟ اتنی جرآت نہیں ہے کہ اعلانیہ یہ کہدے کہ ہم نہیں اس کو مانتے وہ نام اس کا رکھتے چلے جاتے ہیں جیسا ہم خطوں کے اوپر 786 لکھ دیتے ہیں اوپر 786 ہوتا ہے اور نیچے سارے قصے شراب کے اور کباب کے اور جوے کے سب کچھ ہوتا ہے خط میں اوپر 786 لکھا جاتا ہے ۔ **کرھوا** ۔ قرآن کے ساتھ یہ کیفیت ان کی ہوگی یہ وجہ بتائی قرآن نے بنیادی اس قوم کی کہ جو قرآن کے ساتھ نسبت اپنی تو رکھتے ہیں اور لیکن عملاً قرآن کے ساتھ یہ کیفیت ہے ان کی تو یہ تو بہرحال ہم مسلمان ہیں اس میں کہ ہندوؤں کا عیسائیوں کا کفار کا غیر مسلموں کا تو یہ ذکر نہیں ہے وہ تو اس سے انکار ہی کرتے ہیں یہ کیا چیز ہے جو قرآن نے کہدی اور جب اس نے کہا ہے کہ تمہاری ذلت تباہی بربادی زوال کا ایک ہی سبب ہے تو اس ایک سبب کے اوپر تو ہمیں کھڑے ہو کر غور کرنا چاہئے نا کہ یہی تو وہ سبب ہے اور خوامخواہ کے لئے ہم کمیشن بٹھاتے ہیں کمیٹیاں بٹھاتے ہیں تحقیقات کے لئے کہ معلوم کریں کہ صاحب اسباب کیا ہیں ہمارے زوال کے اور ہم کہتے ہیں اسباب نہیں، سبب دریافت کرو اور ہم بتاتے ہیں تمہیں جو سبب ہے وہ یہ ہے ۔ **کرھوا ما انزل اللہ** ۔ بظاہر یہ حیرت ہوگی کہ صاحب مسلمان ہو کر اور ما انزل اللہ سے یہ جسے قرآن نے کراہت کہا ہے کبیدگی دل میں پیدا ہو جانا اس کی طرف سے یہ کیسے ہوتا ہے دو آیتیں آپ اور لیجئے تو پھر آگے میں چلتا ہوں کہ یہ کیسے ہوتا ہے ہو رہا ہے ہماری نگاہ ادھر نہیں اٹھتی 17/46 ۔ **و اذا ذکرت ربک فی القراٰن وحدہ و لوا علیٰ ادبارھم نفورًا** ۔ جب تو قرآن میں صرف خدا کا ذکر کرتا ہے تو ان کے دلوں میں اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ منہ موڑ کے چل دیتے ہیں صرف خدا کی اطاعت صرف قرآن کی

محکومیت بس اور آگے نہیں کچھ، وہ کہتا ہے جب تو قرآن میں صرف خدا کا ذکر کرتا ہے نام لیتا ہے اس کی اطاعت کی بات کرتا ہے تو اس سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ منہ پھیر کے چل دیتے ہیں ذرا آگے چل کے ہم دیکھیں گے کہ ارے دل یہ تو اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے یہ چیز ذہن میں رکھئے جو کہا ہے کہ یہ وہی ہیں نا کہ جب تو ان کے سامنے قرآن کا ذکر کرتا ہے تو قرآن کے ماننے والوں کی بات آرہی ہے تو وہ ان کے دل میں ایک کبیدگی پیدا ہوتی ہے دوسرے مقام پہ ہے 39/47 . و اذا ذکـر اللـه وحـده اشمازت قلوب الذين لا يؤمنون بالاٰخرة . جب تو خدائے واحد کی بات ان کے سامنے کرتا ہے تو جو لوگ اب اس کو جو کہا ہے کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں رکھتے آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے . اشـمـازت قـلـوب الذين لا يؤمنون . ان کے دلوں میں کبیدگی پیدا ہوتی ہے مروڑ اٹھدے نیں جنوں کیندے نے ناں یہ اس کا صحیح ترجمہ ہوتا ہے یہ کیفیت ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے اتنی جرآت نہیں کرتے کہ منہ سے یہ بات کہہ دیں کہ نہیں صاحب ہم اس کو سننے کے لئے تیار نہیں ہیں ہم تو کچھ اور مانتے ہیں دلوں میں ان کے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور . و اذا ذکر الذين من دونه اذا هم يستبشرون . اور جب کوئی خدا کے سوا اوروں کا ذکر کرتا انسانوں کا وہ بڑے خوش ہوتے ہیں دیکھو نا جی بات ہوئی نا جی اب ٹھیک کہا نا آپ نے جو فرمایا ہے کہ وہ فقہ میں یہ آیا ہے اور روایت میں یہ آیا ہے دیکھئے نا یہ ہوا نا دین؟؟؟؟؟ قرآن لے آئے جناب، اتنے میں نظر آتا ہے کہ پتہ نہیں یہ کونسے لوگ تھے جن کی داستانیں ہیں میں نے عرض کیا ہے عزیزِ من یہ تو ہماری داستانیں ہو رہی ہیں، قرآن قرآنِ خالص صرف قرآن، آپ کو یاد ہے پچھلی دفعہ بھی میں نے یہ کہا تھا وہ جب غلام اور لونڈیوں کی بات آئی تھی تو میں نے کہا تھا کہ یہ بات تھی مرحوم مودودی کے ساتھ، قرآن کی رو سے ثابت کیا گیا کہ اسلام میں غلاموں اور لونڈیوں کا کوئی وجود نہیں ہے قرآن نے اس کو قطعاً بند کر دیا ہوا ہے، انہو ں نے روایات اور فقہ وغیرہ سے ثابت کیا کہ نہیں صاحب غلام بھی ہیں اور لونڈیاں بھی ہیں اور ہمارے ہاں تو آپ دیکھتے ہیں ایک ایک سلطان کے گھر میں تین تین ہزار ہوتی تھیں اور یہ لمبا چوڑا، آخر میں ان سے پوچھا گیا کہ اس بات کی وجہ کیا ہے، کیا آپ کو یاد ہے میں نے بتایا تھا پھر دہراتا ہوں کہتا ہے کہ ان کی غلطی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انہوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش کی، جرم ہے یہ اصلی سبب ان کی غلطی کا یہ ہے دیکھتے ہیں قرآن کی آیت کا کس طرح سے ترجمہ ہو رہا ہے یہ کہ جب صرف قرآن کی بات کو یہ کرتا ہے تو ان کے دلوں کے اندر ایک بغض اور عداوت اور کینہ اور نفرت اور کبیدگی پیدا ہوتی ہے صرف قرآن سے یہ کر رہے ہیں، میں بہت پرانی باتیں ہیں ان کے حوالے نہیں دیتا وہ کہا جاتا ہے کہ اس دور کی یہ باتیں میں موجودہ دور کی یہ بات کہہ رہا ہوں یہ ان کی بات ہے کہ جو اس دور میں ایسا مانے جاتے تھے کہ وہ جدید دور کے مفسر اور جدید دور کے عالم اور اتنے بڑے یہ ان کی تحریروں کے اندر یہ چیزیں ہیں زبانی کہی ہوئی باتیں نہیں ہیں مسلک یہ ہے کہ یہ لوگ صرف قرآن سے احکام اخذ کرنا

چاہتے ہیں، یہ دیکھا نا جوقرآن نے کہا تھا کہ صرف جب تو قرآن کی بات کرتا ہےتو ان کے دلوں میں کبیدگی پیدا ہوتی ہے، جی، اور انہی کے ساتھی مولانا امین احسن اصلاحی اس زمانے میں تو یہ ان کے دست بازو تھے بلکہ کبھی کبھی امیر بھی ہوجاتے تھے اب یہاں وہ تفسیر جوانہوں نے لکھی ہےتو اس زمانے میں انہوں نے یہ کہا تھا انہوں نے لکھا تھا کہ جولوگ شریعت کوصرف قرآن کے اندر سمجھتے ہیں وہ کافر ہیں اخبار انکا نکلتا تھا اس زمانے میں؟؟؟؟ استقلال نمبر انہوں نے خاص نکالا تھا یہ اندازہ لگایئے وہ جوقرآن نے کہا تھا کہ صرف قرآن کی بات یا صرف خدائے واحد کی بات تم کرتے ہوتو دل میں ابال اٹھتا ہے ان کے یہ دیکھ رہے ہیں کہاں تک جا رہے ہیں انہوں نے تو اتنا ہی کہا تھا کہ غلطی ان کی یہ ہے کہ یہ قرآن سے صرف لینا چاہتے ہیں، یہ کہہ رہے ہیں کہ جو یہ چیز مانتے ہیں صرف قرآن کو وہ کافر ہیں ،قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ان کے ہاں عقیدہ ہےقرآن کا چیلنج ہے ساری دنیا کو کہ تم اس کی دس آیتوں کی مثل نہیں بنا سکتے ،ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن اور مثلہ معہ اس کی مثل اس کے ساتھ یہ تمام روایات کے جو مجموعے ہیں یہ قرآن کی مثل قرآن کے ساتھ، مقام کیا ہےان کا یہی پھر مودودی مرحوم رسول اللہؐ نے جوکچھ استاد کی حیثیت سے بتایا اور سکھایا ہے وہ بھی اسی طرح خدا کی طرف سے ہےجس طرح قرآن خدا کی طرف سے ہےاس کو غیر از قرآن کہنا صحیح نہیں ہےتو بن گئے نا دو قرآن الگ وہ مثلہ معہ کا عقیدہ، چلئے صاحب برابر برابر ہی تم نے رکھا شکریہ جناب کا متوازی تو چلایا کہنے لگے نہیں صاحب آپ سنئے اس کے بعد یہ ہے کہ قرآن اور حدیث جب برابر آئیں اور دونوں میں تضاد ہوتو حدیث قاضی ہےقرآن پر فیصلہ وہ ہے جو حدیث کے اندر ہےقرآن کا نہیں اور آگے بڑھے تو کہا کہ حدیث قرآن کی آیت کو منسوخ کرسکتی ہے پہلے تو مثلہ معہ ہوا اکیلا قرآن نہیں اکیلے قرآن کوشریعت ماننے والے کافر ہیں دونوں کو اکٹھا لائے مثلہ معہ پہلے یہ چیز کہی وحی کی دوقسمیں بنائیں ایک وحی قرآن کے اندر ایک وحی ان چیزوں کے اندر چلئے دو برابر کی قسمیں نہیں پھر یہ وحی جو ہے جو روایات کے اندر چھ ایرانی جامعین جو تھے حدیثوں کے ان کا اکٹھا کیا ہوا یہ جومواد ہے حدیثوں کی کتابوں میں ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ قرآن پہ قاضی ہیں قرآن کو منسوخ کرسکتے ہیں ایک حدیث یہ چلی آرہی تھی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میرے قول کو قرآن کے سامنے لاؤ اگر وہ اس کے مطابق ہےتو اسے میرا قول سمجھو اگر وہ اس کے مطابق نہیں ہےتو میرا قول نہیں ہوسکتا نظر آتا ہے کہ چمک رہی ہے یہ روایت کہ حضورؐ کی یہ ہوگی وہ بالکل صحیح ہےاس حدیث کو لے کے یہ؟؟؟؟؟؟ اہلحدیث کا یہاں سے نکلتا ہے آرگن انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہو ہی نہیں سکتی رسول اللہؐ اور یہ فرمائیں کہ میرے قول کو قرآن کے سامنے لے آؤ اور اسکے خلاف ہےتو رد کردو انہوں نے کہا لاحول ولا کیا کہہ رہے ہوتم ،اندازہ لگایئے کہاں کھڑے ہیں آپ، پھر میں نے کہا ہے نا کہ آپ اسبابِ زوالِ امت جو ہےاس کی تحقیق کررہے ہیں ،قرآن کہتا ہے کہ . کرھوا ما انزل اللہ . بس ایک سبب ہےاس امت کی تباہی کا، آگے بڑھئے، یہ تو انفرادی کوششیں تھیں ہمارے ہاں آجکل اسلامی قوانین اسلامی نظام اسلامی مملکت بہت چرچا ہورہا ہے اسلامی قوانین بھی نافذ ہوئے ان میں زکوٰۃ کے

متعلق بھی ایک قانون ہے حکومت کیطرف سے وہ قانون آرڈیننس کے ذریعے سے نافذ ہوا کہ اس طرح سے زکوٰۃ کاٹی جائے ایک فرقہ نے شیعہ حضرات نے اس کے خلاف احتجاج کیا کہ ہم نہیں اس کو تسلیم کرتے انہیں؟؟؟؟؟ کرنا پڑا مستثنٰی قرار دیدیا کہ آپ لوگ اپنی فقہ کے مطابق جو عمل ہے آپ کرلیا کریں؟؟؟؟؟ جب انہوں نے یہ بات کہی تو باقی فرقوں نے کہا کہ ہمیں کیوں نہیں رعایت دی جاتی آئین میں تبدیلی کرنی پڑی اور کہنا پڑا کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق چلے، چلئے جی، اب اس میں یہ چیز آئی کہ وہاں جو زکوٰۃ کاٹنے والی مشینری ہیں ادارے ہیں انہیں لکھ کے دیدیجئے کہ میں فلاں فقہ کا پابند ہوں اس لئے مجھے اس آرڈیننس سے مستثنٰی قرار دیا جائے میری زکوٰۃ نہ کاٹی جائے تو یہ لکھ کے دینے سے وہاں سے وہ مستثنٰی قرار دیدیتے تھے accept کر لیتے تھے اس دور میں بھی ایسے لوگ بستے ہیں ابھی معلوم نہیں ان کو ختم کیوں نہیں کیا گیا اس سے پہلے انہوں نے لکھ دیا کہ میں فقہ قرآنی کا قائل ہوں اس کی رو سے مجھ پر یہ آرڈیننس عائد نہیں ہوتا مجھے مستثنٰی قرار دیا جائے جواب دیا گیا کہ کیا کہہ رہے ہو یہ کیا ہوتی ہے فقہ قرآنی فقہ حنفی کہو فقہ شافعی کہو فقہ مالکی کہو فقہ حنبلی کہو فقہ جعفریہ کہو، فقہ قرآنی، ہیں اور مسترد کر دیا کہ یہ تسلیم نہیں کی جاسکتی، سنتے ہیں۔ کرھوا ما انزل الله ۔ میں ان سے خط و کتابت کرر ہا ہوں کہ لکھ کے بھیجئے، جواب نہیں دے رہے، انہوں نے لکھ کے بھیجا تھا فقہ قرآنی انہیں جواب دے دیا ہے کہ یہ نہیں تسلیم کی جاسکتی، دیکھ رہے ہیں قرآن کی آیتیں، جی، پھر سنادوں، وہی جو 39/47 ۔ **اذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یؤمنون بالأخرۃ و اذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشـــرون** ۔ خدا کے سوا؟؟؟ انسانوں کی کروگے نا تو؟؟؟؟؟؟؟؟ بات ہوئی نا ہم مستثنٰی قرار دیتے ہیں خدا کی فقہ تم کیسے لا سکتے ہو، یہ کیسے تسلیم کی جائے، اسلام کے نام پہ مملکت کہہ رہے ہیں قوانین کہا جارہا ہے نظام کہا جارہا ہے عملاً یہ بات یہ نہیں ہے کہ زبانی کلامی لوگوں سے کہا جارہا ہے لکھ کے بھیجا جارہا ہے کہ ان فقہوں میں سے کسی فقہ کو مانو تو پھر تو مستثنٰی قرار ہوگے، انہوں نے لکھ کے بھیجا کہ صاحب یہ تو فرقہ بندی ہے کہا آئین کے اندر بھی تو ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ ہر فرقہ اپنی فقہ کے مطابق یہ کہے، انہوں نے لکھ کے بھیج دیا کہ صاحب فرقہ بندی تو قرآن کی رو سے شرک ہے تو ہمیں مجبور کیا جارہا ہے کہ ہم شرک کے مرتکب ہوں، کہا اس کی رو سے تو آپ کو کسی فرقہ کے ساتھ متمسک ہونا ہی پڑے گا اس دور میں مسلمان ہو کر اور پھر توحید پرست ہونا یہاں تو مسلمان رہ وہ سکتا ہے جو شرک کا مرتکب ہو کسی نہ کسی فرقے کے ساتھ آپ کو متمسک ہونا پڑے گا یہ چیزیں نظری نہیں میں کہہ رہا یہ عملاً ہو رہا ہے جو میں عرض کرر ہا تھا آپ میں وہ احباب بیٹھے ہونگے میرا خیال ہے جنہوں نے یہ لکھ کے بھیجا تھا اور ان کو جواب مل گیا میرے پاس ہیں ان کے جواب قرآنی فقہ نہیں تسلیم کی جاسکتی، سن رہے ہیں آپ وہ ایک ہانگ کانگ سے آیا وہ غیر مسلم ایک صحافی اس نے آ کے رجم کے متعلق؟؟؟؟ لیا ہمارے صدر محترم سے اور انہوں نے رجم کے متعلق یہ سوال کیا کہ اس کو سزا آپ کہہ رہے ہیں انہوں نے کہا کہ ہاں یہ سزا ہے یہ قرآن کے وہ غیر مسلم صحافی اس نے کہا کہ قرآن میں تو یہ نہیں ہے انہوں نے کہا کہ اس کے باوجود یہ شریعت کا

حکم ہے وہی جو میں نے ابھی ابھی عرض کیا تھا نا کہ جو لوگ صرف قرآن سے شریعت کو محفوظ سمجھتے ہیں وہ کافر ہیں کافر ہیں، صرف قرآن کو کافی سمجھتے ہیں تو گویا ایسا ہے جیسا یہ ان لوگوں کے اپنے ذہن کی کوئی افتراء ہے خود تراشیدہ کوئی ان کا عقیدہ ہے ایسا عقیدہ جو بالکل اسلام کے خلاف ہے قرآن کو کافی سمجھتے ہیں یہ لوگ یہی کہا ہے انہوں نے مودودی مرحوم نے یہ کہا کہ یہ صرف قرآن سے قانون اخذ کرنا چاہتے ہیں تو گویا قرآن کو کافی سمجھتے ہیں، انہوں نے کہا جو ایسا سمجھتا ہے وہ مسلمان نہیں وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے . **اولم یکفهم ان انزلنا الیک الکتٰب یتلیٰ علیهم** . کیا یہ لوگ اسے کافی نہیں سمجھتے جو ہم نے نازل کر دیا ہے، کہتا ہے ہم کافی نہیں سمجھتے، بیٹھا ہوا ہے لے کے اپنی کتاب کو، کہتا ہے کیا یہ لوگ اسے کافی نہیں سمجھتے یہ آپ کے ہاں کے؟؟؟؟؟؟؟؟ اور محدث اور مفکر ہیں عزیزانِ من اسلام آپ کو دینے کے لئے آئے ہیں اسلامی قوانین بنتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ کہنے والا کہ قرآن کافی ہے کافر ہے، اللہ تعالیٰ کہتا ہے کیا یہ ان کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے قرآن نازل کر دیا ہے، کہتے ہیں کافی نہیں ہے قرآن کے ساتھ انسانوں کو ملانا پڑے گا اور ملانا اس طرح سے پڑے گا کہ قرآن تو پھر تلاوت کے لئے رہ جائے گا احکام سارے ان کے ہونگے قرآن کے خلاف احکام سارے؟؟؟؟؟؟؟؟ میں نے اور انہوں نے پوچھا وفاقی شریعت کو میں نے لکھا کہ آپ کے ہاں یہ اصول بنایا ہے کہ کتاب اور سنت کے مطابق جو قانون ہوگا وہ اسلامی ہوگا جو اس کے خلاف ہوگا وہ اسلامی نہیں ہوگا میں نے کہا یہ بتائیے کہ اگر ایک قانون قرآن کے خلاف ہو اور سنت کے مطابق ہو اس کو غور کو سنئے جو میں کہہ رہا ہوں شرط یہ ہے کہ قرآن اور سنت دونوں کے مطابق ہو تو اسلامی ہوگا خلاف ہو تو اسلامی نہیں ہوگا میں نے کہا اگر ایک قانون قرآن کے خلاف ہے اور سنت کے مطابق ہے اس کی پوزیشن کیا ہوگی اسلامی ہوگا یا غیر اسلامی کہا مثلاً میں نے کہا مثلاً وصیت کا قانون ہے قرآنِ کریم میں بالتصریح یہ لکھا ہے . **کتب علیکم** اور **حق علی المتقون** . پورے مال کی وصیت کر سکتا ہے جس کے حق میں چاہے کر سکتا ہے قرآن یہ کہہ رہا ہے حتیٰ کہ جب اس نے وراثت کے احکام دئے تقسیم کیا وراثت کی رو سے ہر ترکے کے حکم کے ساتھ کہا . **من بعد الوصیت** . وصیت پوری کرنے کے بعد اگر کچھ بچتا ہے تو اس پہ یہ حکم لاگو ہوگا تین دفعہ وہ حکم آیا ہے تینوں بار قرآن نے اس کو repeat کیا ہے وضاحت ملاحظہ فرماؤ کہیں ایک دفعہ نہیں کہا بیٹے کو اتنا بیٹی کو اتنا بیوی کو اتنا یہ اور اس کے بعد . **من بعد الوصیت** . وصیت کے بعد اتنا وصیت کیسے لکھی جائے گی کیسی لکھائی جائیگی پوری ایک لمبی چوڑی آیت اس کے متعلق اتنا واضح اور اہم حکم، آپ کے ہاں کی فقہ کا مسئلہ جسے وہ کہتے ہیں کہ ایک حدیث پہ مبنی ہے کہ نہیں صاحب وصیت صرف ایک تہائی میں کی جا سکتی ہے اور وہ بھی وارثوں میں سے کسی کے حق میں نہیں کی جا سکتی، میں نے کہا؟؟؟؟ ایسی واضح مثال ہے کہ قرآن کے خلاف اور آپ کہتے ہیں کہ یہ ایک روایت کے مطابق ہے یہ فقہ کا آپ کے ہاں law ہی یہی ہے اس کے مطابق ہے یہ بتائیے کہ یہ قانون جو ہے یہاں رائج یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی وفاقی شرعی عدالت ہی سے میں نے request کی ہے بڑا مشکل سوال ہے، مشکل کس لئے، جرآت کی ضرورت ہے نا

کہا کہ یہ وصیت کا مسئلہ جو ہے وہ پرسنل لا کے تابع آتا ہے اور پرسنل لا جو ہیں وہ وفاقی شرعی عدالت کے حیطہ اقتدار میں نہیں آتے اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے، میں نے کہا جی وصیت کی بات میں نہیں پوچھتا وہ تو میں نے ایک مثال دی تھی آپ کو کہ ایسے احکام ہیں میں یہ اصول پوچھتا ہوں کہ اگر ایک قانون قرآن کے خلاف ہو سنت کے مطابق ہو تو آپ کی عدالت اسے اسلامی تسلیم کرے گی یا غیر اسلامی، اس کا جواب نہیں دیتے کرلو کیا کرتے ہو، عزیزانِ من پھر آپ کمیٹیاں بٹھاتے ہیں اس بات کے لئے کہ ہم ذلیل کیوں ہو رہے ہیں ۔ **ذٰلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ** ۔ ایسے واضح الفاظ میں قرآن نے میں کہہ رہا ہوں جو کہتے ہیں ناقربان ہونے کو جی چاہتا ہے یہ ذٰ لک ایسا اہم ہے اس مقام پہ آیا ہوا او یہ اس لئے ہے ۔ **بانھم کرھوا ما انزل اللہ** ۔ اور جب یہ ہو جائے تو پھر جو کچھ بھی اسلام کے نام پہ تم کہتے ہو ۔ **فاحبط اعمالھم** ۔ وہ سب رائیگاں جاتا ہے خدا کی کتاب کے متعلق ؟؟؟ اور اس کے بعد اپنے اعمال کو اسلامی کہنا ۔ **فاحبط اعمالھم** ۔ حبط اعمال فخر سے ہمارے ہاں ہوتا ہے اس دفعہ پچاس ہزار حج کرنے کے لئے گئے ہیں مسجدوں میں اتنے زیادہ نمازی آ گئے زکوٰۃ ایک عرب روپیہ اکٹھا کیا اس طرح سارا کچھ یہ ؟؟؟؟ چیزیں ہیں نا یہ کیا کہہ رہا ہے قرآن ۔ **کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم** ۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں کہا گیا تھا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کانپ اٹھتا ہے آدمی کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، سنئے یہ آخرت کی کونسی بات قرآن نے کہی ہے جس کے متعلق کہا کہ ایمان نہیں رکھتے، قرآن تو ایک محاکاتی منظر سا پیش کرتا ہے نا کہ میدان ہے عدالت ہے قومیں آ رہی ہیں سامنے گذر رہی ہیں بارگاہِ خداوندی سے وہاں سے نبی اکرم کھڑے ہیں تشریف رکھتے ہیں بتاتے جاتے ہیں یا انبیائے کرامؑ اپنی اپنی امتوں کے متعلق بتاتے چلے جاتے ہیں ہم بھی وہاں سے گذر رہے ہیں امتِ محمدیہ کہلانے والے پھر سوچئے عزیزانِ من کہا تھا جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ذرا ان سے پوچھئے گا جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جو میں کہنے لگا ہوں کہ یہ گذر رہے ہیں حضورؐ تعارف کرا رہے ہیں ہمارا ۔ **و قال الرسول** ۔ رسول پکار اٹھے گا ۔ **یا ربی** ۔ اے میرے پروردگار ۔ **ان قومی اتخذوا ھٰذا القراٰن مھجوراً** ۔ یہ قوم گذر رہی ہے جس نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا، ہمارا تعارف ہو رہا ہے بارگاہِ خداوندی میں قیامت کے دن، آخرت پر ایمان رکھنے والے جو ہیں ان کے سامنے نہیں ہے یہ آیت کہیں نہیں کہا گیا کہ انہوں نے میری حدیثوں کو چھوڑ دیا تھا انہوں نے فقہ کو چھوڑ دیا تھا انہوں نے تفسیر کو چھوڑ دیا تھا کہا یہ وہ قوم قومی نسبت میری طرف کرتی ہے اور کیفیت یہ ہے ۔ **قومی اتخذوا ھٰذا القراٰن مھجورًا** ۔ کسی اور چیز کے متعلق نہیں کہا کہ انہوں نے اس چیز کو چھوڑ دیا تھا، حضورؐ شکایت فرما رہے ہیں بدرگاہ رب العزت اس قوم کا اپنی ۔ **قومی** ۔ اپنی قوم کا امت کا تعارف کراتے ہوئے، عزیزانِ من آخرت پر ایمان رکھنے والے کے سامنے تو یہ بات ہوگی نا کہ وہاں جو چیز شکایت ہماری حضورؐ شکایت فرمائیں گے جن کی طرف ہم نسبت اپنی کرتے ہیں امتِ محمدیہ کہلاتے ہیں قرآن نے خدا نے اسی لئے رسول اللہؐ کی زبان سے قومی کہلایا ہے یہ قوم جو میری طرف

نسبت کرتی ہے اپنا اور کیفیت یہ ہے کہ تیرے قرآن کو انہوں نے چھوڑ دیا تھا یہ قوم ہے جو جا رہی ہے اب ہمارے سامنے، جس کا آخرت پر ایمان ہے عزیزانِ من اس کا تو اس پہ بھی ایمان ہوگا کہ میں کہیں اس گروہ کے اندر نہ شامل ہو جاؤں جس کے متعلق کہا گیا کہ انہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، عملاً قرآن کو چھوڑا عزیزانِ من قرآنِ واحد کو ماننے والوں کو کافر کہا جا رہا ہے اندازہ لگایئے اسلام ہی نہیں کہا جا رہا اس کو تسلیم نہیں کئے جا رہے قرآن کے احکام جن کو فقہ قرآنی کہتے ہیں تسلیم ہی نہیں کیا جا رہا علی الرغم بتایا جا رہا ہے کہ یہ حکم قرآن کے خلاف ہے جو رائج ہے قانون کہا جاتا ہے کہ یہ وفاقی شرعی عدالت ہے ہمارے حیطہ میں نہیں اللہ اکبر . **ذٰلک** . کیوں یہ حالت ہماری ہے

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

آہاہاہا آج ذلیل اس لئے ہے . **ذٰلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم** . کہا کہ یہ حالت اسی قوم کی نہیں ہوتی ہم تو شروع سے ہی بھیجتے رہے ہیں اپنی کتابیں اپنی وحی اپنے قوانین وہ سنت اللہ ہے کہ جس نے بھی قوانینِ خداوندی کو چھوڑا جس قوم نے بھی چھوڑا اس کی یہی حالت ہوگئی . **افلم یسیروا فی الارض** . آ گیا قرآن تاریخ کی طرف شہادت دینے کے لئے آؤ انہی کی بات نہیں ہے چلو ان کھنڈرات کو دیکھو ان کھنڈرات کی اینٹوں پہ جو نقش تمہیں اب بھی نظر آتے ہیں اقوامِ گذشتہ کی تاریخ کی داستانوں کے پڑھو ان کو کیا جرم تھا ان . **کرھوا ما انزل اللہ** . ہمارے لئے تو **ما انزل اللہ القراٰن** ہے ان کے لئے اپنے نبی کی کتاب ما انزل اللہ تھی دنیا کی ہر قوم عزیزانِ من جو مذہب پرست اپنے آپ کو کہلاتی ہے اور ان کے پاس تو ما انزل اللہ ہے نہیں اور چیزوں کو ما انزل اللہ بنایا ہے جب تک وہ اپنے مذہب کی پرستار رہتی ہے ذلیل و خوار قوم رہتی ہے وہ وہ اس مذہب کو چھوڑ کے جب سیکولرازم جسے آپ کہتے ہیں خالص عقلِ بینش کی بنا پہ اپنے معاملات سنوارتی ہے تو پھر بھی آگے بڑھ جاتی ہے تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جس نے بھی خدا کی وحی کو چھوڑا جس قوم نے ذلیل ہوگئی . **فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم** . اسے کہا کہ جاؤ دیکھو تاریخی شواہد کو اپنی آنکھوں سے جا کے دیکھو اب تو زمین کے نیچے سے دبی ہوئی تاریخی دستاویزات برآمد ہو رہی ہیں، کیا جرم تھا ان قوموں کا قوانینِ خداوندی کو چھوڑ دیا تھا انسانوں کے قوانین کو اپنا لیا کیا کی خدا نے . **دمر اللہ علیھم** . روڈ رولر پھیر دیا اس کے اوپر یہ کیفیت ہوگئی ان قوموں کی، تاریخی شواہد کے بعد اگلے دو لفظ سنئے عزیزانِ من . **و للکفرین امثالھا** . یہ انہی کی بات نہیں ہے جو قوم بھی یہ کرے گی یہی کچھ ہوگا اس کے ساتھ . **ذٰلک بان اللہ مو لیالذین اٰمنوا** . یہ اس لئے کہ خدا کی پشت پناہی تو اسی قوم کو حاصل ہو سکتی ہے جو خدا کے قوانین کو تسلیم کرے . **و ان الکفرین لا مولیٰ لھم** . جو اس کو چھوڑ دیتا ہے پھر کوئی ان کا پشت پناہ نہیں رہتا دنیا کے اندر، سوچئے ہے کوئی پشت پناہ ہمارا ہے جس پہ بھروسہ کریں

کریں بھی تو وہ انسانوں کی بات ہو جائے گی نا جی ماانزل کو چھوڑ کے یہ سمجھنا کہ ہمیں خدا کی نصرت حاصل ہو گی خدا کی پشت پناہی ہمیں حاصل ہو گی کس طرح ہو گی حفظ کراؤ جو کتاب بیس لاکھ کے قریب یا پندرہ لاکھ کے قریب دعا جو مانگتے ہیں ۔ **تنصرنا علی القوم الکفرین** ۔ یہ نصرت خداوندی کے لئے دعائیں مانگتے ہیں ۔ **کرھوا ما انزل الله** ۔ اورعزیزان من یہ اپنی ہی بات میں نہیں کہہ رہا دنیا میں کوئی مسلمانوں کی کوئی بھی مملکت ایسی نہیں ہے جہاں قرآن کا قانون نافذ ہو ان کو تو چھوڑ دیجئے کہ جو سیکولر ازم پہ ہی آگئے ہوئے ہیں وہ جو اپنے آپ کو اسلامی مملکتی بھی کہلاتے ہیں اسلامی قوانین کہتے ہیں نافذ ہیں قرآن کا قانون اس وقت دنیا میں کہیں نافذ نہیں ہے انسانوں کے قانون ہی نافذ ہیں اور پھر جب یہ کوئی قوم دیکھے کہ علی الرغم ہمارے قوانین جن کو ہم اسلامی کہہ رہے ہیں قرآن کے خلاف جا رہے ہیں اس سے بھی یہ ٹس سے مس نہ ہوئے کہ جاتے ہیں تو جائے وہی انسانوں کے بنائے ہوئے فقہ وقوانین جو ہیں ان کی خلاف ورزی کرنے سے تو وہ آپ کو سزا ملتی ہے یہ بات کہ یہ خدا کے قانون کے خلاف ہے یہ قانون خود جو بنا ہوا ہے اس کی کوئی سزا نہیں ہمیں ملے گی مل تو رہی ہے عزیزانِ من تیری ہی آنکھوں کے اوپر پٹی بندھی ہوئی ہو تو کیا علاج اس کا، یہ کیفیت ہے ان لوگوں کی کہ ۔ **کرھوا ما انزل الله** ۔ اور اس کے برعکس ۔ **ان الله یدخلوا الذین اٰمنوا و عملوا الصلحت جنتٍ تجری من تحتھا الانھرٰ** ۔ قرآن پر ایمان رکھنے والے ماانزل اللہ پر ایمان رکھنے والوں کی کیفیت یہ ہو گی کہ اس ایمان کے بعد اس کے مطابق جو وہ کام کریں گے اس کا نتیجہ وہ جنت ہو گی جس کے ہم وعدے کرتے چلے آ رہے ہیں اور جس کی شادابیوں میں کبھی فرق نہیں آئے گا اس کے برعکس ۔ **و الذین کفروا** ۔ اب آیئے ایک اور کیٹگری عجیب بات ہے میں نے کہا تھا کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں قرآن کا انداز یہ ہے پہلے پھیلائی ہوئی باتیں کرتا تھا تو آہستہ آہستہ یہ ارتکازاً باتیں کرتا ہے ایسا کہ جب ہم انتیسویں تیسویں پارے میں پہنچتے ہیں تو وہاں تو ایک ایک لفظ کے اندر پوری تفسیر ہوتی ہے عجیب انداز ہے قرآن کا، کہتا چلا آ رہا ہے کفر کیا ہے لیجئے ہمارے ہاں تو یہی ہے نا کہ خدا کا انکار جو ہے وہ کفر ہے قرآن کہتا ہے تمہارا اپنا انکار جو ہے اپنے آپ کا وہ کفر ہے شعر تو ہے فارسی کا بات وہ کہہ گیا ہے

شاخِ نہال صدرا ایں خار وخس چمن نہ شو

وہ تو شجر ؟؟؟؟ کی شاخ ہے مؤمن سے کہتا ہے مسلمان سے کہتا ہے تو باغ کے خار وخس کے ساتھ اپنے آپ کو ملا رہا ہے سن جو میں کہہ رہا ہوں

منکر اوا گر ؟؟؟، خدا کا اگر تو منکر ہو گیا تو ٹھہر جا تھوڑی دیر کیلئے رہو منکر خویش کلمہ خواپنا منکر نہ ہو یہ انکارِ خویش کیا چیز ہے کون ہے جو میں نہیں کہتا اپنے آپ کو اس سے کون منکر ہو سکتا ہے یہ کیا چیز ہے یہ ہے جو قرآن نے بتایا کہنے لگا آؤ تمہیں بتائیں دو زندگیاں ہیں ایک انسان کی طبعی زندگی ہے فزیکل لائف کہا اس حد تک انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں دونوں کی مشینری جسم کی ایک جیسی کچھ

فرق نہیں ہے ان دونوں میں کھانا پینا سانس لینا روشنی زندگی کے لئے جو ضروری چیزیں ہیں حیوانات بھی اسی طرح سے کھاتے پیتے ہیں سوتے ہیں سانس لیتے ہیں روشنی میں گرمی میں انسان بھی اسی طرح سے یہ کچھ کرتے ہیں تو اس حد تک تو حیوانی اور انسانی زندگی یکساں ہے انسانی زندگی کیا ہے اس کے علاوہ انسان میں ایک اور چیز بھی ہے وہ منکر خویشتن جو کہا تھا اس نے اور وہ یہ چیز ہے جسے آپ میں کہتے ہیں یا میری کہتے ہیں آپ جب آپ کہتے ہیں کہ یہ میں نے ہی یہ کہا تھا کیا مراد ہوتی ہے اس کی آپ کی زبان ذمہ دار ہوتی ہے جو کہا تھا آپ نے لفظ تو زبان سے ادا ہوئے تھے یہ کون ہے جو کہتا ہے میں ہی اس کا ذمہ دار تھا میں کیا ہے یہ اور پھر اور میرا اور میری تو ؟؟؟؟ میرا مال میری جان میرا باپ میرے بیٹے میری بیوی میرا گھر میرا مکان میری زمین یہ میں کون ہے جس کا یہ سب کچھ حتیٰ کہ میری جان جان بھی کسی میں کی ہے یہ جان بھی اس لئے کہ جان تو حیوان میں انسان میں دونوں میں یکساں ہوتی ہے اس کی موت بھی اسی مشینری کے رکنے سے ہوتی ہے یہ کس کی ہے جان حیوان یہ بات نہیں کہہ سکتا نہ کہہ سکتا انسان کہتا ہے نا کہ میری جان بھی چلی جائے میں پھر بھی یہ نہیں کرونگا میری جان یعنی جان کچھ اور ہے اور یہ میں اور ہے جس کی یہ ہے بس یہ وہ میں ہے عزیزانِ من جو فرق ہے حیوان میں اور انسان میں اس لئے وہ کہتا ہے کہ سرِ دست اگر تو خدا انکار کر رہا ہے تو خیر لیکن یہ میں کا انکار نہ کرنا، یہ میں سے کیا چیز پیدا ہوتی ہے جو قرآن نے بھی اتنی اہمیت دی ہے ابھی میں آتا ہوں اس آیت پہ، بیل کو بھوک لگتی ہے وہ باہر نکلتا ہے جو کھیت سب سے پہلے سامنے آتا ہے اس میں چرنے لگ جاتا ہے کوئی جرم نہیں جرم اتنا ہی ہے نا کہ وہ کھیت والا آ جائے تو وہ اس کو ڈنڈے مارتا ہے ویسے اگر یہ بات نہ ہو تو کوئی جرم نہیں اس کے ضمیر میں بھی بیل کے کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی تو ضمیر تو ہوتی نہیں ہے بیل کی زندگی کیا ہے جہاں گھاس ملے کھا لیا یہ بات کہ اپنے ہی کھیت سے کھانا چاہئے مجھے دوسرے کے کھیت سے نہیں کھانا چاہئے یہ فرق ہے انسان اور حیوان میں جائز اور ناجائز میں حلال اور حرام میں حیوانات کی سطح پر یہ بات نہیں ہوتی یہ انسانی سطح پہ ہوتی ہے کیوں یہ رزقِ حلال ہی ضروری ہے گھی تو وہی ہے چرا کے کھائیے قیمت سے لے کر کھائیے چرایا ہوا گھی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نہیں صاحب میں تمہیں پہلوان نہیں بنا سکتا تم نے چوری کا گھی کھایا ہوا ہے پانی چرا کے پیجئے اس سے بھی پیاس بجھتی ہے پانی خرید کے پیجئے اس سے بھی پیاس بجھتی ہے جسم کے اوپر جو اثر ہے اس پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ فرق کس چیز پہ پڑتا ہے یہ میں پہ فرق پڑتا ہے یہ میں ہے جسے قرآن نے نفس کہا ہے یہ میں ہے personality کہتے ہیں ذات کہتے ہیں خودی کہتے ہیں self کہتے ہیں میں کہئے نا تو یہ اس کے اوپر فرق پڑتا ہے رزقِ حلال سے یہ شے کہ جس کو آپ نے یہ ذات خودی میں کہا ہے وہ develop ہوتی ہے اس کی نشو و نما ہوتی ہے ارتقائی منزل میں آگے بڑھتی ہے values ان کو کہتے ہیں اقدار ان کو کہتے ہیں values اور اقدار صرف انسانی سطح پہ ہوتی ہے حیوانی سطح پہ نہیں ہوتی اور یہ ساری بات جتنی بھی قرآن وحی انبیائے کرام رسولوں کا سلسلہ سارا قصہ میں سے متعلق ہے ان احکام و قوانینِ خداوندی سے یہ جو میں ہے یہ سنورتی ہے نکھرتی ہے بڑھتی ہے نشو و نما ہوتی ہے، پھر ہوتا کیا ہے پھر

مرنے کے بعد یہ ارتقائی منزل اگلی منزل میں جاتی ہے اسے جنت کہتے ہیں اور جو وہاں یہ نہیں ہوتی وہ جہنم ہوتی ہے جنت اور جہنم اس جسم کی ہے نہیں وہ تو یہیں پہ دبا دیا جاتا ہے یہ میں آگے چلتی ہے یہ ہے اصل شے جو دین یا وحی یا خدا قوانین اور احکام کرتے ہیں وہ جو میں جس نے آگے چلنا ہے یہ اس کو زندہ رکھتی ہے تقویت دیتی ہے نشوونما دیتی ہے جنت میں جانے کے قابل بنا دیتی ہے values حیوانات میں values نہیں ہوتیں بس یہ فرق آ گیا حیوانی زندگی اور انسانی زندگی میں اسی لئے ان کیطرف نہ کوئی نبی آیا نہ وحی آئی نہ کوئی کتاب ہے ان کے پاس values ہی نہیں ہے تو سوال ہی نہیں ہے تو زندگی کھانے پینے کا نام ہے، اب آیئے ادھر قرآن کی طرف کیا کہہ گیا ہے ۔ **والذین کفروا** ۔ کہتا ہے آؤ تم پوچھتے ہو مسلمان کسے کہتے ہیں کافر کون ہوتا ہے کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے کہتا ہے آؤ تمہیں بتائیں کفر کیا ہے کافر وہ ہے ۔ **یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام** ۔ جو زندگی صرف کھانے پینے سونے جاگنے کو سمجھتے ہیں حیوانوں کی طرح ان کو کافر کہتے ہیں، لیجئے جناب، کفر اور اسلامی کی بات کیسے واضح ہو رہی ہے زندگی کا مقصد اگر آپ کا یہ ساری دنیا کی دولت سمیٹنا اتنی نعمتیں اکٹھی کرنا خوشگواریاں یہ بھی بڑی ضروری چیز ہے کیونکہ جسم کا تندرست توانا ن نہایت ضروری ہے اسی سے تو اندر values ہونگیں وہ میں جو اس کی ہوگی نا لیکن اگر مقصود بالذات اتنا ہی ہے اور آپ میں values کا کوئی فرق نہیں ہے حرام اور حلال میں کوئی تمیز نہیں ہے تو یہ حیوان کی سطح کی زندگی ہے انسان کی زندگی نہیں اور اس زندگی کو قرآن کفر کہتا ہے جو مقصودِ حیات اتنا ہی سمجھتے ہیں اور جو اس سطح کے اوپر جا کے اس میں کا بھی خیال رکھتے ہیں values کا خیال رکھتے ہیں جائز اور ناجائز حرام اور حلال کا خیال رکھتے ہیں وہ ہیں جو کفر سے اوپر جا کے اسلام کی زندگی میں داخل ہوتے ہیں تو اب کفر اور اسلام کی زندگی تو اسلام نے کہہ دیا ۔ **والذین کفروا** ۔ اجتماعی زندگی میں اس نے کہا تھا کہ ۔ **من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** ۔ جو بھی خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان کو کافر کہا جاتا ہے یہ تو ہے آپ کے ہاں کی اجتماعی زندگی افراد کی زندگی یہ ہے کہ ۔ **یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام** ۔ زندگی حیوانی سطح کی زندگی جو سمجھتے ہیں تو ان کو کافر کہا جاتا ہے اور جو یہ ہیں انہی کو ۔ **والنار مثویً لھم** ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے صاحب بات ختم ہوگئی تو یہ تو ہر شخص اپنے ہاں طے کر سکتا ہے فیصلہ کر لیتا ہے اپنے آپ کہ میری زندگی کا مقصود اتنا ہی ہے عزیزانِ من سوچئے گا اطمینان سے کہ زندگی کا اتنا ہی مقصد ہے کیوں میاں صاحب آج تک پھر کیا ہو رہا ہے کہنے لگے صاحب اللہ کا شکر ہے پڑھے لکھے ملازم نوکری کی بڑی عزت کی نوکری کی نوکری بڑی عزت کی اس فریب خوردہ شاہیں کو کیا کہا جائے بڑی عزت کی نوکری کی ٹھیک ہے جی ریٹائر ہوئے اکبر کو کہہ گیا کہہ کہیں احوال کیا کارِ نمایاں کر گئے بی اے کیا نوکر ہوئے پنشن ہوئی مر گئے کارِ نمایاں بیل بھی اسی طرح سے مرتا ہے کھاتا ہے پیتا ہے بچے پیدا کرتا ہے سانس لیتا ہے بچے پیدا کرتا ہے طبعی مشینری ختم ہو جاتی ہے مر جاتا ہے وہ بھی مر گئے یہ بھی مر گیا اس کی موت کفر کی موت ہے حیوانی سطح کی زندگی کفر کی زندگی ہے عزیزانِ من جو آج کل فخر یہ بیان ہوتا ہے نا کہ صاحب

اللہ کا شکر ہے کاروبار میں بڑی ترقی ہوئی ہے اولاد بھی اللہ نے دی پڑھایا لکھایا ہے وہ ڈاکٹر ہو گیا ہے وہ امریکہ چلا گیا ہے؟؟؟؟ جی ہاں وہ سمگلنگ کرتا ہے وہ بلیک کرتا ہے یعنی بہت ہے اللہ کا دیا ہوا یعنی یہ شیطان کا دیا ہوا نہیں یہ اللہ کا دیا ہوا وہ حرام کمائی ساری اللہ دیتا ہے بہت ہے جی اللہ کا دیا بڑی اچھی زندگی بسر ہو رہی ہے الحمدللہ صاحب بڑی خوشحالی کی زندگی ہے کیا زندگی ہے یہ وہ اب تو نہیں ہوتے ؟؟؟ گھوڑے ہوتے تھے جن پہ سونے کی کاٹھی ڈالتے تھے ہیروں کا گلے میں ہار ڈال دیتے تھے اور یہ کچھ ہے نا بڑی خوشحالی کی زندگی بڑی اچھی زندگی اللہ کا شکر ہے حیوانی سطح کی زندگی ہے میں کا کوئی خیال ہی نہیں ہے کیسے یہ آیا اس کا خیال ہی نہیں ہے پھر کیسے کی بات آئی تو ؟؟؟؟؟ کہ حضرت عمرؓ سے انہوں نے پوچھا تھا کہ خلافت کسے کہتے ہیں کہنے لگے میں تو زیادہ لمبا چوڑا فلاسفر ہوں نہیں میں تو سمجھتا ہوں میں تو اتنا ہی سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں سے پوچھا یہ جائے گا کہ کہاں سے لیا تھا اور کہاں دیا تھا میں تو اسی کو سمجھتا ہوں خلافت آہاہاہا کیا بات ہے جس کو ہر وقت اس کا دھڑکا ہے کہ کہاں سے لیا تھا اور کہاں دیا ہے یہی تو ہے وہ میں کی زندگی حیوانی سطح کے اوپر یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں نے وہاں سے کھایا تھا وہاں سے نہیں کھایا تھا مجھے تو گھاس چاہئے ۔ **والذین کفروا یتمتعون و یاکلون کما تاکل الانعام** ۔ کفر کی زندگی یہ ہے کھاتے ہیں پیتے ہیں تمتع ہے بلکہ یہ تو طبعی زندگی کے اسباب و وسائل سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن زندگی کی سطح حیوانات کی سطح ہی ہے values اور اقدار کی سطح نہیں ہے اقدارِ خداوندی کا خیال کوئی نہیں ہے یہ ہیں جو جہنم میں کہا یہاں بھی جہنم میں رہتے ہیں آخرت میں بھی جہنم میں رہیں گے یہ کہا اور اس کے بعد پھر وہ تاریخ کی طرف چلا گیا عجیب چیز ہے قرآن کی ایک اصول دیتا ہے شہادت لاتا ہے فوراً ۔ **و کاین من قریۃٍ ھی اشد قوۃً من قریتک التی اخرجتک** ۔ یہ چیز ان کے ذہن میں ہے کہ صاحب ہمارے پاس بڑی قوت ہے دولت ہے مال ہے افراد ہیں اولاد ہے خاندان ہے قبیلہ ہے، کہتا ہے یہی کچھ کہتے ہیں نا ان سے پوچھو کہ یہ جو ہم تمہاری توجہ دلائی ہے ان کھنڈرات کی طرف تاریخ میں تم نے پڑھا ہے نا کہ تم سے کتنے گنا زیادہ ان کے پاس یہ سب کچھ تھا کیوں تباہ ہو گئے ۔ **کرھوا ما انزل اللہ** ۔ ۔ **کفروا یتمتعون یاکلون کما تاکل الانعام** ۔ یہ بات تھی انکے ساتھ یہ ہوا تھا ۔ **اھلکنٰھم** ۔ ہمارے اٹل قانون نے تباہ کر کے رکھ دیا برباد کر کے رکھ دیا ذلیل و خوار ہو گئے سانس لینے کی زندگی کو زندگی سمجھا نہ حمیت رہی نہ غیرت رہی نہ ذلت کا احساس رہا حمیت غیرت ذلت ندامت حیوان میں ہوتی نہیں ہے اس کے سامنے بیل کے ہزار گالیاں اس کو دے لیجئے وہ یوں سر ہلاتا رہتا ہے؟؟؟؟؟ یہ تو انسان کی سطح کی ساری چیزیں ہیں ۔ **اھلکنٰھم فلا ناصر لھم** ۔ پھر دنیا میں کوئی ان کی مدد کے لئے نہ آیا کوئی نہ آیا جس کو وہ چھوڑ دے دنیا میں کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا اس کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے لئے کیا بچائے گا سنکھیا پھانک لیا ہے تو ماں مرتی جائے گی لیکن کر کچھ نہیں سکے گی ۔ **فلا ناصر لھم** ۔ کوئی ان کا مددگار پھر نہیں ہو سکتا عزیزانِ من اس لئے ۔ **ذٰلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ** ۔ اس لئے کہ انہوں نے **ما انزل اللہ** سے کراہت برتی تھی۔

سورۃ محمد کی آیت 13 تک ہم آ گئے عزیزانِ من 14 ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔ . **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم .**

چوتھاباب: سورۃ محمد (آیات 14 تا 15)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرانِ عزیز! آج فروری 1982ء کی پانچ تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ محمد کی آیت 14 سے ہو رہا ہے 47/14۔

یوں تو سارے قرآنِ کریم کا ایک ہی مضموں ہے اور سابقہ آیات میں خاص طور پہ یہ چلا آتا ہے وہ کشمکش جو چلی آ رہی ہے وہ چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی جسے کہا جا رہا ہے حق اور باطل کی کشمکش تو یہ ہے ساری داستان تو وہ دو گروہ بتاتا ہے ایک گروہ وہ کہ جو ان values کے تابع زندگی بسر کرتا ہے جو غیر متبدل ہیں وحی کے ذریعے سے عطا ہوئی ہیں جس میں نوعِ انسانی کی منفعت پیشِ نظر ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ جس کو اپنا ہی مفاد سامنے ہے اس کے values کی کوئی بات نہیں طبعی زندگی منتہٰی ہے اسی کا مفاد ان کے پیشِ نظر ہے تو یہ دو گروہ ہیں جن کا ٹکراؤ شروع سے چلا آ رہا ہے آخری آیت میں بھی یہی چیز تھی ایک کو وہ اصحابِ جنت کہتا ہے دوسرے کو اہلِ سحر کہتا ہے ایک کو مؤمن کہتا ہے دوسرے کو کافر کہتا ہے اور انہی دو کے متعلق کہا ہے اگلی آیت میں کہ . افمن کان علیٰ بینۃٍ من ربہ کمن زین لہ سوء عملہ و اتبعوا اھو آء ھم . کیا بات ہے ایک ایک لفظ قرآنِ کریم کا کتنا جامع چلا آ رہا ہے وقت بھی تھوڑا ہوتا ہے اور پھر زندگی بھی تھوڑی ہوتی ہے ورنہ قرآن کے تو ایک ایک لفظ پہ پتہ نہیں کتنا وقت چاہیے آدمی کو، کہا کہ یہ دو گروہ ہیں ذرا غور کیجئے کہ کیا یہ دو برابر ہو سکتے ہیں اور کیا یہاں کہا ہے ایک وہ ہے کہ جو نہایت واضح شاہراہ کے اوپر چلا جا رہا ہے جو اسے سیدھا منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا کسی قسم کا الجھاؤ نہیں فریب خوردگی نہیں غلط فہمی نہیں فریب دہی نہیں صاف واضح راستہ منزل تک پہنچانے والا دوسرا گروہ ہے کہ جسے اس کے غلط کام صحیح بن کر دکھائی دیتے ہیں برائی بھلائی بن کر دکھائی دیتی ہے یعنی یہ عجیب چیز ہے خود فریبی کی کہ اسے غلط کام اچھے بن کر دکھائی دیتے ہیں بلکہ مزین نظر آتے ہیں خوشنما نظر آتے ہیں، یہ کونسا طبقہ ہے کھلے بندوں جو لوگ خلاف ورزیاں کرتے ہیں ان قوانین کی ان اقدار کی وہ اس خود فریبی میں مبتلا نہیں ہوتے وہ دھڑلے سے یہ سب کچھ کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے ہم نہیں مانتے ہم وہی کچھ کریں گے جو ہمارا دل چاہے گا انہیں سوء عمل ان کا جو ہے بری بات بھلائی بن کے دکھائی نہیں دیتی بھلائی انہیں بن کے دکھائی دیتی ہے کہ جو چیزیں تو غلط ہوتی ہیں لیکن اس خود فریبی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح کام ہے مذہب کا کام ہے اسلام کا کام ہے دین کا کام ہے نیکی کا کام ہے اور وہ اس خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں . زین لہ سوء عملہ . درحقیقت وہ کام تو برائی کا ہوتا ہے لیکن انہیں مزین بن کے دکھائی دیتا ہے کہ بہت اچھا کام ہے یہ صورت کیسے پیدا ہوتی ہے کہا . و اتبعوا اھو آء ھم . جو شخص یہ جسے ہم نے اقدار کہا ہے values کہا ہے وحی کی راہنمائی کہا

ہے وہ خارج سے ملتی ہے باہر سے ملتی ہے اس میں کسی قسم کی خود فریبی نہیں ہوتی چوراہے پہ وہ جو بتی چلتی ہے وہ جو سرخ اور سبز ہوتی ہے وہ خارج میں ہوتی ہے وہ ہر ایک کو پتہ ہے وہ سرخ بتی ہے اس پہ رکنا ہے کب اس سے آگے بڑھنا ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو خارج سے روشنی نہ ملے indication نہ ملے راہنمائی نہ ملے خود ہی فیصلہ کرنا ہو تو پھر اپنی اپنی خواہشات اپنے اپنے مفاد کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں کہتا ہے جب کیفیت یہ ہو جائے انسانوں کی کہ ہر شخص اپنے مفاد کے مطابق قدم اٹھائے تو ظاہر ہے وہ اپنے نقصان کے لئے تو کبھی نہیں قدم اٹھائے گا بزعم خویش وہ یہی سمجھے گا کہ یہ فائدے کی چیز ہے خود جو فیصلہ کیا ہے لیکن اس نے کہا ہے کہ یہ بات ہر انسان کے اپنے فیصلہ کرنے کی نہیں ہے انسان کے فیصلوں پہ اس کے جذبات جو ہیں وہ محیط ہوتے ہیں حاوی ہوتے ہیں یا کم از کم انہیں متاثر کر دیتے ہیں اور یہ چیز اس طرح سے unconcious mind جسے آپ کہتے ہیں غیر شعوری طور پر انسان کے اندر سے یہ چیز ایسے ہوتی ہے کہ شعوری طور پہ اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ میں یہ غلط کام کر رہا ہوں یہ مذہب کے نام کے اوپر دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ہوتا چلا آ رہا ہے حیرت ہے کہ جو لوگ تو مانتے ہی نہیں ہیں ان کو باہر کھڑے ہوئے objectively دیکھتے ہیں وہ تو یہ سمجھ جاتے ہیں کہ صاحب کس قدر یہ خراب کام ہے جو کیا جا رہا ہے لیکن یہ جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں مذہب کے نام کے اوپر انہیں یہ چیز نظر ہی نہیں آتی وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں مزین بن کے وہ چیز دکھائی دیتی ہے . و اتبعوا اھوآء ھم . جو کچھ ہے فی الحقیقت ویسا نظر آ جانا اس کا یہ بڑی چیز ہے کہ خود فریبی میں مبتلا نہ رہے ایک روایت ہے جسے منسوب کیا جاتا ہے نبی اکرمؐ کی طرف اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ صحیح ہو سکتی ہے بڑی اہم چیز ہے وہ فرمایا ہے کہ دعا ہے یہ کہ . الھم ارء نا حقائق الاشیاء کـمـا حی . یا اللہ مجھے ہر شے کی حقیقت کو جیسی وہ فی الحقیقت ہے صلاحیت دے کہ میں وہ دیکھ سکوں کہ وہ فی الحقیقت کیسے ہے بڑی چیز ہے یہ فریبِ نگاہ نہ ہو اس کے اندر رنگین چشموں سے نہ دیکھا جائے جیسے وہ ہے ویسی نظر آئے مجھے تو ویسی تو نظر آئے گی اگر objectively کوئی چیز روشنی ہو گی اس کی روشنی میں آپ دیکھیں گے تو ویسے نظر آئے گی سورج کی روشنی میں تو سانپ سانپ نظر آتا ہے رسی رسی نظر آتی ہے رات کی تاریکی میں تو آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ سانپ کو رسی سمجھ لیں یا رسی کو سانپ سمجھ لیں، خارج سے روشنی کی ضرورت ہے اور وحی کی ضرورت ہی یہی ہے کہ پھر انسان اپنے جذبات کا اتباع کرنے کی بجائے وہ جو خارج سے وحی کی راہنمائی ملتی ہے اس کے پیچھے چلتا ہے وہاں وہ سانپ سانپ نظر آتا ہے رسی رسی نظر آتی ہے دھوکہ نہیں کھاتا دین میں انسان دھوکہ نہیں کھاتا کیونکہ وحی خداوندی کی روشنی میں وہ چلتا ہے مذہب میں سب سے زیادہ خود فریبی میں مبتلا ہوتا ہے انسان کہ وہ دیانتداری سے جسے کہتے ہیں ایمانداری سے نیک نیتی سے سمجھتا ہے کہ میں بالکل صحیح کام کر رہا ہوں اور وہ غلط ہوتا ہے اس کا فیصلہ کیسے ہوتا ہے وہی خارج سے وحی کی روشنی میں پرکھ کے دیکھئے وہ بتائے گا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے معلوم نہیں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اتباع اور اطاعت کا فرق بتایا تھا لیکن کوئی بات نہیں یہ تو بار بار بات آتی ہے اور بڑی اہم چیز ہے عزیزانِ من بڑی

اہم چیز ہے اگر چہ لفظ اطاعت کے اندر بھی یہ ہے کہ دل کی رضامندی سے کسی بات کو ماننا یا تائید کرنا یا فرمانبرداری کرنا کسی حکم کی اس میں بھی یہ چیز ہے دل کی نارضامندی سے جبر سے کوئی چیز اگر کی جائے بطیّبِ خاطر نہ کی جائے تو اس کے لئے لفظ اطاعت کا استعمال ہی نہیں ہوتا اطاعت تو ہوتی یہ ہے لیکن اتباع جو ہے وہ اس سے بھی ایک درجہ آگے کی چیز ہے شاید آپ کو یاد ہے عرب کہاں استعمال کرتے تھے گائے کا نوزائیدہ بچہ وہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہے وہ کسی کے حکم کی اطاعت نہیں کرتا اس سے کسی نے نہیں کہا کہ تم اس کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ جبر تو یہ ہے نا کہ باندھ کے اس کو اس کے پیچھے چلایا جائے اطاعت یہ ہے کہ کوئی اسے حکم دے کہ اس کے پیچھے چلے جاؤ اور یہ جو پیچھے جارہا ہے اس کے اس میں تو یہ دونوں ہی چیزیں نہیں ہیں یہ اس کے پیچھے کیسے جارہا ہے اس کے اندر کا تقاضا ہے اسے ایک اندر سے کشش نظر آتی ہے کھینچے جانے کی یہ جو خود اندر کے تقاضے سے انسان کوئی چیز کرتا ہے اسے اتباع کہتے ہیں عرب، کیا زبان ہے اور کیا قرآن ہے صاحب، اب یہاں دیکھئے کہ اطاعت تو ایک درجہ آگے چلا گیا اطاعت میں خارج سے کوئی حکم ملے گا آپ اس کی بطیبِ خاطر فرمانبرداری کریں گے تو اطاعت خارج سے حکم ملے گا بات دور چلی جائے گی اسلامی نظام جو ہے اس کے اندر آپ دیکھتے ہیں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ہے از خود نہیں اطاعت آپ کر سکتے ایک اتھارٹی چاہیے آپ کو اطاعت کرانے والی قرآن کے احکام کو نافذ کرنے والی وہ دیکھے گی کہ کس وقت قرآن کا کونسا حکم ہے جس کی اطاعت کرائی جانی مقصود ہے وہ اس حکم کو اس قانون کو نافذ کرے گی وہ حکم دے گی اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اطاعت کے ساتھ کہا ہے **سمعنا و اطعنا** ہم نے سنا اور اطاعت کی ہے اس کے لئے سننے کی شرط ہے سنانے والا موجود ہونا چاہئے دین جب مذہب میں تبدیل ہوا ہے ہمارا تو یہ سنانے والا نہیں تھا مرکزیت ختم ہو گئی تھی خلافت نہیں رہی تھی قرآن کے احکام نافذ کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا اپنے اپنے طور پہ اطاعت شروع کر دی تو یہ تو مقصود ہی نہیں تھا اس کا وہ تو سمعنا واطعنا ہے آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ میں کس طرح سے پورا نظام آجاتا ہے جو قرآن دینا چاہتا ہے لفظ اطاعت کے اندر نظام کا پہلو موجود ہے کہ خارج سے کوئی حکم دینے والا ہو تم سنو اور اطاعت کرو ایک تو یہ بات ہوئی اور؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ بہت سی اطاعتیں اب میں اطاعت کا لفظ لے رہا ہوں وہ جو اتباع کا لفظ ہے خارج سے اس میں حکم نہیں آتا دل کے ارادے کے لئے خارج کا حکم نہیں ہوتا اندر کے تقاضے کے لئے خارج کا حکم نہیں ہوتا یہ بات کہ مجھے؟؟؟؟ رہنا چاہئے آپ کے اندر کی ایک چیز ہے وہاں آپ طے کرتے ہیں اس چیز کو کوئی حکم نہ دینے والا بھی ہو اس وقت بھی آپ دیانتدار رہتے ہیں قرآن نے کہا ہے نا کہ خدا تو دل کے ارادوں اور نگاہ کی خیانتوں تک سے واقف ہے یہ وہ چیزیں ہیں کہ جس میں اتباع آتی ہے اطاعت کی بات نہیں ہے تو قرآن پہلے تو اس قسم کا تغیرِ نفس پیدا کرتا ہے کہ آپ کے دل کے اندر سے غلط بات کا ارادہ ہی نہ ابھرے آپ اتباع کرتے چلے جائیں صحیح چیز کا جو قران نے یا وحی نے کہی ہے ذرا محسوس مثال سے دیکھئے کہ آپ کو اگر پیاس لگتی ہے آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے پانی پینے کے لئے اٹھتے ہیں کسی نے حکم نہیں دیا آپ کو آپ اطاعت نہیں کر

رہے کیا کر رہے ہیں آپ کے اندر کا ایک تقاضا ہے اس تقاضے کی تسکین کے لئے آپ اٹھ کے یہ کام کر رہے ہیں تو جو اندر کے تقاضے سے جو بات کی جائے گی اس کے لئے قرآن نے اتباع کا لفظ دیا ہے خالی قرآن کے لئے سارے قرآن میں اطاعت کا حکم نہیں آیا ہے اتباع کا لفظ آیا ہے اور جونہی وہ نظام قائم کرتا ہے قرآن کا وہاں اطاعت کا لفظ آیا ہے اتباع کا لفظ نہیں آیا ہے تو مؤمن کی پہلی چیز جو ہے خصوصیت وہ تو یہ ہے کہ وہ اتباع کرتا ہے اقدارِ خداوندی کا جب کوئی نہ بھی حکم دینے والا ہو تب بھی وہ اپنے دل کے تقاضے سے اس کی پیروی کرتا ہے بہت بڑی چیز ہے جو یہ تغیرِ نفس پیدا کرتا ہے اور یہ دل کے تقاضوں والے لوگ تو ہیں کہ پھر جو اس طرح سے اطاعت کرتے ہیں کہ . ثم لا یجدوا فی قلوبھم ??? . کہا ہے کہ رسول ????????????? تیرا رب شاہد ہے اس کے اوپر کہ یہ لوگ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ اپنے تمام معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے تیرے پاس نہیں آئیں اور اس کے بعد جب تو فیصلہ دیدے سلموا تسلیما اسے وہ تسلیم کریں لیکن کس طرح اپنے دل میں بھی اس کے خلاف گرانی محسوس نہ کریں اطاعت میں بھی یہ چیز موجود ہے لیکن بہر حال ایک خارج سے حکم لینے کے بعد یہ اطاعت ہوتی ہے اور وہ تو افراد ایسے تیار کرتا ہے کہ وہ اپنے اندر کے تقاضے سے ان اقدار کی پیروی کرتے ہیں اسے اتباع کہا جاتا ہے قرآن میں جہاں جہاں اھواء کا لفظ آیا ہے انسان اپنے جذبات اپنی خواہشات کے تابع چلتا ہے وہاں ہر جگہ اتباع کا لفظ ہے اپنے اندر کی خواہشات کی پیروی کرنا اس کے لئے اطاعت کا لفظ ہی نہیں آیا عزیزانِ من قرآن یوں سمجھ میں آتا ہے . و اتبعوا اھوآءھم . دیکھا آپ نے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے . زین لہ سوء عملہ . جونہی اپنے ہی جذبات کا اتباع کیا کہ جو کچھ اس نے تو ہر فرد کے جذبے اس کے اپنے مفاد کے لئے ہونگے یاد رکھو اپنے نقصان کے لئے کبھی نہیں کوئی سوچتا یہ الگ بات ہے کہ جسے فائدہ سمجھتا ہے درحقیت وہ نقصان ہوتا ہے وہ زین لہ سوء عملہ ہوتا ہے غلط کام اچھا بن کے دکھائی دے رہا ہوتا ہے کیوں اتباع ھواء اپنے جذبات کا اتباع تو یاد رکھئے اپنے ہی جذبات کے اتباع سے خواہ آپ کتنا ہی کتنا نیک کیوں نہ اس کو سمجھ رہے ہوں وہ صحیح دین نہیں ہے صحیح دین یہ ہے کہ خارج سے جو وحی مل رہی ہے اس کے مطابق اطاعت ہو اور آپ کے اندر اس قدر تغیر آچکا ہو کہ آپ غلط کام کا سوچ ہی نہ سکیں یہاں سے ابتداء ہوتی ہے عزیزانِ من اسلامی نظام کی وہ کتاب وحکمت کی تعلیم اور اس کے بعد??? قلوب کے اندر اس قسم کی پاکیزگی نشوونما دینا کہ وہاں سے وہ قلوب کے اندر یہ ایسا تغیر واقع ہو جائے کہ وہ خلافِ وحی خلافِ قرآن خلافِ اقدار خداوندی دل کے اندر خیال بھی پیدا نہ ہو یہاں سے ابتداء ہوتی ہے پھر خارج میں جب نظام بنتا ہے وہ ایک مرکز ہونا چاہئے ایک اتھارٹی ہونی چاہئے جو قرآن کے احکام قرآن میں تو مختلف قسم کے احکام ہیں نا ہر موقع کے اوپر ایک حکم آئے گا جہاد کا اگر حکم ہے تو اس کے لئے تو کوئی اتھارٹی ہوگی جو فیصلہ کرے گی کہ ہاں اب وقت آ گیا ہے کہ میدانِ جنگ میں جانا چاہئے ہمیں ہر فرد تو یہ فیصلہ نہیں کرسکتا فرد تو ایک طرف رہا ہر سپاہی بھی یہ خود فیصلہ نہیں کرسکتا فیصلہ کرے والی اتھارٹی باہر ہونی چاہئے اس نظام کے تابع قرآن کے احکام کی اطاعت کرائی جائے گی وہ اس

کوتو اطاعت کہے گا اور وہ جو دل میں تغیر پیدا ہو گیا ہے کہ کوئی ہو یا نہ ہو آپ نے کبھی غلط کام کی طرف قدم ہی نہیں اٹھانا یہ اتباع ہو گا آپ کو یاد ہے کہ قرآن کے متعلق جہاں واتبعوا ہے یہ ہے جو خدا چاہتا ہے یا قرآن چاہتا ہے مؤمن سے کہ اس کے دل سے بھی کوئی بات ایسی نہ ابھرے کہ یہ اس کے خلاف ہو لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا لیکن ہے تو بڑا آسان تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں مشکل کیا ہے اس میں ۔ واتبعوا اھوآء ھم ۔ تو پھر وہ جو نہایت واضح شاہراہ کے اوپر چلا جا رہا ہے جس میں کوئی پیچ نہیں خم نہیں کج روی نہیں بین ہے منزل تک پہنچنے کے لئے اور وہ کہ جس کو غلط کام بھی اچھے بن کے دکھائی دے رہے ہیں اور وہ فیصلے اپنے مفاد کے اپنے جذبات کے تابع کرتا ہے کہا کہ کیا یہ دونوں کبھی برابر ہو سکتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے وہ جو پہلا شاہراہ پر چلنے والا ہے وہ کہاں ہے ۔ مثل الجنت التی وعد المتقون ۔ میں نے کہا تھا نا کہ قرآنِ کریم نے جنت اور دوزخ جو اخروی زندگی کی ہے اسے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے یہاں بھی ہے اس سے دوسرے مقام پہ بھی ہے وہاں بھی مثل ہی کہا ہے مثال کے ذریعے سے ہی اس زندگی کی کیفیات کو سمجھایا جا سکتا ہے جیسے وہ ہے اس کی کنہ وحقیقت ہمارے شعور کی موجودہ سطح پہ سمجھ میں آ نہیں سکتی تو مثال کے ذریعے سمجھایا ہے قرآن نے ہمیشہ البتہ جو جنت اور جہنم اسی زندگی کے اندر واقع ہو جاتا ہے ان مثالوں سے یہاں سے بات سمجھ میں آ سکتی ہے یہاں وہ محسوس شکل میں ہو گا کنکریٹ شکل میں ہو گا وہاں وہ مثالی چیز ہو گی وہ abstract ہو گا ۔ مثل الجنت التی وعد المتقون ۔ وہاں کی جنت جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے متقیوں سے وہ اس کی مثال یوں سمجھئے اور یہاں وہ جنت محسوس شکل میں ہمارے سامنے ہو گی ایک جگہ نہیں ہر جگہ جنت کے متعلق ۔ تجری من تحت الانہار ۔ لکھا ہے قرآن نے ان درختوں کے نیچے سے انہار ہمارے ہاں تو نہر کو کہتے ہیں لیکن عربوں کے ہاں وہ چھوٹی سی چھوٹی کھال بھی کیوں نہ ہو جس میں سے پانی رواں پانی جا رہا ہوں جہاں سے اسے وہ نہر کہتے ہیں پانی کی روانی جو ہے یہ اس کے اندر شرط ہے خواہ وہ چھوٹی سی ہو خواہ وہ بڑی سی کیوں نہ ہو تو بہنے والا جو پانی ہے اس کے متعلق یہ قرآن میں ہر جگہ انہار کہا ہے وہاں اور یہاں تو خاص طور پہ دو تین الفاظ وہ لایا ہے پہلا میں نے عرض کیا تھا کہ اتباع اور اطاعت کے اندر نظام آتا ہے سیاسی جسے آپ کہیں گے اس کے بعد جب جنت آتی ہے تو جسے آپ معاشی نظام کہتے ہیں وہ آ جاتا ہے اس کے اندر سارا معاشی نظام اس کے اندر ہے سنئے کیا کہتا ہے میں پھر عرض کرونگا کہ کیسے وہ نظام آتا ہے سامنے جنت ۔ فیھا انھٰر من مآءٍ غیر اٰسنٍ ۔ پانی رواں ہے ندیوں میں اور رواں اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس پانی میں سڑاند پیدا نہ ہو بو پیدا نہ ہو بگاڑ پیدا نہ ہو وہ ہے نا کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں کوئی پانی جس کی روانی آپ بند کر دیں اور وہ رک جائے کسی ایک مقام کے اوپر تھوڑے دنوں تک تو وہ صاف ستھرا رہتا ہے اس کے بعد اس کے اندر بو بگڑتی ہے ذائقہ بگڑتا ہے تاثیر بگڑتی ہے سڑاند پیدا ہو جاتی ہے پانی زہر ہو جاتا ہے وہی پانی کھڑا رہے تو اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے بہتا چلا جائے تو وہ اسی قسم کا صاف شفاف مصفٰی پانی ہوتا ہے تو قرآن نے پہلی چیز تو اس میں یہ کہی کہ تا کہ اس میں سڑاند نہ پیدا ہو پانی ۔ وانھٰر من لبن لم یتغیر

طعمہ ۔ اور پھر دودھ کی نہریں وہ نہریں میں نے کہا ہے نا کہ اس پہ غور کیجئے نہر کیوں کہا میں ابھی عرض کرونگا یعنی یہ یوں نہیں ہے کہ جیسے یہ ہمارے سامنے F.C College والی نہر بہہ رہی ہے کہ وہ دودھ اس طرح سے پانی یوں بہہ رہا ہوتا ہے بہہ رہا ہے رواں ہے کھڑا نہیں ہے ۔ لم یتغیر طعمہ ۔ تا کہ اس کا ذائقہ نہ بدل جائے اس کی خاصیت جو ہے نشو ونما دینے کی وہ نہ بدل جائے ۔ و انھٰر من خمرٍ لذۃٍ للشٰربین ۔ اور خمر انگورے کے؟؟؟؟ کو کہتے ہیں؟؟؟ جسے آپ کہتے ہیں وہ تازہ رہے بہتا رہے تو اس میں صرف تقویت ہوتی ہے کچھ تھوڑا سا کہہ لیجئے کہ کچھ ذہنی طور پہ کچھ نشاط بھی ہوتا ہے اس کی جو وہ اصلیت ہوتی ہے اسمیں جو چیز ہوتی ہے نشہ نہیں ہوتا قرآنِ کریم نے جہاں کہیں بھی اپنے جنت کی جسے ہم شراب کہتے ہیں لفظ شراب عربی زبان میں وائن کے لئے نہیں آتا لیکر کے لئے آتا ہر پینے والی چیز کو ان کے ہاں شراب کہا جاتا ہے شراب کے معنی پینا ہوتا ہے یہ تو ہمارے ہاں ہے نا کہ وہ اب شراب ہوتی ہی وہ شراب ہی کے لئے لفظ استعمال ہوتا ہے ہر پینے والی چیز کے لئے ہم شراب نہیں بولتے عربوں کے ہاں یہ بات نہیں ہے تو قرآن نے اپنے ہاں خود واضح کر دیا ہے کہ جسے جنت کی شراب تم کہتے ہو اس میں نشہ تو ایک طرف رہا غنودگی بھی نہیں ہوگی خمار بھی نہیں ہوگا اس کے لئے حوالے آپ لکھنا چاہتے ہیں 52/23 اور 56/19 دو ہی کافی ہیں اور مقامات میں بھی ہے جہاں خصوصیت سے لفظ تو لایا ہے قرآن یہی شراب یا خمر کا ہی لیکن کہا ہے کہ یاد رکھو اس میں نشہ نہیں ہوگا یہاں والے شرابی سے کہا جائے کہ شراب تو ہے لیکن اس میں نشہ نہیں ہے تو اس نے کہا ڈول دے پرے جا کے میں اینوں کی کرنا، عادت سی ہے

نشہ ہے نا اب کیف

پانی نہ پیا شراب پی لی

لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ وہ اس میں وہ تقویت کی چیز جو ہے اسی لئے لفظ خمر استعمال کیا اس نے وہ انگوروں کے نچوڑ کو کہتے ہیں کہ اس میں وہ تقویت والی چیز جو ہے وہ تو آجائے لیکن نشہ والی چیز نہ آئے تو پتہ ہے آپ کو کہ یہ نچوڑ جو ہے شوربہ جو ہے ان کا انگوروں کا یا پھلوں کا اس میں نشہ کب پیدا ہوتا ہے اس کو روک کے رکھتے ہیں بند رکھتے ہیں اس بندش کے بعد اس میں نشہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہاں کی جو سنتے ہیں یورپ کی شرابیں اور خاص طور پہ فرانس کی تو وہ تو کہتے ہیں تین سو سال سے یہ زمین میں دبائے ہوئے تھے پیپے یعنی اتنا بند رکھتے ہیں اس کو اگر وہ انہار کی شکل میں رہے بہتا ہوا اس میں نشہ نہیں پیدا ہوتا اس میں سرمستیاں نہیں آتیں ابھی ابھی میں عرض کرونگا کہ یہ کیا کچھ کہہ رہا ہے قرآن ۔ و انھٰر من عسل مصفًی ۔ بہنے والا شہد مصفی صاف ستھرا شل تو اس لئے کہا ۔ و لھم فیھا من کل الثمرات ۔ بہرحال ہر قسم کے پھل ہر قسم کی چیزیں یہ جو چیزیں چار کہیں قرآن نے اپنے اپنے ادراک کے متعلق اس کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ پانی زندگی کا دارومدار پانی پر ہے ۔ و جعلنا من المآء کل شی حی ۔ قرآن نے بھی کہا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے جہاں کہیں پانی ہوگا Life ہوگی جہاں کہیں آپ کو زندگی کا آثار نظر آئے گا وہاں یہ

قیاس ہوجائے گا کہ پانی ہے قریب کہیں ابتداء ہی زندگی کی پانی سے ہوئی تو قرآن نے سب سے پہلے کہا ہے کہ پانی بہنے والا اگلی چیز نشو ونما کی ہوتی ہے پہلی چیز نشو ونما کے لئے دودھ ہوتا ہے تو پہلی چیز تو وہ ہے جس کے اوپر لائف کا دارومدار ہے جس پہ لائف ؟؟؟؟؟ دوسری چیز یہ ہے جس سے نشو ونما پایا جاتا ہے تیسری چیز جس کے اندر اس نے ؟؟؟؟؟ کہا ہے پھلوں کا نچوڑ کہا ہے اس میں توانائی کی صورت ہے اور اگر غلط معنی نہ لیں تو کچھ کیفیت کیف یا نشاط کی بھی اس کے اندر ہوسکتی ہے اس قسم کی توانائی کہ جس میں کچھ سرور سا پیدا ہو انسان میں لیکن وہ سرور شراب والا نہ ہو کیونکہ قرآن نے خود کہد یا کہ وہ نہیں اچھی غذا جو ہے صحیح جس میں میدے کو محنت نہ زیادہ کرنی پڑے لیکن ماحصل اس کا جو ہے وہ خون میں روانی پیدا کردے تو اس میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اصل یہ ہے کہ ہے تندرستی اور صحت جو ہے اس میں ایک نشہ ہوتا ہے اگر آپ نشے کے لفظ کو ان معنوں میں نہ لیں ایک کیف ہوتا ہے ایک سرور ہوتا ہے انسان کے اندر ہم نے تو یہ سریلی بات کی ہے پتہ نہیں کیا ہوتا ہے لیکن صحت اور تندرستی کے اندر خود ایک سرور ہوتا ہے اور اگلی چیز جو ہے وہ شہد ہے شہد کے متعلق دوسرے مقام پہ وہ ہے . **فیہ شفآء للناس** . خطرات سے محفوظ رکھنے والی چیزیں یہ اس لئے میں نے کہا ہے کہ من کل الثمر ات آگے قرآن نے کہہ کے کہ ہر قسم کی وہ ؟؟؟ غذا جو ہے وہ . **و مغفرة من ربهم** . وہ مغفرت تو ہمارے ہاں کا بخشش ہوتا ہے تک ہی نہیں بنتا اس کے معنی ہیں حفاظت کا سامان خطرات سے محفوظ رکھنے کی چیز اگر وہ بیماریاں ہی ہیں تو قرآن نے کہا ہے نا شہد میں بیماریوں کے لئے شفا ہوتی ہے تو وہ خطرات سے محفوظ رکھنا مضر باتوں کے اثر سے محفوظ رکھنا یہ چیز بھی اس کے اندر ہے، آخرت کی جنت اور اس کی یہ جو نعماء ہیں وہ تو تمثیلی بات ہے یہاں ہم سمجھ نہیں سکے وہاں بہر حال جس میں میں آپ حضرات کو نہیں شامل کرتا اپنے آپ کو ہی کہہ رہا ہوں کہ وہاں ان کی لذت ہی ہمارے نصیب نہیں ہوگی یہ تو جنت والوں کی باتیں کہہ رہا ہے وہ لیکن یہاں جو اس نے کہا ہے ہمارے نصیب میں تو یہاں کی جنت بھی نہیں آئے گی یہ یہاں کی جنت کیسے بنتی ہے ایک لفظ اس کے اندر اس نے کہا ہے کہ یہ بہنے والی چیز رزق اگر بہنے والا ہے ہر ایک کے گھر کے سامنے سے وہ رواں دواں جاتا ہے آوازیں دیتا ہوا سلسبیل پکارتا ہوا جاتا ہے وہ اگر کہ جتنی جتنی کسی کی ضرورت ہے لیتا چلا جائے یہ جنت کی پہلی نشانی ہے پانی کو آپ لے لیجئے جونہی وہ نلکوں میں اپنے گھروں کے اندر آیا باہر والے تڑپ کے مرجائیں وہ اس کے حصے میں نہیں آتا بند ہو گیا پانی رواں نہ رہا اور اگر ٹینکی میں آ گیا تو پھر تو پوچھو ہی نہیں وہ رزق کے چشمے اگر بند ہوجائیں تو وہ جو بند کرتا ہے ان کو اس کی ذات کے لئے تو وہ ہو نوع انسانی کی منفعت کے لئے وہ نہیں رہتا، اگر وہ نہر کی شکل میں پانی ہو تو ایک تو یہ ہے کہ کوئی اس کو اس طرح سے اپنی ذات کے لئے بند نہیں کرسکتا اس نے تو رواں رہنا جتنی ضرورت ہے لیتا چلا جائے باقی آگے جائے جو آگے ہے اس کو جتنی ضرورت ہے وہ لیتا چلا جائے بہنے والے پانی میں ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے روک رکھنے میں یہ بات نہیں ہوتی عزیزانِ من پہلی چیز قرآن نے آپ کا معاشی نظام جو ہے اس کی بنیاد یہاں رکھ دی اس نے کہ رزق اگر بہنے والی ندی کی طرح ہے تو وہ تو جنت کا رزق

ہے اگر اس پہ بند لگا دئے گئے ہیں اپنے اپنے لئے روک کے رکھ لیا گیا ہے تو یہ جنت کا پانی نہیں رہا ہے زندگی بخش پانی نہیں رہا ہے اس کے بعد جو تھوڑے وقت کے بعد کہتا ہے اس میں سڑ اند پیدا ہوتی ہے تو پھر تو جہاں بھی یہ نظامِ سرمایہ داری ہے اس کی سڑ اند تو ساری دنیا؟؟؟؟؟؟ بند لگائے اپنی اپنی ذات کے لئے قرآنِ کریم نے اس کے لئے عزیزانِ من لفظ استعمال کیا تھا انفاق نفق کے معنی ہوتا ہے جو بند نہ ہو آپ کو یاد ہو گا ان الفاظ کے معنی تو بیسیوں دفعہ آ چکے ہیں یہ جسے آپ شلوار کا نیفہ کہتے ہیں نا یہ اصل میں نیفقۃ تھا لفظ نیفہ ہوتا ہی وہ ہے کہ کھلا ہوا ہو اگر وہ کھلا ہوا نہ ہو بند ہو تو اس میں تو ازار بند گذر ہی نہیں سکتا جو میانی دونوں طرف سے کھلی ہوئی ہونا اوپر سے روپیہ ڈالے نیچے سے نکلتا چلا جائے اس کو وہ کہتے تھے نفق یہ لفظی فرق ہے قرآن نے استعمال کیا اپنے ہاں انفاق کا لفظ استعمال کیا ہے جونہی یہ چیز بند ہوئی انفاق نہ رہا 9/34 بیسیوں آیات سینکڑوں میں کہونگا اس کے لئے تو جہاں بھی معاشی نظام آئے گا لفظ یہ آتا چلا جائے گا لفظ ہی یہ استعمال کیا ہے قرآن نے ۔ **یا یھا الذین اٰمنو اان کثیرا من الاحبار و الرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ** ۔ کہا محتاط رہنا یہ علماء اور مشائخ ، کیا کرتے ہیں ، خود کوئی کام نہیں کرتے لوگ کمائی کرتے ہیں اس پہ یہ عیش اڑاتے ہیں اس کو اس نے کہا ہے رزقِ باطل دوسروں کی کمائی کے اوپر کرتے یہ ہیں اور زندگی کا ان کا مشن کیا ہے ۔ **یصدون عن سبیل اللہ** ۔ خدا کی طرف جانے والے راستے میں روک بن کے کھڑے ہو جاتے ہیں ساری دنیا میں یہ مذہبی پیشوائیت علماء اور مشائخ احبار و رہبان کے متعلق یہ تصور ہے کہ وہ خدا کی طرف لے جاتے ہیں انسانوں کو عزیزانِ من دیکھئے یہ قرآن علی الرغم یہ کہہ رہا ہے ساری دنیا کو چیلنج دے کے کہ جنہوں تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف لے جاتے ہیں وہی تو خدا کے راستے میں روک بن کے کھڑے ہوتے ہیں جانے ہی نہیں دیتے لوگوں کو اس طرف ، کیوں ، کرتے کیا ہیں ۔ **والذین یکنزون الذھب و الفضۃ و لا ینفقونھا فی سبیل اللہ** ۔ (9/34) یہ کس قسم کا مذہب پیش کرتے ہیں یہ لوگ جو خدا کی طرف جانے والے راستے میں روک ، مال و دولت کو جو لوگ روک رکھتے ہیں اور آگے ہے لفظ ۔ **لا ینفقونھا** ۔ یہ معنی کہ وہ اس cuase کے لئے میں نے کہا تھا کہ سبیل اللہ کا مطلب اگر آپ سمجھیں وہ cause وہ مقصد وہ purpose جس کے لئے خدا نے مقرر کیا ہے کسی شے کو اس کے حاصل کرنے کے راستے میں ۔ **ینفقونھا** ۔ اس کو ندی کی طرح رواں نہیں رکھتے روک لیتے ہیں نتیجہ ۔ **فبشرھم بعذاب الیم** ۔ میں نے کہا تھا نا کہ وہ پھر جہنم آ جاتا ہے اعلان کر دے بشارت دیدے ان کو بڑا دردناک عذاب ہوتا ہے وہ عذاب دردناک الیم کہا ہے سب سے بڑے Capitalist Countries آپ کے ہاں دیکھئے مغرب میں پتہ نہیں آپ ان کا بھی مطالعہ کر رہے ہیں یا نہیں میں تو دیکھ رہا ہوں روز ان کی چیخوں کی آواز آ رہی ہے بڑے بڑے دولت مند وہاں کے جو ہیں؟؟؟؟؟؟؟ چیخ رہے ہیں رو رہے ہیں صاحب دردناک نالے ان کے ہاں سے اٹھ رہے ہیں عذاب الیم ۔ **یوم یحمٰی علیھا فی نار جھنم فتکوٰی بھا جباھھم و جنوبھم و ظھورھم** ۔ وہ مثال کی بات ہے کہ یہی ان کے سکے جو

ہیں روپے ڈالر پیسے اوراب تو انہوں نے نوٹ ہی کر دئے نا کہ وہ داغہ ہی نہ جائے کہ وہ تپایا جائے گا پھر داغہ جائے گا اوران کواس طرح سے، کیا کہہ کے یہ ہے جو چیز وہ کہتا ہے . **ھٰذا ما کنزتم لانفسکم** . یہ وہ ہے جو تم نے روک لیا تھا کہ تمہارے ہی کام آئے کسی اور کے کام نہ آئے آہاہاہا، کنزتم کے ساتھ لانفسکم کہنا کتنی بڑی چیز ہے . **فذوقوا ما کنتم تکنزون** . جی اب ذرا چکھوتو صحیح اس کا مزا مزا اب پتہ چلے گا تم کو جب اس پانی میں سڑاند پیدا ہوگی نا وہ پلایا جائے گا ان کو ابھی آتا ہے تو یہی پانی جب وہ روک رکھیں گے تو جہنم کا پانی ہوگا ؟؟؟؟؟ یہی پانی جب دیا جائے گا ان کو پینے کے لئے ان کی انتڑیوں کو کاٹ کے رکھ دے گا آہاہاہا وہی پانی بہہ رہا تھا تو حیات بخش تھا روک کے رکھ لیا انتڑیوں کو کاٹ دیتا ہے دریا کے پانی میں اور سمندر کے پانی میں فرق کیا ہوتا ہے یہ دریا کا پانی رواں ہوتا ہے سمندر کا پانی روکا ہوا ہوتا ہے ایک گھونٹ نہیں پی سکتا آدمی وہ کہتا ہے انتڑیاں کٹ جاتی ہیں کیا مثالیں دیتا ہے قرآن صاحب روک کے رکھتے ہیں میں نے کہا نا کہ قرآن میں انفاق کا لفظ جو تھا انفاق کے معنی ہی یہ ہیں کہ کوئی چیز جو ادھر سے آئے اور ادھر چلی جائے یہ تھا نظام اب یہ چیز جو ہے وہ تو انھار کی شکل میں پوری ہوسکتی ہے کہ وہ بہنے والی چیز ہو آپ دیکھتے ہیں جتنی چیزیں بھی یہاں کہی گئی ہیں اس کے لئے انھار کا ہی لفظ آیا ہے یہ رواں دواں رہیں گی پوری انسانیت کی ضرورتوں کو پوری کرنے کیلیئے تو یہ پھر زندگی بخش ہونگی، جونہی ان کو روک لیا جائے گا تو ان میں پھر وہ تغیر پیدا ہوجائے گا چیز تو وہی ہوگی اس کے اندر ایک خرابی پیدا ہوجائے گی کہ وہ حیات بخش ہونے کی بجائے موت آور ہوجائے گی وہ جو پرانی ایک کسی زمانے میں text میں ہمارے ہوتا تھا وہ water water ??? not a drop to drink یہ کونسا پانی ہے not a drop to drink یہی ہے جب روک رکھا جائے اس کو یہ تھا عزیزانِ من قرآن نے جو بتایا یہ تھا دین نے جو بتایا تھا اب بنا مذہب اب مذہب میں کیا ہوا پہلی بات تو انفاق کا جواب آجایئے آپ ترجموں کی طرف یہ سارے تراجم اور تفسیریں آپ کی جتنی بھی ہیں یہ مذہب اسلام کے دین کی نہیں انفاق کا ترجمہ جو تھا کھلا رکھنا اس کی جگہ ترجمہ کر دیا خرچ کرنا تو خرچ میں تو پہلے آپ کی ملکیت ہوگئی نا کہ آپ کے پاس وہ ہے یعنی رکھا ہوا ہے تو پھر اس میں سے خرچ کرتے ہیں نا یہ انفاق کی جگہ ایک لفظ بدل دینے سے ساری معنویت بدل گئی اس میں، خرچ تو ہم اپنے پیسے کو کرتے ہیں تو ملکیت تو پہلے آ گئی نا ذاتی اب اس میں سے خرچ کرنا کچھ اب آ گیا جو قرآن نے کہا تھا . **زین لھم سوء عملہ** . روک رکھنا جو تھا یہ سوء عمل تھا وہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا تھا اب یہی روک رکھنا جو ہے یہ مزین بن گیا، کیسے بنا، اب آیئے وہ جو کہا کرتے ہیں میرے دوست کہ یہ جو وضعی روایات ہیں انہوں نے کیا نقصان پہنچایا ہے ایک ہی مثال لے لیجئے یہی جو میں نے آج ابھی 9/34 تلاوت کی ہے وہ جس میں یہ ہے کہ روک رکھتے ہیں اور وہ کھلا نہیں رکھتے تو یہ جہنم ہے اور اس میں تپایا جائے گا تو یہاں مال کو جمع کرنا تو جہنم کی آگ بتایا ہے نا قرآن نے اس کو کھلا رکھنا دین کا تقاضا بنایا ہے اب یہ جمع کرنا جو ہے اس کے لئے جواز کہاں سے آیا ہے کیا بتائیں ایک روایت ہے مشکوۃ میں ہے بخاری میں ہے سب مانتے ہیں اس کو کہ جب یہ آیت

نازل ہوئی اندازہ لگائیے جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ میں بڑا اضطراب پیدا ہوا بڑے بڑے ؟؟؟؟ بڑے بڑے سرمایہ دار تو ٹھیک ہے اضطراب پیدا ہونا ہی تھا کیا بات ہے صحابہؓ کا کیا تصور پیش کیا جا رہا ہے اضطراب ہے کس چیز پہ خدا کی طرف سے آیت نازل ہو رہی ہے اضطراب پیدا ہوا کہ ہیں مال و دولت کا جمع کرنا اس کی رو سے تو وہ جہنم ہو گیا ہے مارے گئے تباہی آ گئی ہمیں بچاؤ اپنے میں سے ایک نمائندہ مقرر کیا کہ رسول اللہؐ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپؐ کے صحابہ پر تو یہ گراں گذر رہا ہے خدا کی آیت یہ حکم صحابہؓ پہ گراں گذر رہا ہے بیٹھ کے آپس میں کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے پاس جاؤ وہاں جا کے بتاؤ یعنی جیسے رسول اللہؐ نے کوئی بات ایسا آرڈیننس نافذ کر دیا ہے اور ان سے کہو کہ اس کا reaction یہ ہو رہا ہے وہ جو رسول اللہؐ خود اس حکم کی اطاعت کے لئے معمور تھے ان کے پاس جاؤ تو کیا غضب ہو گیا یہ روایت ہے اور کسے چنا اس مقصد کے لئے حضرت عمرؓ کو جن کی کیفیت یہ بتاتے ہیں کہ وہ گیہوں کی روٹی نہیں کھاتے تھے جو کی روٹی کھاتے تھے جب کہا گیا کہ کیوں نہیں گیہوں کی روٹی کھاتے کہنے لگے کہ مملکت میں جس دن ہر فرد کو گیہوں کی روٹی ملے گی عمر اس دن گیہوں کی روٹی کھائے گا اسے چنا گیا ان سرمایہ داروں کے representative کی حیثیت سے کہ حضور رسول اللہؐ کے پاس جا کے ہمارا ؟؟؟؟ اور کہیں کہ اس میں سے کوئی راستہ بتائیے ہم تو مارے گئے ۔معاذ اللہ معاذ اللہ ۔ اور وہ بھی چلے گئے عمرؓ جیسا شخص یعنی یہ افسانہ گھڑنے والوں کی بھی نظر آتا ہے ذہنی کچھ کیفیت ایسی پست تھی کہ ان کے کردار ان کے کریکٹروں کو بھی ذہن میں نہیں رکھا کہ کس کو بھیجنا چاہئے انہوں نے کہا ہوگا نا کہ حضرت عثمان غنیؓ کو ان کے پاس بہت دولت تھی انہیں بھیجتے تو کوئی بات سمجھ میں fit in ہو جاتی افسانے کے اندر یہ کریکٹر وہ حضرت عمرؓ کا کریکٹر فٹ ہی نہیں ہوتا ان کو بھیجا لیکن وہ بھیجا اس لئے کہ وہ عجیب قسم کا کردار بنایا ہوا انہوں نے حضرت عمرؓ کا کہ بات بات کے اوپر وہ ڈانتے ہیں ۔معاذ اللہ معاذ اللہ ۔ اور جب وہ ڈانتے ہیں تو خدا کیطرف سے اس کے مطابق وحی نازل ہو جاتی ہے جیسے عمر کہتا ہے ۔معاذ اللہ ۔ عزیزانِ من کیا سنتے ہیں آپ کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے بہر حال وہ چلے گئے حضورؐ سے کہا کہ بڑا اضطراب ہے کہنے لگے واہ بات ہی نہیں سمجھ میں آئی ان لوگوں کے ارے بابا خدا نے زکوٰۃ کا جو حکم ساتھ دیدیا بس اس میں سے جتنا جی چاہے جمع کرو کوئی حد نہیں کوئی معیاد ہیں اور اس میں سے سال کے بعد اتنے سے پیسے جو ہیں وہ خرچ کر دیا کرو وہ آ گیا نا انفاق کا ترجمہ اس میں سے دیدیا کرو خدا کی راہ میں بس خدا کی راہ میں ہو گیا اب اس میں زکوٰۃ نکال دو تو باقی سارا مال کہتے ہیں پاکیزہ ہو گیا، اور لکھا ہے کہ جب یہ چیز حضرت عمرؓ نے آ کے بتائی تو انہوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا ہاں قلعہ فتح ہو گیا یعنی سارا نظامِ سرمایہ داری بچ گیا صاحب تو نعرے تو بلند کرنے ہی ہیں جیسے ؟؟؟؟ انہوں نے مٹھائی بھی بانٹی ہوگی چراغاں بھی کیا ہوگا ۔معاذ اللہ ۔ اب آپ نے دیکھا یہ تصور زکوٰۃ کا کہاں سے آیا یعنی جتنا جی چاہے جمع کرو اس چیز کو جائز قرار دینے کے لئے بیچ میں سے اتنا سا نکالا کہ وہ سارا نظام سارا الٹ دیا اور اس پہ مطمئن ہو گئے اب آپ نے سوچا کہ یہ جو قرآن نے کہا تھا ۔ من زین لهم سوء عمله ۔ غلط کام جن کو نہایت مزین بن

کے دکھائی دے ہیں نا ہزار برس سے اس میں ہم چلے آ رہے زکوٰۃ نہ نکالنے والے کو تو کچھ مذموم سمجھا جاتا ہے کچھ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ مذہب والے وہ جو اس میں سے زکوٰۃ نکال دیتا ہے نا وہ کتنا ہی بڑا اسیٹھ کیوں نہ بن گیا ہوا ہو ہر ایک کے ذہن میں ہوتا ہے کہ صاحب اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال دیتا ہے کس قدر مزین ہو گئے یہ عمل وہ Capitalism جسے مٹانے کو قرآن آیا ہے جسے وہ جہنم کی آگ کہہ رہا ہے وہ جنت کا گلزار بن گیا ایک روایت کی رو سے سوءِ عمل مزین گیا مطمئن ہے زکوٰۃ دیدینے والا خوش ہے زکوٰۃ دیدینے والا دو ہی تو چیزیں ہیں آپ کے ہاں زکوٰۃ اور نماز قرآن نے اکٹھا ہی تو بیان کیا ہوا ہے سنئے سورۃ الماعون 107 یہ تو سورۃ ایسی ہے کہ پوری کی پوری تفسیر کے قابل لیکن آپ کو پتہ ہے . **ارء یت الذی یکذب بالدین** . تم نے اس شخص کی حالت پہ بھی غور کیا جو دین سے انکار کرتا نہیں کہا اقرار تو کرتا ہے اپنے عمل سے جھٹلاتا ہے اس کو کیا بات ہے لفظ کی کون ہے یہ . **فذٰلک الذی ید ع الیتیمی و لا یحض علیٰ طعام المسکین** . یہ وہ شخص ہے کہ جو شخص معاشرے میں تنہا رہ جاتا ہے اس کو دھکے دیتا ہے جس کا چلتا ہوا کاروبار بند ہو جاتا ہے اس کی روٹی کا انتظام نہیں کرتا دین کی تکذیب یہ کرتا ہے پھر اپنے آپ کو فریب کیا دے لیتا ہے نمازیں بڑی پڑھتا ہے . **فویل للمصلین علی الذین ھم عن صلاتھم ساھون** . تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے بے نماز کے لئے تو یہاں بات ہی نہیں کی تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے کہ جو نماز کی غرض و غایت اور مقصد کو تو نہیں جانتے . **الذین ھم عن صلاتھم ساھون** . اس کو تو انہوں نے فراموش کیا ہے . **الذین ھم یر آء ون** . اور یہ جو محسوس حرکات وسکنات ہیں نا کانوں تک ہاتھ لے جاؤ ہاتھ یہاں باندھو رکوع میں یوں جاؤ سجدا یوں اس طرح سے کرو سارا زور اس پہ دیا جاتا ہے کہنے لگا اس کو نماز سمجھتے ہیں صلوٰۃ اور صلوٰۃ کی غایت جو تھی اس کو پسِ پشت ڈالا ہوا ہے یہ تباہی ہے ان کے لئے، کہا کیا کرتے ہیں یہ . **یمنعون الماعون** . وہ اس رزق کو جو بہتے پانی کی طرح رہنا چاہئے تھا بند لگا کے اپنے لئے روک رکھتے ہیں . **ویل للمصلین** . صلوٰۃ و زکوٰۃ دونوں چیزیں اکٹھی آتی ہیں قرآن میں یہاں صلوٰۃ آ گئی اور زکوٰۃ والے جو؟؟؟ . **و یمنعون الماعون** . ؟؟؟؟ یہاں سے کیسے نکل سکتے تھے اجی صاحب نکلنے کی راہیں ہزار کوئی بڑے سے بڑا اچھے سے اچھا آپ قانون بنائیے وہ قانون بنا رہے ہوتے ہیں قانون دان اور قانون توڑنے والے یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ اس میں سے نکلنے کی راہیں کونسی ہیں بنا دیا اللہ میاں نے . **یمنعون الماعون** . ؟؟؟؟ کوئی قرآن شریف اٹھا کے دیکھئے اس کا ترجمہ ملے گا کہ روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کو مانگنے سے نہیں دیتے نی پین؟؟؟؟ ذرا چھانی تے اپنی دیدیں، میں نئیں دیندی چل بھئی تکذیب دین ہو گئی، جے دیدیتی اونے چھلنی اطاعتِ خداوندی ہو گئی، بھائی ذرا سائیکل دینا میں نے وہاں تک جانا . **یمنعون الماعون** . کا ترجمہ کوئی قرآن اٹھا کے دیکھئے اس میں لکھا ہوا ہوتا ہے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں مانگنے سے نہیں دیتے، دین مانگنے سے دیدے تو، خود اس زبان میں اس کا معنی جو ہے ماعون لفظ جو کہا گیا ہے بہتے پانی کو کہتے ہیں . **یمنعون** . منع کر دینا یہ لفظ موجود ہے روک

رکھتے ہیں اس کو یہ ہے وہ اوپر کہا گیا تھا کہ وہ یتیم کی دوانہیں کرتے مسکین کو کھانا نہیں دیتے اسی کی تو تفسیر ہے کہ کرتے یہ ہیں کہ جس رزق کو ندی کی طرح انہار کی طرح رواں دواں چلنا چاہیئے . **یمنعون الماعون** . اسے روک رکھتے ہیں اب یہ روک رکھنا تو بہت قابلِ نفرت بھی ہے اور ویسے بھی نظر آتا ہے کہ قرآن کی تو منشاء کے خلاف ہے تو یہ مزین کیسے بنا مزین ایسے بنا کہ روک رکھو جتنا جی چاہے سال کے بعد اڑھائی فیصد اس میں سے دیدو یہ ہوگئی زکوٰۃ اور اب ہمارے ہاں جو احیاء ہو رہا ہے اسلام کا اس میں تو اور بھی یہ چیز؟؟؟؟ ہوگئی ہے اس میں آپ کو تو معلوم ہوگا جن کا کٹتا ہے زکوٰۃ اس میں کاٹی جاتی ہے وہ amount لوگوں کا جو ایسی شکل میں جہاں جمع ہے جس پہ intrest یا سود ملتا ہے یعنی بنک کے اندر آپ کا fix deposit جو ہے اس پہ intrest ملتا ہے savings کے اندر آپ کو intrest ملتا ہے national saving کے certificate کے اوپر آپ کو intrest ملتا ہے ان amounts پہ جس پہ گورنمنٹ خود سود دیتی ہے وہ intrest یا سود جسے قرآن نے اعلانِ جنگ کہا ہے خدا اور رسول کے خلاف جس amount کے اوپر یہ intrest یا سود ملتا ہے اس میں سے وہ زکوٰۃ کاٹے ہیں جس میں intrest نہیں ملتا نا اس پہ نہیں کاٹتے current account پہ نہیں کاٹتے تو زکوٰۃ تو یہ ہوگئی اور باقی سارا کچھ وہ جو اصل amount تو اسی طرح نوٹ ہے آپ کا اور پلس وہ جو سارا intrest رہا ہے یہ سارا جتنا ہے حلال وطیب ہوگیا کیونکہ اس میں سے یہ جتنے پیسے جو تھے وہ ابھی آپ نے دیئے نہیں ہیں وہ زکوٰۃ جو ہے لوگ اس کے خلاف اپیلیں کرتے رہتے ہیں تو یہ ہوگئی زکوٰۃ وہ ہوگئی صلوٰۃ تو قرآن نے دو ہی تو حکم دیئے ہیں؟؟؟ . **اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ** . یہ دیکھو دونوں چیزیں آگئیں اس میں، غور فرمایا کہ . **زین لھم سوء عملہ** . جو قرآن نے کہا ہے کہ سوءِ عمل اور غلط کام مزین بن جاتے ہیں پھر ان کی نگاہوں میں مزین بن جاتے ہیں ہمارا دور تو اس اعتبار سے بہت اچھا ہے اس میں ان چیزوں کی لفظی تفسیر کی ضرورت ہی نہیں ہے صورت بگیں عالم نہ پرس شکلوں نظر اوندا پئی کی اے، قرآن نے کہا کہ یہ جہاں بھی قرآن نے یہ کہا ہے یہ اس کو نہر سے تشبیہ دی ہے قرآن نے جنت کا رزق بہتے پانی کی ندی کی طرح رواں دواں ہے، اگر وہ ماآء ہے وہ؟؟؟؟ وہ خمر ہے، وہ اصل ہے جو بھی رواں دواں رہتا ہے وہ تو جنت کا رزق ہے جہاں بند لگا آپ کے ہاں کا اور اس کے بعد اسی پانی کے اندر بگاڑ پیدا ہوا جہنم کا بن گیا اگلی ہی آیت میں ہے . **و مغفرۃ من ربھم** . وہ اصل کا کہا کہا ایک تو یہ وہ اوپر تھے نا دو بتائے ایک وہ جو سیدھی راہ پہ چلا جا رہا ہے دوسرا جس کو یہ اس کے غلط کام اچھے بن کے دکھائی دے رہے ہیں تو جو سیدھی راہ پہ جاتا ہے وہ تو اس جنت کے اندر ہے اور دوسرا . **کمن ھو خالد فی النار** . دوسرا وہ کہ جو جہنم میں زندگی بسر کرتا ہے وہاں بھی اسے پانی ملتا ہے، کس قسم کا . **و سقوا ماآء حمیما فقطع امعآء ھم** . پانی تو وہی تھا جب یہ پیتا ہے تو انتڑیاں کٹ جاتی ہیں اس سے، دیکھا ہے جو اوپر کہا تھا کہ وہ پانی جس میں بگاڑ نہیں پیدا ہوا ہوتا وہ نہر کی شکل میں ہو تو پھر وہ رہتا ہے ایسا جونہی بند لگایا ہے آپ نے وہی پانی ممد حیات کی بجائے وہ ممد مرض بن گیا مرگ آفریں ہو گیا انتڑیاں کٹ

گئیں موت واقع ہوگئی انسانیت کی آج عزیزانِ من انتڑیاں کٹ گئی ہیں زندگی کا کہیں نشان نظرنہیں آتا حیوانی سطح کے اوپر تو زندگی ہے انسانی سطح کے اوپر کہیں زندگی نہیں ہے یہ دونوں فریقوں کے متعلق قرآن نے تقابل کیا تھا آپ دیکھتے ہیں کہ جنت اور جہنم کے تقابل میں بات کیا کہہ گیا ہے وہ بیسہ تو وہی ہوتا ہے ایک سے حیات ملتی ہے دوسرے سے انتڑیاں کٹ جاتی ہیں یہی جنت اور جہنم کی زندگی ہے وہاں کیسے ہوگی یہ تو وہاں کی بات ہے اور یہاں تو ہمارے سامنے جو کچھ ہورہا ہے حیات آور رزق جو ہے وہ تو کہیں نظر نہیں آرہا مرگ آفریں جو ہے وہ آج ساری دنیا کے اندر ہے باقی رہا یہ کہ اب سانس لینے والے انسان چلتے پھرتے ہیں تو قرآن نے کہا تھا نا کہ . **کما تاکل الانعام** . یہ انسان نہیں ہیں کہا حیوان بھی تو چلتے پھرتے تمہیں نظر آتے ہیں زندہ نظر آتے ہیں انہیں بھی زندہ اور مردہ حیوان کہا جاتا ہے نا تو کہا یہی زندگی کا اشتراک ہے جو اس قسم کے معاشرے کے انسانوں میں اور حیوانوں میں ہوتا ہے ایک زندگی وہ ہے جو قرآن نے کہا ہے؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟او چلتے پھرتے حیوانو آؤ خدا اور رسول کی اس دعوت کے اوپر لبیک کہو جو تمہیں وہ چیز دے گا جس سے تمہیں زندگی مل جائے گی زندہ انسانوں کو کہا جاتا ہے آؤ دیکھا زندگی اور زندگی میں فرق یہ ہے عزیزانِ من دونوں میں فرق ۔ آیتیں تو دو ہی آج ہوئیں لیکن بات بڑی اہم تھی وہ آگئی سورۃ محمد کی آیت پندرہ تک ہم آ گئے عزیزانِ من اور 16 ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔ . **ربنا تقبل من انک انت السمیع العلیم** .

شکریہ

پانچواں باب: سورۃ محمد (آیات 16 تا 21)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج فروری 1982ء کی 12 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ محمد کی آیت 16 سے ہو رہا ہے 47/16۔

یہ حق اور باطل کی کشمکش کا ذکر چلا آ رہا تھا اور سارا قرآن ہے ہی اسی کشمکش کی داستان؟؟؟؟؟ اس کشمکش میں مختلف مراحل آتے ہیں نبی اکرمؐ کی زندگی کا پہلا دور مکے کی زندگی ہے وہاں قریش کے ساتھ تصادم تھا قریش کی ایک خصوصیت تھی کہ وہ کھلے ہوئے دشمن اور کھلے ہوئے دوست تھے ان میں منافقت نہیں تھی وہ ان کا قومی کردار تھا یہ اس لئے وہاں جو تصادم ہوتا تھا وہ کھلے بندوں ہوتا تھا اور پھر جب حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے ہیں تو باقی زندگی میں بھی قریش کے ساتھ جو ٹکراؤ اور تصادمات ہوئے ہیں وہ میدانِ جنگ کے ہی تصادمات تھے اور بالآخر جب انہوں نے دیکھ لیا اپنی آنکھوں سے کہ حق اسی طرف ہے نصرت انہی کو حاصل ہوتی ہے تو وہ اسلام لے آئے کھلے بندوں اسلام لائے اور پھر ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جو منافق نظر آیا ہو لیکن جب مدینے تشریف لائے ہیں آپ تو پہلی بات تو یہ ذہن میں یوں آتا ہے کہ حضورؐ مدینہ تشریف لے آئے تو سارا مدینہ مسلمانوں کا تھا اور اس کے بعد یہ اسی طرح سے اس شہر میں یا اس علاقے میں یہ مسلمان ہی تھے جو زیادہ آتے رہے بات یہ نہیں تھی جب وہاں ابتداء ہوئی ہے تو وہاں تو معدودے چند گنتی کے لوگ مسلمان تھے اب باقی جو وہاں کی آبادی تھی خود مدینے کی اور اس کے گردنواح جو قبائل بھی تھے عربی ان کے کردار میں اور قریش کے کردار میں بڑا فرق تھا یہ بیشتر منافقین تھے یہودی تھے اور وہ تو منافقت میں ضرب المثل ہیں اور یہ جو اعراب؟؟؟ قبائل بھی بیشتر تھے ان کی بھی یہی کیفیت تھی تو اب یہاں جو ٹکراؤ اور تصادم ہے اس کی نوعیت مختلف ہوگئی تھی بلکہ یہ دہرے قسم کے ٹکراؤ تھے قریش کی طرف سے تو اس چھ سات سال کے عرصے میں کتنی ہی لڑائیاں ہوئیں بار بار وہ آتے تھے ہجوم کر کے اور بار بار ان کے ساتھ جنگ ہوتی تھی تو ایک تو یہ مقابلہ تھا جو قریش کا مقابلہ رہا مسلسل مدینہ آنے کے بعد بھی فتح مکہ تک اور دوسرا یہاں مدینہ اور اس کے گردونواح کی آبادی کے بیشتر جو منافقین تھے ان کے ساتھ معاملہ اور قرآن میں آپ دیکھیں گے کہ ان تصادمات کا ذکر تو کم کم آتا ہے اور ان منافقین کی جتنی سازشیں ہیں ان کا ذکر بیشتر مقام پہ آتا ہے اس قسم کی مخالفت بڑی ہی جگر گداز ہوتی ہے تکلیف دہ اذیت رساں بھی ہوتی ہے اور بہت زیادہ اس سے بہت زیادہ گھٹن پیدا ہوتی ہے انسان میں تو یہ مرحلہ وہ آتا ہے جس میں یہ کیفیت ہے اب ان لوگوں کا ذکر اب جہاں جہاں آگے بات آئے گی اس میں یہ ذہن میں رکھئے گا کہ یہ منافقین کا جو ذکر جو آئے گا تو وہ یہ آبادی مدینہ اور اس کے گردونواح کی ہے اور جو کھلے بندوں تصادم کا ذکر

ہے تو وہ قریش ہے اور وہاں کی آبادی ہے تو پہلی ہی آیت میں بات شروع ہوتی ہے ۔ **و منھم من یستمع الیک** ۔ اے رسول تمہاری محفل میں ایسے لوگ بھی آ جاتے ہیں کہ جو بظاہر نظر آتا ہے کہ یہ بڑے غور و خوص سے سن رہے ہیں جو کچھ تو کہہ رہا ہے حضورؐ قرآن ہی سناتے تھے اور اسی کی تشریح فرماتے تھے کہنے لگے لیکن کیفیت یہ ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے تمہیں تک رہے ہوتے ہیں اور دھیان کہیں اور ہی ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ۔ **حتیٰ اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفًا** ۔ محفل برخواست ہوتی ہے باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے کہ جنہوں نے سمجھ سوچ کے یہ سنا ہوتا ہے ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا تھا آپ اندازہ لگائیے اس ایک فقرے سے ساری نفسیاتی کیفیت چھلک کر باہر آ جاتی ہے بات تو آگے قرآن نے یہ کہہ کے واضح کر دی ہے کہ ۔ **اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم و اتبعوا اھوآءھم** ۔ وہی اتباع کا لفظ دیکھئے آیا یاد ہے آپ کو میں نے بتایا تھا کہ محکومیت اطاعت اور اتباع میں کیا فرق ہے جہاں بھی اھوا یا جذبات یا اپنی مفاد پرستیوں کا ذکر ہے وہاں اتباع کا لفظ قرآن لایا ہے یہ باہر سے کہیں حکم نہیں دیا جاتا جس کی اطاعت ہوتی ہے انسان کے اندر سے اس کے اپنے جذبات کا تقاضا ہوتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں اسی کو اتباع کہا جاتا ہے تو کہا یہ مقصد ان کا نہ حق کو سمجھنا ہے نہ حق کی پیروی کرنا ہے نہ حق و باطل میں کھلے بندوں کوئی تمیز و؟؟؟ ہی کرنا ہے اپنے مفاد ہیں جن کے یہ پیچھے ہوتے ہیں یہاں آ کے بھی بیٹھتے ہیں تو خیال تو ادھر ہی ہوتا ہے اور بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں تمہاری مجلس میں وہ یہ دوسرے مقام پہ قرآنِ کریم نے دو لفظوں میں یہ بات واضح کی اور پھر وہ عربی زبان کی وسعت بھی اس سے نظر آتی ہے یہ 7/198 ہے ۔ **و ان تدعوھم الی الھدیٰ لا یسمعوا** ۔ جب تو انہیں سیدھے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے کہ یہ راہ ہے سیدھا منزل پہ پہنچانے والا تو یہ بات ہی نہیں سنتے وہ سنتے کیوں نہیں ہیں وہ یستمع الیک تو یہاں تھا نا کان لگائے ہوتے ہیں فرق کیا ہے یہ ہیں وہ دو لفظ جو میں نے کہا ہے کہ قرآن بتا رہا ہے ۔ **و ترٰھم ینظرون الیک و ھم لا یبصرون** ۔ یہ ہے زبان اور یہ ہے قرآن نظر اور بصر میں فرق کیا ہے قرآن نے اب ہمارے ہاں تو یہ اس کا ترجمہ اس کے معنی دیکھنے سے ہی ہو گی دیکھتے ہیں نظر کے معنی بھی دیکھنا ہی ہوتا ہے بصر کے معنی بھی دیکھنا ہی ہوتا ہے بصارت تو بینائی کو ہی کہتے ہیں لیکن یہ یاد رکھئے جسے مرادفات کہتے ہیں نا کہ ایک ہی معنی کے لئے دو لفظ یہ عربی زبان میں ہوتا ہی نہیں ہے یہ تو زبان کا نقص ہے ایک ہی معنی کے لئے دو لفظ کیوں جہاں تک الفاظ کی تعداد کا تعلق ہے ان کے ہاں ایک ایک لفظ کے لئے سینکڑوں لفظ ہوتے ہیں اونٹ کے لئے چھ سو لفظ ہیں غالباً تلوار کے لئے ہزار لفظ ہیں غالباً لیکن لفظ اور لفظ کے اندر شیڈ کا فرق ہوتا ہے ان کے معنی میں بڑا ہی لطیف فرق ہوتا ہے تو یہ نظر اور بصر جو ہے وہ ہے تو دیکھنا ہی لیکن دونوں میں فرق کیا ہے قرآن نے اور اس زبان نے وہ نظرہ تو وہ بولتے ہیں جہاں کوئی دوسرے کی طرف جسے ہم کہتے ہیں نا تک رہا ہے اس کی طرف اور جو دیکھنا ہے اب بصر وہ دیکھنا جس میں خیالات بھی مجتمد ہو کے وہیں ہوں اور آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور خیالات ساتھ اس کے ہوں یہ نہ ہو کہ خیال کہیں اور ہو دیکھ کہیں اور

رہا ہو یہ تو کیفیت ہوگی کہ دیکھ رہا ہو کہیں اور خیالات کہیں اور ہوں یہ تو منافقت ہو جائے گی اور بصر جو ہے بصارت جسے آپ کہتے ہیں وہ وہاں استعمال کریں گے جہاں نگاہ اور ذہن دونوں ایک نکتے پہ مرکوز ہوں تو یہ وہ کیفیت ہوگی کہ جہاں فی الحقیقت کوئی دیکھ رہا ہوگا سمجھ رہا ہوگا، اور وہ منافقت کی کیفیت ہوگی جہاں صرف نظرہ کی کیفیت ہوگی کئی مقام پہ اور بھی یہ آیا ہے نظر اور بصر میں فرق جو ہے تو یہ فرق ہے جو قرآن نے یہاں کیا کہ وہ آتے ہیں محفل میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں تمہاری طرف تک رہے ہوتے ہیں نظرہ لیکن خیال کہیں اور ہوتا ہے اور باہر جا کے پوچھتے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے اس کو سمجھا ہوتا ہے کہ یہ کیا کہہ رہا تھا قرآن کہتا ہے اسی کو دلوں پر مہر لگ جانا کہتے ہیں آپ غور کیجئے یہ چیز بار ہا آ چکی ہے کہ ان چیزوں کو قرآن لفظاً تو ایسا ہے جیسے خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے ۔ **طبع اللہ علیٰ قلوبھم** ۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور بات اس نے کی یہ ہے کہ یہ کیفیت جو اپنے اوپر یہ طاری کرتے ہیں ان کی نفسیاتی کیفیت ۔ **و اتبعوا اھوآءھم** ۔ اپنے ہی مفاد پرستی کے پیچھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر آہستہ آہستہ دلوں میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی وہ ہر وقت اپنی مفاد پرستیوں کے خیال میں ڈوبا رہتا ہے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہاں سے ایک بڑی اہم چیز سامنے آتی ہے محفل میں بیٹھنا قرآن کو سننا اور سننے کے بعد کیفیت یہ ہونا کہ کچھ معلوم نہ ہونا کہ ہم نے کیا سنا ہے وہاں کی جو محفل ہے وہاں تو جو سامنے بیٹھنے والے تھے بہر حال عربی زبان تو ان کی تھی نا ان کے خیالات ہی کسی دوسری جگہ ہوتے تھے آپ سوچئے تو سہی جو ہم قرآن سنتے رہتے ہیں ساری عمر تو قرآن سننے کے بعد پھر ہمیں پوچھنا ہوتا ہے نا کسی دوسرے سے کہ یہ کیا کہہ رہا تھا بلکہ وہ تو پوچھتے بھی تھے اتنا اور ہم تو اس میں اتنا پختہ ہو چکے ہوئے ہیں کہ ہم باہر آ کے بھی نہیں پوچھتے کہ یہ کیا کہہ رہا تھا سنتے ہی رہتے ہیں ساری عمر نہ خود سمجھتے ہیں نہ کسی سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا کہہ رہا تھا ساری ساری رات کھڑے پورا پورا قرآن سن کے آ جاتے ہیں ایک لفظ نہ پڑھنے والے کو پتہ ہوتا ہے نہ ان سینکڑوں سننے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ کیا ہے اہتمام کا پوچھئے تو سارے ملک کے اندر اتنے عظیم اہتمام خبریں سنئے تو صاحب دس ہزار کا مجمع تھا کیا کر رہا تھا ۔ **یستمع الیک** ۔ سن رہا تھا اور میں نے عرض کیا ہے کہ ان کے دل میں تو پھر بھی یہ کرید پیدا ہوتی تھی چلئے باہر آ کے ہی سہی کسی سے پوچھا تو سہی کہ یہ کیا کہہ رہا تھا ہمارے دلوں پہ تو مہر لگنے کی کیفیت ایسی ہے sealed ہو چکے ہیں ہمیں یہ سننے کے بعد اتنا بھی نہیں دل میں کھٹک پیدا ہوتی کہ پتہ تو لیں کہ کیا کہا ہے یہ عجیب چیز ہے مذہب کی؟؟؟؟ اسے چھوڑ کر کوئی بات کوئی دوسرا کرے اگر وہیں آپ کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو اسی سے آپ پوچھ لیتے ہیں کہ معاف فرمائیے میں سمجھا نہیں آپ کی بات ذرا دہرا دیجئے وہاں اگر نہیں موقع ملا ہے تو کوئی ساتھ ہے تو اس سے پوچھتے ہیں کہ صاحب میں نے بات اچھی طرح سمجھی نہیں یہ کیا بات تھی کیوں یہ ہے نا چیز جو آپ کرتے ہیں ہمیشہ کوئی اور بات ہو مذہب کے سوا اس میں یہ ہوتی ہے ہماری روش ہمارا ردِعمل کہ جو بات سمجھ میں نہیں آتی اسی وقت یا تو پوچھ لیتے ہیں کہنے والے سے یا کسی دوسرے سے جس نے بات سنی اور سمجھی ہو لیکن یہ عجیب ایک؟؟؟ مذہب کا کہ اس کے اندر ساری عمر

ہم سنتے رہتے ہیں اور کبھی یہ دل کے اندر کھٹ ہی پیدا نہیں ہوتی کہ اس کو سمجھ تو لیں جو ہم سن رہے ہیں خود نہیں سمجھا جاتا تو کسی سمجھنے والے سے پوچھ تو لیں کہ اس نے کیا کہا تھا، کچھ نہیں سنتے رہتے ہیں ساری عمر پڑھتے بھی رہتے ہیں ناظرہ جسے کہتے ہیں اور یہ بھی مخصوص ہے مذہب کے ساتھ دنیا کی کوئی کتاب آپ ناظرہ نہیں پڑھتے یعنی اس کے الفاظ پڑھتے چلے جائیں اور آپ کو معلوم ہی نہ ہو کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں اسے ناظرہ کہتے ہیں نا، سوچ رہے ہیں آپ کبھی کھڑے ہو کے ذہنوں میں ایک چیز ہے کہ اس سے ثواب ہوتا ہے؟؟؟؟؟؟ عزیزانِ من کوئی ایسی عبادت کوئی ایسے الفاظ کوئی ایسی کتاب بھی ہے جسے آپ سمجھیں نا اور پھر ساری عمر پڑھتے چلے جائیں اور اپنے آپ کو یہ ایک اطمینان دلاتے چلے جائیں کہ اس سے کچھ ہوتا ہے ارے کسی اور کتاب سے کیوں نہیں آپ یہ کچھ کرتے اسی کی تخصیص میں کیوں ہے ۔ معاذ اللہ ۔ کیا یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کے معنی کچھ نہیں ہیں الفاظ ہی الفاظ ہیں؟ جتنی خدمت آپ دیکھ رہے ہیں اسلام کی ہو رہی ہے یا قرآن کے نام پہ ہو رہی ہے ساری اس طرح سے ہوتی ہے کہ اس کے الفاظ کس طرح دہرائے چلے جائیں بغیر سمجھے ۔ **و منھم من یستمع الیک حتیٰ اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال اٰنفًا** ۔ یعنی قرآن تو ان کو بھی مذموم قرار دیتا ہے جھٹک دیتا ہے ان لوگوں کو حالانکہ انہوں نے پوچھ تو لیا تھا باہر آ کر کہ کیا بات ہو رہی تھی یہ کیا کہہ رہے تھے سوچئے کہ ان کے مقابلے میں نظام خداوندی میں ہمارا کیا وزن ہے جو باہر آ کے بھی نہیں پوچھتے کبھی کہ کیا کہا تھا یہ یہ ساری رات ہم نے کیا سنا ہے چلے آتے ہیں بغیر سمجھے سن کے کسی سے پوچھتے نہیں ہیں؟؟؟؟؟ ساری عمر یہی کرتے ہیں ساری قوم یہی کر رہی ہے اور اس کا نتیجہ تو پھر ظاہر ہے نا کہ ساری قوم رو رہی ہے ۔ **و اتبع اھوآء ھم** ۔ قرآن نے بتا دیا کہ ایسی کیفیت کیوں ہوتی ہے ابھی آگے چل کے یہ بتاتا ہے کہ کیوں نہیں سمجھنا چاہتے یہ سمجھنا چاہتے نہیں ہیں مفاد پہ زد پڑتی ہے سمجھنے سے، یوں تو بڑا سستا چھوٹتا ہے آدمی اہتمامات کر لئے مسجدوں میں بہت میدانوں میں ہال کے اندر ان چیزوں کا قاضیوں میں تو خاص طور پہ شبینے بھی ہوتی ہیں اور روزانہ بھی قرآن کی جو تلاوت ہوتی ہے اس میں بھی یہ ہے مدرسے کھلے ہوئے ہیں کا ہے کے لئے وہ قرآت کے لئے تجوید کے لئے یعنی الفاظ کیسے ادا کئے جائیں قرآن کے معنی اور مفہوم کے لئے نہیں اور یہ میں جہلا کی مجلسوں کا ذکر نہیں کر رہا عزیزانِ من آپ کے ہاں جو دار العلوم ہیں ایک تو مکتب ہوتا ہے نا جو یہ پرائمری سکول جیسے یہ مڈل سکول تک یا ہائی سکول تک وہ سمجھ لیجئے مکتب دار العلوم ہوتا ہے کالج کی یونیورسٹی کی سٹیج جو ہے اس سٹیج سے بھی آپ کے ہاں یہ مذہبی دار العلوم ہیں ان کے اندر اٹھارہ علوم پڑھائے جاتے ہیں سات سال کا نو سال کا قریباً کورس ہوتا ہے ان اٹھارہ علوم میں قرآن نہیں ہوتا آخری سال سورۃ بقرۃ صرف ایک تفسیر ہے بیضاوی کی وہ سورۃ بقرۃ کی آخری سال بس وہ تعویذ کی طرح اتنی سی شرط پوری کی جاتی ہے پورا قرآن نہیں ہے اس نصاب میں داخل، پھر سند مل جاتی ہے اس کے بعد عالم ہونے کی تو قرآن کی تو ضرورت ہی نہیں ہے وہ قرآن جس کے متعلق بہر حال میں نے کہا تھا نا کہ وہ سمجھنا چاہتے نہیں ہیں کیونکہ وہاں تو یہ بھی آیت آ جائے گی نا ۔ **و من لم**

یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ۔ کافر اور مسلم میں فرق یہ ہے کہ جو خدا کی کتاب کے مطابق فیصلے کرتے ہیں وہ مسلم ہوتے ہیں جو ایسا نہیں کرتے وہ کافر ہوتے ہیں، کیوں سمجھیں اس کے سمجھنے سے تو بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے بلا سمجھ کے پڑھنے سے ثواب ملتا ہے اور سمجھ کے پڑھنے سے تو سب کچھ الٹ جاتا ہے ہر معاملے کا فیصلہ خدا کی کتاب کے مطابق ۔ و اتبعوا اھوآء ھم ۔ تو بات پھر نہیں رہتی نا کہ اپنی مفاد پرستیوں کا اتباع کرتے ہیں قرآن تو ایسا پھر نہیں کرنے دے گا نا ان کو، تو یوں بڑا سستا چھوٹتا ہے آدمی یہ دین مذہب سے بدلا ہی اس لئے جاتا ہے کہ بڑا سستا ہوتا ہے یہ بڑا آسان ہوتا ہے چند رسومات چند الفاظ دہرا لئے تو قرآن کا مقصد پورا ہو گیا چند رسومات اور؟؟؟؟ ادا کر لیں تو وہ اعمال جو ہیں وہ پورے ہو گئے باقی سارا کچھ ۔ و اتبعوا اھوآء ھم ۔ اپنی مفاد پرستیاں ہیں ان کے پیچھے چلے، ان کے مقابلے میں دوسرے وہ لوگ ہیں ۔ و الذین اھتدوا زادھم ھدًی و اٰتٰھم تقوٰھم ۔ کیا بات ہے آپ کو یاد ہے کہ میں نے دو تین درس پہلے خدا کی نصرت کے متعلق یہ بات کہی تھی تو پورا درس ہی اسی نکتے پہ تھا کہ initiative جو ہے پہل جو کرنا ہے وہ انسان کے لئے ہے اور خدا اس کے پیچھے چلتا ہے بڑی اہم چیز ہے جو قرآن نے میں نے عرض کیا تھا نا کہ مجھ سے اگر پوچھا جائے کہ قرآن کا پیغام کیا ہے تعلیم کیا ہے لم کیا ہے تو وہ ایک ہی بات ہے کہ یہ انسان کو اس کے مقام سے آشنا کراتا ہے اور خدا کا صحیح تصور ہے اور بس یہ ہے دین، اسی محور کے گرد گھومتی ہے ساری کی ساری تعلیم اور انسان کا اور خدا کا تعلق بہم بتاتا ہے اور وہ تعلق یہ ہے کہ ابتداء انسان کی طرف سے ہوتی ہے اس کے مطابق پھر خدا ؟؟؟؟؟؟ ۔ ان تنصر اللہ و ینصر ۔ تم اگر خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا تم کرو اور اس کے متعلق اپنے لئے اس نے کہہ دیا ۔ ان وعد اللہ حقًا ۔ ہم پھر ضرور ایسا کریں گے تمہیں تو اس کا اختیار ہے کہ جی چاہے کرو جی چاہے نہ کرو جیسا کرو بھگتو لیکن جب تم ایسا کرو گے تو ہمیں اختیار نہیں رہے گا ۔ معاذاللہ ۔ کہ ہم جی چاہے پھر وہ کریں یا نہ کریں تو وہ ضرور کرنا ہوگا ہمیں یہ ہے خدا اور یہ ہے انسان، دیکھتے ہیں کہ یہ انسان کا مقام کیا ہے اور خدا کا تعلق کیا ہے انسان کے ساتھ تم یہ کرو اور پھر دیکھو اور ہمیں پھر جیسا کہہ دیا نا ہمیں تو یہ پھر کرنا پڑے گا کیونکہ ہم تو اپنے وعدے کے پکے اور سچے ہیں ۔ والذین اھتدوا زادھم ھدًی ۔ جو بھی صحیح راستے کے اوپر قدم اٹھاتا ہے صحیح راستے کی کشادہ اس کے سامنے بڑھتی چلی جاتی ہے واضح سے واضح تر ہوتا چلا جاتا ہے وہ راستہ اس کے سامنے قدم پہلے اس نے اٹھانا ہے ۔ والذین اھتدوا ۔ یہ ہے پہلے اس نے کرنی ہے صحیح راستے پہ قدم اس نے اٹھانا ہے خدا تو ایک طرف رہا اس نے تو پہلے ہی کہہ دیا کہ تم کرو گے ایسا تو پھر ہم کچھ کریں گے وہ تو اپنے رسول سے کہتا ہے کہ تم بھی اسے ہدایت کے صحیح راستے پہ چلا نہیں سکتے جسے تم کتنا ہی کیوں نہ چاہو کہ وہ صحیح راستے پہ چلے تم صرف راستہ بتا سکتے ہو اس کو چلا نہیں سکتے راستے پہ، کیا فرق ہے، چلنا تو انسان نے خود ہی ہے یہاں بھی initiative انسان کے ہاتھ میں ہے کہ صحیح راستے کے اوپر قدم اٹھاؤ صحیح راستے کی ؟؟؟ اور خوشحالیاں دیکھو کتنی پھیلتی چلی جاتی ہیں وسعتیں اس کی تمہارے سامنے آتی چلی جاتی ہیں یہ ہے ۔

زادھم ھدًی ۔ اوراس کے بعداس کا نتیجہ ۔ و اٰتھم تقوٰھم ۔ معاملات کے سمجھنے کی قرآن کی رو سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت جو ہے وہ بڑھتی چلی جاتی ہے اس سے، ہوتا ہے یہ یہ ہم تقوٰی کے معنی پرہیزگاری صرف کر لیتے ہیں بات سمجھ میں نہیں آتی تقوٰی ہوتا ہے کسی خطرناک چیز سے محفوظ رہنے کا احساس اوراندیشہ حفاظت غلط کاموں کے نقصان دہ نتائج کا احساس یہ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے کہا یہ سارا کچھ ہم ان کو سمجھا رہے ہیں لیکن اس کے باوجود صحیح راستے پہ نہیں آتے ۔ **فھل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیھم بغتۃ فقد جآء اشرطاھا فانی لھم اذا جآء تھم ذکرٰھم** ۔ کہا اس کے بعد اب پھر بھی جو نہیں صحیح راستے پہ چلتے تو کیا یہ اس تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ جو ان کے ان اعمال اوراس روش کا لازمی نتیجہ ہے میں نے عرض کیا ہے نا کہ قرآن بتاتا یہ ہے کہ قومیں غلط راستہ اختیار کرتی ہیں تو بتدریج آہستہ آہستہ وہ تباہی کے آخری مقام تک پہنچتی ہیں پہلے ہی دن وہ ہلاک نہیں کر دی جاتیں بڑا لمبا عرصہ ہوتا ہے یہ مہلت کا عرصہ وہ کہتا ہے کہ معاملہ تو ان کا یہاں تک آ گیا ہے کہ اس آنے والی تباہی کی علامات اور نشانیاں ان کے سامنے آ چکی ہیں یہ ان سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے تو کیا یہ اب چاہتے ہیں کہ وہ ہلاکت ان کے سر پہ مسلط ہو جائے تو پھر ہی یہ کچھ سمجھیں تو کہا کہ اس وقت کا سمجھنا تو کوئی کام نہیں دیا کرتا جب ہارٹ فیل ہو جاتا ہے تو کوئی دوائی اثر انگیز نہیں ہوتی وہ تو دھڑکتے دل تک ہے اس کا علاج اس کے بعد نہیں علامتیں اس کی Heart Failure کی پہلے آ جاتی ہیں اسی لئے وہ پہلا حملہ ہوتا ہے تو وہ ڈاکٹر کہہ دیتا ہے یاد رکھئے یہ وارننگ دی ہے فطرت نے تمہیں اگر یہ یہ چیزیں اس کے بعد نگہ پرداخت کرو گے حفاظت کرو گے تقوٰی اختیار کرو گے تو پھر بچ جاؤ گے اور اگر نہیں تو پھر یہ چیز اگر اس کے بعد حملہ ہو گیا تو پھر نہیں بچ سکتے یہ ہیں جو قوموں کی ہلاکت اور زندگی کے متعلق بھی یہی قانون ہے وہ وارننگ ہوتی ہے علامات آتی ہیں کہا جاتا ہے کہ اب بھی وقت ہے کہ بچ جاؤ لیکن جب وہ ہلاکت مسلط ہو جاتی ہے تو دنیا کی تاریخ بتاتی ہے صاحب بڑی بڑی ضخیم القدر قومیں جو ہیں ان کے کھنڈرات باقی رہ چکے ہوئے، پھر کچھ کام نہیں دیتا اور کہا کہ یاد رکھو بات ایک ہی ہے جو ہم کہہ رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ۔ **فاعلم انہ لا الہ الا اللہ** ۔ ایک ہی حقیقت ہے جس کا اعادہ کیا جا رہا ہے ایک ہی پیغام ہے جسے بار بار دیا جا رہا ہے ایک ہی روش ہے جو اختیار کرنے کے لئے جا رہا ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں حقِ حکومت کسی کو حاصل نہیں ہے سوائے خدا کے، یہ ہے عزیزانِ من **لا الہ الا اللہ** کے معنی یہ معنی تھے دین میں جب وہ بات سمجھتے تھے، مذہب میں الہ کے معنی کر لئے معبود کسی کی پرستش جائز نہیں خدا کے سوا بڑا آسان ہو گیا، کسی کی محکومیت جائز نہیں خدا کے سوا بے حد مشکل معاملہ ہو گیا تھا ہر انسان کے سامنے یہ کہنا کہ میں تمہارا حقِ حکومت مانتا ہی نہیں ہوں عزیزانِ من پوچھو نہیں وہ فرعون کی طرح کیسے گرجتا ہے اس آدمی کے سامنے کہ ہیں میری موجودگی میں یہ کہہ رہے ہو تم پھر جو فرعون کرتا ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہے نا جو اس نے کہا تھا ٹنگوا دونگا صلیب کے اوپر کاٹ دونگا ایک ایک عضو تمہارا میرے سامنے اور یہ کہتے ہو کہ مجھے حقِ حکومت حاصل نہیں ہے یہ کہنا اور پھر عملاً یہ کرنا یہ تھا دین اور پرستش سیدھی سی بات کہ خدا کے ساتھ کسی اور کو نہیں

ملاتے کوئی مذہب والا بھی اپنے معبود کے ساتھ کسی اور کو نہیں ملاتا الگ بات ہے کہ کسی نے کوئی چن رکھے ہوتے ہیں کسی نے کوئی کسی نے ؟؟؟ کسی نے اتنا ہی سہی جتنے انہوں نے اپنے لئے اختیار کر رکھے ہوتے ہیں معبودان میں تو پھر کچھ اور نہیں ملاتے یہاں کہا جاتا ہے کہ خدا کی پرستش کرو محض ایک ذہنی چیز ہے نا، صرف خدا کی محکومیت اختیار کرو ایک عملی چیز آ گئی اور پھر پتہ بھی چل گیا کہ یہ ہو رہا ہے یا نہیں، مذہب اصل میں ہے دین کی جو مشکل منزلیں ہیں ان سے پیچھا چھڑانے کا نام ہے پیچھا چھڑا کے ایک تو دہریت آ جاتی ہے وہ بھی ایک قابلِ فہم روش ہے انکار کرتا ہے وہ کہ صاحب میں مانتا ہی نہیں یہ شق سیدھی بات ہے ایک بات ہے ٹھیک ہے میں مانتا ہی نہیں تو درمیان میں ایک راستہ آتا ہے یہ بین بین ایک راستہ آتا ہے منافقت کا کہ سب کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں کہ ٹھیک ہے یہ بھی مانتا ہوں یہ بھی مانتا ہوں اور جو کچھ وہ دین کہتا ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں مانی الہ مانتا ہوں خدا کو کہ جی وہ تو اس کے معنی حاکمِ مطلق ہیں نہیں جی میں اس کو معبود مانتا ہوں پرستش کرتا ہوں اس کی محکومیت ساری دنیا کے خداؤں کی اختیار کرتا ہوں پرستش خدا کی کرتا ہوں دیکھا نا آپ نے مذہب کتنا فریب دیتا ہے انسان کو ۔ **فاعلم انه لا اله الا الله و استغفر لذنبک و للمؤمنین و المؤمنٰت** ۔ یہ ایک لفظ آ گیا ہے پہلے بھی آ چکا ہوا ہے میں اس کی وضاحت کر چکا ہوا ہوں لیکن پھر اس آیت میں چونکہ آ گیا ہے ۔ **و استغفر لذنبک و للمؤمنین و المؤمنٰت** ۔ ذنب کے معنی گناہ کیا گیا استغفار کے معنی بخشش مانگا ہوا تو کہا اے رسول زنب ؟؟؟ ہے یہاں تو ۔ معاذ اللہ ۔ میں کہہ رہا ہوں جو ترجمہ، اپنے گناہ اور مؤمنین مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے گناہوں کی بخشش مانگ خدا سے یہ اس کا کیا ترجمہ یا یہ سمجھ لیا اس کا مفہوم اور آگے پھر چل پڑی چل سو چل ہزار برس سے یہ بات چلی کہ حضورؐ معصوم ہوتا ہے معصوم ہوتا ہے تو پھر یہ جو گناہ کہا قرآن نے لذنبک یہاں بھی کہا ہے اور دو ایک مقام بھی ہیں کہ رسولؐ سے کہا ہے کہ تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ خدا سے بخشش مانگ خدا سے اور پھر اس کے ساتھ یہ کہ وہ معصوم بھی ہوتا ہے، ڈوبتے چلے آ رہے ہیں ہزار برس سے معصیت نہیں ہے زنب ہے عزیزانِ من وہ معصیت ہے جس کا مرتکب رسول نہیں ہوتا اگرچہ وہ کہتا یہ ہے کہ اگر میں بھی معصیت کا ارتکاب کروں تو خدا کی گرفت سے میں بھی نہیں بچ سکتا اگر میں کروں تو، تو معصیت ہے حکمِ خداوندی کی حکم عدولی سرکشی ؟؟؟؟ اس کے متعلق اس کے خلاف کرنا، رسول یہ نہیں کرتا ذنب میں نے سمجھایا ہوا ہے اب زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا اس کے معنی بنیادی معنی اگر لے لئے جائیں نا جس میں عرب یہ استعمال کرتے تھے اس چیز کو تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ کہاں لے جاتا ہے قرآن ذنب ہوتا ہے وہ دم جو کسی مویشی کے پیچھے ساتھ اس کے لگی ہوئی ہوتی ہے ہوتا کیا ہے اس دم میں چپکی ہوئی ہوتی ہے جہاں جائے ساتھ وہ چلی جا رہی ہوتی ہے کسی کے پیچھے ایسی چیز کا چپک جانا اور ایسا اس کے ساتھ چپکائے رکھنا اس کو پیچھے پیچھے جا کے کہ چھوٹ ہی نہ سکے یہ ہے وہ غلط الزام تراشیاں تہمتیں لگائی جائیں اور پبلسٹی ان کی مسلسل کی جائے جہاں جائے اس کے پیچھے وہ چپکا دیا جائے میں نے کہا ہے نا یہ منافقین کی زندگی تھی اس قسم کی یہ قریش یہ نہیں کرتے تھے یہاں آ کے یہ صورت تھی پھر

طرح طرح کے الزامات تراشتے اور میں سمجھتا ہوں میدانِ جنگ کی تلوار وہ اذیت نہیں پہنچاتی جو غلط الزام اور تہمت اور پھر ان کی اس طرح سے پبلسٹی جو ہے وہ تو زندگی اجیرن کر دیتی ہے جینا حرام کر دیتی ہے انسان کی روح کا، قرآن میں یہ چیزیں یہ رسول اللہؐ کے متعلق ہیں کہ یہ جو تھے منافقین کیا کیا کس کس قسم کی الزام تراشیاں کرتے تھے مؤمنین کے متعلق اور نبی اکرمؐ کے متعلق تو ایک تو یہ اور استغفار کے معنی بخشش مانگ نہیں تم ایسا کرو اس کے معنی ہوتا ہے کسی چیز سے حفاظت کے سامان طلب کر لینا تم اس کے برعکس ایسا کرو کہ جس سے خود بخود تمہاری بریت ہو جائے وہ الزام لگاتے ہیں اس کے خلاف اس قسم کی روش اختیار کرو اس قسم کے اعمال اختیار کرو اس قسم کی اپنی سیرت ایسی بناؤ کہ لوگوں کی نگاہوں میں آ جائے کہ جھوٹ بولتے ہیں وہ صاحب، یہ ہے استغفار وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ ۔ **ان الحسنٰت ؟؟؟ سئیاٰت** ۔ لغزش کہیں ہوتی ہے تو اس کا ازالے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ بہتر اچھا کام کرو کوئی کہتا ہے کہ یہ بڑا بخیل ہے اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس قدر خیرات کرو کہ دنیا میں ڈنکا بج جائے تمہاری سخاوت کا خود بخود وہ الزام ڈھل جائے گا، اس سے مقصد حاصل ہو جائے گا، ذنب ایک تو اس چیز کو کہتے تھے دوسری ایک اور چیز بھی تھی خدا کی طرف سے احکام آتے تھے ان احکام کا repeat کرنا عملاً نافذ کرنا اس کے مطابق جماعت کو تیار کرنا پھر اس کے مطابق آگے عمل کرنا یہ رسول کا فریضہ تھا سب سے پہلے یہ ایسا کچھ کرنے میں بعض اوقات کچھ تدبیری غلطیاں ہو جاتی ہیں انسان سے تدبیری جنگ کے میدان میں بھی بعض اوقات ہوتا ہے سپہ سالار سے کوئی تدبیری سہو ہو جاتا ہے اس سے کچھ نقصان بھی پہنچتا ہے اس کے بعد اس نقصان کا ازالہ جو ہے فوراً دوسری تدبیر اختیار کی جائے کہ اس کا ازالہ بھی کر دے اور فائدہ بھی پہنچا دے ایک تو یہ ذہن میں رکھئے کہ رسول نبی یا نبی اکرمؐ نبوت کے اعتبار سے تو خدا کیطرف سے وحی آتی تھی اس میں تو سوال شائبہ تک بھی نہیں ہے کسی غلطی کا کسی سہو کا کسی سقم کا لیکن عملی دنیا میں جب اس کو رائج یا نافذ کرنا ہوگا تو پھر تو یہ زندگی کے وسائل اسباب جو دنیا کے ہیں انہیں اختیار کرنا ہوگا اس جماعت سے ہی کام لینا ہوگا اس میں بعض اوقات بعض سہو بھی ہو جائیں گے کہ نہیں یوں کرنا چاہئے تھا یہ کوئی بات معصیت کی نہیں ہے یہ کوئی گناہ نہیں ہے جسے آپ کہیں گے ہوتا رہتا ہے ہوا ہے دوسری بار احساس ہو گیا اس کا ازالہ کر لیا ذنب کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں اس ہونے کے بعد پھر جو اس سے نقصان پہنچا ہے اس کا ازلہ کر لیا جائے اس سے حفاظت کا سامان کر لیا جائے اور یہ کونسا وقت تھا جب یہ چیزیں زیادہ ہو رہی تھیں ۔ **واللہ یعلم متقلبکم و مثوٰکم** ۔ مکے سے ہجرت کر کے مدینے آنا کتنا بڑا مرحلہ تھا عزیزانِ من اس زمانے میں جب کہ سامانِ رسل و رسائل کی اتنی فراوانی ہے انتظامات اتنے وسیع ہیں اب بھی جن لوگوں کو اپنے ملک سے کہیں دوسری جگہ آنا پڑتا ہے حالانکہ بڑے انتظامات ہوتے ہیں سوچئے کہ کس قدر اس کو اذیتیں کس قدر تکالیف کس قدر مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے پھر اس کے اندر جتنے انتظامات کرنے ہوتے ہیں اس میں کئی کمیاں رہ جاتی ہیں کئی سقم رہ جاتے ہیں یہ ہے وہ مرحلہ متقلب اور مثوٰی جہاں سے تم نے چلنا ہے اور آنا جانا جس کو کہتے ہیں وہ اور جہاں آخر میں جہاں کے جو تمہاری منزلِ

مقصود ہے جہاں جا کے ٹھہرنا ہے تم نے وہ ہمارے سامنے ہے تو یہ زندگی ہے مکے سے ہجرت کی مدینے میں آ کے نئی جگہ قیام کرنے کی تو ان کے اندر تو کئی تدبیری اسقام رہ جائیں گے عزیزانِ من اس کا ازالہ کیا جائے گا یہ نہ جرم ہے نہ گناہ ہے نہ کوئی غلطی ہے کچھ نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ جو ایسے ہو جائے اس کا ازالہ فوراً کر لیا جائے اب پھر درمیان میں یہ حصہ آیا اور اس کے بعد پھر آ گئے اسی موضوع کی طرف اب یہ مدینے کی زندگی ہے کہ جہاں یہاں پہنچنے کے بعد قریش کو اطمینان سے بیٹھ جانا چاہئے تھا کہ اب وہ اگر وہاں ان کو کوئی خطرہ تھا ان مسلمانوں سے جماعتِ مؤمنین سے تو وہ تو ٹل گیا وہ وطن چھوڑ کے دوسری جگہ چلے گئے انہوں نے کوئی واسطہ نہیں رکھا پھر مکہ سے لیکن نہیں آپ دیکھیں گے کہ جتنی جنگیں قریش کے ساتھ ہوئی ہیں فتح مکہ کے زمانے میں تو حضورؐ وہاں گئے ہیں اور وہ بھی اس سے جو دو برس پہلے صلح حدیبیہ میں جس طرح سے واپس آنا پڑا تھا اس کے بعد گئے ہیں ورنہ ساری جنگیں ایسی ہیں جہاں انہوں نے حملہ کیا ہے تو مدینے میں آ کے پہلی دفعہ اجازت دی گئی ہے جنگ کرنے کی اسے ذہن میں رکھئے گا عام طور پہ یہ سوال کیا جاتا ہے جناب اسلام بزورِ شمشیر پھیلا اور دیکھئے رسول اللہؐ نے اتنی جنگیں کیں یعنی یہ اس طرح سے جنگیں کیں کہ قریش وہاں سے پورا لشکر لے کر اس زمانے میں ایک ہزار کا لشکر بہت بڑی چیز ہوتا تھا عزیزانِ من مسلح اور قریش تو بڑے جنگجو واقع ہوئے تھے وہ وہاں سے مکے سے چل کے مدینے آ پہنچے ہیں حملہ کرنے کے لئے اور یہ مدینہ سے ذرا باہر نکل کے میدانِ جنگ میں ان کے لئے پہنچے ہیں ۲ ہجری کا واقعہ ہے جسے آپ کہتے ہیں کہ ابھی یہ مہاجر تھے پناہ گزیں تھے ان کے پاس تو سواری بھی نہیں تھی اس زمانے میں پوری تلواریں بھی پوری نہیں تھیں لیکن اس مقام پہ یہ ہے وہ پہلی آیت جو جنگ کی اجازت دی گئی ہے 22/39 . **اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا** . کن لوگوں پہ کہ جن پہ اس قدر مظالم ہوئے ہیں بالآخر انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ ہاں بھئی تم بھی اپنی مدافعت کے لئے باہر نکل آؤ یہ ہے اجازت جو پہلی دی جا رہی ہے جنگ کے لئے . **و ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر** . اور یہ سمجھ رکھو کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، کون لوگ ہیں یہ جنہیں اجازت دی جاتی ہے یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ کن حالات میں یہ اجازت دی گئی تھی . **الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حقٍ الا ان یقولوا ربنا اللہ** . یہ وہ مظلوم ہیں کہ جن کو ان کے گھروں تک سے نکال دیا، کس جرم میں، صرف اس جرم میں کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا الٰہ اللہ ہے ربنا اللہ ہمارا رب اللہ ہے اس جرم کی پاداش میں انہیں گھروں تک سے نکال دیا گیا اور پھر جب یہ یہاں آ گیا تو یہاں پیچھا نہیں چھوڑا یہاں حملہ کرنے کو آ گئے اس مقام میں اجازت دی جاتی ہے ان لوگوں کو اور کاہے کے لئے اجازت دی جاتی ہے اسلام پھیلانے کے لئے مندر ڈھانے کے لئے نہیں .

و لو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعضٍ لھدمت صوامع و بیع و صلوٰت و مسٰجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرًا .

کہا کہ اگر خدا ایسا انتظام نہ کرے کہ مستبد ظالم جابر طاقتور حکومتوں کی مدافعت انسانوں کی دوسری جماعت سے نہ کرائے دیکھئے انسانوں سے؟؟؟؟؟ اگر ایسا وہ انتظام نہ کرے تو دنیا میں عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے؟؟؟؟ ہندوؤں کے مندر یوں آج

مجھے یوں کہنے دیجئے مسلمانوں کی مسجدیں کسی مذہب کی پرستش گاہ باقی نہ رہے سلامت ہی نہ رہے توڑ کے رکھ دیں کس لئے اجازت دی جاتی ہے کہ اگر یہ لوگ آئیں تو عزیزانِ من آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ جو مجاہدین مسلمانوں کی فوج ہے اس کا فریضہ کیا ہے، عیسائیوں کے گرجہ کو ڈھانے کے لئے اگر کوئی حملہ کرتا ہے ان کا فریضہ ہے کہ اس کا مقابلہ کریں جا کے مسجد کا ذکر تو آخر میں آیا ہے یہاں تمام اہلِ مذاہب کی معابد جو ہیں پرستش گاہیں جو ہیں ان کی حفاظت کے لئے یہ اپنے سینے پہ تیر کھائیں گے یہ جماعت انہیں اجازت دی گئی ہے کہ آیئے صاحب بات یہاں تھی یہ آیت نازل ہوئی ۔ **و یقول الذین اٰمنوا لو لا نزلت سورة** ۔ یعنی خود ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ اب تو ایسے حالات نازک ہو گئے ہیں کہ ہمیں اجازت دینی چاہئے کہ ہم بھی میدانِ جنگ میں جا کے ان کا مقابلہ کرلیں گویا نظر آ رہا ہے کہ حالات کا یہ تقاضا تو ابھر رہا تھا اور ابھی اجازت نہیں ملی تھی اور یہ چیز جو تھی ان کے سینے میں یہ تڑپ تھی کہ ہمیں کیوں نہیں اجازت مل رہی ۔ **لو نزلت سورة** ۔ کہا یہ جو سچے مؤمن تھے ان کے اندر تو یہ بات تھی کہتے تھے یہ بھی اور آگے بات آ گئی پھر وہی منافقین کی ۔ **فاذا انزلت سورة محکمة و ذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیه من الموت فاولیٰ لھم** ۔ کہا یوں زبان سے تو یہ کہتے تھے کہ ہاں صاحب ٹھیک ہے جنگ کی اجازت کہنے لگے اب جو جنگ کی اجازت کے لئے حکم نازل ہوا تو ان منافقین کی کیفیت یہ ہے کہ یہ سنتے ان پہ غشی طاری ہو گئی موت کی غشی طاری ہو گئی کہ ہائے ہائے یہ کیا ہو گیا میدانِ جنگ میں جانا پڑے گا ۔ **فاولیٰ لھم** ۔ کہا ان کی تباہی ہو جب تک یہ بات نہیں تھی تو یہ بھی باقیوں کے ساتھ کہتے تھے کہ ہاں ہاں صاحب ٹھیک ہے خدا کی طرف سے حکم نہیں ملتا ہم کیا کریں بیٹھے ہیں آرام سے اور جب وہاں سے یہ حکم آ گیا تو اب یہ دو جماعتیں ہو گئیں ایک تو یہ تھے جو سچے مؤمن تھے جنہوں نے اس موت میں زندگی کو دیکھا لپک کے چلے گئے عروسِ موت کو گلے سے لگانے کے لئے وہاں حقیقی زندگی ان کو مل رہی تھی اور ایک یہ تھے کہ پہلے یہ کچھ کہتے تھے اور جب یہ حکم نازل ہوا ہے تو اس کے بعد جسے ہم کہتے ہیں نا موت پڑ گئی تو یہ ہے ہی ایسی غشی طاری ہوئی گویا موت پڑ گئی ان کے اوپر اب فرق ہو گئی ایک ہی حکم کے اندر اس فرق کے متعلق دوسرے مقام پہ بات ذرا واضح ہوئی ہے عزیزانِ من بڑی اہم آیت ہے سورۃ النسآء کی آیت 4/77 ہمارے متعلق ہے ۔ **الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم و اقیموا الصلوٰة و اتوا الزکوٰة** ۔ کہا یہ لوگ تھے کہ جب تک تو دین اپنے ابتدائی مرحلے میں تھا یہ نظام ہمارا ٹریننگ کا عرصہ تربیت کا مرحلہ تھا صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا مرحلہ یوں کہئے میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا جب تک تو اتنی سی بات تھی کہ یہ ساتھ اس جماعت اور نظام کے ساتھ چپکے ہوئے تھے ٹھیک ہے، نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی رنگ چوکھا ہو، بات اتنی سی ہے ساری نماز پڑھ لو کچھ خیرات دے دو کہا جب تک تو یہ کیفیت تھی اور ان سے کہا گیا تھا کہ نہیں بس آگے نہیں بڑھو یعنی وہ جو مرحلہ شمشیر زنی کا وہ نہیں آیا تھا ابھی ابتدائی مرحلہ تھا ٹریننگ کا مرحلہ تھا وہاں تک تو یہ ٹھیک تھے ۔ **فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس**

کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ ۔ جونہی جنگ کی آیت حکم نازل ہوا تو موت پڑ گئی کانپنے لگ گئے کہ نہیں صاحب یہ تو ہمیں مار دیں گے اتنا ڈرنے لگ گئے ان سے کہ خدا سے بھی اتنا نہیں ڈرے اور اس کے بعد ہے ۔ قالوا ربنا لم کتبت علینا القتال ۔ کہا او یا اللہ اچھے بھلے ہم تو بیٹھے تھے سمجھتے تھے کہ اسلام اسی کا نام ہے نماز پڑھ لی خیرات دیدی یہ کہا جا رہا ہے میدانِ جنگ میں جاؤ یہ کاہے کو حکم نازل کر دیا تو نے کہا یہ کہہ رہے ہیں دیکھتے ہیں مذہب میں پہنچ کے پھر کیا ہوتا ہے مذہب تو نام رہ جاتا ہے نماز اور زکوٰۃ کا اور یہ جو میدان جنگ میں جا کے جان دینا ہے مدافعت کرنا ہے یہ حکومت کا کام ہو جاتا ہے اگر چہ یہاں ہمارے ہاں نہ وہ نظام اسلام کا نہ وہ چیز تھی لیکن بہر حال جنگ تو ہوتی تھی 1965ء کی جنگ جو ہوئی ہے ہمارے ہاں وہ اس مقام تک آ چکے تھے جسے کہئے کہ ان کے بوٹوں کی آہٹ یہاں سنائی دیتی تھی لاہور والوں اس مقام تک وہ آ چکے ہوئے تھے ٹھیک ہے مملکت کی فوجیں تھیں وہ تو گئیں اس سارے معرکے میں آپ نے دیکھا کوئی مولوی صاحب وہاں میدانِ جنگ میں شریک ہوئے تھے کوٹھے پہ چڑھ کے اذانیں دینے لگ گئے تھے ۔ افو ایدیکم و اقیموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ ۔ کہا یہاں تک تو وہ اسلام کے ساتھ بالکل چپکے اور شدت کے ساتھ چپک گئے صاحب لیکن جونہی جنگ کا وقت آیا تو کہنے لگے کہ یہ اللہ میاں سے کہتے ہیں کہ یا اللہ بیٹھے بٹھائے ہم آرام سے تھے یہ تم نے کیا کر دیا یہ جنگ کا حکم دیدیا صاحب یہ ہوتا ہے دین جب مذہب میں بدلتا ہے نیکی نام رہ جاتا ہے حالانکہ یہی جو زکوٰۃ اور یہی جو صلوٰۃ تھی دین کے جو پروگرام تھے اس میں اہم ستون تھے یہ لیکن یہ سب تیار کرتے تھے میدانِ جنگ میں جانے کے لئے منزل آخری جو ہے مؤمن کی وہ تو شہادت ہے نا یہ جو سارا قصہ پہلا کہ جتنا بھی ہے وہ تو ٹریننگ ہے وہ تو کاکول کی پی ایم اے ہے یوں کہئے تیار کیا جاتا ہے اس کے اندر سپاہی کو یہ ساری جتنی یہ تربیت گاہیں ہیں عزیزانِ من ایک قربانی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے ہیں وہ آخری منزل اس کی میدانِ جنگ ہے جہاں سر ہتھیلیوں پہ رکھ کے یہ خدا کی راہ میں چلے جاتے ہیں ایک عارضی زندگی کے اوپر ایک ابدی حیات حاصل کرنے کے لئے بڑا سخت مرحلہ ہے یہ ساری جتنی بھی آپ کے ہاں کے شعار ہیں دین کے احکام ہیں یہ ارکان ہیں اس آخری مقصد کی تیاری کے لئے مؤمن کے لئے تربیت گاہوں کے ارکان اور پروگرام ہیں یہ مذہب میں پہنچ کے یہی مقصود بالذات ہو جاتے ہیں وہ کام ہو جاتا ہے حکومت کا حکومت اور اس کی فوجیں وہ تو یہ کچھ کریں اور ہم جو اہلِ مذہب ہیں دین دار ہیں اسلام پرست ہیں ہم اور زیادہ نمازیں پڑھنے لگ جائیں پھر نوافل کا اضافہ اس میں کر لیں پھر اشراق کا اضافہ اس میں کر لیں ہم یہ کچھ کرنے لگ جائیں دیکھا قرآن نے کیا کہا ہے یہ ان لوگوں کا ذکر ۔ ذکر فیہ الکتٰب رایۃ الذین فی قلوبھم مرضا ۔ فی قلوبھم مرضا دلوں کا روگ بتایا ہے یہ مذہب دلوں کا روگ ہے غلط چیز سے اطمینان حاصل کر لینا وہ اطمینان نہیں ہوتا فریبِ نفس ہوتا ہے اور اسی کو تو مذہب کہتے ہیں جسے آج Psychological disease آپ کہہ رہے ہیں نا آج کی اصطلاح میں قرآن اس کو ہمیشہ دلوں کا مرض کہتا ہے اس زمانے میں اس نے یہ جو مرض ہے جسمانی اور قلبی اس کا فرق کیا ہے اس نے دلوں کا

مرض ہے ۔ **ینظرون الیک نظر المغشی علیه من الموت فاولیٰ لهم** ۔ کہا کہ ایسے وقت میں کیا چاہئے تھا ۔ **طاعة** ۔ کیا بات ہے ایک لفظ ہے حکم آیا اور اس کے سامنے جھک گئے ۔ **قول معروف** ۔ پھر آپس میں بھی باتیں وہ کیں جو اس مقصد کے حصول کے لئے جانی پہچانی ہوئیں وہی تذکرہ ہو وہی ذکر ہو اسی کی طرف جانے کے متعلق ساری گفتگو سارے تذکرے ہوں ۔ **فاذا عزم الامر فلو صدقوا الله لکان خیرًا لهم** ۔ پھر جب اس کا معاملہ پختہ ہو جائے طے ہو جائے بات کہ ہاں اب میدانِ جنگ میں جانا ہے تو اس کے بعد جو خدا نے کہا ہے یا جو تم نے وعدہ کیا تھا جس کا دعوی کرتے تھے تم ایمان کا اس کی صداقت اپنے عمل سے پیش کر دینا یہ ہے نیکی ۔ **خیر لهم** ۔ نیکی اس کو کہیں گے پھر اس کے بعد۔ وقت ہو گیا عزیزانِ من سورۃ محمد کی آیت 21 تک ہم آگئے 22ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے ۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم** ۔

چھٹا باب: سورۃ محمد (آیات 22 تا 33)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج فروری 1982ء کی 19 تاریخ اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ محمد کی آیت 22 سے ہو رہا ہے 47/22۔

آپ کو یاد ہے سابقہ درس میں بھی میں نے عرض کیا تھا کہ ایک تصادم تو قریش اور ان کے ہمنوا قبیلے سے تھا ان کی بنیادی خصوصیت یہ تھی قریش کی یا اس قسم کے عرب جو تھے کہ وہ کھلے ہوئے دشمن تھے جو کچھ کرتے تھے میدانِ جنگ میں آ کر کرتے تھے لیکن حضورؐ پہنچے ہیں تو وہاں تعداد بالکل اس سے مختلف تھی مسلمان تو بڑی تھوڑی آبادی میں تھے وہاں گنتی کے اور باقی ساری آبادی یا تو یہودیوں کی تھی اکثریت تھی وہاں ان کی اور یہودی ہر سرمایہ پرست کی طرح منافقت میں بہت پیش پیش تھے ان کی ساری تاریخ ہی اس قسم کی تھی گرد و نواح کے جو عربی قبائل تھے وہ بھی اندازاً اس قسم کے تھے اعراب تھے وہ کہ ان کی کیفیت بھی اسی قسم کی تھی تو ایسے حالات ہوں جس میں قریش کی کیفیت یہ کہ وہ وہاں وہ مکے سے اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے چڑھ دوڑتے تھے مدینے پہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت بے کس؟؟؟؟ پناہ گزینوں کی جسے آپ کہئے ان کے ساتھ تصادم تھا جہاں رہتے تھے وہاں یہ خود کچھ گنتی کے لوگ باقی ساری اس قسم کی آبادی یہ جو situation تھی اس نے عجیب مشکلات پیدا کر دی تھیں اور یہ ہے قرآنِ کریم میں جہاں منافقین کا ذکر آتا ہے وہ یہ لوگ ہیں یہ نہیں کہ جو واقعی سچے دل سے ایمان لائے ہوئے تھے معاذ اللہ ان میں منافقین تھے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کے ایمان کی اور ان کی صداقت کی شہادت تو خدا دیتا ہے بار بار دیتا ہے وہ اور وہ جو چیز ہے کہ صاحب وہ پھر مرتد ہو جاتے تھے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے ان میں سے تاریخ میں بھی اگر چھان بین کرنے سے ایک آدھ اس قسم کا واقعہ کوئی گنا دیتے ہیں کہ وہ آئے اور وہ بھی منافقین میں سے تھے اور اس کے بعد انہوں نے اسلام کو چھوڑا ورنہ یہ باقی ذکر قرآن میں جو منافقین کا آتا ہے تو وہ یہ آبادی ہے تو ذکر تو اس آبادی کا ہے لیکن قرآن تو محسوس واقعات کو سامنے لاتا ہے لیکن مقصد اس کا اس کے اندر جو پنہاں اصول ہوتا ہے یا اگر انسانوں کی باتیں کرتا ہے تو جو ذہنیت ہوتی ہے جو نفسیاتی کیفیت ہوتی ہے اصل میں وہ اسے بیان کرتا ہے واقعات تو وقتی ہوتے ہیں اس کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں لیکن یہ چیزیں جو ہیں یہ ہیں جو مستقل طور پر آگے چلتی ہیں اور یہی ہیں جن کا ہم سے تعلق ہوتا ہے یعنی ہمارے سامنے یہ جو واقعات آتے ہیں تو یہ اس لئے نہیں ہیں کہ یہ کچھ historical cronicals ہیں تاریخ کے کچھ واقعات ہیں جو ہمیں بتائے جاتے ہیں تاریخ جس قسم کی ہمیں پڑھائی جاتی ہے وہ تو اس کا کوئی تعلق ہم سے نہیں ہوتا اکبر فلاں سال میں تخت پہ بیٹھا فلاں سال اس سے لڑائی ہوئی فلاں سال وہ تخت سے اتر گیا کیا تعلق ہے ہمارا اس سے کچھ معلومات ہیں وہ بھی

بے معنی سی ، قرآن یوں نہیں کہتا قرآن ان تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہے تو ان سے ایک نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ یا تو ایک اصول کو بیان کرتا ہے اور یا پھر انسانوں کی نفسیات کو بیان کرتا ہے واقعات جو ہیں وہ تو رہ جاتے ہیں پیچھے اور یہ چیزیں جو ہیں یہ آگے آ جاتی ہیں یہ وجہ ہے کہ قرآن نے ان واقعات کی بھی جزوی تفصیل اس طرح سے نہیں دی جیسے ایک تاریخ دان دیتا ہے یا مؤرخ دیتا ہے یہ اس کا مقصد اور منصب ہی نہیں تھا جتنی سی بات سے وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مقصد پورا ہوتا ہے وہ اتنی سی ہی بات کرتا ہے تو منافقین کا ذکر پورے قرآن میں منافقت کی جو نفسیات ہے وہ اس سے وہ چیزیں بیان کرتا ہے اور یہ تو پھر ہمیشہ کے لئے رہیں گی اور یہ وجہ ہے جو قرآن میں تاریخ کو تو اس طرح سے محفوظ نہیں کیا کہ اس کی جزئیات تک آپ کے سامنے آ جائیں اصل میں وہ ان نفسیات کو بیان کرتا ہے جو ان چیزوں کے پیچھے ہوتی ہیں اور ہم نے بالکل اس کے بعد الٹ دیا اور ہم نے تاریخ مرتب کرنی شروع کر دی اور وہ اس قسم کی مرتب کی کہ وہ اس کے جو نتائج واثرات ہیں وہ بالکل اس کے خلاف ہیں کہ جو قرآن مرتب کرنا چاہتا ہے انہوں نے تحقیق کر کر کے تو لگا کے جسے کہتے ہیں نام لے لے کے بتانا شروع کیا کہ جی فلاں منافق تھا اور فلاں منافق تھا قرآن یہ کچھ کرتا ہی نہیں ہے ابھی میں عرض کرونگا کہ قرآن کیا کہتا ہے منافقین کے متعلق بھی ، بات شروع ہوتی ہے 22 ویں آیت سے ان سے کہا گیا ہے پیچھے سے بات مسلسل چلی آ رہی ہے کہا کہ تمہاری کیفیت یہ ہے کہ . **فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم .** کہ تمہاری کیفیت تو یہ ہے کہتے تم کہ ہم فساد نہیں پیدا کرتے ہم مصلحون ہیں ہم تو اصلاح چاہتے ہیں کہا تمہاری کیفیت یہ ہے کہ آج ہی اگر ان سے الگ ہو کے پھر جاؤ تم اپنے پہلے مسلک کے اوپر پھر تم ملک میں اسی قسم کا فساد برپا کرنا شروع کر دو جیسا ؟؟؟؟؟؟ کرتے تھے اور پھر کیفیت تمہاری یہ ہے کہ خود اپنے ہی صلہ رحمی والے لوگ اپنے ہی رشتہ دار جو ہیں وہ ان کی بھی مخالفت تم اسی طرح سے کرنے لگ جاؤ تمہاری تو کیفیت یہ ہے کہ دور کے لوگ یا عام انسانیت تو ایک طرف رہی تم تو اپنے قریب تریں جو رشتہ دار لوگ ہیں ان کا بھی کوئی احترام نہیں کرتے ان کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھتے ان کے مفاد کی بھی کوئی فکر نہیں کرتے تمہیں تو اپنی ہی مفاد کی فکر ہے اور منافقت تو ہوتی یہی چیز ہے . **اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم و اعمٰی ابصارھم .**
اب یہ جو پھر بار بار وہ بات آ جاتی ہے اور ہر بار مجھے اس کی تشریح کرنی پڑتی ہے کہ صاحب ترجے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پہ اللہ نے لعنت کی اور لعنت تو ہمارے ہاں آپ جانتے ہیں بہت بڑی گالی ہے اور اس پہ پھر یہ چیز کہ دیکھئے جناب اللہ لعنتیں برساتا ہے لوگوں پہ خدائے جمیل و کبیر یہ انسان شے کیا ہیں اس کے سامنے کہ وہ بیٹھا ہوا اوپر ان کو لعنتیں برسائے فٹے منہ تہاڈا یعنی اندازہ لگایئے کہ خدا کا تصور کیا دیتے ہیں یہ لوگ اور کون ہے مقابل میں مقابل میں گالی بھی اسے دی جاتی ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھپڑ تو نہیں مار سکتا آدمی اسے لیکن پیچھے سے دور کھڑا ہو کے گالی تو دیتا ہے ایس طراں دل دی بھڑاس کڈ لیندا اے او جینوں کیندے نیں ، بخار دل کا وہ نکال لیتا ہے جذبہ انتقام کی تسکین کر لیتا ہے ؟؟؟؟؟ خدا کے متعلق یہ تصور ذرا زبان کے اوپر آ جائیں جس زبان

میں قرآن آیا ہے تو بات صاف ہو جاتی ہے یعنی کے معنی ہوتا ہے ان خوشگواریوں سے محروم رہ جانا جو otherwise ان کو مل سکتی تھیں تم اگر صداقت سے؟؟؟؟ سچے دل سے ساتھ دیتے ان کا اس حق وصداقت کے اوپر آتے اس کے نتیجے میں زندگی کی بڑی خوشگواریاں تمہیں ملتیں تم ان سے محروم رہ گئے اور سب سے بڑی چیز یہ کہ کیونکہ نفسیاتی کیفیت کا اثر انسان کے دل و دماغ اور خیالات پر ہوتا ہے کہا کہ اس کا نتیجہ یہ ہے ۔ **فاصمهم و اعمٰی ابصارهم** ۔ بہرے گونگے یہ کیفیت ہے کہ تم وہ جو قرآن کہتا ہے کہ ۔ **لهم اذان لا یسمعون بها و لهم ؟؟؟؟؟ لا یسمعون بها** ۔ کان بھی تمہارے ہیں سنتے نہیں آنکھیں بھی تمہاری دیکھ نہیں سکتے ۔ **قلوب لا یسفحون بها** ۔ دل بھی رکھتے ہو عقل وشعور رکھتے ہو ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے ہو یہ ہے وہ محرومی جو ہوئی تو پہلی محرومی تو یہ ہوئی کہ یہ جتنے ذرائع علم حاصل کرنے اور صحیح نتائج پہ پہنچنے کے ہیں اپنے ہاتھوں سے تم نے خود ہی ان کو زائل کر دیا ہے مفاد پرستی اور منافقت کا تو پہلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صحیح بات سنتا ہے نہ سچی بات کہتا ہے نہ صحیح نتیجے پہ پہنچتا ہے یہی محرومی کچھ کم محرومی نہیں ہے ۔ **اولئک کالانعام** ۔ کہتا ہے کہ پہلی بات تو اس سے یہ ہے کہ انسان کی شکل وصورت تمہاری باقی رہتی ہے تم حیوان کی سطح پہ پہنچتے ہو ۔ **ولهم اضل** ۔ ان سے بدتر سطح پہ تو یہ محرومی کوئی کم محرومی تو نہیں ہے اور دنیاوی خوشگواریاں جو بعد میں حاصل ہوئی تھیں وہ تو الگ رہیں یہی محرومی جو قرآن نے گنائی ہے اس نے کہا منافقت کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے اور یہ بات کسی خاص منافق کی نہیں آج بھی منافقت کا یہی اثر ہوتا ہے تو جب یہ صورت ہو کہ ان میں سمجھنے کی قوت یعنی سمجھنے کی صلاحیت باقی ہوتی ہے اس سے کام نہیں لیتے سمجھنے کا یہ نہیں کہ وہ صلاحیت جو ہے وہ ختم ہو جاتی ہے آخر میں ایک درجہ وہ بھی آتا ہے کہ آہستہ آہستہ اگر آدمی یہی روش اختیار کر لے تو پھر یہ صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں دب جاتی ہیں یوں کہئے لیکن صلاحیت سے کام نہیں لیتے، کام کیا لینا تھا کھلی ہوئی آنکھیں رکھنا صحیح بات کو سننا پھر غور وفکر کے بعد صحیح نتیجے پہ پہنچنا اسے تدبر کہا جاتا ہے اسے تفکر کہا جاتا ہے قرآن شروع سے آخر تک دیکھئے اتنا زور دیتا ہے تفکر تدبر شعور عقل بصیرت علم قدم قدم پہ اس پہ زور دیتا ہے وہ وہ اپیل ہی ان چیزوں کو کرتا ہے جو انسانیت کا خاصہ ہیں وہ تو کوئی چیز نہ زبردستی منواتا ہے نہ جہالت میں تمہیں رکھنا چاہتا ہے اس کو اپیل کرتا ہے اب یہ یہاں یہ کہی کہ منافقت کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صحیح بات تم سنتے ہو نہ صحیح بات کہہ سکتے ہو نہ صحیح نتیجے پہ پہنچتے ہو ۔ **افلا یتدبرون القراٰن** ۔ دیکھئے کہاں لایا ہے قرآن تدبر کہ اس محرومی کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ تدبر ہی نہیں تم کرتے تو نظریہ آیا کہ تدبر جو ہے قرآن میں یہ بڑی بنیادی شرط ہے قرآن کے لئے تدبر نہ کرنے کی بات تو کہی ان لوگوں کی کہ جو ان صلاحیتوں سے کام نہیں لیتے اور منافقت جو ہے اس کو پہلے قرآن نے بطور مثال کے پیش کیا ہے یہ نفسیاتی کیفیت ہے اس کے بعد کہ تدبر کی تفکر کی صلاحیت جو انسان اس سے کام نہیں لیتا ختم ہو جاتی ہے قرآن میں تدبر کا حکم قدم قدم پر ہے ۔ **افلا یتدبرون القراٰن** ۔ قرآن میں تدبر سے کام نہیں لیتے وہ اس لئے نہیں لیتے کہ ان کی منافقت نے ان کی ان صلاحیتوں کو ماؤف کر رکھا ہے اور آگے ایک بات ہے قرآن کی ۔ **افلا یتدبرون القراٰن** ۔ نسخے

ہیں آپ کے تو سامنے رکھئے ایک حرف آتا ہے اس کے اندر عظیم چیز ہے ۔ **ام علیٰ قلوبٍ اقفالھا** ۔ کوئی سا ترجمہ اٹھا لیجئے آپ کو ترجمہ یہ ملے گا کہ یہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں تالے پڑے ہوئے ہیں ٹھیک ہے اقفال تک تو بات ہو گئی کہ تالے پڑے ہوئے ہیں اقفال کے بعد ھا ہے اس کے ساتھ اقفالھا اور عظیم چیز ہے عزیزانِ من اس ایک حرف کے اندر اس ایک ضمیر کے اندر تالے پڑے ہوئے ہیں سے بات ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں میں نے کوشش کر کے بھی دیکھا انگریزی کے ترجموں میں میں نے دیکھا کہ کسی کی نگاہ ادھر گئی ہے کہ یہ ھا کا ترجمہ بھی ساتھ کرو اقفال تک تو بات یہ ہے کہ وہ تالے پڑے ہوئے ہیں ٹھیک ہے یہ اقفالھا کیوں ہے اور یہ ہے قرآن چودہ سو سال پیشتر اب میں ترجمہ کیا عرض کروں ان کے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں کہیں باہر سے تالے لا کے نہیں ڈالے گئے اقفالھا دلوں کے تالے دلوں پہ پڑے ہوئے ہیں ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ یہ تو کوئی مغرب کا سائیکالوجسٹ ہی اس کی داد دے سکتا ہے عزیزانِ من کہ چودہ سو سال پیشتر یہ چیز کہنا کہ یہ جو تالے پڑتے ہیں دلوں کے اوپر جو سمجھنے سوچنے کی صلاحیت نہیں رہتی یا نہیں کام لیتے یہ خارج سے کہیں لا کے کوئی تالا نہیں ڈال دیتا ان کے اوپر، قلوب کے اوپر قلوب کے تالے خود پڑے ہوئے ہوتے ہیں واہ واہ واہ واہ واہ واہ یہ ہیں وہ مقام کہ جہاں پتہ چلتا ہے کہ فی الواقعہ یہ انسانوں سے برتر کوئی قوت ہے کہ جس کا کوئی کلام ہو سکتا ہے صاحب چودہ سو سال پیشتر عزیزانِ من سائیکالوجی کی یہ خصوصیت جو تھی یہ کسی کے تصور میں نہیں آ سکتی تھی کہ یہ کہا جائے کہ دلوں پر خود دلوں کے تالے پڑے ہوئے ۔ **اقفالھا** ۔ کس چیز نے یہ تالے ڈال دئے منافقت نے، منافقت نے کیا کیا سمجھنے سوچنے سننے بولنے کی قوت جو تھی اس کو ماؤف کر کے رکھ دیا اس کا نتیجہ کیا ہوا کہ دل رکھتے ہیں دلوں کے اوپر خود دلوں نے اپنے اوپر آپ تالے ڈال رہے ہیں ان کے تالے دلوں کے دلوں پہ پڑ گئے ہوئے ہیں واہ واہ واہ اقفالھا ۔ **ان الذین ارتدوا علیٰ ادبارھم من بعد ما تبین لھم الھدی الشیطٰن سول لھم و املیٰ لھم** ۔ بات یہ کہی تھی سب سے بڑا جرم عائد یہ کیا کہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے دلوں پر تالے پڑ چکے ہوئے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے ہاں مذہب کی دنیا میں سب سے بڑا جرم قرآن میں تدبر کرنا ہے ان کے ہاں جس زمانے میں کوئی بہر حال ان کی قوت تھی اقتدار تھا یہ چڑھے ہوئے تھے زمانہ پھر وہیں لا رہا ہے ان کو کہ ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ ایک اصطلاح وضع کر لیتے تھے پھر اس کے متعلق کہتے تھے کہ یہ ارتداد ہے مرتد ہو جاتا ہے آدمی اس کے بعد مرتد کی سزا قتل ہوتی ہے عقل شریعت کی رو سے ؟؟؟ ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس شخص کا جی چاہے اس کو قتل کر دے یعنی اس کے متعلق صرف یہ فتویٰ دینے کی ضرورت ان کی ہوتی تھی کہ وہ مرتد ہو گیا ہے تو جب یہ ہو جائے تو پھر جس کا جی چاہے اس کو قتل کر دے یعنی عدالت کسی قتل کے مجرم کے متعلق فیصلہ دیدے کہ اس کو موت کی سزا دی جاتی ہے تو اس پہ بھی یہ نہیں ہوتا کہ جس کا جی چاہے اس کو مار دے مقتول کے وارثوں کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا عدالت نے فیصلہ دیا ہے قانون کی رو سے فیصلہ ہے یہ کہا گیا ہے کہ اس کو موت کی سزا دی جاتی ہے اس کو مار دینا ہے فیصلہ ہو چکا

ہے لیکن یہ حق کسی انسان کو نہیں پہنچتا مقتول کے وارثوں کو بھی نہیں پہنچتا وہ جو عدالت کی مشینری ہے مار دینے والی اس کا جو نظام ہے مار دینے والا یہ وہ کرے گا ہر شخص نہیں کر سکتا لیکن ارتداد ایسا جرم تھا کہ اس کے لئے کسی عدالت کے فیصلے کی ضرورت نہیں پڑتی انہوں نے فتویٰ دیا مرتد ہوئے مرتد کی سزا قتل ہوئی جس کا جی چاہے قتل کر دے یہ جو مرتد ہونے والی بات تھی ان کے ہاں اس میں ایک سب سے بڑا جرم تھا اصطلاح میں نے عرض کیا ہے تفسیر بالرائے یعنی یہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے عقل و فکر کو دخل دیتا ہے مرتد ہو گیا اور اس کے اوپر جتنے قتل ہوئے ہیں آپ کی تاریخ میں چنگیز اور ہلاکو کے حصے میں آیا ہو گا اس قتل کے بعد، فرق یہ ہے کہ وہ جو قتل کرنے والے ہیں آج تک تاریخ میں ان کو ظالم اور؟؟؟ اور؟؟؟ مستبد اور پتہ نہیں یعنی ان کے نام ہی ہلاکو اور چنگیز مشہور ہو گئے ظالموں کی اصطلاح میں، انہوں نے جو قتل کیا تو یہ شریعتِ حقہ کے قائم کرنے والے ہو گئے قتل کر رہے ہیں اور ثواب کما رہے ہیں ساتھ ہی نیکی کا کام ہو رہا ہے دین کا قیام ہو رہا ہے یہ دیکھا کتنا فرق ہے یعنی وہ جو کچھ کھٹک پیدا ہوتی ہے کسی کے دل میں قتل تو آخری چیز ہے کسی کو ذرا سا بھی آپ تکلیف پہنچا دیں کوئی زخم بھی کر دیں اور دل میں اگر ذرا سا بھی احساس ہے آپ کے دل میں انسانیت کی ہمدردی کا تو ایک کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ میں نے غلطی کی جو اس سے کیا معافی مانگتے ہیں اس کے بعد افسوس ہوتا ہے آپ کو لیکن جب آپ یہ کہیں کہ میں نے شریعتِ حقہ کی مدافعت میں میں نے یہ کچھ کیا ہے تو افسوس اور پشیمانی تو ایک طرف آپ تو فخر کرتے ہیں اس کے اوپر کہ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا، تدبر جو ہے قرآن میں یہ آپ کے ہاں جرم قرار پا گیا اور اس کی سزا ارتداد یہ ہو گیا مرتد ایسا کرنے والا قتل اس کی سزا ہو گئی یہ چیز کرنے کی، قرآن نے یہ کہا تھا کہ یہ **لعنهم الله** . تدبر نہ کرنے والے جو ہیں اگر ان کا ہی ترجمہ لو تو پھر یہ ہے کہ لعنت ہے ان کے اوپر قرآن کا لو تو وہ یہ کہ یہ محروم ہو جاتے ہیں انسانیت کی خصوصیات سے سمجھنے سوچنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اس لئے یہ تدبر نہیں کر سکتے قرآن کے اندر اور اس کے بعد آپ کے ہاں یہ انقلاب آیا معکوس کہ تدبر جرمِ عظیم قرار پا گیا یہ تو کسی ایک فرد کی زندگی میں ہوا منافقت سے یہ صلاحیتیں سلب ہوئیں اگر ایک قوم کی کیفیت یہ ہو جائے اور صدیوں تک یہ کیفیت رہے یہ Biologist بتاتے ہیں کہ یہ اس قسم کے وہ چمگادڑ وغیرہ یا اس قسم کے چوہے بھی ہوتے ہیں ان کی بینائی جاتی رہتی ہے روشنی میں وہ دیکھ نہیں سکتے ہیں تو وہ اب تحقیق کے بعد اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ اگر انسان اپنی کسی صلاحیت یا عضو سے کام لینا چھوڑ دے اور اس کے اوپر دو چار پشتیں گذر جائیں جسے ہم نسلیں کہتے ہیں تو فطرت یہ سمجھتی ہے کہ اس کے لئے تو یہ ایک بیکار چیز ہے وہ پھر اس کے بعد عضو کو دینا ہی بند کر دیتی ہے یہ بینائیاں ختم ہو جاتی ہیں ایسے کیسز ہیں بچپن سے بھکاری کی طرح اس کو بٹھا دیا گیا آنکھیں بند کر کے اس کی کہ اندھا بن کے وہ بھیک مانگے کہا گیا ہے پانچ دس سال کے بعد آنکھیں بند کرنے کے بعد نتیجہ نکلا کہ آنکھوں کی بینائی اس کی ختم ہو گئی کسی عضو سے کام لینا آپ چھوڑ دیجئے وہ جو اس کی خصوصیت ہوتی ہے اس کے بعد فطرت اس کو سلب کر دیتی ہے بہر حال ان چیزوں کو وہ سلب کرے یا نا سوچنے سمجھنے کی بات تو یہ ہے

کہ اگر صدیوں تک کوئی قوم کام ہی نہ لے اپنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے تو یقیناً اس میں یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے تدبر فی القراٰن آج بھی جب آپ سنتے ہیں نا کوئی بات قرآن کی عقل وفکر کی رو سے کہی جائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ بتایئے پہلے بھی کسی نے یہ کہا تھا اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بات نہیں ہے کہ تدبر تفکر کی رو سے وہ اس کو چیلنج کریں کہ نہیں عقل وفکر کی رو سے یہ صحیح نہیں ہے چیلنج یہ بات ہے کہ عقل وفکر سے تم کیوں کام لیتے ہو یہ بتاؤ صرف نقل جسے کہتے ہیں منقولی کہتے ہیں اس کو وہ یعنی جو چیز نقل ہوتی چلی جائے نکل مارنے والےنوں تے پہلاں کڈ دیندے سن ہال دے کمرے چوں ہن الگ بات ہے کہ پاس ہی او ہونداا ے جیہڑ ا نکل مارے یعنی نکل وہ چیز ہے ہمارے ہاں یہ جو منقولی طریق ہے بہترین طریق یہ ہے جسے منقولی آپ کہتے ہیں معقولی تحریک اس کے خلاف یہ تھا جو عقل وفکر سے کام لے کے کچھ قرآن کی بات کہے یہ ان کے ہاں ایک اصطلاح مشہور کر رکھی ہے؟؟؟؟؟ کیا جرم تھا ان کو، معقولین ان کو صاف کہتے تھے کہ صاحب عقل سے کام لیتے ہیں یہ او دہائی خدا دی سکھاں دے پنڈ اچ واقعی عقل والا بندا جیہڑا اونہوں تے ڈانگ مار کے مار دینا چہیدا اے، وہ ان؟؟؟؟ بیچاروں کو ایک ایک کر کے ختم کیا اور پھر وہ جو آٹے نال پلیتھن وی نال جانداا ے جس کا جی چاہے کہدیا؟؟؟ ختم، اس قدر ان کے ہاں کی معقول تصریفیں تھیں قرآن کی تفسیریں ایسی عمدہ تھیں ایک ایک ورق جلا دیا ان کا، کہیں نشان نہیں ملتا ان بیچاروں کی ان تصانیف کا، تاریخ میں بھی ہمیں پتہ جب چلتا ہے جب یہ لوگ کسی اپنی کتاب میں کہیں گالی دینی ہوتی ہے تو کہتے ہیں نا کہ یہ دیکھئے کہتے ہیں کہ صاحب اسے مار کیوں دیا وہ مار کیوں دیا یہ دیکھئے یہ قرآن کی یہ تفسیر وہ کر رہے ہیں عقل کی رو سے کر رہے ہیں مار نہ دیتے تو اور کیا ہوتا وہاں سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی اس قسم کا تھا انہوں نے عقل کی کوئی تفسیر کی تھی اور قرآن کی آیت کی یہ تفسیر کی تھی اور وہی ہے جو ہیرے کیطرح آج بھی چمکتی ہے عزیزانِ من، تدبر جرم قرار پا گیا، . **افلا تعقلون ، افلا تفکرون ، افلا تشعرون** . یہ قرآن کی ساری چیزیں کیا تم یہ یعنی قرآن جرم قرار دیتا ہے یہ کہ کیا تم عقل سے کام نہیں شعور سے کام نہیں لیتے تدبر سے کام نہیں لیتے تفکر سے کام نہیں لیتے جرم ہے یہ، آپ کے ہاں یہ حسن قرار پا گیا جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے . **افلا یتدبرون القراٰن ام علیٰ قلوبٍ اقفالھا** . کہا . **ان الذین ارتدوا علیٰ ادبارھم** . دیکھئے یہاں ارتداد کا لفظ آیا ہے ان کے ہاں عقل وفکر سے کام لینے والا مرتد ہے قرآن کی رو سے جو اس روش کو چھوڑ کے دوسری روش کے اوپر چلا جائے وہ مرتد ہے . **من بعدما تبین لھم الھدی** . آہاہاہا ایک تو یہ ہے نا کہ راہنمائی ہدایت قرآن یہ آیا ہی نہ ہو کسی کے سامنے تو وہ تو سوال ہی نہیں ہے کہ اس سے وہ پھر جائے وہ کہتا ہے کہ بعد اس کے کہ ان کے سامنے یہ قرآن جیسی ہدایت کی چیز آ گئی اس کے بعد بھی انہوں نے تدبر سے کام لینا چھوڑ دیا تو اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا کیا بات ہے . **من بعدھا** . کہا کہ پھر یہ کیوں ایسا کرتے ہیں کہا جہالت کی وجہ سے نہیں . **الشیطٰن سول لھم و املیٰ لھم** . یہ ان کے جو مفاد پرستی کے جذبات اپنے ہیں وہ انہیں اپنی روش کو بڑا مزین بنا کے دکھاتے ہیں پھر مزین بنانے کی بات یہ کہ بڑی لمبی لمبی

امیدیں ان کے سامنے باندھتے ہیں سکیمیں جو ہوتی ہیں مفاد پرستی کی وقتی نہیں ہوتیں بھوک تو مٹ جاتی ہے دو روٹیاں کھانے سے وہ تیسری کھا ہی نہیں سکتا آدمی فطرت نے خود اس کے اوپر پابندی لگا دی ہے یہاں تک اب اس سے آگے نہیں لیکن یہ جو ہوس ہے جمع کرنے کی ۔ حتیٰ زرتم المقابر ۔ قرآن کہتا ہے چلے اس کے پیچھے پیچھے سائے کی طرح بھاگتے جاؤ وہ سایہ آگے آگے بھاگتا جائے گا وہ کہتا ہے تا آنکہ تم قبرستان جا پہنچو ۔ املیٰ لھم ۔ لمبی کر دیتا ہے وہ ان کے ہوس کی یہ تانیں جتنی ہوتی ہیں اس لئے ختم ہی نہیں ہوتیں ۔ ذٰلک بانھم قالوا للذین کرھوا ما نزل اللہ سنطیعکم فی بعض الامر و اللہ یعلم اسرارھم ۔ روش یہ ہے ان کی کیفیت کہ یہ لوگ جو قرآن سے وہی کرھوا میں نے پہلے بھی بتایا تھا یہ قرآن کو جو لوگ مجبوراً جو مانتے ہیں منافقت سے جو لوگ مجبوراً اس کے ساتھ رہتے ہیں یہ ان سے اندر ہی اندر جا کے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یونہی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں تم جو کچھ کہو گے ہم تمہارے ساتھ تمہارا ساتھ دیں گے تمہارے ساتھ ہیں ہم اپنے ساتھ سمجھو ہمیں، صبح یہاں آ کے ان کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں شام ان کے ہاں جا کے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ایسی مستقل منافقت اختیار کی ہے کہ صبح شام؟؟؟؟؟ ساری عمر اسی میں گذر جاتی ہے ساری عمر مسلمان کہتے ہیں قرآن پہ ایمان بھی کہتے ہیں اور قرآن سے علی الرغم زندگی ساری بسر کرتے چلے جاتے ہیں صاحب، کہا ٹھیک ہے بہت لمبی لمبی امیدیں ہیں یہ ۔ فکیف اذا توفتھم الملٰکة یضربون وجوھھم و ادبارھم ۔ ترجمے عام تو یہی کہ اس وقت کیا کیفیت ان کی ہوگی کہ جب موت کے وقت قوتِ ملائکہ میں نے کہا تھا وہ قوتیں جو ہیں کہ وہ آ کے عام ترجمہ جیسے ہم کہیں گے کہ وہ تھپڑ ماریں گے طمانچے ماریں گے، عزیزانِ من یہ مقامات جو ہیں موت موت کے بعد کی زندگی یہ اس کی کیفیت تو ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن قرآنِ کریم نے جس جس انداز سے مثالوں سے یہ کچھ سمجھایا ہے اس سے ایک نقشہ سامنے آ جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساتھ کے ساتھ میں نہ عرض کروں آگے ہم چلیں گے تو وہاں یہ چیزیں یہ ساری مفصل طور پر آئیں گی ہمارے سامنے تفصیلی طور پر قرآن بیان کرتا چلا جائے گا میں وہاں پہنچ کے ان کے متعلق یہ عرض کرونگا کہ قرآن نے یہ جو مثالوں کے ذریعے سے سمجھایا ہے اس کے معنی کیا ہیں کیا مقصد ہے اس کا، اس وقت تو یونہی سمجھئے کہ ساری عمر تو یہ کچھ کرتے رہتے ہیں لیکن بالآخر ایک دن تو وہ موت کا آتا ہے میں یہ عرض کر دوں کہیں آپ اس مغالطے میں نہ رہیں قرآنِ کریم نے یہ کہا ہے کہ مر جانے کے بعد کوئی اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتا اللہ تعالیٰ سے معافی کے ساتھ کہتا ہوں وہ کچھ اس لئے کہ وہاں راز کی کچھ ایسی باتیں ہیں وہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ وہ راز افشاں ہو جائے وہاں والا ایک دفعہ واپس آ جائے تو وہ آ کے سارا کچھ دس دے گا سارا بھانڈا پھٹ جائے گا، بڑا تجسس رہتا ہے ہمیں کہ کچھ تو معلوم ہو وہاں کے متعلق تو عزیزانِ من او نہیں معلوم ہون دیندا، تو وہ جو ہے بات وہ یہ ہے عزیزانِ من جو کچھ بھی وہاں ہے قرآن کہتا ہے تمہارے ذہن کی موجودہ سطح کی جو صلاحیت ہے ادراک کی شعور کی وہ اس کو سمجھ نہیں سکتی جو سمجھ نہ سکے جس چیز کو اس کو تو بتایا ہی نہیں جا سکتا نا یہ ہم بھی اپنی چوتھی جماعت

کے لڑکے کو جب وہ پوچھتا ہے کوئی ؟؟؟ کی بات یہ کہتے ہیں کہ بیٹا بڑے ہو جاؤ گے نا تو پھر یہ اس وقت سمجھ میں بات آئے گی ابھی یہ نہ پوچھو، تو ابھی تو ہم فطرت کے ؟؟؟ میں بالکل ذہن تو ہے بچوں کا سا ہے بات ہم ایم اے کی فلاسفی کی پوچھتے ہیں تو ہمیں تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ تھوڑا سا تحمل کرو آگے بڑھو گے نا تو سمجھ میں بات آجائے گی بہر حال یہ چیزیں جو ہیں یہ اس وقت آئیں گی قرآن نے سمجھایا ہے میں کہہ یہ رہا تھا کہ اس غلط فہمی میں نہ رہو آج کل اور اکثر ایسا ہوتا ہے امریکہ سے جو وہ آتے ہیں نا پرچے وہ نیوز وغیرہ کے قسم کے یا ٹائمنز وغیرہ ان میں بعض مضامین ہوتے ہیں ایک سلسلہ شروع ہوا اور ایک تو کتاب ہی شائع کسی نے کردی ہے کہ بہت سے لوگ جو کلینکلی جس کو کہتے ہیں وہ مر جائے اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہوئے اور انہوں نے پھر بتانا شروع کیا کہ ہم نے وہاں کیا دیکھا اور ہم نے وہاں کیا صورت پیدا ہوئی یہ اس قسم کی چیزیں تو ہوتی تو یہ بڑی intresting ہیں نا یعنی best seller تو یہ کتاب ہو جائے گی نا ہر شخص یہ چاہے گا معلوم کرنا کہ صاحب پتہ تو لیں واقعی نئی بات ہے یہ ساری کمرشل چیز ہے، مرنے کے بعد تو کوئی نہیں آتا لیکن جن کا یہ بتاتے ہیں نا کہ ہسپتال میں ایک ہوتا ہے Clinical death ڈاکٹر اپنے معیار کے مطابق وہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ واقعی death ہے اس میں سے بیشتر ایسی بھی صورت ہوتی ہے کہ وہ جس میں وہ فی الواقعہ موت نہیں ہوتی کیفیت ابھی موت نما ہوتی ہے وہ revise ہو جاتے ہیں کوما کی کیفیت ہی سمجھ لیجئے یا کچھ اس قسم کی کیفیتیں ہیں ایسی کہ جن میں پھر اس کے بعد زندگی ؟؟؟ ہوتی ہے موت نہیں ہوتی وہ آئی ہوئی کیفیت موت کی سی ہوتی ہے جو کچھ بھی وہ آپ کہیں ورنہ جسے آپ death واقعی کہتے ہیں تو اس کے بعد تو پھر زندگی کا سوال نہیں یہاں پیدا ہوتا تو وہ جو ایسے وقت میں ان کے خیالات ہوتے ہیں نا وہ جو واپس جن کو کہتے ہیں آتے ہیں مرنے کے بعد وہ آکے جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ یہ لوگ ریکارڈ کر لیتے ہیں اب اس کا مجموعہ وہ شائع کرتے ہیں بہت بکتی ہے یہ کتاب بہت میرے پاس بھی وہ آتی ہیں یہ چیزیں عجیب عجیب، اس میں تو ایک ہی بات ہے صاحب کہ مرنے کے بعد جہاں وہ کہتے ہیں کہ وہاں چلے گئے بہر حال سارے ہی مرنے کے بعد وہاں جاتے ہیں نا لیکن ان میں سے جو واپس آکے بیان کرتا ہے ایک کا بیان دوسرے سے ملتا ہی نہیں یوں نظر اوندا پئی اووکھو وکھا ای کسے ؟؟؟ جاندا ہیگے نیں، تو یاد رکھئے اس فریب میں نہ آجایئے قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ مرنے کے بعد اس دنیا میں واپس نہیں آسکتا اور یہ بڑی چیز ہے عزیز اِن من اچھا ہی ہے پتہ نہیں اور تو کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو وہ آکے جو کہے گا کہ اوئے تو کیندا سیں میرا بابا جیہڑا سی او بڑا نیک بخت آ میں اوتھے دیکھ کے آیاں اوتے جہنم اچ سڑدا سی پیا، روز لڑائیاں پین کردے اندر تیری ایسی دی تیسی او میں ویکھ کے آیاں اپنے آپ تو تے گیا ئیں سیں ہیگا تینوں کی پتہ ہیگا ہن کی دسئے جناب اگے توں تو اوتھے ہو کے آیاں ہیگا ۔ **ذلک بانهم اتبعوا ما اسخط الله و کرهوا رضوانه فاحبط اعمالهم** ۔ پھر وہی ترجمے والی بات ترجمہ ملاحظہ فرماؤ کہ یہ اس لئے کہ یہ حرکتیں کرتے ہیں جس سے خدا کو بڑا غصہ آجاتا ہے ؟؟؟ خدا کو بڑا غصہ خدا کو غصے میں لانے والی باتیں کرتے ہیں یہ ترجمہ ہو گیا کیا تصور ہے خدا کا ۔ اللہ اکبر ۔ اسے ان چیزوں

سے غصہ آتا ہے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو خدا کو غصے میں لانے والی ہوتی ہیں وہ اور بات ہوتی ہے از خود کسی کو اپنے طور پہ غصہ آئے وہ اور بات ہے یہ تو بدترین قسم ہے غصے کی کہ کسی کے غصہ دلانے سے غصہ چڑھ جائے آدمی کسی کو اکسائے اس کو آ کے بتائے اس کو کہ تینوں آ کینداسی او یہ سارا کچھ کینداسی اور اس کو پھر جناب وہ غصہ آ جائے، خدا کو غصہ میں لانے والی باتیں کرتے ہیں ۔ **سبحان اللہ تعالیٰ اما یصفون ۔** کیا بات اس نے کہی اما یصفون اس کے متعلق یہ جو اپنی طرف سے کہتے ہیں جو کچھ بھی کہتے ہیں صاحب وہ اس سے بہت بلند ہے صاحب اس کی تو کوئی صفت بھی ہم اپنے ذہن سے کریں وہ تو اس سے بھی اونچا ہوتا ہے چہ جائیکہ یہ باتیں اس کی طرف منسوب کر رکھی ہوں، کہا کہ و کرھوا رضوانہ پھر وہی رضوان کے معنی مرضی مولا کے ساتھ، ہم آہنگ ہونا قوانینِ خداوندی کے ساتھ رضوان کے یہ معنی ہوتے ہیں یہ اس سے ہم آہنگ نہیں ہوتے اس کے برعکس چلتے ہیں اس کے برعکس چلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا نقصان ہوتا ہے وہ یہ ساری چیزیں جو کہی گئی ہیں پہلے یہ پیدا ہو جاتی ہیں پھر اس کے بعد تو یہ چیزیں وہ ہیں جن کو یہ یہ نہیں ہے کہ خدا کو غصے میں لانے والی باتیں کرتے ہیں ترجمہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ خدا کے قوانین سے مخالفت کرتے ہیں سرکشی برتتے ہیں اس کے ساتھ ہم آہنگ ہونے والا انداز زندگی کا اختیار نہیں کرتے نتیجہ کیا ۔ **فاحبط اعمالھم ۔** نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی دانست میں جو کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کرتے ہیں درحقیقت وہ کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا، خدا کو غصہ چڑھا کے عزیزانِ من معاف رکھنا کیا کہتے ہیں صاحب ۔ **ام حسب الذین فی قلوبھم مرض ۔** یہ دیکھئے وہی چلا آ رہا ہے سلسلہ فی قلوبھم مرض جن لوگوں کے دلوں کے اندر مرض ہے یہ دلوں کے اندر کا مرض جو ہے یہ بھی سائیکالوجی کی اصطلاح ہے اور آج کی تو سائیکالوجی کی جتنی بھی تحقیقات ہو رہی ہیں ان میں تو وہ بتاتے ہیں کہ یہ جو بظاہر آپ کو جسمانی امراض نظر آتے ہیں ان میں بھی بیشتر جو ہیں اس کی بنیاد قلب کے امراض کے اوپر ہی ہوتی ہے قلب کے امراض نفسیاتی امراض جس کو اب ان کے ہاں کہتے ہیں غیر شعوری طور پر جو کہتے ہیں کہ امراض ہوتے ہیں یہ اصطلاح قرآن کی ہے قلوب کے امراض کہا کہ کیا یہ سمجھتے ہیں ۔ **ان لن یخرج اللہ اضغانھم ۔** کہ کیا یہ اسی طرح سے دھوکہ دیتے چلے جائیں گے ان کی حقیقت سامنے آئے گی نہیں یہ بے نقاب ہونگے ہی نہیں معلوم ہی نہیں ہوگا ان کے متعلق منافق منافقت برتتا اس لئے ہے کہ اس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ میں بے نقاب نہیں ہونگا اگر یہ معلوم ہو جائے نا کہ پتہ چل جائے گا اس کو پھر وہ یہ کچھ کرتا ہی نہیں ہے وہاں وہ اسی بات پہ ہوتا ہے کہ پتہ نہیں چلے گا میں بے نقاب نہیں ہونگا کہتا بھی اگر کوئی ہے نا کہ ایسا تو وہ کہتا ہے نہیں وہ جھوٹ بولتا ہے بالکل نہیں میں نہیں تو نہیں کچھ کہا یہ ہے بڑی چیز اس کی کہ پتہ نہیں چلے گا کہا کہ یہ سب اس لئے کر رہے ہو نا کہ تمہیں اس کا یقین ہے کہ پتہ نہیں چلے گا، اب آیا ہے وہ مقام عزیزانِ من عجیب و غریب مقام ہے مقامِ رسالت، ہمارے ہاں تو تصور یہ ہے نا کہ وہ رسول جس قدر دشمنوں کی مخالفت میں مقابلہ جتنا کرتا تھا جو اس میں سارا کچھ خدا کی طرف سے ہوتا تھا معجزہ ہی معجزہ ہوتا تھا بس یہ تو یونہی بس ۔ معاف رکھئے گا ۔ ایک ایکٹر کی طرح وہ آن کھڑا ہوتا تھا سب کچھ

خدا کرتا تھا جس طرح سے جی چاہے اس کے فرشتے آتے تھے وہی ان کو مار مار جاتے تھے یہ سارا کچھ وہ کرتے تھے تو ان کا اپنا یہ کچھ نہیں ہوتا تھا خدا ہی سب کچھ کر دیتا ہے اب دیکھئے کہ خدا کس طرح سے ۔معاف رکھئے۔ محاورے کے اعتبار سے جو کہتے ہیں پیچھا چھڑا رسول کی کیفیت یہ ہے کہ منافقین اس یعنی قرآن کے اگر یہ مقامات آپ لیں نا منافقین سے نظر آتا ہے کہ واقعی کوئی اگر اتنا بڑا کشادِ قلب اور وسعتِ ظرف نہ ہو جتنی کہ حضور نبی اکرمؐ کی ہے پاگل ہو جائے انسان جس طرح سے گھیرا ڈالا ہوا تھا منافقین نے آپ سوچئے تو سہی ایک طرف سے وہ باہر سے کھلے بندوں آنے والے ہر دوسرے سال لشکر سات سال کا چھ سال کا عرصہ قریباً بیاسی کے قریب جھڑپیں اور غزوات ہیں جو رسول اللہؐ کی زندگی میں پیش آئے ہیں زندگی میں کیا ۲ ھجری سے لے کے ۷ ھجری تک اتنے عرصے کے اندر سوچئے تو سہی اور اس کے بعد گھرے ہوئے ہیں یہاں ان منافقین کے گھیرے کے اندر، اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا تو ہو کہ خدا یہ تو بتا دے ان کو کہ اس سے ذرا محفوظ رہنا محتاط رہنا یہ منافق ہے اتنی سی بات بھی ہو جائے تو پھر بھی بہت بڑی بات ہے یہ، جسے آپ کہتے ہیں خدا سب کچھ کرتا تھا چلئے میں چھوڑتا ہوں اس کو کہ فرشتے آ کے وہ تلواریں چلاتے تھے تیر چلاتے تھے ان کو مارتے تھے یہ تو نہ سہی میں کہتا ہوں اتنی سی بات تو یہ ہو جائے سنئے اس معاملے کے اندر عزیزانِ من یہ ہمارے آ چکے لئے ہے جو کچھ کہا جا رہا ہے کہ یہ نہ سوچو کہ اس معاملے کے اندر خدا اس مقابلے میں جنوں پنجابی اچ کیندے نا ئی کر دے اے تے رئی کرن والی گل ہیگی اے نا تو اونوں دس دتا اونوں نا دسیا اللہ اکبر اللہ اکبر اتنی سی رعایت بھی نہیں عزیزانِ من سنئے ۔ **و لو نشآء لارینٰکھم فلعرفتھم بسیمٰھم ۔** کہا کہ اگر یہ چیز ہمارے پروگرام میں یہ ایسا ہی ہوتا کہ یوں کیا جائے گا ہم کریں گے یہ سارا کچھ ہے تو بڑی آسان بات تھی کہ اس آنے والے کے متعلق ہم پہلے یہ بتا دیتے کہ صاحب یہ منافق ہے اور تم آتے ہی اس کو پہچان جاتے کہ منافق ہے تو پھر تو بات ہی بڑی آسان ہو جاتی کہا یہ ہو سکتا تھا کہا ہم اتنا بھی نہیں کریں گے تمہارے ۔ **و لتعرفنھم فی لحن القول ۔** ان کی باتوں سے تمہیں خود سمجھنا ہوگا پہچاننا ہوگا کہ یہ منافق ہے یا مخلص ہے تمہیں خود سمجھنا ہوگا چہ جائیکہ تلواریں بھی فرشتے چلائیں اور تیر بھی خدا کی طرف سے چلیں وہ تو بہت بڑی لمبی بات ہے اتنی سی بات بھی جو ہے کہا ہم نہیں بتائیں گے دیکھا عقل و فکر کو کتنی اہمیت حاصل ہے یہ چیز بتا دی جائے تو پھر وہ عقل و فکر و تدبر اور شعور کی رو سے کام لے کر یہ پہچاننا کہ یہ منافق ہے یا مخلص ہے وہ تو بات چلی گئی نا درمیان میں سے بتا دیا گیا اگر یعنی اگر question جو دیا ہے بچے کو اس کا جواب بتا دیا جائے پہلے سے ہی تو باقی وہ حل کرنے کی ساری صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے یعنی رسول اللہؐ کے متعلق یہ ہے اتنی سی بات بھی نہیں رعایت برتی جا رہی عزیزانِ من کہا کہ نہیں تمہیں خود پہچاننا ہوگا ان کی باتوں سے اتنی مصیبت مشکلات کے ہجوم میں گھرے ہوئے رسول اللہؐ مکے کی زندگی میں یعنی وہ اس لئے ہیں کہ بار بار آپ دیکھیں گے آتا ہے کہ یہ یہ کرتے ہیں تمہیں اس طرح تنگ کرتے ہیں ارے اس سے کچھ تھوڑی سی تو مرہم ان زخموں کے اوپر لگا دی جائے، کہا قطعاً نہیں ہم نہیں بتائیں گے تمہیں خود پہچاننا ہوگا ان لوگوں کو ۔ **واللہ یعلم اعمالکم**

. باقی رہے ہم تو یہ بات نہیں کہ ہمیں علم نہیں ان کی باتوں کو بھی ہم جانتے ہیں تمہارے اعمال بھی ہمارے سامنے ہے ہم تو یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی کس قسم کا کام کرتا ہے رعایت کسی کی نہیں رعایت نہیں ایک لفظ ہے ہمارے ہاں پنجابی اچ رئی اور رعایت نالوں زیادہ جامع لفظ ہیگا اورئی کرداائے کسی کی طرف داری کرنا دوسرے کے مقابل میں جہاں انصاف کا تقاضا برابر کا ہو اور کسی کی طرف داری کرنا یہ ہو جاتی نا بات وہ یہ خدا اتنی سی بات نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ تلواریں چلائے گا اپنے فرشتے بھیج کے ان کی طرف سے . و لنبلونکم حتی نعلم المجٰھدین منکم و الصٰبرین و نبلوا اخبارکم . کہا یہ تو زندگی کی گردشیں ہیں پہلو بدلتے رہتے ہیں ہم یہ دیکھیں گے کہ کس قسم کے پہلو تم لوگ بدلتے ہو تمہارے اعمال سے تمہارے کردار سے جو کچھ تم کرو گے اس سے ہم دیکھیں گے کہ تم میں سے مجاہدین کون کونسے ہیں کون کونسے صابرین ہیں تم میں اور ولنبلوا اخبارکم پھر دنیا دیکھ لے گی کہ کون کون ہے، کیا بات ہے صاحب دنیا دیکھ لے گی، . ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ و شاقوا الرسول من بعد ما تبین لھم الھدٰی لن یضروا اللہ شیئًا و سیحبط اعمالھم . یہ لوگ کہ جو وہی چیز جو میں نے عرض کی کہ خدا کی طرف جانے والے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں . و شاقوا الرسول . اور رسول کو اس قدر اذیتیں پہنچاتے ہیں اس قدر اس کی مخالفت کرتے ہیں . من بعد ما تبین لھم الھدٰی . یہ ہے خصوصیت خدا کی طرف سے یہ راہنمائی آ جانے؟؟؟؟ تبین کا لفظ ہے اس کے معنی ہیں بالکل واضح طور پر کسی چیز کا سامنے آ جانا مبہم نہ ہو ایسی نہ ہو کہ جو سمجھ میں بات نہ آئے لفظ ہی وہاں یہ آتا ہے بالکل واضح راہنمائی تمہارے پاس آ چکی ہوئی ہے اب جو کہا جا رہا ہے صاحب ہم نے خود سنا ہے ایک مولوی صاحب سے یہ کہتے ہوئے کہنے لگے یہ کہتے ہیں دیکھو صاحب کہ قرآن ہماری سمجھ میں آ رہا ہے کہنے لگا معاذ اللہ خدائے جلیل کی اتنی بڑی کتاب اور اتنے سے ناریل میں سما جائے گی وہ یہ کہتے تھے انسان کے دماغ میں یہ آ جائے او ہو معاذ اللہ صاحب، ہاں جی، ؟؟؟؟؟؟؟ یعنی اندازہ لگائیے آپ کہ اس خدا کی کتاب . من بعد ما تبین لھم الھدٰی . الھدٰی کو ایسے واضح انداز میں ہم نے پیش کر دیا اس کے بعد بھی جن کی یہ کیفیت ہے کہ پھر وہ خدا کے راستے میں روک بن کے کھڑے ہوتے ہیں رسول کو اذیت دیتے ہیں کہا . لن یضروا اللہ شیئًا . ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ ہمیں کیا نقصان پہنچائیں گے اپنے ہی اعمال غارت کریں جو کچھ یہ کر رہے ہیں جس مقصد کے لئے یہ کچھ کر رہے ہیں وہ مقصد ان کو حاصل نہیں ہو سکتا یہ ہوتا ہے اعمال کا حبط، اب یہ سارا کچھ جو پیچھے کیا نا کہ ان کے اعمال غارت ہو جائیں گے اور یہ کامیاب نہیں ہونگے یہ بالکل نہیں ایسا ہو گا اب ذہن میں یہ آ سکتا ہے نا کہ مؤمنین جو ہیں وہ مطمئن ہو جائیں کہ جب خدا نے کہہ دیا کے متعلق کہ ان کے اعمال غارت ہو جائیں کچھ نہیں نتیجہ خیز ہونگے تو پھر تو ٹھیک ہے راوی عیش لکھتا ہے مزے سے بیٹھے رہئے زیادہ سے زیادہ نفل پڑھ چھوڑئے تسبیح پھیر چھوڑئے وہ سب کچھ ہو گا کہا . یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول . تمہیں یہ کرنا ہے یاد رکھو نظامِ خداوندی کی اطاعت کرنی ہے

تمہیں اس سے یہ کچھ ہوگا جو کچھ پہلے ہم نے کہا ہے یہ نہ سمجھ لو کہ یہ کچھ بھی اس کے بعد از خود ہو جائے گا یا ہم کر دیں گے یہ نہیں اطاعت میں کسی دوسرے وقت یہ عرض کرونگا کہ قرآن میں یہ جہاں بھی اللہ اور رسول کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں اور انکی اطاعت کا ذکر ہے وہ دو الگ الگ اطاعتیں نہیں ہیں کہ خدا کی اطاعت اور طرح سے اور رسول کی اطاعت اور طرح سے قرآن نے یہ ایک اصطلاح ہے اپنی استعمال کی وہ نظام جو خدا کا دیا ہوا ہے اور رسول کے ہاتھوں متشکل ہوا ہے اسلئے اللہ اور رسول دو لفظ اس میں آتے ہیں یہ بات بہر حال ایک بڑی جامع سی ہے اور بڑی وضاحت چاہتی ہے تو میں یہ عرض کرونگا جہاں یہ چیز آئے گی سامنے کہ اس سے مقصد وہ نظام ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق نبی اکرمؐ نے قائم کیا تھا اس نظام کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کہلاتی ہے کہا اس کی اطاعت کرو اس نظام کی ایسا نہ کرو گے تو . و لا تبطلوا اعمالکم . پھر تمہارے تمہارا کیا کرایا جو ہے وہ بھی غارت ہو جائے گا یعنی ان کا غارت ہو رہا ہے کہ وہ منافقت برت رہے ہیں تمہارا غارت ہو جائے گا اگر نظام کے تابع نظام کی اطاعت کرتے ہوئے یہ کچھ نہ کرو گے اور جب وہ نظام ہی ختم ہو جائے تو غور طلب بات ہے وہ صدرِ اول کے بعد آپ کے ہاں وہ نظام ہی نہیں رہا اس میں مشروط کیا ہے آپ کے اعمال کو نتیجہ خیز ہونے کے لئے کہ وہ نظام کی اطاعت کی جائے گی جو خدا کے قوانین کے مطابق رسول نے قائم کیا تھا اب اگلی بات آ گئی کہ وہ تو رسول تک بات تو قرآن نے یہ بھی تو کہا ہے کہ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ کہ رسول بہر حال اس کی ایک طبعی زندگی ہے کل کو اگر یہ مر جائے کل کو قتل کر دیا جائے تو تم یہ سمجھو گے کہ صاحب وہ نظام تو اس کی زندگی کے ساتھ وابستہ تھا یہ نہیں رہا نظام بھی ختم ہو گیا کہا جو کوئی یہ کرے گا اور پھر لوٹ جائے گا اپنی پہلی زندگی کے اوپر کہ جہاں نظام نہیں ہوتا تھا انفرادی زندگی ہوتی تھی تو خدا کا تو کچھ نہیں جائے گا تم تباہ ہو جاؤ گے یہ قرآن میں موجود ہے تو یہ نہیں کہ رسول اللہؐ کی اس زندگی کے بعد اگر رسول کی وفات کے بعد تو پھر تو یہ رہ ہی نہیں سکتا نظام اگر اطاعت اس کی ہے اللہ کی اور رسول کی جیسا یہ کہتے ہیں تو رسول کی وفات کے بعد تو یہ پھر دوسرا استون ہی اطاعت کا ختم ہو جاتا ہے اور اگر یوں اطاعت سامنے کرنی ہے تو وہ دونوں ہی ختم ہو گئے اللہ میاں عرش پہ بیٹھے رہے سامنے آتے ہی نہیں رسول اللہؐ وفات پا گئے؟؟؟؟؟؟ عزیزانِ من یہ بات نہیں ہے جب وہ نظام نہیں رہا ہے نا تو پھر ان سازشوں نے دین کو مذہب سے بدلا نظام کا تصور گیا پھر کیا کیا کہنے لگے اللہ کی اطاعت جو ہے تو وہ تو ہو گئی قرآن شریف کی رو سے رسول کی اطاعت جو ہے وہ بخاری شریف کی جو حدیثیں ہیں ان کی رو سے اب پھر رسولؐ کی اطاعت لگے نہ کرنے حنفی اپنے طور پہ پہلے اہلحدیث وہ اپنے طور پہ رسولؐ کی اطاعت ہے یہ سب جو کر رہے ہیں وہ اپنے طور پہ حنفی اپنے طور پہ شافعی اپنے طور پہ مالکی اپنے طور پہ حنبلی اپنے طور پہ یہ تو چار ہمارے ہاں کے ہیں ورنہ تو پتہ نہیں ستر بہتر تھے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم رسول کی اطاعت کرتے ہیں ان سے کہا کہ بھئی اللہ کا بھی تو اس میں لکھا ہوا ہے کچھ اسے بھی لے آؤ تو کہنے لگے کہ وہ جو رسول کی اطاعت ہے نا اللہ کی اطاعت تو اسی میں آ جاتی ہے یعنی اطاعت رہ گئی امام بخاری امام مسلم کے قیاس کی رو سے جمع کی ہوئی چند

رواتیں اس روایت میں اللہ کی اطاعت بھی آ گئی اس میں رسول کی اطاعت بھی آ گئی اور اس کی رو سے جو احکام مستنبط کئے کچھ قوانین اس زمانے کے جیورسٹ نے اس زمانے کے قانون جاننے والے لوگوں نے عام انسانوں نے ؟؟؟ نہ وہ رسول تو نہیں تھے اب اطاعت سمٹ سمٹا کے اللہ اور رسول کی اطاعت ان فقہی قوانین کے اندر رہ گئی جو انہوں نے مدون کئے اتنا عرصہ وہ بہر حال وہ تو یوں گم تھے اب پھر دوبارہ زندہ ہو رہے ہیں جس کی رو سے میں نے یہ عرض کیا تھا نا کہ ابھی وہ آ رہے ہیں وہ قصاص کے اور دیت کے احکام ابھی تو پہلے یہ حدود ہی آئے تھے نا کہ جو ٹھپ ہو کے رہ گئے ان کے متعلق کہا کہ یہ قابلِ عمل ہی نہیں ہیں خود صدر مملکت نے بھی یہ کہا کہ قابلِ عمل نہیں ہیں اور اس کے بعد جو آئیں گے وہ آپ دیکھئے گا یہ قتل کے جرم کے وہ اس کو کہتے ہیں قصاص اور دیت کے قتل کے جرم کے جو قوانین آ رہے ہیں مسودہ publish کر دیا ہے تو یہ ایک ہی چیز قتل کا جرم ہے قاتل موجود ہے صاحب شرط یہ ہے کہ جو مسلمان متقی پرہیز گار دین دار تزکیہ؟؟؟ دو اور مسلمان وہ اس کا کہ شاید یعنی وہ قتل کرنے والا جو ہے وہ مقتول جو ہے پہلے کہے ذرا ٹھہر جا دو مسلمان متقی پرہیز گار تزکیہ؟؟؟ والے وہ آ جائیں پہلے، وہ دو، میں یہ عرض کر رہا ہوں آپ دیکھئے گا کہ ان کا نتیجہ کیا نکلتا ہے آپ کے ہاں کتنے قتل ہونے شروع ہو جاتے ہیں دو مسلمان گاؤں میں عام طور پہ وہ قتل ہوتے ہیں وہاں وہ قتل ہوئے یہ ہمارے ہاں کے یہ مصلی اور یہ مسیح یہ عیسائی وغیرہ یہ کام کاج کرنے والے وہاں لوگ ہوتے ہیں یا اور نان مسلم دس بھی اگر کیوں نہ ہوں اتنے بھی کیوں نہ ہوں اگر دس بیس بھی اگر یہ کوئی نہ ہوں اور شہادت متفقہ علیہ دیں گے شہادت نہیں مانی جا سکتی دو مسلمان ؟؟؟؟؟ بیوی کے سامنے اس کے قتل کر دیا ہے خاوند کو وہ شہادت ہے عورت کی شہادت نہیں لی جائے گی شہادت ہی نہیں لی جائے گی یہ بھی گیا، اگر یہ کسی طرح سے نو من تیل ہو بھی جائے رادھا کے نچانے کے لئے ثابت بھی ہو جائے تو قتلِ عمد کے بعد یہ جو مقتول تھا اس کے جو وارث ہیں وہ قاتل سے پیسے لے کے صلح کر سکتے ہیں اور معاف ہو جاتا ہے وہ جرم یہ وارث کون ہوتے ہیں ساری عمر دے ایہدے جیہڑے شریکے نے نا جنہوں نے ان کے ساتھ مقدمے بازیاں شروع کر رکھی تھیں انہوں نے تو قتل کرایا تھا تو کتنا آسان ہو گیا قتل کرا دیجئے ؟؟؟؟ کو تو دیجئے ہزار روپیہ اور خود ہوئیے پھر وارث اور یہ وارث اس کے ساتھ معاملہ کرے دس ہزار روپے کا اپنا دشمن جو ہے وہ کانٹا بھی نکل گیا نو ہزار روپیہ فائدہ میں بھی رہ گیا شریعتِ حقہ کے مطابق انصاف ہو گیا آ رہے ہیں قوانین اور پھر یہ جو دیت جسے کہتے ہیں نا یعنی یہ قتلِ خطا نہیں کہ بھولے سے کسی کو مار دیا ارادۃً murder ?????????? جسے کہتے ہیں اس میں یہ جو اس کے ہاں کے شریکے ہیں وارث یہ اس سے صلح کر سکتے ہیں پیسے لے کے بھی ویسے بھی معاف کر سکتے ہیں؟؟؟؟ پیسے اگر لینے ہیں دیت جس کو مقرر کی ہے عدالت نے ہی کہ صاحب اس کے دس ہزار روپے عورت کو اگر قتل کر دیا جاتا ہے تو مرد سے آدھی قیمت ہے اس کی جان کی اس کی زندگی کی شریعتِ حقہ کی رو سے لکھا ہے آدھی ہے اس کی او میرے بھائی کلیجہ شق ہو جاتا ہے میرا عزیز اِن من پوچھو نہیں میں کس ذیق سے گذر رہا ہوں زندگی کے ان آخری دنوں کے اندر وہ قوانین ہم ساری عمر

پڑھتا رہا یہ کچھ ہوتا رہا سمجھتا رہا کہ ماضی کی ایک تاریخ ہے جس کو میں پڑھ رہا ہوں انہوں نے یہ قانون بنا دئے تھے وہ مختلف قصہ ختم ہوا کوئی بات تو نہیں اپنی زندگی میں ان کو اسلامی قوانین کی حیثیت سے نافذ ہوتے دیکھ رہا ہوں میں؟؟؟؟؟؟ . و اطیعوا الرسول ولا تبطلعوا اعمالکم . کہا اس نظام کی اللہ اور رسول کے نظام کی اطاعت کرو یہ نہ کرو گے تو . تبطلعوا اعمالکم . سارے اعمال غارت ہو جائیں گے تمہارے پڑھو نمازیں رکھو روزے جاکے کرو حج جاکے صاحب تبطلعوا اعمالکم وہی نہیں ہے عزیزانِ من سورۃ محمد کی آیت 33 تک ہم آئے، امید ہے اگلی دفعہ اف بڑی اہم آیت آرہی ہے آگے تو 34 ویں آیت سے ہم آئندہ لیں گے۔ . ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم .

ساتواں باب: سورۃ محمد (آیات 34 تا اختتام)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزانِ من! آج فروری 1982ء کی 26 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ محمد کی آیت 34 سے ہو رہا ہے 47/34۔

آپ کو یاد ہوگا کہ سابقہ آیات میں وہی حق و باطل کی کشمکش کی داستان چلی آ رہی تھی قرآن تو دنیا میں دو ہی فریق دو ہی گروہ دو ہی قوموں کو تسلیم کرتا ہے ایک وہ جو قرآن کو تسلیم کرتے ہیں نبوتِ محمدیہؐ پر ایمان لاتے ہیں اور دوسرا وہ جو اس سے انکار کرتے ہیں گروہ ہی دو ہیں اور یہ بنیاد تھی ہماری ضمناً عرض کردوں تحریکِ پاکستان کے دوران جو ہم نے دوقومی نظریہ پیش کیا تھا اس کی بنیاد ہی قرآنِ کریم کی ان صداقتوں اور ان اصولوں پر تھی، مخالفین کا گروہ مخالفین کے معنی میدانِ جنگ میں جانے والے ہی نہیں ہیں آپ کے اس نظریہ اس عقیدہ اس بنیاد اس اصول اس دین سے انکار کرنے والے سرکشی کرنے والے اور دوسرے اسے تسلیم کرنے والے اور آپ کو یاد ہوگا میں نے کئی درسوں میں یہ بات عرض کی کہ یہ چیز پیدائش کے اعتبار سے ہی مختص نہیں ہوتی کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوگئے تو وہ اپنے آپ کو صاحبِ ایمان کہیں یہ کچھ کرنا پڑتا ہے ایمان لانا پڑتا ہے قرآنِ کریم نے خود مسلمانوں سے یہ کہا ہے کہ تم بھی ایمان لاؤ خدا پر اس کے رسول پر اس کی کتاب پر تو یہ ایک چیز ہے جو ہر شخص کو عملاً یہ کرنا پڑتا ہے پھر وہ اس گروہ میں شامل ہوتا ہے محض پیدائش کے اعتبار سے پیدائشاً تو کوئی بچہ بھی نہ وہ مؤمن ہوتا ہے نہ کافر ہوتا ہے وہ تو انسان کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے اور اسے خود اپنے بطیّبِ خاطر برضا و رغبت دل اور دماغ کی پوری رضامندی کے ساتھ ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے اس لئے قرآنِ کریم میں آپ دیکھئے کفروا بھی اور امنوا بھی یہ صیغے جسے کہتے ہیں فعل کے صیغے verb کے صیغے ہیں یہ کرنا ہوتا ہے وہ جو ایمان لاتا ہے وہ جو کفر اختیار کرتا ہے کفر بھی اختیار کرنا ہوتا ہے ایمان بھی اختیار کرنا یا لانا ہوتا ہے از خود یہ چیزیں نہیں ہو جاتیں تو وہ جو ایمان لاتے ہیں اور ان شرائط کے ساتھ جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں اور اس کے برعکس دوسرا گروہ ہے جو اس سے انکار کرتے ہیں انکار ہی نہیں ہے بلکہ کفر کے اندر تو سرکشی بھی آ جاتی ہے مخالفت بھی آ جاتی ہے یہ دوسرا گروہ ہے تو ان دونوں گروہوں کا ذکر چلا آ رہا تھا اور جماعتِ مؤمنین سے کہا ۔ **یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تبطلوا اعمالکم** ۔ یہاں وہ اطاعت کی بات آ گئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ایسا نہ کرو گے تو تمہارے اعمال رائیگاں چلے جائیں گے تو وہ جو چیز ہے نا کہ صاحب ایمان کی شرط نہیں ہے نیک عملی اور خدا پرستی کی زندگی وہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے الفاظ میں جو انہوں نے برہموسماجی اسلام پیش کیا تھا کہ اپنے اپنے مذہب پر کوئی خدا پرستی خدا کی پرستش جس طرح سے

اس کا مذہب کہتا ہے اس میں اس میں کر لی اور وہ نیک عملی وہ جن چیزوں کو نیکی کہا جاتا تھا ان کے ہاں تو وہ پیاو بنا لیتے تھے وہ گائے بھینسوں کے لئے نمک کا ایک ڈلہ رکھ دیا کرتے تھے ہندو؟؟؟؟؟ تو وہ یہ چیز نہیں ہے کہ اپنے اپنے طور پر جیسے خدا کی پرستش کر لی اور جسے خود نیک کام سمجھا وہ نیک کام کر لیا، خدا پر ایمان لانا تو ایک مثبت عمل ہے حقیقت میں یہ ایک نظریے کی تبدیلی ہے زندگی کی روش اسی بنیاد کے اوپر قائم ہوتی ہے عمارت اس پہ اٹھتی ہے جسے ایمان کہتے ہیں آپ، یہ ہے جس سے ارادہ بنتا ہے عزم ہوتا ہے اس کے مطابق پھر قدم اٹھتا ہے یعنی آپ نے گھر سے نکلنا ہے تو آپ پہلے ذہن میں طے کرتے ہیں نا مجھے کہاں جانا ہے یہ جو طے کرنا ہے کہ میری زندگی کا مقصد اور منزل کونسی ہے یہ ایمان ہے یہ طے کرنا پڑتا ہے آپ کو اس طے کرنے کے بعد جب آپ نے ایک منزل کو متعین کیا تو اب آپ کا ہر قدم اس منزل کی طرف اٹھے گا یہ نیک عمل ہے اس متعین منزل کی طرف جو خدا نے آپ کے لئے متعین کی اور آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اس منزل کی طرف جانا ہے اب جو ہر قدم اس کی طرف جانے والا اٹھے گا یہ ہے جسے آپ نیکی کہیں گے اور جو اس کے خلاف اٹھے گا وہ ہے کہ جسے آپ برائی بدی یا شر کہیں گے تو اطاعت ہے اس میں ان احکام وقوانین کی جو اس منزل کی طرف لے جانے کے لئے متعین کئے گئے ہیں جو یہ کرے گا تو وہ تو ہے جو یہ نہ کرے گا یہ یہ کئی دفعہ یہ بات آئی ہے نا جسے اعمال کا رائیگاں جانا کہتے ہیں حبطت اعمالھم کہا ہے یعنی وہ کام کر رہا ہے لیکن رائیگاں جا رہا ہے آپ جو گھر سے باہر نکلے اور آپ نے طے کیا کہ مجھے انارکلی کی طرف جانا ہے اور اس کے بعد یہاں چوراہے پہ آپ کھڑے ہوئے اور آپ کا رخ ہو گیا ادھر کی سمت کو تو اب چل تو رہے ہیں آپ عمل ہو رہا ہے آپ کا لیکن ہر قدم آپ کا آپ کو اپنی منزل سے دور لے جا رہا ہے یہ جو ہے نا اعمال کا رائیگاں جانا ایک تو یہ ہے کہ کچھ کرتا ہی نہیں آدمی وہ ٹھیک ہے اس کا تو سوال ہی نہیں ہے ایک یہ ہے کہ وہ کام کر رہا ہے لیکن وہ کام وہ نتیجہ نہیں پیدا کرتا جس مقصد کے لئے وہ کام اس نے کیا ہے اور یہ اس کی جو میں نے ابھی مثال دی کہ چل رہا ہے انسان لیکن اگر منزل سے دوسری طرف قدم اٹھ رہا ہے ہر قدم جو اس کا اٹھ رہا ہے منزل سے اس کو دور لے جاتا ہے یہ سفر کر رہا ہے تکان ہو رہی ہے قدم اٹھ رہے ہیں رائیگاں جا رہا ہے اور اگر منزل کا تعین ہی نہیں کیا تو کبھی آپ نے سوچا ہے کہ سفر اور آوارگی میں فرق کیا ہوتا ہے صرف منزل کا تعین ہوتا ہے آوارگی میں منزل کا تعین نہیں ہوتا سارا دن چلتا رہتا ہے یہ آوارہ میں سمجھتا ہوں یہ آوارہ گرد جو ہے مسافر سے بھی زیادہ چلتا ہے کتنے چکر کاٹتا ہے لیکن وہ کسی منزل پہ نہیں پہنچتا تھک جاتا ہے شام کو اعمال رائیگاں جانا اسے کہتے ہیں تو وہی عمل عملِ خیر ہو گا نتیجہ خیز ہو گا جو اس منزل کیطرف لے جائے گا جو خدا نے متعین کی آپ نے اسے بالارادہ اختیار کیا اس منزل کو یہ ہے اسلام جسے کہتے ہیں، اپنے اپنے طور سمجھ لینا یہ نیک کام ہے اپنے طور پر سمجھنے کی بات نہیں اس طرح سے تو ہر مذہب والا اپنے اپنے طور پر نیک کام سمجھ کے کرتا رہتا ہے یہ جو متعین کی ہے انسانیت کے لئے منزل جس طرف اس کا قدم اٹھنا چاہئے یہ ہے جسے الدین کہتے ہیں اور یہ قرآن کے اندر ہے اور یہ وہ راستہ ہے جس پہ نقوشِ قدم ہیں نبی اکرم ﷺ کے جگمگاتے ستاروں کی طرح اس منزل

کی طرف لے جانے کیلئے، بات تو تعین ہے منزل کا تعین پہلی چیز ہے اور یہ خود نہیں کرنا انسان نے، منزل کا تعین جو ہے یہ کیا گیا ہے خدا نے تعین کیا ہے انسان نے اب اس راستے کے اوپر چلنا ہے چلے گا منزل تک پہنچ جائے گا اعمال نتیجہ خیز ہونگے، غلط سمت کی طرف قدم اٹھائے گا یا آوارگی ہوگی یعنی سمت ہی کوئی نہیں ہے جسے سیکولرازم کہتے ہیں تو اس صورت میں اس میں بھی قدم تو اٹھیں گے کام کیا جائے گا تکان بھی ہوتا اس کی وقت بھی ضائع ہوگا اس میں سب کچھ صرف ہوگا نتیجہ وہ نہیں نکلے گا جو منزل تک پہنچنے والے کے لئے نکلتا ہے یہ ہے ۔ **ولا تبطلوا اعمالکم** ۔ یہ روش نہ اختیار کرو گے تم، یہ دیکھئے اپنے اپنے طور پہ کچھ کرنے کی بات نہیں ہے وہ ایک نظام ہے زندگی کا جس کی اطاعت کی جاتی ہے تو پھر منزل پر یہ قافلہ پہنچتا ہے اس کے برعکس ۔ **ان الـذین کفروا ص صدوا عن سبیل اللہ ثم ما توا و ھم کفار فلن یغفر اللہ لھم** ۔ اس کے برعکس وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اس منزل سے انکار کیا اسے اپنی منزل تسلیم نہ کیا یوں کہہ لیجئے اس استعارہ یا تشبیہ میں جو میں نے پہلے بیان کی ہے مسافر کی یہ نہ کیا انہوں نے اتنا ہی نہیں اب یہاں دو باتیں ہیں اور یہ دو باتیں کئی دفعہ دہرائی جا چکی ہیں کہ اس منزل کو تو اپنے لئے اختیار نہ کیا اور جو اس منزل کی طرف جانے والے ہیں ان کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو گئے اب یہ دو جرم ہو گئے ایک تو خود نہیں اس منزل کی طرف جا رہا اس کے اعمال تو یوں رائیگاں جاتے ہیں اور دوسری چیز جو اس منزل کی طرف جانے والے ہیں ان کے راستے میں روک بن کر کھڑے ہو گئے آپ کو معلوم ہے قرآن نے واضح الفاظ میں کن لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ وہ روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں 9/34 بڑی اہم آیت ہے ۔ **یـا یھـا الذین اٰمنوا ان کثیراً من الاحبار و رھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیـل الـلـہ** ۔ یہ ہیں وہ لوگ، کہا ایمان والو محتاط رہو اس بات سے احبار اور رہبان وہ ہیں جنہیں آج ترجمہ ان کا جو ہمارے ہاں ہے مشائخ اور علماء ان کا ترجمہ ہوتا ہے یہ رہبان ہوتے ہیں جو مشائخ جنہیں ان کی طرف سے بھی وہ طریقت کے طریقے پہ جانے والے اور احبار علماء کو کہتے ہیں کہا یہ لوگ ہیں دو باتیں اس کے لئے کہیں ایک تو یہ ہے کہ لوگوں کی کمائی پہ زندگی بسر کرتے ہیں پہلا جرم یہ ہے دوسروں کی کمائی پہ زندگی بسر کرنا یہ آگے جو بات کہی ہے آگے آتی ہے بات سرمایہ داروں کی سرمایہ داروں میں سب سے بڑا سرمایہ دار تو یہ ہے گروہ سرمایہ دار کیا ہے خود محنت نہیں کرتا محنت دوسرے کرتے ہیں وہ کھاتا ہے لیکن وہ کچھ invest تو کرتا ہے نا کچھ سرمایہ لگاتا ہے اس سرمایے کے زور پہ کچھ کھاتا ہے یہ ربوٰ ہے یہ سرمایہ داری ہے قرآن کی رو سے جو نا جائز ہے لیکن یہ سرمایہ تو کچھ لگاتا ہے اور کبھی خطرہ بھی ہوتا ہے کہ نقصان ہو جائے گا یہ جو گروہ قرآن نے گنائے ہیں احبار و رہبان کے علماء اور مشائخ کے دوسروں کی کمائی پہ کھاتے ہیں اور کچھ انوسٹ بھی نہیں کرتے یعنی خطرہ ہی کوئی نہیں ہے کہ رقم ڈوب جائے گی کما کے وہ لاتے ہیں حضور کے پیش بھی کرتے ہیں ہاتھ باندھتے ہیں پیر چمدے نیں اور خوشامدیں کرتے ہیں منتیں کرتے ہیں کہ حضور قبول فرما لیجئے مجھے مسترد نہ کیجئے میں کہیں کا نہیں رہونگا اس درگاہ سے اگر آپ نے رد کر دیا کما کے لا رہے ہیں پیش کر رہے ہیں تو اس سے بڑی سرمایہ

داری کیا اور ہوسکتی ہے صاحب کچھ انوسٹ نہیں کرنا دوسرے کما رہے ہیں یہ کھا رہے ہیں جھڑک رہے ہیں ڈانٹ رہے ہیں یہ سب کچھ ہو رہا ہے وہ دے رہے ہیں صاحب عجیب چیز ہے آپ اندازہ لگایئے قرآن نے جو متنبہ کیا ہے ۔ یا یھا الذین اٰمنوا ۔ کہہ کے کیا ہے اب ہمارے ہاں والے جو ہیں ان سے پوچھیئے کہ جی یہ یہودی اور نصاریٰ کے متعلق ہے یعنی آپ کے متعلق کچھ نہیں ہے قرآن میں یہ یہود کے متعلق یہ نصاریٰ کے متعلق یہ مشرکینِ قریش کے متعلق یہ ہندوؤں کے متعلق یہ عیسائیوں کے متعلق اور تمہارے متعلق ہمارے متعلق بخشش کی جنت جو لکھی ہوئی ہے جناب ہمارے لئے اتنا؟؟؟ ۔ یا یھا الذین اٰمنوا ۔ قرآن ہے عزیزانِ من میرے آپ کے تخیلات کے تابع نہیں چلتا بڑی واضح بات کرتا ہے ۔ یا یھا الذین اٰمنوا ۔ یاد رکھو ۔ ان کثیرًا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس ۔ یہ تو یہاں تک؟؟؟ لوگوں کا مال کھاتے ہیں باطل طریقے سے ایک بات اور دوسری ۔ یصدون عن سبیل اللہ ۔ یہ ہے چیز اصل ذہنوں میں یہ ہے کہ چلئے صاحب دوسروں کی کمائی تو ہی کھاتے تھے یہ خدا کی طرف جانے والے راستے کی طرف راہنمائی تو کرتے ہیں نا تو کہا کہ یہی تو ہیں جو اس راستے میں روک بن کے کھڑے ہوتے ہیں آپ نے غور فرمایا کہ کتنے بڑے فریب سے آگاہ کیا ہے قرآن نے ، ساری دنیا یہ سمجھتی ہے کہ خدا کی طرف جانے والے راستے میں راہنمائی یہی کرتے ہیں پیشوا ان کو کہا جاتا ہے مذہبی پیشوائیت اس کا نام رکھا جاتا ہے آگے جانے والے یعنی یہی کہ خدا کی طرف لے جانے والے راستے میں قرآن کہتا ہے ۔ یصدون عن سبیل اللہ ۔ ایک تو یہ گروہ دوسروں کی کمائی کھانے والا اور دوسرا گروہ تو بتا دیا ۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذابٍ الیم ۔ جو جمع کرتے رہتے ہیں اور نوعِ انسانی اور محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کھلا نہیں رکھتے اپنی دولت کی کمائی کو یہ دونوں گروہ جتنے ہیں ان کے متعلق کہا کہ ان کو ایک الم انگیز دردناک عذاب اعلان کردو ان کے لئے صاحب ، تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ ۔ یصدون عن سبیل اللہ ۔ سے متعلق قرآن نے واضح کیا ہے کہ یہ کونسے لوگ ہیں ۔ ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ ثم ماتوا ۔ اور اسی حالت کے اندر ان کی موت واقع ہوجاتی ہے ۔ و ھم کفار ۔ اسی راستے کے اندر وہ چلتے ہیں اور یہی ان کی موت واقع ہوجاتی ہے ۔ فلن یضفر اللہ لھم ۔ ان کے لئے حفاظت نہیں ہے صاحب عذاب ہے آخر تک جو یہ روش اختیار کریں ان کے لئے یہ حفاظت نہیں ہے ، اب انہیں پھر جماعت مؤمنین سے کہا کہ ان کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہے کشمکش ہے تصادم ہے تزاہم ہے اور یہ تو ہماری تاریخ بتا رہی ہے قرآن بتا رہا ہے کہ ہجرت کے دوسرے ہی سال سے جو شروع ہوا یہ تصادم پہلی جنگ جنگِ بدر جو ہوئی ہے آخری وقت تک فتح مکہ تک یہ تصادم جاری رہا اور جیسا کہ تاریخوں کے اندر یہ ہے وہ چھوٹے بڑے معرکے اور بڑی بڑی جنگیں اگر وہ سب کا شمار کیا جائے تو نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں ہی بیاسی کے قریب یہ آجاتے ہیں غزوات اور یہ اس قسم کی جھڑپیں جن کو آپ کہتے ہیں ساری زندگی اسی میں گذر گئی ، کہا یہ اب ان کا مقابلہ ہوگا اور یاد رکھو ۔ ولا تھنوا و تدعوا الی السلم ۔ یاد رکھو

ہمت نہ ہار جانا اور کس چیز سے روکا ہے قرآن میں یہ ہے کہ اگر فریق مخالف کسی وقت بھی صلح کے لئے ہاتھ بڑھائے خواہ تمہارا ہاتھ غالب ہی اس وقت کیوں نہ ہو تو اس سے انکار نہ کرو اس میں ہے کہ یہ ہوسکتا ہے تم کہو کہ صاحب یہ دھوکہ دے رہے تھے ہمیں کہا دھوکہ دینے کے بعد تو پھر جب بات کھل جائے گی تو سمجھ لو گے لیکن اگر یہ نیک نیتی سے ایسا کہہ رہے ہوں اور تم نے اس کو نہ مانا تو اس جرم کا؟؟؟ کس کے اوپر ہوگا کیا بات ہے میدان جنگ میں یہ کیفیت ہے اب غالب آ رہے ہیں فتح ہو رہی ہے فریق مخالف صلح کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے تو اس میں یہ ہے نا امکان کہ صاحب اس وقت یہ دھوکہ دے رہا ہے شکست سے بچنے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے کہا کہ تم اس مفروضے پہ نہ چلو تم یہی سمجھو کہ یہ صلح چاہتا ہے اس لئے ذرا کھڑے ہو کے ذرا پوچھ لو کہ کیا چاہتے ہو تم اس لئے کہ کیا بات ہے قرآن کی عزیزانِ من یہ تو انسانیت ساز پیغام ہے یہ کہا کہ اگر یہ سچے دل سے صلح کے لئے بڑھے تھے اور تم نے اس وقت پھر ان کے اوپر حملہ کر کے ہلاک کیا تو یہ تو انسانیت کی ہلاکت ہے یہ نہ کرو دیکھ لو کوئی بات نہیں کہا دھوکہ دیتے ہیں تو کوئی بات نہیں ہے جب تمہیں معلوم ہو جائے گا تو اس وقت تم دیکھو گے تم پہلے سے زیادہ زور سے حملہ کرو گے اور اس کا بدلہ لے لو گے لیکن اگر یہ نیک نیتی سے صلح کے اوپر آمادہ ہیں اور تم نے اسے مسترد کر دیا تو یہ جرم ہو جائے گا صاحب لیکن دوسری طرف یہ بھی کہا ہمت مت ہارو ۔ **و تدعوا الی السلم** ۔ خود صلح کی درخواست نہ کرو ان سے ان کی طرف سے پہل ہو صلح کی درخواست میں تو اس پہ تو یوں میں نے عرض کیا ہے یہ کہہ دیا کہ ایسے کرو لیکن خود اگر صلح کی درخواست کرو گے تو یہ دشمن اس قسم کا ہے کہ exploit کر جائے گا اس معاملے کو وہ سمجھ لے گا کہ تم کمزور ہو، صلح کی درخواست کرنے سے یہ کیا کچھ کرتے ہیں اس کے لئے تو ہمیں کل بھی نہیں آج صبح کے ہی اخبار میں دیکھ لیجئے نا جو کچھ ہو رہا ہے دیکھ رہے ہیں ہندو کی طرف سے کیا جواب آ رہا ہے صبح ہی اٹھا جب میں نے اس آیت کو دیکھا کہ یہ کیا بات ہے قرآن کی صاحب ان کی طرف سے صلح کی درخواست ہو تو وہ کیفیت ہے لیکن اپنی طرف سے یہ نہ کرو یہ لوگ اس سے اس مغالطے میں آ جائیں گے یا یہ سمجھ لیں گے کہ تم کمزور ہو گئے ہو اور کبھی اس قسم کا inflection create نہ کرو ان کے دلوں کے اندر یہ بڑے بدقماش لوگ ہیں فائدہ اٹھا لیں گے تمہاری اس چیز سے ۔ **و انتم الاعلون** ۔ تم یقین اس بات پہ رکھو کہ غالب تم نے ہی آنا ہے آخر الامر کامیابی تمہاری ہے جو نظام جو اسلوب جو روش ہم تمہارے لئے ہم نے تمہارے لئے تجویز کی ہے اور تم اس پہ چلتے ہو اس کا لازمی نتیجہ تمہاری فتح ہے تمہارا غلبہ ہے ۔ ؟؟؟ **علی الدین کلہ** ۔ دنیا کے ہر نظام پر اس نے غالب آنا ہے ۔ **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** ۔ اگر تم اس طریقے کے اوپر رہے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکے گا قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ ہو نہیں سکے گا کہ کفار کبھی تمہارے اوپر غالب آ جائے عزیزانِ من ہمارے متعلق نہیں مؤمنین کے متعلق کہا ہوا ہے جبھی میں نے کہا تھا نا کہ ایمان لانا پڑتا ہے مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو کے اپنے آپ کو مؤمن سمجھ لینا یہی تو سب سے بڑی خود فریبی ہے وہ تو شرط یہ بتاتا ہے مؤمن کی کہ دنیا کی کوئی جماعت اس پہ غالب نہیں آ سکے گی صاحب اور ایک ہم ہیں جو اپنے آپ کو مؤمن تو سمجھتے ہیں

دنیا کی ہر جماعت ہم پہ غالب آ جاتی ہے صاحب، تو اب دیکھا کہ یہ جو غلط فہمی ہم نے یا اپنے اندر ایک مغالطہ آفرینی پیدا کر رکھی ہے کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو جانے سے مسلمان کی قوم بن جانے سے مؤمن بن جاتے ہیں ہم یہ غلط ہے پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اوپر کوئی غالب نہیں آ سکتا ۔ انتم الاعلون ۔ اور اس لئے کہ ۔ واللـه معکم ۔ بڑی بات ہے خدا کی نصرت تمہارے شامل حال ہے جس طریق سے تم چلتے ہو خدا کا تجویز کردہ ہے وہ تمہیں منزل پہ پہنچائے گا خدا تمہارے ساتھ ہے بڑی چیز ہے آپ کو یاد ہے جو میں وہ دہرایا کرتا ہوں وہ ایران کی فتح کے وقت گورنر جو آیا تھا حضرتِ عمرؓ کے دور میں گرفتار ہو کر بڑا اہم واقعہ ہے وہ تاریخ کا تو آپؐ نے یہ کہا تھا اس سے کہ تمہارے متعلق فیصلہ تو بعد میں کریں گے ایک میری بات کا جواب پہلے دو تم ایرانی تھے یہ عرب تھے ؟؟؟ تمہاری کیفیت یہ تھی کہ ہمارے ساتھ تم جنگ کرنا بھی اپنے لئے باعث ننگ سمجھتے تھے باعث ذلت سمجھتے تھے اتنی حقارت تھی تمہارے دل میں ہمارے متعلق کہ دوستی تو ایک طرف رہی ہمارے ساتھ تم جنگ بھی نہیں پسند کرتے تھے اتنے ذلیل سمجھتے تھے اور اگر کبھی اکا دکا ادھر ادھر جھڑپ ہو جاتی تھی تو تم یونہی جھپٹ لیا کرتے تھے ہمیں کہا کہ وہی ہم ہیں وہی تم ہو اب کیفیت تمہاری یہ ہے کہ سارا ملک ہم نے تمہارا فتح کیا ہوا ہے تم پابجولا میرے سامنے کھڑے ہو تمہارا شہنشاہ جو ہے وہ اپنی جان بچانے کے لئے پن چکیوں میں پناہ لے رہا ہے کہا یہ کوئی صدیوں کی بات نہیں ہے انہی دنوں کی بات ہے کہا میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ اتنی بڑی تبدیلی ایسا انقلاب کیسے آ گیا، عزیزانِ من سوچئے وہ لوگ وہ جانتے تھے اسلام کیا ہے اور خدا کا ساتھ ہونا کیا ہے ہم کیا سمجھ سکتے ہیں اس نے کہا کہ عمر بات تو بڑی صاف ہے پہلے جب جنگ ہوتی تھی ایران کی اور عرب کی ایک طرف ہم ایرانی ہوتے تھے دوسری طرف جب تم عرب ہوتے تھے اکیلے ہوتے تھے اس طرح سے دو قوموں میں جنگ تھی کہنے لگے اب جو جنگ ہوتی ہے ایک طرف تو ہم ایرانی اکیلے ہوتے ہیں دوسری طرف عرب اور ان کے ساتھ ان کا خدا ہوتا ہے ہم کیا دنیا کی کوئی طاقت بھی تم پہ غالب نہیں آ سکتی وہ جانتا تھا یہ فقرہ اس کا کہ اب عرب تنہا نہیں ہمارے سامنے آتے ہم تو تنہا ہی ہوتے ہیں اور عربوں کے ساتھ ان کا خدا ہوتا ہے تو ایران ہی نہیں دنیا کی کوئی طاقت بھی اب تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی وہ جانتے تھے اس چیز کو کہ خدا کا ساتھ ہونا کیا معنی رکھتا ہے ہمیں کیا معلوم ہے عزیزانِ من ہم تو یہ جانتے ہیں ۔ هـو ما کم عین ما کنتم ۔ قرآن نے یہ بھی تو کہہ دیا کہ تم جہاں ہو خدا تمہارے ساتھ ہوگا ٹھیک ہے وہ ہے ہی ہمارے ساتھ کہاں وہ ساتھ ہونا جو اس نے بتایا تھا کہاں ہم اپنے ذہن میں یا اپنے آپ کو مغالطہ دے رہے ہیں ۔ واللہ معکم ۔ یہاں کہا ۔ انتم الاعلون واللہ معکم ۔ تمہی غالب آؤ گے، کیوں، اس لئے کہ خدا تمہارے ساتھ ہے تو خدا تو اس نے کہا ہے میں ہر جگہ ہوتا ہوں پھر خاص طور پہ ان کے ساتھ کیسے ہوا وہ اس لئے کہ وہ جو اس نے راستہ تجویز کیا تھا ان کے لئے اس پہ جو چل رہے ہیں اس اعتبار سے وہ ساتھ ہے وہ تو راہنما ہے وہ تو ہادی ہے آگے آگے قافلے کے جا رہا ہے مشیت تو یہ ہے نا جو خدا کی ۔ ومعکم و لن یترکم اعمالکم ۔ وہ جو اس منزل کی طرف نہ جاتے تو ہر قدم تمہارا جو تھا ہر عمل تمہارا رائیگاں جاتا

اب جو اس کی طرف تم جا رہے ہو جو راستہ اس نے تجویز کیا ہے تمہارے اعمال کے نتیجے میں ذرا بھی کمی نہیں ہوگی تقابل دونوں کا چلا جا رہا ہے جہاں بھی آپ دیکھیں گے کہا یہ کیوں ہے یہ جو کچھ ہم اتنا کچھ کہہ رہے ہیں یہ آپ کو یاد ہے قرآن جہاں کوئی دعویٰ کرتا ہے دلیل دیتا ہے ثبوت دیتا ہے بات سمجھاتا ہے کہا ایک یہ گروہ ہیں ان کے نزدیک زندگی نام ہے یہی طبعی زندگی فزیکل لائف کھانا پینا افزائشِ نسل کرنا اس کے بعد مر جانا اس سے بلند مقصد کوئی نہیں ہے یہ ہے زندگی، کہا اس کی حقیقت کیا ہے اس ساری زندگی کی کچھ کھیل ہے کچھ تماشا ہے تھوڑے سے وقت کے لئے اس میں لذت مل جاتی ہے ہدایت مل جاتی ہے کوئی بلند مقصد زندگی کا نہیں ہے یہ ،قرآن نے کہا ہے کہ یہ زندگی جو ہے یہ تو حیوانات کی سطح کی زندگی ہے وہ بھی کھاتے ہیں پیتے ہیں افزائشِ نسل کرتے ہیں اور مرجاتے ہیں تو یہ تو انسانیت کی سطح کی زندگی نہیں ہے انسانیت کی سطح کی زندگی تو ادھر آتی ہے کہ یہ ساری چیزیں دنیاوی اسباب و سامان بھی نہایت ضروری ہے لیکن یہ ایک بلند مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور وہ بلند مقصد جو ہے وہ ہے دنیا میں خدا کا قائم کیا ہوا نظام اس کو نافذ کرنا یہاں انسانیت کو اس راستے پہ چلانا جو خدا نے اس کے لئے متعین کیا ہے یہ بلند مقصد ہے اور کہا اس مقصد کے لئے وہ جو سیکولر لائف جس کو آپ نے کہا ہے وہ حیوانوں کی زندگی کفر کی زندگی اس میں ہر آن انسان موت سے ڈرتا ہے کوئی مرنا نہیں چاہتا یہ ننھی سی چیونٹی بھی اگر آئے اور اس کے سامنے آپ تنکا بھی کھڑا کریں تو آپ دیکھتے ہیں اس میں بھی وہ مقابلہ کرتی ہے یا راستہ چھوڑ دیتی ہے یہ جو زندگی پیاری ہے preservation of self یہ لائف یا زندگی کا اپنا اندرونی تقاضا ہے زندگی خود اپنی حفاظت چاہتی ہے یہ بنیادی چیز ہے کہا ٹھیک ہے یہاں تک کی زندگی مؤمن اور کافر دونوں کی جسم کی زندگی تو یہ ہے یہ بھی حفاظت چاہتا ہے اپنی لیکن آگے ایک بات آتی ہے وہ اس کی زندگی تو وہیں ختم ہو جاتی ہے اپنی زندگی کی حفاظت جان کی حفاظت جسم کی حفاظت اور مؤمن یہ ہے کہ جہاں حق اور باطل میں تصادم پیدا ہوتا ہے حق کی کامیابی کے لئے زندگی دینی پڑتی ہے تو وہ اسے حیاتِ جاویداں تسلیم کرتا ہے کہتا ہے معاملہ وہ جہاں تم غالب آجاتے ہو وہ موت سے ڈر کے بھاگتا ہے تم موت کو آگے جا کے بڑھ کے گلے سے لگا لیتے ہو، کہا دیکھا دونوں میں کتنا فرق ہے، قرآن نے تو عزیزانِ من چار لفظوں میں بات بتا دی یہ جو اس کی قابل رشک کامیابیاں تاریخ جن کی مثال پیش نہیں کرتی اس نے کہا دو ہی باتیں ہیں میدانِ جنگ میں جانے والا سپاہی موت اس کے لئے حیاتِ جاویداں کا دروازہ کھول رہی تھی تو نظر آ رہا تھا دوسری بات یہ ہوتی ہے مرنے والے یا سپاہی کے دل میں کہ میں تو مر گیا تو میرے پیچھے جو بال بچے رہ جائیں گے ان کا کون پرسانِ حال ہے کہا یہ تو اس نظام نے بنیادی طور پہ طے کر رکھا کہ مملکت کے ہر فرد کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری جو ہے وہ مملکت کے سر ہے وہ مطمئن ہوتا ہے کہ پیچھے جو کچھ رہ گئے ہیں مجھے ان کی فکر کیا ہے جہاں تک میرا تعلق ہے موت تو میرے لئے ایک نئی زندگی کا دروازہ کھول رہی ہے کہا اس سپاہی کا مقابلہ دنیا میں کوئی شخص بھی کر سکتا ہے جو موت کو ہنس کے آگے لے اور پیچھے جو رہ گئے ہیں ان کے متعلق کوئی فکر نہ ہو اسے ۔ **انما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو** ۔ کہا ان

کے لئے تو زندگی یہی زندگی جو ہے طبعی زندگی فزیکل لائف حیوانی زندگی کھانے پینے کی یہی زندگی مقصود بالذات ہے اور جب اس کا مقابلہ کیا جائے حیاتِ جاویداں کے مقابلے میں تو یہ زندگی تو کھیل تماشے سے زیادہ کچھ حیثیت ہی کچھ نہیں رکھتی چند منٹوں کے لئے ایک entertainment جسے آپ کہتے ہیں بس اتنا سا ہی ہے اس سے زیادہ کچھ مقصد نہیں ہے ۔ و ان تؤمنوا و تتقوا یو کم اجور کم و لا یسئلکم اموالکم ۔ کہا کہ اگر تم پھر وہی ہے اگر تم ایمان لاؤ ۔ یا یھا الذین امنوا ۔ سے بات شروع ہوئی ہے اور کہا چلا جا رہا ہے اگر تم ایمان لاؤ اور پھر یہ ہوا کہ یہ ایک ہی دفعہ ایمان لانے کی بات نہیں یہ تو قدم قدم کے اوپر یہ بات ہے جب اس منزل کی طرف آپ قدم اٹھاتے ہیں تو ہر قدم پہ آپ کے ذہن میں ہوتا ہے کہ وہ ہے میری منزل جس کی طرف میں جا رہا ہوں ۔ و تتقوا ۔ اور نگہداشت رکھو قوانین خداوندی کی وہ جو راستے چلتے ہوئے Miles stones آتے ہیں نا سنگِ میل جو بتاتے ہیں یہ راستہ کدھر جاتا ہے کتنا طے تم نے کر لیا کتنا باقی رہ گیا وہ وہاں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہی سڑک جا رہی ہے سیدھی جدھر تم نے جانا ہے ملتان کی طرف کہا ہم نے راستے میں یہ سنگِ میل لگا دیے ہوئے ہیں چلتے جاؤ تو ان کو پڑھتے بھی جاؤ دیکھتے چلے جاؤ کہیں قدم غلط سمت کی طرف تو نہیں اٹھ گیا یہ ہے وہ ابدی راہنمائی جسے قرآن کہتا ہے جو راستے میں یہ نشاناتِ راہ اس نے لگا دیے ہیں نشاناتِ راہ لگا دیے اور ان کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا یعنی قرآن کی حفاظت کا ذمہ تا کہ مسافر کہیں بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں صحیح راستے پہ جا رہا ہوں؟؟؟ کہ وہ غلط راستے چل رہا ہو غلط راہ پہ چلے گا چار قدم چلے گا تو اس کو نشانِ راہ نظر آ جائے گا وہاں لکھا ہوا ہوگا کہ غلط راستے پہ تمہارا قدم اٹھ گیا ہے اسے کہتے ہیں توبہ وہاں سے وہ کیا کرے گا واپس لوٹے گا یہ واپس لوٹنا جو ہے یہ خود ایک عمل ہے اسے کہتے ہیں توبہ یا اللہ میری توبہ یا اللہ میری توبہ نہیں وہاں سے واپس لوٹنا اس جگہ آنا جہاں سے قدم غلط سمت کیطرف اٹھ گیا تھا تاب ہوا یہ واپس وہاں آ جانا تو وہاں آ کے کھڑا ہو گیا تو پھر پہنچ جائے گا منزل پہ، نہیں، یہاں کیا کرنا ہوگا یہاں سے پھر چلنا ہوگا نا ۔ تاب و اصلح ۔ واپس لوٹا اس چوراہے جہاں سے غلط قدم اٹھا تھا اور پھر وہ صحیح راستے کے اوپر قدم اٹھا کے چلا آگے ۔ تاب و اصلح ۔ سارے قرآن میں یہ دونوں چیزیں ہیں، کیا بات ہے اس توبہ کی، اور اسی لئے کہا کہ جب ایسا وقت باقی نہ رہے جہاں تم پھر چل سکو صحیح راستے پہ تو توبہ کچھ معنی نہیں رکھتی وہ تو صحیح سمت کی طرف جانے کے لئے واپس آنا تھا ۔ یؤتکم اجورکم ۔ تمہاری محنتوں کا ماحصل ملتا جائے گا بڑی چیز ہے محنت کا ضائع نہ ہونا لیکن یہاں تو جو ملتا ہے محنت کا ماحصل ملتا ہے بیٹھے رہنے سے تو نہیں ملتا کچھ ۔ و لا یسئلکم اموالکم ۔ اور یاد رکھو یہ جو نظام خداوندی قائم کیا جا رہا ہے نبی اکرم ﷺ ایک خدا کی حکومت قائم کر رہے ہیں اس کے نظام کے مملکت کے ابتدائی دور میں ضرورت ہوگی اخراجات کی ابھی اس کی آمدنی تو اتنی آئی ہوگی نہیں تو ان سے ہی لینا ہوگا کہا یہ ٹھیک ہے اس وقت ایسا نظر آتا ہے جیسا یہ نظام یہ مملکت تم سے کچھ مانگ رہا ہے تم سے لے رہا ہے یاد رکھو قرآن نے جو کہا ہے نا کہ یہ قرضہ ہے جو ہم تم سے لے رہے ہیں اور قرضِ حسنہ ہے نہایت خوبصورتی سے ادا کر دیا جائے گا

تمہیں یہ جو انسانوں کو ہم قرضہ دیتے ہیں ان سے تو ایک پیسہ بھی جو اس سے زائد لینا ہے جو جتنا دیا ہے اصلِ زر سے زائد کسی شکل میں بھی ہو عزیزانِ من یہ ربٰو ہے یاد رکھئے گا اور اس کے نام آپ جتنے جی چاہیں الگ رکھ لیں وہ تو جو اصلِ زر سے ایک پائی بھی زیادہ لینی ہے کسی انسان سے وہ تو اتنا بڑا جرم ہے اور اپنے متعلق کہا کہ اگر چہ یہ قرض جو ہم لیتے ہیں لیتے ہیں قرضِ حسنہ لیتے ہیں یعنی وہ ذہن میں یہ نہ رکھو ربٰو والی بات لیکن ہم جو واپس دیں گے تو سات سات سو گنا واپس دیں گے تمہیں جناب یہ ربٰو اور سود نہیں ہے یہ تو کہا کہا یہ زیادتی جو مل رہی ہے یہ کسان جو ایک دانہ بوتا ہے اس میں سے سات سو دانے ملتے ہیں نا اس کو اسے تو سود نہیں کہتے نا یہ تو ربٰو نہیں ہے نا کیونکہ وہ محنت کر کے ایک دانے سے سو دانے لیتا ہے تو اس لئے ہم جو تم سے قرضہ لیتے ہیں اس قرضے کو اتنا زیادہ لوٹا کے دیں گے بات صاف ہے کوئی نظام کوئی مملکت جب آپ اسے قائم کرنے لگیں گے تو اس پہ خرچ ہی خرچ ہوگا establish کرنا ہے آپ نے اس کو develope کرنا ہے آپ نے اس کو اس وقت دینا ہوگا ایک ایک پائی لے لے گا وہ تو تم سے لے کیا لے گا تم خود جا کے ایک ایک پائی وہاں اس کو جا کے دے آؤ گے لیکن جب یہ قائم ہو جائے گا تو اس کے بعد پھر اتنا سیلاب کی طرح آتا ہے پھر اس طرف واپس دولت اور؟؟؟؟ جو آتے ہیں سمجھ میں نہیں آتے کریں کیا ان کو جناب اتنا ملتا ہے اس کے بعد تو کہا یہ جو اس نظام کے ابتدائی ایام میں تم لوگوں سے کچھ مانگا جاتا ہے لیا جاتا ہے تم خود بھی آ کے دیتے ہو تو یاد رکھو یہ یہ نہیں ہے جو تمہیں واپس نہیں ملتا اتنا واپس ملے گا تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آئے گی بات، ابتدائی دور تو ایکطرف رہا حضرتِ عمرؓ کے زمانے میں جب 22 لاکھ مربع میل کے اوپر مملکت پھیل گئی تھی تو ایک صوبے کا خراج یا آمدنی انکم ادھر کی وہ لے کے آئے تھے حضرت ابو ہریرہؓ ؟؟؟ وہ شام کے قریب آئے اور انہوں نے آ کے کہا کہ جی میں لے آیا ہوں تو ان سے پوچھا کہ کتنا لے آئے ہو تو انہوں نے یہ عربوں کے ہاں یہ گنتی جو ہے ہزار تک کی ہوتی ہے وہ آگے ہزار کے آگے ان کے ہندسہ ہی نہیں ہوتا دو ہزار دس ہزار بیس ہزار یوں کہنا پڑتا ہے ہمارے ہاں تو یہ ہے نا کہ دس ہزار پھر لاکھ پھر دس لاکھ پھر کروڑ پھر دس کروڑ پھر ارب یوں اس زبان میں؟؟؟ نہیں تھے بہر حال انہوں نے بتایا وہ ہزاروں کے اعتبار سے کہ اتنے ہزار ہزار ہزار یہ سب کچھ، حضرت عمرؓ نے کہا کچھ سفر کر کے آئے ہو تھکے ہوئے نظر آتے ہو اس لئے کچھ ہوش کی بات کرو جاؤ سو صبح آ کے بتانا مجھے کتنا لائے ہو باور نہیں کیا جا رہا تھا کہ اتنا مل رہا ہے اور اس میں ایک پائی بھی ناجائز نہیں تھی کہا اگر یہ اپنے لئے مانگے . ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا و یخرج اضغانکم . ٹھیک ہے اپنی ذات کے لئے اگر تم سے یہ مانگے ٹھیک ہے پھر تم بخل کرو نہ دو یوں سمجھو جیسے یہ بھکاری فقیر ہوتے ہیں نا عجیب لفظ قرآن نے رکھا ہے پیچھے پیچھے پھرنے والے اور کیسے ننگے پاؤں پیچھے پیچھے پھرنے والا کہنے لگے یہ صورت نہیں ہے کہ یہ بھکاریوں کی طرح تمہارے پیچھے پیچھے ننگے پاؤں پھرے گا اور اس طرح سے تم بخل کرو گے دو گے نہیں یہ مانگتا چلا جائے گا وہ جو؟؟؟ کی لڑکیاں ہوتی ہیں دے جا بابا دے جا بابا کرتے ہیں کہنے لگے یہ صورت نہیں ہے اس نظام کی یہ سمجھ لو اپنے لئے کچھ نہیں مانگتا ایک پائی نہیں مانگتا اپنے لئے یہ خود

یہ جو مانگ رہا ہے اس سے تو اتنی بڑی return تمہیں ملے گی تو اس واسطے یہ ذہن میں نہ رکھو اور آگے آئی وہ سورۃ محمد کی آخری آیت ہے عزیزانِ من بڑی اہم، آپ نے دیکھا ہوگا اب تو ہم دوسری مرتبہ بھی قرآنِ کریم کے چھبیسویں پارے پہ آئے ہوئے ہیں تو یہ تو سینکڑوں مرتبہ یہ چیزیں آ گئیں قوموں کی موت اور حیات کے قوانین قرآن نے دئے ہیں قومیں کونسی قومیں وہ کیوں تباہ ہوتی ہیں کونسی ہیں ان کو عروج کیوں ملتا ہے عروج وزوال کہہ لیجئے یا موت وحیات کہہ لیجئے اسی کو استبداد اور استخلاف کی اصطلاح ہے یہ اس طرح سے ہیں استبداد کے معنی ہیں ایک قوم کی جگہ دوسری قوم استخلاف کے معنی ہیں ایک کی جانشیں دوسری قوم، قوموں کی ہلاکت جسے کہا جاتا ہے ایک تو یہ چیز ہے اور وہ شاید کوئی چھوٹا سا قبیلہ کہیں ہو کوئی اتنی بڑی آفت آ جائے کہ وہ سارے کا سارا ہی کہیں غرق ہو جائے تباہ ہو جائے اس کی صرف داستانیں قرآن کہتا ہے باقی رہ جائیں ایسی صورت بھی تاریخ میں آئی لیکن بیشتر صورت جو قوم کی تباہی کی ہوتی ہے استبداد ہوتا ہے دوسری قوم آ جاتی ہے اس کی جگہ وہ اس کو آ کے فتح کرتی ہے اس کو اپنا غلام بنا لیتی ہے اس کو محکوم بنا لیتی ہے وہ قوم ہوتی ہے لیکن قومیت کی سطح پہ نہیں رہتی مغلوب ہو جاتی ہے محکوم ہو جاتی ہے اسے بھی قوم کی تباہی کہتے ہیں یہ ہے استبداد ایک قوم کی جگہ دوسری قوم کا آ جانا پہلی قوم صفحہ ہستی سے مٹ نہیں جاتی دوسری قوم غالب آ جاتی ہے اور ان کو اپنا مغلوب اور محکوم بنا لیتی ہے یہ چیز ہے جو قرآن نے متعدد مقامات پہ کہی ہے کہ تبدیل کر دی جائے گی یہ قوم اور سنئے عزیزانِ من یہ جو جماعتِ مؤمنین کا ذکر ہو رہا ہے ان کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے **. ھٰآنتم ھٰؤلآء تدعون لتنفقوا فی سبیل الله .** کہا کہ اس نظام کے ابتدائی ایام میں تم سے کہا جا رہا ہے کہ یہ جو خدا کی طرف جانے والا راستہ ہے یہ نظام ہے یہ صحیح مملکت ہے اس کے establish کرنے کے لئے تمہیں مالی ایثار کرنا ہوگا **. فمنکم من یبخل .** تم میں کچھ وہ لوگ بھی جو ہیں وہ جو اس میں بخل برتتے ہیں بطیّب خاطر آگے بڑھ کے دل کی کشادہ سے نہیں دیتے بخل برتتے ہیں بخل کے معنی ہوتا ہے اپنی ذات کے لئے کچھ رکھ لینا انفاق کے معنی ہوتا ہے دوسروں کی بہبود کے لئے کھلا رکھ دینا تو ان کی یہ کیفیت ہے کیا بات ہے **. و من یبخل فانما یبخل عن نفسہ .** جو اس مقام پر جو ایک ملی اور قومی اور اجتماعی ضرورت ہے اس میں نہیں دیتا اور بخل کرتا ہے کہا وہ کسی دوسرے کے خلاف بخل نہیں کر رہا وہ اپنی ذات کے خلاف بخل کر رہا ہے قوم کو اگر شکست ہوگئی ایسے موقع کے اوپر؟؟؟؟؟؟؟ یہ بھی اسی میں آ جائے گا جس طرح کوئی سنبھال کے اپنی ذات کے لئے رکھتا ہے ایسے وقت میں اجتماعی اور قومی اور ملی اور یوں قرآن کی رو سے دینی تقاضے کے اوپر اپنی ذات کو ترجیح دیدینا جو ہے اپنے لئے تباہی خریدنا ہے کہا یہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے جو ایسا کرتا ہے اور آگے ہے اپنے آپ سے سمجھ یہ رہا ہے کہ خدا مانگ رہا ہے **. واللہ غنی و انتم الفقرآء .** یہ نہ سمجھو کہ خدا ۔معاذاللہ۔ محتاج ہو گیا ہے تم سے وہ پیسے مانگ رہا ہے وہ تو غنی العالمین ہے محتاج تو تم ہو اس کے یہ سارا کچھ تمہارے لئے وہ کر رہا ہے کہہ رہا ہے جو کچھ اس نے اس میں سے کچھ نہیں لینا اور آگے ہے وہ بات جو ہمارے ساتھ بیتی **. و ان تتولوا .** اگر تم اس سے روگردانی کرو

گے اس نظام سے پھر جاؤ گے ۔ یتسبدل قومًا غیر کم ۔ تمہاری جگہ دوسری قوم آ جائے گی یاد رکھو اور وہ کیسے قوم آئے گی ۔ ثم لا یکونوا امثالکم ۔ پھر وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی عزیزانِ من یہ بات جو میں نے کہی ہے یہ نہیں کہ وہ قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے اس کا فرد باقی کوئی نہیں رہتا وہ تو زندہ رہتی ہے لیکن وہ زندگی اس کی جہنم کی زندگی ہوتی ہے نہ زندہ ہوتی ہے نہ موت اس کو آتی ہے اس قوم کو محکوم ہوجاتی ہے مغلوب ہوجاتی ہے مفتوح ہوجاتی ہے ذلیل ہوجاتی ہے انسانیت کے درجے سے گر جاتی ہے ۔ یستبدل قوماً غیر کم ۔ تمہاری جگہ دوسری قوم آ جائے گی ۔ ثم لا یکونوا امثالکم ۔ پھر وہ تمہارے جیسی قوم نہیں ہوگی استبدادِ قومی کے لئے قرآن نے عزیزانِ من دو جگہ ویسے تو متعدد مقام پہ یہ بات کہی ہے لیکن دو جگہ اس نے ایک تو یہاں کہا ہے کہ جب انفاق کی ضرورت ہو یعنی مالی قربانی کی ضرورت ہو تو اس وقت یہ چیز اگر بخل برتا جائے گا تو وہ یاد رکھئے دوسری قوم آ جائے گی اس کی جگہ لینے کے لئے اور یہ قوم مغلوب اور مفتوح ہوجائے گی دوسرے مقام پہ ہے 9/39 ۔ الا ینصروا یعذبکم عذاباً الیمًا ۔ یہ جہاد کے لئے نکلنے کے لئے میدانِ جنگ میں جانے کے لئے ہے یہ مالی قربانی تھی وہ جانی قربانی آ گئی کہا اگر ایسے وقت میں تم نہ نکلو گے حق کی حمایت کے لئے جان دینے کیلئے تو اس کا نتیجہ بھی ایک الم انگیز عذاب ہوگا محکومیت کا عذاب اس سے زیادہ الم انگیز اور کیا ہوسکتا ہے عزیزانِ من بشرطیکہ انسانیت کا مادہ اندر ہو اور انسان ضمیر کو بھی آزاد سمجھے اور جو پھر اس کا عادی ہوجائے تو وہ سوال ہی نا ہوتا او کیندا اے ہور جوتی مارلے اک پاویں، ۔ عذاب الیمًا ۔ وہ کیا ہے عذابِ الیم ۔ یستبدل قوم غیر کم ۔ تمہاری جگہ دوسری قوم آ جائے گی اور جو کہا کہ وہ قوم یہ بھی بتادیا کہ جو کہا ہے نا کہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی یہ 9/39 میں نے ابھی عرض کیا ہے تمہارے جیسے نہیں ہوگی کیسی وہ ہوگی 5/54 نسخے ہیں تو سامنے رکھئے بڑی اہم آیت ہے ۔ یا یھا الذین اٰمنوا ۔ اب آئی وہ بات ۔ من لی یرتدمنکم عن دینہ ۔ یاد رکھو جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا اس نظام سے پھر جائے گا . فسوف یاتی اللہ بقومٍ ۔ تو اس کی جگہ ایک دوسری قوم آ جائے گی یاد رکھو وہ جو کہا تھا نا پھر وہ تمہاری مثال تمہارے جیسی نہیں ہوگی یہاں بتایا وہ کیسی ہوگی ۔ یحبھم و یحبونہ ۔ یاد رکھو یہ جو حب یا محبت کا لفظ یہ عربی زبان میں آتا ہے تو ہمارے ہاں تو صرف محبت کہتے ہیں نا خدا سے محبت کرو خدا تم سے محبت کرے گا ایک ذہنی چیز ہے یہ عربی زبان کے اندر بیشتر چیزیں concrete ہوتی ہیں یعنی عملاً نظر آ جاتی ہے کہ یہ ہورہا ہے یا نہیں ہورہا محبت تو ایک جذباتی چیز ہے عربی زبان میں انسان کی طرف سے خدا کی محبت کے معنی اس کی اطاعت کرنا ہے اور خدا کی محبت انسانوں کی طرح ان کی حفاظت کرنا ہے قوم وہ ہوگی کہ وہ اس کی اطاعت کرے گی اور وہ ان کی حفاظت کرے گا ۔ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃٍ علی الکٰفرین ۔ کیا بات بتائی اس قوم کی خصوصیت دشمن کے مقابلے میں شمشیرِ برہنہ اپنوں کے ساتھ ریشم کی طرح نرم، کیا کہہ گیا ہے اقبال کہ

مسامِ زندگی میں سیرت شیراز پیدا کر

اور شبستان محبت میں حریر و پرمیاں ہوجا

اور گذر جا بن کے صیدِ گند رو کوہ و بیاباں سے

گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

. محمد الرسول الله والذین معه اشده علی الکفار رحما بینهم . اگلی سورۃ میں یہ آیت آتی ہے عزیزانِ من . اذلةٍ علی المؤمنین اعزةٍ علی الکٰفرین یجاهدون فی سبیل الله . خدا کی طرف جانے والے راستے میں جدوجہد مسلسل جہاد جو جنگ ہے وہ تو جدوجہد کا آخری نکتہ ہے ہر قدم جو آپ کا اٹھ رہا ہے یہ جہد ہے یہ کوشش ہے یہ جہاد ہے اس کی طرف جانے والا جہاد ہے یہ مؤمن کی تو ساری زندگی جہاد کی ہوتی ہے وہ آخری نکتہ ہوتا ہے . یجاهدون فی سبیل الله و لا یخافون لومة لآئم . کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے یہ خصوصیات ہونگی اس کی قوم . ذٰلک فضل الله یوتیه من یشآء . یہ تو خدا کیطرف سے بہت بڑی نعمتِ کبریٰ ہے یہ نہیں کہا کہ اسی قوم کے لئے ہے جس کو جواب مخاطب ہیں جو بھی چاہے گا جب بھی چاہے گا یہ کچھ اس کو مل جائے گا . والله واسع علیم . بڑی کشاد کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے وہ جو کچھ تم کرتے ہو کہتا یہ ہے وہ جو قوم آجائے گی اس کی طرف . یستبدل قومًا غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم . پھر وہ تمہارے جیسی قوم نہیں ہوگی کوئی اور ہوگی ، عزیزانِ من یہ قرآن خدا کی ہدایت کسی خاص قوم کے ساتھ مختص نہیں ہے خدا رب العٰلمین اس کا رسولؐ رحمۃ للعٰلمین اس کا قرآن ذکر للعٰلمین پوری نوعِ انسانی کیلئے قیامت تک کیلئے لہذا یہ سوال ہی نہیں ہے کہ کوئی ایک قوم اگر اس قرآن کے راستے کو چھوڑ دیتی ہے تو قرآن کو شکست ہوجاتی ہے اسے شکست نہیں ہوتی اگر ایک مسافر کسی سٹیشن پہ گاڑی سے اتر جاتا ہے تو گاڑی تو پھر اس کے بعد بھی چلتی ہے یہی اتر گیا وہ گاڑی چلے گی خدا کے نظام کی خدا کے قرآن کی قیامت تک چلنا ہے اس نے یہ نہ کسی خاص قوم سے مختص ہے نہ کسی خاص ملک کے ساتھ محدود ہے انسانوں کی جو جماعت جہاں کہیں ہو جس زمانے میں ہو جب بھی اس نے اس روش کو اس راستے کو اختیار کیا اس منزل کیطرف چل پڑے گا یہ ٹھیک ہے. جی یہی چاہتا ہے اپنی بات کر رہا ہوں ساری عمر میں نے گذار دی پچاس برس مسلسل ہوگئے مجھے قرآن کی آواز بلند کئے ہوئے اور تحریکِ پاکستان میں بھی حصہ لیا تو اس لئے کہ ایک خطہ زمین ایسا مل جائے گا جس میں خدا کی حکمرانی ہوگی یہاں آنے کے بعد بھی سن اڑتالیس سے یہ سلسلہ میرا شروع ہوا ہوا ہے آج تک اسی تگ ودو میں چلا جا رہا ہوں کہ یہ ہوجائے یہ آیتیں میرے سامنے ہیں جب اس نے کہا ہے کہ جو قوم یہ کچھ نہ کرے گی اس کی جگہ دوسری قوم لے لے گی اور ضروری نہیں کہ یہ اسی قوم میں یا اسی ملک کے اندر ہو کہیں اور ہو جائے گا یہ ٹھیک ہے یہ ایمان ہے میرا کہ . لیظهره علی الدین کله . اس نظام نے دنیا کے ہر نظام پر غالب آ کر رہنا ہے یہاں نہ صحیح کہیں اور صحیح لیکن میں نے کہا ہے کہ جی یہی چاہتا ہے کہ یہی وطن یہی ارض پاک یہی پاکستان یہی قوم جس میں ہم ہیں

جس مقصد کے لئے اسے حاصل کیا تھا وہ نظام یہیں قائم ہو جی چاہتا تھا اس لئے اس میں میں لگا رہا کوشش کرتا رہا لیکن اگر یہ یہاں نہیں ہوتا ہے تو یہ اس نظام کی شکست نہیں ہے سورج نکلنے کے بعد اگر کوئی اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو سورج کی روشنی نہیں گم ہو جاتی یہ محروم ہو جاتا ہے اس روشنی سے سورج تو چمک رہا ہے جو بھی آنکھیں کھولے گی قوم وہ اس سے مستفید ہو جائے گی وہ اس سے فائدہ اٹھالے گی اس لئے یہ بات کہ فلاں جگہ مسلمانوں نے ایک اپنے ہاں دعویٰ کیا کوشش تو خیر کیا کی اور یہ دیکھئے صاحب یہ وہ آگے چلا ہی نہیں ہے اور وہ دوسری قومیں پھر طعنہ دیتی ہیں کہ اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے کسی زمانے میں تو اس نے یہ نتائج پیدا کئے تھے اب اس میں وہ بات نہیں رہی وہ ہماری حالت کو دیکھ کے اس کا اندازہ لگاتے ہیں اور ہم میں یہ جرآت نہیں ہے کہ ہم ان سے کہدیں کہ ہم تو پیدائشی طور پہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے اس لئے مسلمان ہیں ہم مؤمن نہیں ہیں ہم میں یہ جرآت نہیں یہ کہنے کی یہ جرآت ہو تو بہت بڑا کام ہے جو ہم کر جائیں کم از کم اسلام تو بدنام نہ ہو اس کے بعد یہ تو ان سے کہیں کہ ہم نے کوئی بات اسلامی نہیں کی تھی اس لئے یہ ہوا لیکن ہماری تو کیفیت یہ ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اسلامی اور وہ ہو جاتا ہے ناکام in-practicable اور دنیا پھر یہ کہتی ہے کہ صاحب اسلام نہیں practicable آج اس دنیا کے اندر رہا یہ دہرا جرم ہے جو ہم سے سرزد ہو رہا ہے یہ بات نہیں عزیزانِ من قرآن نے تو کہا ہے کہ یہ تو ہر نظام پہ اس نے غالب آنا ہے اگر یہ غالب نہیں آرہا تو یہ وہ نظام نہیں ہے جو ہم قائم کر رہے ہیں اور پھر یہ بھی نہیں ہے کہ یہ ایک دفعہ ناکام کسی ایک مقام پہ ناکام رہ گیا تو ہر جگہ ناکام رہے گا اس آیہ جلیلہ کے آخر میں میں سمجھتا ہوں کہ جو میں نے یوں کہا ہے اقبالؒ کے الفاظ میں کہدوں کہ مجھ سے بہتر کہنے والا تھا وہ شخص اس کا دل بھی اسی پہ تڑپتا تھا یہ جاوید نامے میں وہ ایک پورا باب ہے قرآن کے متعلق جو ہے چند اشعار اس کے جو ہیں سن لیجئے

محفلِ ما بے نے و بے ساقی است

کیا بات کہتا ہے ٹھیک ہے ہماری محفل کے اندر نہ شرابِ توحید باقی ہے نہ ساقی باقی ہے اجڑی ہوئی محفل ہے کیا بات ہے لیکن

سازِ قرآں را نواہا باقی است

قرآن کے ساز کے تاروں میں تو ہزاروں نغمے ابھی پوشیدہ ہیں وہ نہیں ختم ہو گیا ہماری محفل ختم ہوئی ہے ہماری شراب ختم ہوئی ہے ہمارے ساقی ختم ہو گئے اس میں تو نواہا باقی ہے

نغمہ ما بے اثر افتد اگر

یہ ستار آپ نے دیکھی ہے نا تاریں جس میں ہوتی ہے جس میں بجاتے ہیں تو وہ نغمہ نکلتا ہے وہ تار کے اندر کہتے ہیں پنہاں ہوتی ہے لیکن وہ مضراب ہوتی ہے جس سے چھیڑتے ہیں تار کو تو جب نغمہ باہر آتا ہے بڑی حسین تشبیہہ یہ نظامِ خداوندی تو زمانے کی تاریخ اور ؟؟؟ کی تاروں کے اندر مضمر ہے ؟؟؟ کی ضرورت ہے مضراب کی ضرورت ہے وہ یوں کرے گا تو یہ نغمہ نکلے گا تو قرآن کے تار میں تو

نغمے اتنے ہیں کہا اگر کوئی ایک وہ جو مضراب والا ہے؟؟؟ والا ہے مضراب والا ہے اگر وہ ٹوٹ گئی ہے مضراب اس کی یا وہ نہیں اس کو استعمال کر رہا تو کوئی بات نہیں

آسماں دارد ہزاراں؟؟؟؟؟

اس کے پاس ہزاروں اس قسم کے مضراب والے موجود ہیں

ذکر حق ازامتاں آمد غنی

خدا ذکر قوموں کا محتاج نہیں ہے

اززمان وازمکاں آمد زمیں

وہ کسی خاص زمانے کا بھی محتاج نہیں کسی خاص وطن کا بھی محتاج نہیں

ذکر حق از ذکر ہر؟؟؟؟؟؟

وہ؟؟؟؟؟ ابدی طور پہ رہنے والا ہے ذاکر کوئی رہے یا نہ رہے کوئی بات نہیں ذکر وہ محفوظ رہتا ہے

احتیاجِ روم وشام؟؟؟؟

وہ اس کا بھی محتاج نہیں ہے کہ روم میں یہ آیا ہے یا شام میں آیا ہے کہیں ہو کرہ ارض کے کسی خطے کے اندر بھی ہو اور آگے بات ہے

حق اگر از پیش ما بر بار؟؟؟؟

پیشِ قوم دیگرِ؟؟؟؟

اگر ہم سے خدا نے اس کو چھین لیا کیونکہ ہم اس پہ عمل نہیں کر رہے تھے تو یہ پھرنا کام نہیں کوئی دوسری قوم ہو گی جس کے سامنے یہ چلا جائے گا کہا کہ

میں نے ازمسلماں دیدہ ام تقلید وزن

ہر زماں جانم بلرزد در بدن

میں نے اس مسلمان میں دو باتیں دیکھیں عجیب چیزیں عزیزانِ من یہ شخص دو لفظوں میں ساری کہانی کہہ جاتا ہے تقلید اور زن مذہب پرست طبقہ جو ہے وہ تقلید میں چلا گیا ہزار برس سے؟؟؟؟ کی جو چیزیں ہیں ان کو آج کہہ رہا ہے کہ یہ اسلام ہے جو چلنے کے قابل نہیں ہے تقلید ہے سیکولر والے جو ہیں دوسرا intellectual طبقہ جو ہمارا ہے کہتا ہے اس کے دل میں شک وشبہ پیدا ہو گیا ہے اسلام کے متعلق دو ہی تو طبقے ہیں وہ تقلید میں آ رہا ہے اس کے ذہن میں شک وشبہ پیدا ہو رہا ہے

ہر زماں جانم بلرزد در بدن

میں تو اس کو دیکھتا ہوں تو ہر وقت کانپتا رہتا ہوں اور آخری شعر ہے

میں ڈرتا ہوں اس دن سے کہ جس دن ہم سے یہ چھین لیا جائے گا اور اپنی یہ آتشِ سوز ناں وہ کسی اور قوم کے اور ہم ایک بجھے ہوئے کوئلے کی طرح رہ جائیں گے۔سورۃ محمد کی آخری آیت بھی آج ہم نے ختم کی آئندہ درس میں ہم سورۃ الفتح 48ویں سورۃ لیں گے اور کونسی سورۃ اہم نہیں لیکن وہ بڑی عظیم سورۃ آتی ہے۔ . **ربنا تقبل من انک انت السمیع العلیم .**

شکریہ